خواتین کے لیے صاف ستھرا تفریحی ادب

ماہنامہ

آنچل

کراچی

MAY 2017

ماہنامہ

حجاب کراچی

اپریل 2017ء کے شمارے کی ایک جھلک

میرے خواب زندہ ہیں — نادیہ فاطمہ رضوی کا سلسلے وار ناول

دل کے دریچے — صدف آصف کا سلسلے وار ناول

شب آرزو تیری چاہ میں — نائلہ طارق کا منفرد سلسلے وار ناول

اس کے علاوہ

نادیہ احمد، ریحانہ آفتاب، سلمیٰ فہیم گل کی خوب صورت تحریریں

قارئین کے ذوق کے عین مطابق مستقل سلسلوں میں پڑھیے

طب نبویؐ، بزم سخن، کچن کارنر، آرائش حسن، عالم میں انتخاب

شوخئ تحریر، حسن خیال، ہومیو کارنر، شوبز کی دنیا، ٹوٹکے

پرچہ نہ ملنے کی صورت میں رجوع کریں/ (021-35620771/2)

بانی مدیرہ زیب النساء
مدیر اعلیٰ مشتاق احمد قریشی
مدیرہ قیصر آرا
نائب مدیرہ سعیدہ نثار
مدیر خصوصی طاہر احمد قریشی
مدیر معاونین جویریہ احمد
روبینہ احمد

جلد	39
شمارہ	01
اپریل	2017

ماہنامہ آنچل کراچی

اشتہارات اور دیگر معلومات
0300-8264242

رُکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رُکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹر
رُکن چیمبر آف کامرس

aanchalpk.com
aanchalnovel.com
www.aanchalpk.com/blog
onlinemagazinepk.com/recipes
f /Naeyufaq Aanchal & Hijab official group
f /women.magazine

سالگرہ نمبر

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر: جمیل حسن، ابن حسن پرنٹنگ پریس

ہاکی اسٹیڈیم کراچی، دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز، عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400

معزز قارئین آپ سے التماس ہے کہ ہم www.urdusoftbooks.com پر آپ حضرات کے لیے مسلسل اچھی کُتب فراہم کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں جس کے لیے وقت اور رقم دونوں صرف ہوتے ہیں جس کی غرض سے ہماری اِس ویب سائٹ کُچھ سپانسر اشتہارات لگائے گئے ہیں جب ویب سائٹ وزٹرز اُن اشتہارات میں سے کسی اشتہار پر کلک کرتے ہیں تو ویب سائٹ کو تھوڑی سی آمدن حاصل ہوتی ہے، یہ آمدن ویب سائٹ کے اخراجات کو برداشت کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے اس لیے آپ حضرات سے گزارش ہے کے اپنے Google Chrome یا Mozilla Firefox کی Adblocker Extension کو Pause کر دیں یا صرف ہماری ویب سائٹ کے لیے Pause کر دیں۔ نیچے نظر آنے والی تصویر میں دکھایا گیا ہے کے Adblocker کے Pause ہونے یا انسٹال نہ ہونے کی صورت میں اشتہارات **Green Box** والی جگہ پر ظاہر ہوں گے۔

AdBlock

Blocked ads: What's this?
1 on this page
181,016 in total

Pause AdBlock
Block an ad on this page
Don't run on this page
Don't run on pages on this domain

Show all requests
Report an ad on this page

Options
Hide this button

Love AdBlock? Consider donating!

URDU SOFT BOOKS

Home NIMRA AHMED NOVELS UMERA AHMED NOVELS HASHIM NADEEM NOVELS

3 in 1 Rs. 699 Pack of 3 SHOP NOW DiscountBox.p

URDU NOVELS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WEEK TRENDING
Khawateen Digest July 2016
Jannat K Pattay Novel
Yaaram Novel by Sumaira Hameed | Complete Novel
Aanchal Digest January 2017

سرورق: ماریہ رضوی ...... آرائش: روز بیوٹی پارلر...... عکاسی: موسیٰ رضا

مستقل سلسلے

خط وکتابت کا پتہ: ”آنچل“ پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 کے از مطبوعات نئے اُفق پبلی کیشنز۔ ای میل info@aanchal.com.pk

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ ”جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ رب العزت اس پر دس نعمتیں نازل فرماتے ہیں۔“
(صحیح مسلم ......621)

سرگوشیاں

مدیرہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

اپریل ۲۰۱۷ء کا آنچل بطور سال گرہ نمبر حاضرِ مطالعہ ہے۔

میں تہہ دل سے اپنی تمام قاری اور لکھاری بہنوں کا شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے اپنی دلی مبارک باد اور ڈھیروں دعاؤں سے نوازا اور خصوصاً اپنی لکھاری بہنوں کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتی ہوں جن کی لگن کوشش اور تعاون سے ہم قدم بقدم بڑھتے ہوئے آج اس مقام تک پہنچ سکے ہیں ان تمام بہنوں کا بھی شکریہ جنہوں نے آنچل کے سال گرہ نمبر کو سجانے سنوارنے میں اپنی خوب صورت اور دل نشین تحریروں کے ذریعے سال گرہ نمبر میں بھرپور تعاون کیا۔ان تمام بہنوں سے معذرت جن کی تحریریں اس سال گرہ نمبر کی زینت نہیں بن سکیں۔ میری اور میری ساتھیوں کی کوشش تو ہمیشہ یہ ہی رہتی ہے کہ تمام خوب صورت تحریریں شائع کردی جائیں لیکن صفحات محدود ہوتے ہیں ان میں رہتے ہوئے ہم زیادہ سے زیادہ افسانے' ناول اور اقساط کو شامل کرسکتے ہیں ان کے علاوہ مستقل سلسلوں کے صفحات ہیں جو انتہائی پسندیدہ ہیں ان میں بھی کمی نہیں کی جاسکتی۔ بہنوں کا اصرار یہ ہی ہے کہ ان میں مزید اضافہ کیا جائے لیکن فی الحال ممکن نہیں۔ میری کوشش تو یہی ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ بہنوں کی تحریریں شاملِ اشاعت کی جائیں اس کے باوجود بھی بہت سی بہنوں کو شکایات رہ جاتی ہیں ان کی شکایت کے ازالے کے لیے ہی ادارے نے اپنے دوسرے ماہنامہ حجاب کا اجرا کیا ہے لیکن بہنوں کی تحریروں کا اس قدر دباؤ ہے کہ تمام موصول ہونے والی قابل اشاعت تحریروں کو شامل کرنا ممکن نہیں ہو پاتا' ہاں اگر بہنیں انتظار کرلیں تو یقیناً ان کی تحریر اپنا نمبر آنے پر ضرور شاملِ اشاعت کردی جاتی ہے لیکن ہماری بہنوں سے انتظار برداشت نہیں ہوتا وہ یہ چاہتی ہیں کہ ادھر ان کی تحریر ملے اور اُدھر فوراً ہی اشاعت پذیر ہوجائے لیکن ایسا اس لیے ممکن نہیں ہوتا کیونکہ ان سے پہلے آنے والی تحریریں جو انتظار کی قطار میں بے صبری سے اپنی باری کا انتظار کررہی ہوتی ہیں ان کو پہلے شاملِ اشاعت کیا جائے گا۔اس بار اتنی تفصیل سے تشریح کی اس لیے ضرورت پیش آرہی ہے کہ کچھ نئی و پرانے لکھنے والی بہنوں نے اپنی شدید ناراضگی کا اظہار کیا ہے ان کے خیال میں ادارہ میں اپنے رشتہ داروں' جاننے والوں یا سفارشی تحریریں ہی شائع کرتے ہیں لیکن ایسا ہرگز نہیں۔ آپ سب پڑھنے اور لکھنے والی بہنیں میری عزیز رشتہ دار ہی تو ہیں ایسا ہرگز نہیں کہ کسی خاص فرد کو فوقیت اس لیے دی جاتی ہے کہ ان سے میرا یا میرے ادارے کے کسی فرد کا کوئی خاص تعلق ہوتا ہے آپ کی تحریر ہی سے ہمارا اور ہمارے قارئین کا رشتہ جڑا ہوتا ہے یہی سچ و حق ہے۔ بے صبری تو اللہ سبحان وتعالیٰ کو بھی پسند نہیں آئیں اب چلتے ہیں اس ماہ کے آنچل کی جانب آنچل کی سال گرہ آپ سب کو مبارک ہو۔

اس ماہ کے ستارے

☆میری رات کا چراغ — طلعت نظامی اپنے مختصر و موثر افسانے کے سنگ ہدایت کی روشنی لیے حاضر ہیں۔
☆بادل' دل اور آنکھیں — یاسمین نشاط اپنے دلفریب انداز میں مکمل ناول کے سنگ جلوہ گر ہیں۔
☆مہک — نیکی اور اچھائی کی مہک دور تک اپنا اثر قائم کرتی ہے' نفاقت جاوید کی منفرد کاوش۔
☆ضرورت — مجبوری اور ضرورت انسان سے بہت کچھ کروالیتی ہے جانیے راحت وفا کے انداز میں۔
☆مسیحا — اپنے دکھ درد میں ہر کوئی کسی مسیحا کا متلاشی نظر آتا ہے ایسا ہی احوال پیش کرتا تمثیلہ زاہد کا خوب صورت افسانہ۔
☆رزم یاراں — محبت و چاہت کی انوکھی داستاں مصباح علی سید کے ہلکے پھلکے دلنشین انداز میں۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو

قیصر آرا

حمد

میں مدت سے اس آس پر جی رہی ہوں
خدا کب بلا لے مجھے اپنے در پہ
کبھی تو سنے گا دعائیں وہ میری
میں مدت سے اس آس پر جی رہی ہوں
مرے سامنے ہو وہ کعبے کی چوکھٹ
وہ رکن یمانی وہ میزابِ رحمت
میں صحن حرم میں کروں جا کے سجدے
میں مدت سے اس آس پر جی رہی ہوں
خدا نے اتارا جسے آسماں سے
کیا نصب جس کو ہے پیغمبروں نے
اسی سنگِ اسود کا لے لوں میں بوسہ
میں مدت سے اس آس پر جی رہی ہوں
وہ شہر حرم وہ مدینے کی گلیاں
وہ عرفات کا دن منیٰ کی وہ راتیں
میسر کبھی ہوں مجھے سارے جلوے
میں مدت سے اس آس پر جی رہی ہوں
نہیں ہے بھروسہ کوئی زندگی کا
اسی کو خبر ہے وہ سب جانتا ہے
بلالے گا وہ مجھ کو مرنے سے پہلے
میں مدت سے اس آس پر جی رہی ہوں

عشرت گودھروی

نعت

یا محمد مصطفیٰ ﷺ میں کہتا رہا نور کے موتیوں کی لڑی بن گئی

آیتوں سے ملاتا رہا آیتیں پھر جو دیکھا تو نعت نبیؐ بن گئی

کون ہے جو طلب گار جنت نہیں یہ بھی تسلیم جنت ہے باغ حسیں

حسنِ جنت کو جب بھی سمیٹا گیا مصطفیٰؐ کے نگر کی گلی بن گئی

جب کیا تذکرہ حسنِ سرکار کا والضحیٰ پڑھ لیا والقمر کہہ دیا

آیتوں کی تلاوت بھی ہوتی رہی نعت بھی بن گئی بات بھی بن گئی

جب بھی آنسو گرے میرے محبوب کی سب کے سب ابرِ رحمت کے چھینٹے بنے

ہوگئی رات جب زلف لہرا گئی جب تبسم کیا چاندنی بن گئی

سب سے صائم زمانے میں کمزور تھا سب سے بے کس تھا بے بس تھا مجبور تھا

میری حالت پہ ان کو رحم آ گیا میری عظمت مری بے بسی بن گئی

جناب صائم چشتی

editor_aa@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

درجواب آں

مدیرہ

صائمہ قریشی...... آکسفورڈ

ڈیئر صائمہ! جیتی رہو آپ کے ماموں کی رحلت کی خبر سن کر بے حد افسوس ہوا۔ بے شک ایک مشفق اور محبت کرنے والی ہستی کا یوں شہر خموشاں میں بس جانا آپ کے خاندان کے لیے ایک بڑا سانحہ ہے جو گزرتے وقت کے ساتھ ہی دھندلا ہوگا' ان تکلیف دہ گھڑیوں میں ہماری دعائیں آپ کے ہمراہ ہیں' اللہ سبحان وتعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ سب کو صبر و استقامت عطا فرمائے' آمین۔ قارئین سے بھی دعائے مغفرت کے ملتمس ہیں۔

نازیہ کنول نازی...... ہارون آباد

ڈیئر نازیہ! سدا سہاگن رہو ایک بار پھر ماں کے عہدے پر فائز ہونے کی ڈھیروں مبارک باد۔ بے شک مصروفیات میں اضافہ ہوگیا ہوگا لیکن شب و روز کے ان مصروف لمحوں میں سے چند پل یونہی ہمارے نام کرتی رہیے گا۔ اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کے بچوں کو صحت و عافیت سے بھرپور زندگی عطا فرمائے اور آپ کا چمن ان کی قلقاریوں سے سدا آباد رہے۔ آمین۔

رضوانہ آفتاب...... کراچی

پیاری رضوانہ! سدا سہاگن رہو یہ بات جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ آپ بھی اپنے ہمسفر کے سنگ زندگی کی نئی راہ پر گامزن ہوچکی ہیں اور پیا دیس سدھار گئی ہیں۔ ان خوشیوں بھرے لمحات میں ہماری بہت سی دعائیں آپ کے لیے مختص ہیں۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو اس نئی زندگی میں بہت سی بہاریں دیکھنا نصیب فرمائے جہاں کبھی کسی خزاں کا گزر نہ ہو آمین۔ اگر چاہیں تو شادی کا احوال ارسال کردیجیے گا تاکہ قارئین بھی ان خوشیوں کے لمحات سے مسرتیں کشید کرسکیں۔

سدرۃ المنتہیٰ جیلانی...... حیدر آباد

پیاری سدرہ! سدا سہاگن رہو یہ بات جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ آپ کی ایک اور کتاب بنام "اک جہاں اور ہے" کتابی صورت میں فروخت کے لیے دستیاب ہے۔ دعا گو ہیں کہ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو ایسی ہزاروں خوشیاں و کامیابی عطا فرماتا رہے آمین۔

سباس گل...... رحیم یار خان

پیاری سباس! سدا شاد رہو یہ بات جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ آپ کی ایک اور کتاب بنام "ماما" کتابی صورت میں شائع ہوگی ہے آپ کو بے حد مبارک باد۔ دعا گو ہیں کہ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو ایسی ہزاروں کامیابی عطا فرماتا رہے آمین۔

منزہ عطا' مدیحہ عطا...... کوٹ ادو

ڈیئر سسٹرز! شاد و آباد رہو چاہتوں اور محبتوں سے بھرپور آپ کا نامہ بمعہ خوب صورت تحائف موصول ہوا آپ کا بنایا ہوا دیدہ زیب کارڈ اور ہر سلسلہ کا الگ سے خوب صورت تاثر بے حد پسند آیا وہیں آپ کے ہاتھ کا تخلیق کردہ شاہکار بھی سب کی توجہ اپنی جانب مبذول کرنے میں کامیاب رہا اور پیارے آنچل کے آفس کی زینت بن گیا۔ آپ کے ان تحائف پر بے حد مشکور ہیں سال گرہ کو اس طرح سے یاد رکھنے اور اپنی دعاؤں اور تحائف سے نوازنا بے حد پسند آیا' خوش رہیں۔

کوثر خالد...... جڑانوالہ

پیاری کوثر! سدا آباد رہو آپ کا خط ابتدا ہی سے اپنی جانب متوجہ کرلیتا ہے اور آغاز میں مناسب شاعری بے حد باعث کشش ہے' قارئین سے بھی آپ کا یہ انداز شیئر کرتے ہیں۔

سلام محبت آداب دوام
مودّت کی کرنیں قیصر کے نام

تو جناب آپ کے سلام الفت کو قبول کیا اور آپ کی چاہتوں' محبتوں' عنایتوں اور الفتوں کے بے حد مقروض ہوگئے ہیں۔ آپ کی ساس آپ کی ہمنوا بن گئیں' بے حد خوشی ہوئی۔ بے شک خلوص دل اور خلوص نیت سے کیے گیے سب کام ایسے ہی قبولیت کی سند حاصل کرلیتے ہیں وہ اللہ سبحان وتعالیٰ کو یاد کرتی ہیں تو اللہ سبحان وتعالیٰ بھی انہیں تنہا نہیں چھوڑتا' تمام بیماریوں سے شفاء بھی عطا فرمائے گا اور باعث ثواب بھی ہوگا کیونکہ ان بیماریوں میں گھر کر بے شک انسان کے بہت سے گناہ جھڑ جاتے ہیں اور وہ اپنے رب کے بھی بہت قریب ہوتا ہے۔ دیورانی کی رحلت کی خبر سن کر بہت افسوس ہوا' اللہ سبحان وتعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے بے شک اللہ سبحان وتعالیٰ کے نیک بندوں کی چہروں پر اتنا ہی اطمینان و سکون ہوتا ہے کہ جیسے انہیں بہت بڑی خوش خبری مل گئی اور یہی نفس مطمئنہ کی علامت بھی ہے۔ حوض کوثر سے بھی جلد حمد و نعت منتخب کرلیں گے' تعارف' نظمی کوشش کریں گے کہ جلد ہاتھ آ جائے اور لگ

بھی جائے۔ ہماری مصروفیات کا بھی وہی عالم ہے کہ شب و روز کہاں گزرتے ہیں کچھ پتا ہی نہیں چلتا بس یہی عالم ہے۔

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی

اقراء وکیل...... نامعلوم

ڈیئر اقراء! سدا مسکراؤ آپ گزشتہ پانچ سال سے آنچل کی قاری ہیں جان کر خوشی ہوئی بہرحال مصروفیات کی بناء پر اگر چند ماہ شرکت نہیں کرسکیں تو کوئی بات نہیں۔ آپ مستقل سلسلوں کے ذریعے ہر ماہ شریک محفل ہوسکتی ہیں۔ امید ہے اب یہ رابطہ استوار رہے گا۔ آپ بی اے کے امتحانات دے رہی ہیں ایسے میں ہماری دعائیں آپ کے ہمراہ ہیں۔ اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ سب بہنوں کو دین و دنیا کے امتحانات میں سرخروئی و کامیابی عطا فرمائے آمین۔

مدیحہ نورین مہک...... گجرات

عزیزی مدیحہ! سدا آباد رہو نانو قدسیہ کی رحلت بے شک ایک بڑا سانحہ و نقصان ہے اور پڑھنے والے ہمیشہ ان کی کمی محسوس کرتے رہیں گے۔ آنچل کی سالگرہ کی آپ کو بھی ڈھیروں مبارک باد۔

ہاجرہ حیدر...... چکوال

ڈیئر ہاجرہ! مسکراتی رہو آپ کا مفصل خط موصول ہوا پڑھ کر آپ کے تمام جذبات و احساسات کا بخوبی اندازہ ہوا۔ آپ کی کہانی جلد یا بدیر لگ ہی جائے گی دیگر کہانیاں پڑھنے کے بعد جلد اپنی رائے سے آگاہ کریں گے اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو بہت سی خوشیاں عطا فرمائے آمین۔

ملالہ اسلم...... خانیوال

عزیزی ملالہ! ہنستی و مسکراتی رہو آپ کے تمام گلے شکوے سر آنکھوں پر اب جواب شکوہ بھی ساعت فرمالیجیے۔ بے شک بہن کی شادی کے بعد آپ گھریلو ذمہ داریوں میں مصروف رہیں اور ان مصروف گھڑیوں میں بھی آنچل کے لیے وقت نکالا اچھا لگا اب اگر اشاعت کی بات پر ناراضگی ہے تو وجہ یہی ہے کہ بعض اوقات ڈاک تاخیر سے موصول ہونے کے سبب آئندہ ماہ کے لیے رکھ لی جاتی ہے اور ایسے دیر سویر میں بھول چوک بھی ہوجاتی ہے بہرحال آپ کے والد کے لیے دعا گو ہیں کہ اللہ سبحان وتعالیٰ انہیں صحت کاملہ عطا فرمائے آمین اور آپ کی نگارشات جلد شائع کرنے کی کوشش کریں گے امید ہے خفگی و گلہ دور ہوجائے گا۔

اقصیٰ...... بھاولنگر

ڈیئر اقصیٰ! سدا آباد رہو پہلی بار بزم آنچل میں شرکت پر خوش آمدید۔ نازیہ کنول نازی اور نگہت عبداللہ کی کہانیاں پسند کرنے کا شکریہ۔ بے شک ان دونوں رائٹرز کی تحریروں میں زندگی کی صداقت پنہاں ہوتی ہے۔ ابھی آپ مختصر افسانے پر طبع آزمائی کریں اگر معیاری ہوا تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی آنچل کی پسندیدگی کا شکریہ آپ دیگر مستقل سلسلوں میں ہر ماہ شرکت کرسکتی ہیں۔

صائمہ مشتاق...... سرگودھا

ڈیئر صائمہ! جیتی رہو آپ نے اپنی کہانی کا جو مرکزی خیال پیش کیا ہے وہ تو بہتر ہے لیکن اب اس موضوع کے ساتھ آپ انصاف کرپائیں گی یا نہیں یہ کہنا قبل از وقت ہوگا آپ دیگر رائٹرز کی تحریروں کا بغور مطالعہ کریں ان کے انداز و اسلوب کو سامنے رکھ کر پھر اپنے موضوع پر قلم اٹھائیں اس کام میں اگرچہ تاخیر تو ہوسکتی ہے لیکن امید ہے کہ آپ کی لکھنے کی صلاحیت بہتر ہوگی۔ اللہ سبحان و تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کی تمام مشکلات کو آسانیوں میں بدل دے آمین۔

ابریزہ گوہر...... تونسہ شریف

ڈیئر ابریزہ! جگ جگ جیو بزم آنچل میں پہلی بار شرکت پر خوش آمدید۔ بے شک آپ کا کہنا بجا ہے کہ آنچل و حجاب کی اشاعت کا اصل مقصد اصلاح اور رہنمائی ہی ہے۔ کہانی کے پیرائے میں ہلکے پھلکے انداز میں چھپی ایسی نصیحت جو قبول کرنے والے پر گراں بھی نہیں گزرتی اور بات سیدھی دل میں اتر جاتی ہے۔ ہم اور ہماری لکھاری بہنیں اسی مقصد کے حصول کے لیے کوشاں ہیں۔ آپ جیسی بہنوں کی یہ سوچ اور تعریفی کلمات ہمارے لیے قابل فخر اور باعث رشک ہیں آنچل کی پسندیدگی پر مشکور ہیں دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

انعم زہرہ...... ملتان

ڈیئر انعم! سدا سہاگن رہو آنچل کی سالگرہ کے حوالے سے آپ نے جو نظم لکھی ہے اگر معیاری ہوئی تو ضرور اپنی جگہ بنالے گی۔ تحریر میں مزید بہتری کی گنجائش ہے اسی لیے فی الحال رد کردی گئی۔ زندگی کے بے شک بہت سے روپ ہیں جو انسان پر مختلف ادوار میں پرت در پرت کھلتے چلے جاتے ہیں اس وقت آپ کے سامنے زندگی کس روپ میں ہے ہم ہرگز نہیں جانتے بہرحال آپ کے لیے اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کی تمام مشکلات دور فرمائے اور آپ کا دامن خوشیوں سے بھر دے آمین۔ ہمارے چند کلمات اگر آپ کے لیے باعث تسلی ہیں تو آپ کا کہنا یہ ایک

جملہ ہمارے لیے باعثِ فخر ہے خوش رہیں۔

حمیرا قریشی...... حیدر آباد، سندھ

پیاری حمیرا! سدا آباد رہو آپ کی پریشانی بجا ہے کہ چاہتے ہوئے بھی قلم نہ اٹھا پانا لیکن بعض اوقات انسان ذہنی طور پر اس قدر الجھاؤ کا شکار رہتا ہے کہ ایسی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے ویسے بھی بہت سے لوگ صرف اس لیے لکھتے ہیں تاکہ اپنے جذبات و احساسات کو لفظوں کا روپ دے کر اپنا کتھارسس کر سکیں۔ معاشرتی ومعاشی تلخیوں کو اپنے انداز واسلوب میں سب کے سامنے لاسکیں بہرحال اس قدر پریشان مت ہوں اگر ابھی طبیعت لکھنے پر مائل نہیں تو بہتر ہے کہ مطالعہ وسیع کرلیں۔ زیادہ سے زیادہ پڑھنے پر راغب ہوں گی تو خودبخود لکھنے کی طرف بھی رجحان مائل ہوگا آپ کی تحریر اس بار آنچل میں تو نہیں لگ سکی کیونکہ سال گرہ نمبر کے حوالے سے خصوصی تحاریر شامل ہیں ہاں البتہ حجاب میں شامل ہوسکتی ہے اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کی تمام مشکلات آسان فرمائے آمین۔

شہر بانو...... اعلم پور، ملتان

ڈیئر شہر بانو! شاد رہو آنچل میں پہلی بار شرکت پر خوش آمدید۔ آپ اتنے سال سے آنچل کی قاری ہیں اور آج طویل عرصے بعد آپ نے اس محفل میں شرکت کی بے حد خوشی ہوئی آپ کو خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں، نگارشات جلد یا بدیر لگ ہی جاتی ہیں، دیر سویر کو نظر انداز کردیا کریں آنچل سے آپ نے بہت کچھ سیکھا اور اسے اپنی زندگی میں بھی اپنایا خوشی کی بات ہے امید ہے اب ہمت کر کے آئندہ بھی شریکِ محفل ہوتی رہیں گی۔

رشک حبیبہ...... کراچی

پیاری رضوانہ! سدا سہاگن رہو یہ بات جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ آپ بھی اپنے ہمسفر کے سنگ زندگی کی نئی راہ پر گامزن ہوچکی ہیں اور پیا دیس سدھار گئی ہیں۔ ان خوشیوں بھرے لمحات میں ہماری بہت سی دعائیں آپ کے لیے مختص ہیں۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو اس نئی زندگی میں بہت سی بہاریں دیکھنا نصیب فرمائے جہاں کبھی کسی خزاں کا گزر نہ ہو آمین۔ اگر چاہیں تو شادی کا احوال ارسال کردیجیے گا تاکہ قارئین بھی ان خوشیوں کے لمحات سے مسرتیں کشید کرسکیں۔

ندا بتول...... ستیانہ بنگلہ

عزیزی ندا! سدا جیتی رہو آپ سے نصف ملاقات بے حد اچھی لگی اور جہاں تک نگارشات کی اشاعت کی بات ہے تو دوست کا پیغام شاملِ اشاعت ہے۔ امید ہے اب آپ کو یقین اور خوشی کے پل میسر آہی جائیں گے۔ دیر سویر تو ضرور ہوجاتی ہے لیکن کوشش یہی ہوتی ہے کہ آپ کو گلہ شکوہ کرنے سے باز رکھا جائے اور ایسا کوئی موقع ہرگز نہ آئے امید ہے اب شرکت کرتی رہیں گی۔

صائمہ سکندر سومرو...... حیدر آباد

ڈیئر صائمہ! سدا سہاگن رہو اپنے شب و روز کے مصروف لمحوں میں سے ہمارے لیے وقت نکالا اور سال گرہ کی مبارک باد پیش کی بے حد مشکور ہیں۔ بے شک چھوٹے بچے کی ذمہ داریوں میں سے وقت نکالنا مشکل لگتا ہے لیکن یہ جستجو، شوق اور لگن بہت کچھ کروالیتے ہیں اپنی بچی کے مستقبل کو لے کر آپ کے ارادے بہت نیک اور مضبوط ہیں دعا ہے کہ اللہ سبحان وتعالیٰ سب کے بچوں کو ہدایت عطا فرمائے اور انہیں قرآن وسنت پر عمل کرنے کی توفیق بخشے آمین۔ آپ کی دوست لاڈو ملک کو نکاح کی ڈھیروں مبارک باد، تجاویز نوٹ کرلی ہیں جلد پورا کرنے کی کوشش کریں گے۔

اقراء مزمل آصفہ دائود...... ظاہر پیر

ڈیئر اقراء! خوش رہو آپ کا خط پڑھ کر تمام شکوے وشکایات کا اندازہ ہوگیا ہے۔ بے شک آپ کا گلہ بجا ہے ہمیں ہر ماہ کثیر تعداد میں ڈاک موصول ہوتی ہے کوشش تو یہی ہوتی ہے کہ آپ سب بہنوں کو شامل کرلیا جائے لیکن مخصوص صفحات اور آپ بہنوں کی کثیر تعداد کی بناء پر سب کو شریک کرنا دشوار رہتا ہے اسی لیے عموماً ایسے شکوے وشکایات پیدا ہوجاتے ہیں ویسے کوشش کریں گے کہ آپ کا گلہ دور ہوجائے اور آپ کی نگارشات جلد شائع ہوجائیں امید ہے خفگی دور ہوجائے گی آپ کی سال گرہ کی نظم شامل کرنے کی کوشش کریں گے۔

اقراء حفیظ...... کھلا بٹ ٹائون شپ ہری پور

ڈیئر اقراء! شاد و آباد رہو آپ کی ارسال کردہ تحریر "جذبہ" پڑھ ڈالی، آپ نے اپنے جذبات و احساسات کا لفظوں کے ذریعے خوب اظہار کیا ہے اور ہیروئن کے شوق کو بھی خوب اچھے طریقے سے ادا کیا ہے۔ کہانی کے اینڈ سے جو اصل بات سامنے آئی ہے بے شک وہی اس کہانی کی اصل تھیم ہے اور اسی کی بدولت ہم اندازِ تحریر کی کمزوری پر کمپرومائز کرتے ہوئے اسے قبولیت کا درجہ دے چکے ہیں۔ ابھی اس میدان میں آپ طفلِ مکتب ہیں لہٰذا بہت سی جگہوں پر اصلاح کی گنجائش ہے فی الحال یہ تحریر کانٹ چھانٹ اور اصلاح کے عمل سے گزرنے کے بعد لگ جائے گی، کامیابی مبارک ہو۔

نیلم شہزادی...... کوٹ مومن

ڈیئر نیلم! خوش آمدید سلطنت آنچل میں اس پیاری سی شہزادی

کی آمد بے حد اچھی لگی۔ ”سنہرا دور“ بے شک آپ نے ایک اچھے موضوع پر ہلکے پھلکے انداز میں قلم اٹھایا ہے جسے پڑھ کر بہت سے لوگ اپنے سنہرے دور میں پہنچ جائیں گے۔ آپ کی یہ تحریر جلد شامل کرنے کی کوشش کریں گے باری آنے کے انتظار میں مت رہیں اپنے لکھنے کے سلسلے کو مزید آگے بڑھائیں جب ہم تک پہنچ جائے گی تو ایک نہ ایک دن شائع بھی ضرور ہو جائے گی۔ کیا خیال ہے آپ کا ”پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ“ ٹھیک کہا ناں؟

اقراء لیاقت...... حافظ آباد

عزیزی اقراء! جگ جگ جیو آپ کی تحریر افلاطون کے جانشین پڑھ ڈالی ہلکے پھلکے موضوع پر لکھی یہ تحریر شگفتگی اور دلچسپی کا سبب بنی۔ آپ نے کچھ مخصوص لوگوں کی نشاندہی کی ہے اگرچہ انداز میں مزید بہتری کی گنجائش ہے لیکن یہ بھی قبول ہے مزید محنت و کوشش جاری رکھیں۔

رابعہ بھٹی...... ستیانہ، فیصل آباد

ڈیئر رابعہ! سدا خوش رہو آپ کی تحریر ”شاندار جوڑی“ پڑھ لی محبت کے موضوع پر لکھی روایتی تحریر اور اس سے بڑھ کر انداز تحریر کی کمزوری نے کہانی کو بے حد متاثر کیا۔ آپ ابھی لکھنے سے زیادہ پڑھنے پر توجہ دیں جب مطالعہ وسیع ہوگا تو بہتر لکھنے میں مدد ملے گی امید ہے اس ناکامی سے مایوسی کی بجائے محنت کرنا سیکھیں گی۔

صبا احمد خان...... ٹوبہ ٹیک سنگھ

ڈیئر صبا! سدا سہاگن رہو آپ کی تین ”تحریریں راز ہے ہر بات میں، گلہ نہیں کسی سے“ اور ”بھروسہ مان اعتماد“ موصول ہوئی۔ پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ میں لکھنے کی صلاحیت موجود ہے جس کی بناء پر ”راز ہے ہر بات میں“ منتخب بھی ٹھہری لیکن باقی دو تحریریں آنچل میں اپنی جگہ بنانے میں ناکام ٹھہریں۔ حساس موضوع کو اپنے قلم کا حصہ ضرور بنائیں لیکن اپنی تحریر میں جو طلاق کی منظر کشی کی وہ ٹھیک نہیں۔ دو نفوس میں رشتہ نہ ہوتے ہوئے ایک چھت کے نیچے رہنا یہ بات قابل قبول نہیں۔ رشتوں کا تقدس قائم رکھتے ہوئے موضوع کا چناؤ کریں۔ دوسری تحریر میں احساس کمتری دکھائی گئی ہے جو کہ خوش آئند بات نہیں تھی۔

ناقابل اشاعت:۔

امید کا ستارہ، محبت اک فریب، مٹی کے بندے، جمہوریت، شجر سے امید بہار رکھ، تیری وفا، پھیری والا، بلاعنوان، رنگیلے لوگ، کیا عجب ہے محبت، چاہتوں کے درمیان، ٹھنڈی چھاؤں، سچی دوستی، آزاد قیدی، آتش عشق، سگریٹ نوشی، یادیں، خواہش کا لباس، حکمرانی، پیار ہوا بھی تو کیسے، گل صنوبر، کردار ہیں ہم، ماہ کمیل، آ جاؤ لوٹ کر تم، میری خاموشی، میرا افسوس، میری توبہ، میرے اللہ، چاہتوں کے بھرم، شاندار جوڑی، بدلے کی آگ، نہ لے ہو تم، ملن چاہتوں کا، تیرے سنگ جینا ہے، صلناں کی ممتا اور میری خطائیں، سفر اور منزل، میرا خواب جو پورا نہ ہو سکا، ممتا کا آنچل، میرے محرم کی صورت میں، محفل، بڑا آدمی، لاوارث، ہالہ نور، کیا کھویا کیا پایا، بُری راہ پر، گلہ نہیں کسی سے، کاغذی ہیرو، قصہ ایک رات کا، جدائی، خدا کی رضا، رنگ زندگی کے، حرف اضافی، محبت وفا اور یقین، عذاب لمحوں کی راحتیں، ادھوری خوشی، تلافی محبت، جنت میں طوفان بتمیز۔

قابل اشاعت:۔

افلاطون کے جانشین، محبت کہیں جسے، فیصلہ، سنہرا دور، جذبہ زندگی کا اصل مقصد کیا ہے، ہیں یہ فیصلے قدرت کے، کنجی، قربانی، میرا عشق بھی تو، من کی بارش، شکریہ آنچل، آہٹ، دسترس، محبتیں تو اور بھی ہیں، بلاعنوان، دسترس، آہٹ۔

مصنفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ ہاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھیں۔

☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔

☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے ناقابلِ اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کردیا ہے۔

☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔

☆ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا خوشخط تحریر کریں۔

☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے ارسال کیجیے۔ 7، فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ۔ کراچی۔

الکوثر

مشتاق احمد قریشی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرض مولف

الحمدللہ اب تک کی تمام قرآنی تالیفات، تفسیر سورۃ اخلاص، تفسیر والعصر، تفسیر معاذ اللہ، تفسیر الکافرون، تفسیر سورۃ الفاتحہ، تشریح کلمہ طیبہ، تفسیر معوذتین کو جس طرح قارئین، اہلِ علم اور علمائے کرام نے پسند فرمایا اس سے مجھے بڑا حوصلہ ملا اس پر میں ان تمام قارئین کا جنہوں نے اپنے خیالات ومحسوسات سے اچھے لفظوں سے مجھے یاد کیا شکر گزار ہوں۔ اس سے اندازہ ہوا کہ موجودہ نسل کے نوجوانوں میں دن بدن دین سے رغبت وشوق بڑھتا جارہا ہے۔ گو کہ آج کے مادّی دور میں ہر سو شیطان پر پھیلائے گھوم رہا ہے۔ عیش وعشرت، لہولعب کے نت نئے طور طریقے عام ہیں، دنیا سمٹ کر ٹیلی وژن اسکرین پر آگئی ہے، جو رات و دن چوبیس گھنٹوں میں شیطان کے کارندے کا کردار ادا کررہا ہے۔ ایسی تیرہ تاریکی میں اگر کچھ لوگ دین کی طرف رغبت ودلچسپی کا اظہار کرتے ہیں تو ایسا ہی ہے جیسے کیچڑ میں کنول کا کھلنا۔ اللہ کا بڑا عجیب قانون ہے کہ وہی مقتدر وحکمران ہے، جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش فرعون کے گھر کرائی، ایسے ہی آج ہم محسوس کررہے ہیں کہ نوجوانوں میں دین سے رغبت بڑھتی جارہی ہے۔ کہتے ہیں کہ ہر بلندی کے بعد پستی کا آنا لازمی امر ہے۔ ہوسکتا ہے کہ شیطانی عمل اپنی انتہا کو پہنچ رہا ہو اور اب مخلوق خدا نے اپنے رب کی طرف واپسی کا سفر شروع کردیا ہو۔

جیسا خود اس سورۃ مبارکہ الکوثر کا متن گواہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب رنج وغم کا احساس ہوا تو رب کائنات نے ان کی دل جوئی، حوصلہ افزائی کے لیے الکوثر عطا کیے جانے کی بشارت سے سرفراز فرمایا، حالانکہ یہ حقیقت روز روشن کی طرح اٹل ہے کہ اللہ کا نبی نہ ہی کبھی مایوس ہوتا ہے نہ ہی ناامید۔ لیکن اسلام کے مخالفین کے کہنے اور کرنے سے دوسرے لوگوں کو یہ محسوس نہ ہو کہ نبی مایوسی کا شکار ہورہا ہے۔ اس سے اُن کے امتیوں میں بددلی ومایوسی پھیلنے کا خدشہ پیدا ہوتا اور شیطان انہیں ورغلاتا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے کہ شیطان اپنا حربہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر آزمائے، انہیں بہکانے کی کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ عظیم بشارت سنادی جو رہتی دنیا تک ہر مسلمان کے لیے بھی ویسی ہی عظیم خوش خبری کی حیثیت رکھتی ہے جیسی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھی۔ قرآن حکیم کا ایک ایک لفظ بے شک نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔ جو رہتی دنیا تک اُمت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اسے لوگوں تک پہنچانے والے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس جس طرح، جس جس امتحان ومشکلات سے گزرے وہ اپنی ذاتِ مبارک کے لیے نہیں بلکہ اپنی اُمت کے لیے ایک عملی نمونے کے طور پر ان تمام عملوں سے گزارے گئے تاکہ آنے والی نسلیں کسی غلط فہمی کا شکار ہوکر شیطان کے بہکائے میں آکر بھٹک نہ جائیں۔ مسلم اُمت پر اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی خاص کرم واحسان ہے کہ اس نے ہمارے لیے قدم بہ قدم رہنمائی، رہبری کا مکمل اہتمام وانتظام فرمادیا۔ چونکہ یہ دین اسلام وہی دین ہے جو اللہ کا پسندیدہ دین ہے جس کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی اور تکمیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی جو رہتی دنیا تک کے لیے ہے۔ اسی لیے اس میں ہر ہر عمل ہر ہر حرکت کے بارے میں احکام الٰہی موجود ہیں۔ بس ہمیں کلامِ الٰہی سے رجوع ہی کرنا ہے۔ سورۃ الکوثر بھی اہلِ ایمان کے لیے ایک شمع فروزاں ہے۔ روزِ قیامت جب ہر

طرف ایک شور برپا ہوگا۔ نفسا نفسی کا عالم ہوگا' ہر کوئی حواس سے بے گانہ پاگلوں کی طرح پریشان پھرتا ہوگا۔ بس وہی موقع ہوگا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے صالح افراد بڑے سکھ' چین' آرام سے حوضِ کوثر سے فیض پارہے ہوں گے' جس کو حوضِ کوثر سے آبِ کوثر پینا نصیب ہوجائے گا اسے نہ تو کبھی پیاس لگے گی اور نہ اس پر کوئی گھبراہٹ اور پریشانی طاری ہوگی اور سب سے اہم بات یہ کہ جسے آبِ کوثر نصیب ہوجائے گا وہ بخششِ الٰہی کا حقدار بھی ہوگا۔ یہ اللہ کا بہت بڑا انعام ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت پر کہ اللہ نے ان کی تسلی کا روزِ آخرت بھی بندوبست فرمادیا۔ اللہ ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی توفیق نصیب فرمائے اور صراطِ مستقیم پر چلنے کی سعادت عطا فرمائے' تاکہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے اور حوضِ کوثر سے سیراب ہونے کے حق دار بن سکیں' آمین۔

مولف:۔ مشتاق احمد قریشی

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

سورۃ الکوثر مکی سورۃ ہے' اس کا نمبر شمار قرآن کی ترتیب میں ۱۰۸ ہے لیکن بحساب نزول اس کا شمار ۱۲ واں ہے۔ اس سے قبل صرف گیارہ سورتیں نازل ہوئی تھیں اور قرآن حکیم کی باقی ۱۰۲ سورتیں اس سورہ کے بعد نازل ہوئیں۔ اس سورہ مبارکہ میں ۳ آیات اور دس کلمات ہیں جب کہ ۴۲ حروف اس میں استعمال ہوئے ہیں۔ اس لیے یہ سورہ مبارکہ کلمات اور حروف کے اعتبار سے تمام دیگر سورتوں سے مختصر اور چھوٹی ہے مگر اپنے معنی وتشریح کے اعتبار سے بہت بڑی اور اہم ہے۔

لفظ کوثر صرف اسی آیت مبارکہ میں استعمال ہوا ہے' اس کے لغوی معنی' بہت زیادہ چیز' تہ بہ تہ جما ہوا غبار' اسلام' نبوت' خیر واحسان' بہت زیادہ سخی آدمی' سردار' بہشت کی نہر۔

کوثر "کثرت" سے ماخوذ ہے۔ ثلاثی مزید ملحق بہ رباعی مجرد بمعنی خیر کثیر آیت کریمہ میں کوثر کی تفسیر محققین نے یہی کی ہے اور خیر کثیر میں وہ تمام نعمتیں شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر دنیا میں مبذول فرمائی گئیں یا آخرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی جائیں گئیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا گیا پیغمبری علم وعمل دنیا وآخرت کی مجد وعزت اور تمام انبیاء کرام علیہ السلام پر بزرگی وشرف بھی خیر کثیر میں داخل ہے۔ ایسے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا ہوا قرآن حکیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیش کیا ہوا دستور حیاتِ انسانی بھی خیر کثیر میں شامل ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں کوثر سے مراد محض کثرت نہیں ہے بلکہ خیر' بھلائی اور نعمتوں کی کثرت بھی ہے۔ ایسی کثرت جو افراط وفراوانی کی حد تک پہنچی ہوئی ہو۔ بے شمار بے حد حساب بھلائیاں اور نعمتیں۔

اس سورۃ مبارکہ کے نزول کے سبب کو سمجھنے کے لیے ان واقعات وحالات کا جائزہ لینا ضروری ہے' جس کے سبب اس سورۃ کا نزول ہوا تب ہی یہ بات سمجھ میں آسکے گی کہ ربِ کائنات نے کیوں اپنے محبوب رسول کریم کی دل جوئی کو اہم سمجھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھرپور انداز میں دل جوئی فرمائی۔ ابتداء میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی آٹے میں نمک کی مانند کفارِ مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں پر عرصۂ حیات تنگ کررکھا تھا۔ لیکن مسلمانوں کو جوابی کارروائی کا حکم نہیں تھا جیسا کہ سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے۔

ترجمہ۔ تم بھی معاف کردو اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لائے' (سورۃ البقرہ۔۱۰۹)

اسی دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب جن کا آپ کی تربیت وپرورش میں بڑا ہاتھ رہا انتقال ہوگیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دشمنانِ اسلام کے درمیان آپ کے چچا ابوطالب ایک ڈھال کی حیثیت رکھتے تھے۔ ابوطالب کے انتقال کے بعد کفارِ مکہ اور دشمنانِ اسلام کے ظلم وستم میں شدت وتیزی آگئی۔ ابھی اس عظیم سانحہ سے پوری طرح سنبھل بھی نہ پائے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی اہلیہ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوگیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ صدمہ بڑا ہی شدید تھا گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔

ان تیزی سے بدلتے حالات اور پے درپے غموں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قدر رنجیدہ کردیا تھا۔ ان حالات کو مد

نظر رکھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دینِ حق کی اشاعت و تبلیغ کے لیے طائف کا سفر اختیار کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو طائف کے لوگوں سے ہمدردی اور امداد کا خیال اس لیے بھی آیا کہ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ حضرت آمنہ کے بہت سارے رشتے دار رہتے تھے مگر ان بارسوخ لوگوں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہیں دیا اور انتہائی بے رخی اور سرد مہری کا مظاہرہ کیا۔ بلکہ ان لوگوں نے طائف کے بچوں کو اکسایا اور ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھر مار مار کر شدید زخمی بھی کروایا' یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک سے خون نے بہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتوں تک کو بھر دیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر کے باہر ایک باغ میں پناہ لی' اس باغ کے مالک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمدردی کا سلوک کیا اور شر پسند بچوں کو مار بھگایا۔

اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اجازت چاہی کہ طائف کے لوگ اپنی حد سے تجاوز کر گئے ہیں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیں تو اس بستی کو الٹ کر نیست و نابود کر دیا جائے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ساری انسانیت کے لیے رحمت للعالمین بنا کر بھیجا گیا ہوں' بہت ممکن ہے کہ ان کی آنے والی نسلیں سچائی اور حق کو اپنا لیں اور مسلمان ہو جائیں۔ ان ہی واقعات و حادثات کے باعث اس سال کو "عام الحزن" یعنی غم کا سال کہا جاتا ہے۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس مکہ تشریف لائے تو کفارِ مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ شہر میں داخل نہیں ہونے دیا۔ کئی بار کی کوشش کے بعد کفارِ مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شرط پر داخلے کی اجازت دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں قیام کے دوران تبلیغ و اشاعتِ دین نہیں کریں گے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ شہر کی حدود سے باہر بازاروں میں اور میلوں میں تبلیغ دینِ حق کرنے لگے۔ کفارِ مکہ کے ان انتہائی سخت رویوں کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی صبر و برداشت سے کام لینا پڑ رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی صبر و استقامت اور برداشت سے خوش ہو کر ربِ کائنات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دل جوئی اور انعام کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ سورہ مبارکہ نازل فرمائی تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دل جوئی اور حوصلہ افزائی ہو سکے اور بھی بہت سے انعاماتِ الٰہی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نوازا' جن میں معراج کا واقعہ سب سے اہم ہے' جسے آگے چل کر تفصیل سے بیان کیا جائے گا۔

یہ سورۃ کوثر خالص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک سے متعلق ہے۔ جس طرح سورۃ الضحیٰ اور سورۃ الانشراح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھیں۔ ایسے ہی یہ سورۃ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غبارِ خاطر دور کرنے کے لیے اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف سے پیش گوئی کے طور پر نازل کی گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیر کثیر دیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو دھمکی دی گئی ہے کہ ان کی جڑ کاٹ دی گئی۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہیے کہ اپنے رب کا شکر ادا کریں۔

سورۃِ مبارکہ ابتدائی دورِ نبوت کی عکاس ہے یہ داعی اور دعوتِ اسلام کی جھلک پیش کر رہی ہے۔ اس سورۃ مبارکہ سے یہ اندازہ بھی بہ خوبی ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہر طرف سازشیں ہی سازشیں کی جا رہی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو اذیت دی جا رہی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ حق کا راستہ روکا جا رہا تھا۔ اور ربِ کائنات کس طرح اپنے محبوب اور ان کے مٹھی بھر ساتھیوں پر مہربان تھا یہ اس کی ہی تصویر کشی ہے۔ اس سورہ مبارکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلایا جا رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کی جڑ کاٹ دی جائے گی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا روشن مستقبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہا ہے۔ جس کا وعدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب آپ سے کر رہا ہے۔ دراصل اس سورہ مبارکہ میں ہدایت' خیر اور ایمان کی حقیقت واضح کی گئی ہے کہ ان میں کثرت' برکت' دوام اور پھیلاؤ ہے جب کہ دوسری سمت شرک و کفر ہے۔ جس کی قسمت میں قلت' خسارہ اور جڑ کٹنا یعنی مٹ جانا ہے اور غافل لوگ چاہے اس کے برعکس سوچتے رہیں۔

جیسا کہ روایات میں آتا ہے کہ ابتدا میں قبیلہ قریش کے شریر اوباش افراد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر وقت پیچھا کیا

کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ حق کے خلاف سازشیں کرتے رہتے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طنز و تمسخر سے پیش آتے۔ اس طرح وہ بزعم خود عوام الناس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات اور دعوتِ حق سننے سے روکتے تھے۔ ان اوباش و شریر افراد کے سرخیل عاص ابن وائل' عقبہ ابن ابو معیط' ابولہب' ابوجہل اور کئی ایسے ہی افراد تھے یہی افراد یہ کہتے نہیں تھکتے تھے (نعوذ باللہ) کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم "ابتر" ہیں یعنی ان کی کوئی اولاد نرینہ نہیں ہے۔ ان میں سے بعض کا یہ خیال بھی تھا کہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دو کیونکہ اس کی کوئی اولاد نرینہ نہیں ہے۔ اس لیے جب یہ مرے گا تو اس کی یہ تحریک بھی خود بہ خود اس کے ساتھ ہی ختم ہوجائے گی۔ (نعوذ باللہ)

عرب معاشرے میں چونکہ اولاد نرینہ کی بڑی اہمیت سمجھی جاتی تھی۔ اس لیے اُن کی اس سازش کا لوگوں پر کافی اثر ہو رہا تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہونے والی گھٹیا باتوں کی حوصلہ افزائی بھی خوب کرتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی چونکہ انسان تھے اس لیے اُن کے قلبِ مبارک پر ان منفی باتوں کا بہرحال اثر ہوتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی کدورت اور غبارِ خاطر کو محسوس کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سورہ مبارکہ کو نازل فرمایا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کدورت ورنج کی کیفیت ختم ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرحت وتازگی محسوس کریں اور ایسا ہی ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو دعوتِ حق اور خیرِ کثیر دے کر مبعوث فرمایا گیا تھا اس کی حقیقت لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہوتی گئی اور اسلام پھیلتا چلا گیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ابتر سے ابتر تر ہوتے گئے' یہاں تک کہ ان کی جڑ بالکل کٹ گئی اور ان کا نام ونشان تک مٹ گیا جب کہ اسلام پھیلتا چلا گیا۔

اس سورہ مبارکہ کی تفسیر وتشریح سے قبل ضروری ہے کہ اس کے نزول کا وہ خاص پس منظر اور ان واقعات بھی مدنظر رکھنا چاہیے جو اس سورہ مبارکہ کے نزول کا باعث تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دعوتِ عظیم لے کر آئے تھے۔ ابتداء میں صرف چند ساتھی آپ کے ساتھ تھے۔ جن کی تجارت بھی برباد ہوگئی تھی اور وہ اپنی قوم سے کٹ کے رہ گئے تھے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد نرینہ بھی نہیں رہی تھی جس سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آگے چلتا بظاہر لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی نامرادی وناکامی کی زندگی محسوس ہو رہی تھی۔ ان حالات میں کفارِ مکہ طعنے دیتے تھے کہ ان کا نام کیسے آگے چلے گا' ان کی تو کوئی اولاد نرینہ ہی نہیں رہی تو ان کا نام وکام ان کے ساتھ ہی ختم ہوجائے گا۔ ایسے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے تمہیں کوثر عطا کیا یعنی تمہارے مخالفوں' دشمنوں کے سب اندیشے غلط ہیں۔ ہم (اللہ تعالیٰ) نے تمہیں بے انتہا نعمتیں عطا کی ہیں۔

نبوت کے ابتدائی دور میں جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شدید ترین مشکلات سے گزر رہے تھے اور پوری قوم دشمنی پر تلی ہوئی تھی۔ مخالفت کا طوفان ہر طرف برپا تھا۔ راستے میں مشکلات کے پہاڑ کھڑے تھے اور دور دور تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی کامیابی کے آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ ایسے وقت میں جب تسلی دینے والا بھی کوئی نہیں تھا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی ہمت بندھانے کے لیے متعدد آیات نازل فرمائیں۔ سورہ ضحیٰ میں فرمایا گیا۔

(جاری ہے)

ہمارا آنچل

ملیحہ احمد

کرن ملک

السلام علیکم! آنچل کے تمام قارئین کو میرا پیار بھرا اسلام قبول ہو۔ کیا حال ہیں سب کے امید ہے کہ ٹھیک ہوں گے جی تو جناب عالی! مائی نیم از کرن ملک اینڈ آئی لائک اٹ ویری مچ کیونکہ یہ میرے پیارے سے ابو جان نے جو تجویز کیا ہے۔ 13 اکتوبر 1995ء کو میری اس دنیا میں تشریف آوری نے میرے والدین کا دامن خوشیوں سے بھر دیا۔ میرا تعلق گجرات کے ایک خوب صورت گاؤں خان پور کھوکھر سے ہے ہم ماشاءاللہ چھ بہن بھائی ہیں میں سب سے بڑی ہوں اور مجھ سے چھوٹے میرے پانچ بھائی سعد ملک، علی تیمور، شاویز، عبد الرحمن اینڈ حمزہ ملک جو کہ میرے عزیز از جان ہیں۔ حال ہی میں سیکنڈ ائیر کے ایگزامز دیئے ہیں اور اب رزلٹ کا بے صبری سے انتظار ہے۔ میرے بھائیوں میں سب سے زیادہ سعد سے بنتی ہے ہم لڑتے ہیں لیکن ہم میں پیار بھی بہت ہے۔ رسالے پڑھنے کی ازحد شوقین ہوں ماہنامہ کرن، شعاع اور خواتین پڑھتی ہوں مگر ان سب میں آنچل از دا بیسٹ۔ موسٹ فیورٹ ناول سمیرا آپی کے "یہ چاہتیں یہ شدتیں" اور "ٹوٹا ہوا تارا" ہیں۔ میں نے آٹھویں کلاس سے ڈائجسٹ پڑھنے شروع کیے جس کی وجہ سے ابو جان سے ڈانٹ پڑتی تھی پر ہم بھی اپنے نام کے ایک ڈانٹ سن لی پر ڈائجسٹ پڑھنا نہ چھوڑے۔ پسندیدہ رائٹرز میں ٹاپ آف لسٹ سمیرا شریف طور، اقراء صغیر احمد، نمرہ احمد، نمشا کوثر سردار، ام مریم، نازیہ کنول نازی اینڈ سعدیہ اہل کاشف ہیں۔ ہاں تو جناب میرے بہت سے شوق ہیں سب سے پہلے ہر ماہ آنچل خریدنا اور پھر ایک ہی دن میں ختم کرنا۔ ہاتھوں میں چوڑیاں، مہندی اور انگوٹھی کا لازمی ہونا میرا شوق نہیں بلکہ جنون ہے۔ کپڑوں میں لانگ قمیص، چوڑی دار پاجامہ اور بڑا سا دوپٹہ پسند ہے۔ فیورٹ کلرز پنک، بلیک، براؤن اور اسکائے بلو ہیں۔ کھانے میں بریانی، قورمہ جبکہ میٹھے میں کھیر اور گاجر کا حلوہ پسند ہے پسندیدہ شخصیات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس، قائداعظم محمد علی جناح حضرت مولانا ناصر مدنی صاحب، قاری خالد مجاہد اور میرے محترم استاد قاری سجاد حسین صاحب شامل ہیں۔ فیورٹ کتاب قرآن مجید ہے۔ غصے کی تیز ہوں مگر جتنی جلدی آتا ہے اتنی ہی جلدی اتر بھی جاتا ہے اب آتے ہیں خوبیوں اور خامیوں کی طرف تو جناب میرے اندر خوبیاں ہی خوبیاں ہیں، خامیاں کوئی نہیں (آہم)۔ سب سے پہلے مبین آپی سے خوبیاں پوچھیں تو کہنے لگیں کہ دل کی سچی ہو امبرین سے پوچھا تو کہنے لگی کہ تم اگر خامیوں کا پوچھتی تو بتا بھی دیتی اب جس میں خوبیاں ہو ہی نہ اس کا بتاؤں کیا۔ میرے نزدیک میں سب کے ساتھ مخلص ہوں کسی کا دل نہیں دکھاتی اور سب کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھتی ہوں۔ خامیاں مجھ میں بہت سی ہیں بقول جویریہ جہاں جاتی ہو وہاں کوئی نہ کوئی دوست بنا لیتی ہو (اب بھلا یہ کوئی خامی ہوئی)۔ کبیر بھائی کے نزدیک میں کڑ کڑ بہت کرتی ہوں (تو بھلا اب بندہ ہر وقت منہ کے ساتھ ٹیپ چپکا کر بیٹھا رہے) ارم کے نزدیک اگر تم میں کوئی خوبی نہیں ہے تو خامی بھی نہیں ہے۔ میری مما جان کے نزدیک میں غصے کی تیز ہوں، میری بہت ساری فرینڈز ہیں جن میں مبین آپی، جویریہ، ارم، امبرین، کنزہ، نورین، آمنہ، عیشا اینڈ سمیہ شامل ہیں۔ کزنز میں موسٹ فیورٹ ذیشان بھائی ہیں جو کہ سعودیہ میں ہیں (آئی مس یو بھائی)۔ میری زندگی میں ناقابل فراموش واقعہ غزالہ آپی کی ڈیتھ ہے، جو کہ میری کزن تھیں، قارئین سے گزارش ہے کہ تین دفعہ خلوص دل سے درود شریف پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے غزالہ آپی اور ان کی والدہ کی مغفرت کی دعا کریں، کیا پتا آپ میں سے کسی کی دعا ان کے حق میں بہت جلد قبول ہو جائے۔ اف یار اب اتنے غصے سے تو مت گھورو جا رہی ہوں آخر میں سب کے لیے ایک خوب صورت میسج "اللہ سے جب بھی مانگو بھروسے کے ساتھ کہ یااللہ جب میں نے تجھ سے نہیں مانگا تب بھی تُو نے مجھے دیا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ میں تجھ سے مانگوں اور تو عطا نہ کرے۔" اللہ حافظ۔

عائشہ حسین

عزیزان من! آپ سب پر اور تمام مسلمانان دنیا پر سلامتی ہو، قلعہ دیدار سنگھ میں جی جی آیئے مجھ سے ملیے میں ہوں عائشہ اور میرا پورا نام عائشہ بشارت علی ہے اور میرے دادا مرحوم کا نام محمد حسین تھا۔ مجھے اپنے نام کے ساتھ دادا ابو کا نام بہت اچھا لگتا ہے اللہ کے فضل و کرم سے 9 اگست کو جہان فانی میں تشریف لائی اسٹار میر الیو ہے مگر اسٹارز پر یقین نہیں رکھتی۔ ماشاءاللہ ہم چار بہنیں اور دو بھائی ہیں اور میں یعنی ہم (ارے ہنسنا نہیں ادب سے) سب سے بڑے ہیں۔ مجھے اپنی فیملی خصوصاً اپنے بھائیوں سے بے حد پیار ہے فرسٹ ائیر کی اسٹوڈنٹ ہوں اور عالمہ فاضلہ بھی ہو۔ مطالعہ کرنا بہت ہی اچھا لگتا ہے اور میسجنگ کرنا بھی پسند ہے۔ فیورٹ کلرز بلیک اور گرے ہیں، گرے آنکھیں بہت پسند ہیں اور آنچل سے وابستگی میری کزن، بھائی کے ذریعے ہوئی۔ ام افنان نام ہے ان محترمہ کا میری تمام کزنز کو آنچل بہت پسند ہے۔ مر جاتی ہیں آنچل دیکھ کر میری بہنوں کو بھی آنچل بے حد اٹریکٹ کرتا ہے۔ فیورٹ رائٹرز اقراء صغیر احمد، عمیرہ احمد، نمرہ احمد، عفت سحر اور آمنہ

ریاض ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ اور ابن انشاء کمال لوگ ہیں ان شاء جی جو بھی لکھ گئے نایاب ہے۔ فیورٹ شاعر فراز احمد پروین شاکر اور عائشہ غازی ہیں۔ میرا فیورٹ ناول "جھیل کنارہ کنکر" اور "وہ جو قرض رکھتے تھے جان پر" اور بہت ہیں کیا کیا لکھوں؟ فیورٹ پروفیشن آرمی اور انجینئرنگ ہے۔ فیورٹ نیوز کاسٹر وجیہ ثانی اور عائشہ بخش ہیں۔ فیورٹ ڈریس قمیص شلوار دوپٹہ ہے۔ رشتوں میں خلوص کے رشتے اپیل کرتے ہیں مگر ماں کا رشتہ ناقابل بیان ہے۔ اساتذہ سے پیار ہے فیورٹ ڈش وہ ہے جو کوئی بھی پکا کے پیش کرے (مگر پیار سے)۔ خوبی یہ ہے کہ لڑائی کے بعد اندر کا حبس نکلتے ہی ٹھیک ہو جاتی ہوں اور خامی میں جلد بھلا دیتی ہوں لوگوں کو اگر وہ خود سے مجھے یاد نہ کریں تو میں بھلا دیتی ہوں۔ اوقات میں رکھتی ہوں سب کو مگر ایک بات اور بھی ہے میں آؤٹ اسپوکن بھی ہوں آپ مجھے صاف گو بھی کہہ سکتے ہیں اپنی فیملی کے ہر فرد سے پیار ہے تایا ہوں یا پھوپو کزنز (میل فی میل) بچے بڑے ماموں ممانیاں خالائیں اور سب سے آخر میں نانی اماں سے (سب سے زیادہ بھئی) عشق ہے۔ مجھے اپنے اللہ سے بس اتنی عمر چاہیے کہ اس کے حضور حاضری لگے اور پھر دنیا میں غیر حاضری لگ جائے آمین بالکل میری پھوپو کی طرح (جواب ہم میں نہیں ہیں میری امی جان کے پاس ہیں ناں)۔ فرینڈز بہت ہیں مگر وہی پرابلم بھلا دیتی ہوں مگر میرے خاص دوست میرے پیارے ہینڈسم ماموں عرفان حسین ہیں اور خالہ کی بیٹی ہے کومل۔ میرے ننھے منے ارحم (کزن نیا نویلا) ہے اسے بھی لو ہو گیا ہے۔ وہ ہستی جس کے لیے میں جان بھی دے سکتی ہوں (اگر وہ لینا چاہے) تو میرے ابو جان ہیں انہیں مجھ سے بہت شکایت رہتی ہے (اللہ دور کرے) اور میری امی جان! مجھے ان کی ڈانٹ بہت مزے کی لگتی ہے انہیں تنگ کرنے کا اپنا ہی مزہ ہے۔ میں ایک حد تک نائس گرل ہوں اپنی فرینڈز کو روتے سے ہنسانے والی لکھنے کا شوق ہے دسمبر کا مہینہ آئس کریم کولڈ ڈرنک بہت پسند ہے۔ میرا دل چاہتا ہے میں آئس کریم پارلر چلاؤں تاکہ آئس کریم ؛) بھوک تو مٹے مجھے پاکستان سے خطرناک حد تک عشق ہے اور سیر کرنے کا شوق ہے۔ حجاز (سعودیہ) تو ان شاء اللہ ضرور جاؤں گی اپنوں کے کام آ کے اچھا فیل ہوتا ہے غصہ بہت آتا ہے (سانس کم آتے ہیں غصہ زیادہ)۔ دوست مریم طیبہ اور فرحت اب بھی یاد آتی ہیں کیوں؟ (پتا نہیں) جوتے جمع کرنے کا شوق ہے (پڑتے بھی رہتے ہیں امی سے)۔ میرا بھتیجا ہے عبداللہ ظفر اس کی دل موہ لینے والی حرکتیں پیاری لگتی ہیں اپنی بہن کو اس کے "ننھوں" کا نام لے کر چھیڑنا اور اس کی دھیمی سی مسکراہٹ دیکھنا اچھا لگتا ہے اپنی بہنوں سے بہت لگاؤ کے باوجود بھی کبھی

چونچیں لڑانا مزہ دے جاتا ہے۔ مغرور مت سمجھیں لگتی ہوں مگر ہوں نہیں۔ اب چلنا چاہیے اس تعارف کو پڑھ کر کیسا لگا رائے ضرور دیں پلیز۔ آخر میں میرے تمام فیملی ممبرز جو ہم میں آج نہیں ہیں اور تمام مرحومین جو مسلمان ہیں عالم اسلام سے رخصت ہو چکے ہیں ان کی مغفرت کی دعا کر دیں پلیز اللہ نگہبان۔

سیدہ اسماء نور

السلام علیکم! ڈیئر آنچل اسٹاف اور میری جان سے عزیز تر میری آنچل کی بستاریاں سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اپنا تعارف کیسے کرواؤں؟ یاد آیا آج سے تیئس سال پہلے 4 اپریل 1994ء کو اس دنیا کے جھمیلے میں ایک نہایت حساس نرم و نازک اور ایک بہت درد دل پری نے آنکھ کھولی تو اپنے اردگرد حقیقی اور سچے اور پرخلوص رشتوں کی جھرمٹ میں خود کو گھرے پایا۔ مجھے حروف عام میں اسمی کہا جاتا ہے آپ بھی کہہ سکتے ہیں۔ سرگودھا شہر کے نزدیک ایک گاؤں میں اپنے پیارے سے گھر میں بہت سکون کی زندگی گزار رہی ہوں گاؤں کا نام نہیں بتا سکتی۔ میرے والد محترم عربی ٹیچر ہیں اور امی جان گھریلو خاتون ہماری کاسٹ سید ہے۔ ہم سات بہن بھائی ہیں چار سسٹرز اور تین برادرز۔ بڑی سسٹرز کی شادی ہو چکی ہے اور ایک بہت پیاری سی بیٹی کی ماما ہونے کا اعزاز حاصل کر چکی ہیں پھر میرا نمبر ہے یعنی دوسرا۔ میں فی الحال سنگل ہوں اسٹار برج حمل ہے اور تھوڑا بہت یقین بھی ہے اگر میرے مزاج پسند ناپسند اور خوبیوں خامیوں کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں تو نیچے دیکھیے۔ میرا مزاج ایسا ہے کہ اگر کوئی پتھر مارے تو پھر بھی اس کو پھول ہی پیش کرتی ہوں۔ زندگی میں دو انسانوں نے میرا اعتبار اور مان توڑا ایک وہ جس کو میں نے حد سے زیادہ چاہا اور ایک وہ جس نے مجھے چاہا۔ باقی مجھے کسی سے کوئی گلہ نہیں ہاں اگر کوئی آنچل فرینڈز میرا اعتبار جوڑنا چاہے تو موسٹ ویلکم۔ زندگی میں صرف ایک دوست بنائی خوش اخلاق ہوں سب کے ساتھ بہت جلدی فری ہو جاتی ہوں اور دل کرتا ہے کہ منافق اور دھوکے باز لوگوں کے نقاب الٹ دوں۔ قد میرا پانچ فٹ اور پانچ انچ ہے اس کے اوپر تین فٹ کالے لمبے سیاہ بال ہیں جو میری پتلی کمر پر گھٹا بن کے چھائے رہتے ہیں جیولری میں مجھے موتیا کے پھولوں کا زیور پسند ہے اور رنگوں میں بے بی پنک اور وائٹ میرے فیورٹ ہیں۔ علامہ اقبال اور فیض احمد فیض بہت پسند ہیں میرا دل کرتا ہے میں بھی علامہ اقبال صاحب کی طرح کوئی کتاب لکھوں جس میں آج کی سوئی ہوئی نوجوان نسل کو بیدار کرنے کا پیغام ہو۔ میں نے ماضی میں بہت سی غلطیاں کی ہر کسی پر اعتبار جلدی کر لیتی تھی لیکن اس کا بہت نقصان اٹھانا پڑا اب ہر قدم سوچ کر اٹھاتی ہوں اور اپنا ہر فیصلہ اللہ پر چھوڑ

دیتی ہوں' میرا دل چاہتا ہے کہ میں اللہ جی کے پیارے گھر کی اور روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے جاؤں اور پھر واپس نہ آؤں۔ میں اپنا دل دوسروں کے لیے ہمیشہ صاف رکھتی ہوں' دوسروں کے بارے میں کبھی غلط نہیں سوچا۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور علامہ اقبال میرے پسندیدہ ہیں آپ بھی سوچ رہے ہوں گے کہ یہ اتنی بورنگ لڑکی کون ہے' بس اتنی سی ہے میری کہانی میری زبانی۔ آخر میں ایک اچھی بات کے ساتھ اجازت "غلطی ماننے اور گناہ چھوڑنے میں دیر مت کیجیے اور ہمیشہ اس رشتے کی قدر کریں جنہوں نے آپ کو حد سے زیادہ پیار دیا اور ان کے لیے آنسو مت بہائیں جنہوں نے آپ کو تکلیفیں دیں' شکریہ" اگر مجھ ناچیز کا تعارف پسند آئے تو دوستی کا ہاتھ ضرور بڑھایئے گا کیونکہ مجھے کسی مخلص اور سچی دوست کی بہت ضرورت ہے' والسلام۔

رانی اسلام

تمام قارئین کو میری طرف سے پیار بھرا اسلام' سنایئے کیسے ہیں آپ سب؟ مزے میں ہیں نا تو چلئے مابدولت اب اپنا تعارف کرواتی ہیں میرا نام رانی اسلام ہے۔ پیار سے گھر میں سب مجھے راجا کہتے ہیں آپ تو حیران ہوتے ہوں گے کہ کیسی لڑکی ہے' جس کا نام راجا رکھا ہوا ہے تو جناب اس کے پیچھے بھی ایک کہانی ہے بعد میں سناتی ہوں۔ ایف ایس سی کر چکی ہوں' میرا ایک سال ضائع ہوگیا ہے کچھ پرابلمز تھیں اس لیے میں آج کل فری ہوں' اسکول لائف کو بہت انجوائے کیا' تعلیمی معیار بہت اچھا تھا سو تمام ٹیچرز کے ہر دلعزیز تھے۔ ہر معاملے میں ٹیچر آگے آگے رکھتیں' ایک حد تک سنجیدہ ہوں' کام سے کام رکھتی ہوں۔ اسکول لائف بہت یاد آتی ہے' اب بھی جب اسکول لائف کو یاد کرتی ہوں تو دل میں خوشیوں کا ایک جہان آباد ہوجاتا ہے' دل چاہتا ہے ایک مرتبہ پھر بچی بن جاؤں اور اسکول کے مزے لوٹوں لیکن کالج لائف میں ایسا کچھ بھی نہیں ہوتا' ٹیچر آتی ہیں لیکچر دیتی ہیں اور چلی جاتی ہیں اس لیے اسکول ٹیچر کی محبت اور ان کی میرے لیے اہمیت بہت یاد آتی ہے۔ اب بھی کبھی کبھار اسکول جاؤں تو میرا تعارف ٹیچرز کچھ اس انداز میں کرواتی ہیں یہ ہمارے پچھلے بیچ کی سب سے انٹیلی جنٹ' سپر ب لڑکی اور ان الفاظ پر میرا دل باغ باغ ہوجاتا ہے۔ پتا ہی نہ چلا پندرہ سال کس طرح گزر گئے' چلیں اب اپنی فیملی کے متعلق کچھ بتاؤں' ہم چھ بہنیں اور دو بھائی ہیں جو میرے مما پپا نے بہت منتوں اور مرادوں سے خدا تعالیٰ سے لیے ہیں' جب ہمارا کوئی بھائی نہ تھا تو مما مجھے ہی لڑکوں والے کپڑے پہناتی جو کہ میں میٹرک تک پہنتی رہی ہوں اور میرے پپا نے میرا نام راجا رکھ دیا کیونکہ شکل و صورت سے بالکل لڑکا ہی لگتی ہوں لیکن اب تو مابدولت لڑکیوں والے کپڑے پہنتی ہیں۔ اب کچھ عادات کے بارے میں بات ہوجائے' کسی کو تکلیف نہیں دے سکتی اور نہ ہی بد اخلاقی کا مظاہرہ کرسکتی ہوں۔ وہ لوگ سخت ناپسند ہیں جو کسی کا غصہ کسی پر اتاریں ناراضگی کسی سے ہو اور موڈ آف سب سے کرلیں۔ بہت ملنسار ہوں' کوکنگ کا شوق تھوڑا بہت ہے' چکن رشت' پاستا' ہاٹ چکن رول اور فرائیڈ مٹن چانپ اچھی بنالیتی ہوں۔ بری عادت یہ ہے جو بات دماغ میں گھر کر جائے اس کو پورا کرکے چھوڑتی ہوں۔ سہیلیاں نہیں بناتی۔ موسم برسات اٹریکٹ کرتا ہے' بارش کی دیوانی ہوں جب بارش ہوتی ہے تو تمام کام چھوڑ کر بالکنی میں کھڑی ہوکر بارش کے مزے لوٹتی ہوں۔ بارش کے بعد مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو اور آٹا گوندھتے ہوئے آنے والی مہک اچھی لگتی ہے۔ کبھی غور کیجیے گا' کپڑوں میں کھلے پائنچوں والی شلوار' لانگ شرٹ اور بڑا سا دوپٹا اچھا لگتا ہے' عموماً سادگی پسند ہوں' کسی کی شخصیت میں اس کی بول چال اور اخلاق کو نوٹ کرتی ہوں عموماً اچھے اخلاق والے لوگ متاثر کرتے ہیں۔ شاعری کرلیتی ہوں کوشش کرتی ہوں کہ اسلام کے طور طریقوں کے مطابق زندگی گزاروں۔ رائٹرز میں عمیرہ احمد' سعدیہ عابد' نازیہ کنول نازی اور مریم عزیز اچھا لکھتی ہیں۔ اس دنیا میں مجھے سب سے عزیز صرف مما پاپا ہیں اس کے علاوہ میرے دو چھوٹے بہن بھائی جن سے میں بہت پیار کرتی ہوں اور مزے کی بات بتاؤں میرا بھائی معصوم الحسن کہتا ہے کہ راجو میں تمہیں ہیروں کا ہار دلواؤں گا' بڑا ہوکر میں اپنے مما پپا سے بہت محبت کرتی ہوں۔ مما پپا بہت براڈ مائنڈڈ ہیں یونیورسٹی لیول تک پڑھنے کی بھی اجازت ہے۔ مما کہتی ہیں ڈاکٹر بناؤں گی اور پپا کہتے ہیں پولیس میں بھرتی کرواؤں گا اور یہ خیال اچانک ہی پپا کو پتا نہیں کیسے آیا ویسے میں بہت لکی ہوں کہ مجھے اس قدر کیئرنگ مما پپا ملے' رشتہ داروں میں کوئی بھی خلوص نہیں ہے سب مطلبی ہیں اس لیے زیادہ پیار و توجہ مما پپا سے ملی۔ میٹھے میں گڑ والے چاول' خاص مما کے ہاتھ کے پسند ہیں۔ یا اللہ میرے مما پپا کا سایہ تا قیامت ہمارے سر پر رکھنا' میری زندگی کی ہر خوشی اللہ آپ کو دے دے۔ مجھے معلوم ہے آپ نے بہت دکھ اور پریشانیاں جھیلی ہیں' جو کچھ بھی ہم سب کے لیے کیا' ہمیں پڑھایا' بڑی بہن کو اسٹوڈیو چھوٹی کو پارلر بنا کر دیا اور مجھے پڑھا رہے ہیں' ہم سب کو آپ دونوں پر فخر ہے کیونکہ خاندان میں سے صرف ہم ہیں جو پڑھ رہے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو لمبی زندگی دے آمین۔

چاہت ہو، خوشی ہو، ادا ہو، تیرے لفظوں میں
مہکی ہوئی ایک شام تیری سالگرہ ہو

س: آنچل سی وابستگی کی وجہ کیا ہے اور کس کے ذریعے آپ کا آنچل سے رشتہ جڑا؟
س: کس مصنفہ کی تحریر نے آپ میں لکھنے کے شوق کو ابھارا؟
س: 2016ء کے کس ٹائٹل کو بیسٹ قرار دیں گی؟
س: آنچل کے سلسلے ڈش مقابلہ سے آپ نے کبھی کوئی ڈش تیار کی اور کی تو کیسا تجربہ رہا تعریف یا تنقید؟
س: امور خانہ داری سنبھالتے ہوئے کچن میں آپ کا پہلا دن کیسا رہا اور آپ نے سسرال میں پہلے دن کیا پکایا تھا یا کیا پکانے کا ارادہ ہے؟
س: آنچل کے کسی مستقل سلسلے میں آپ تبدیلی کرنا چاہیں تو کون سا سلسلہ اور تبدیلی کیا ہوگی؟
س: اپنی سالگرہ کے دن آپ کے جذبات واحساسات کیا ہوتے ہیں؟

میری سالگرہ ہے

سعیدہ نثار

یاسمین نشاط...... لاہور

۱) سب سے پہلے تو آنچل کے سب لوگوں کو جو اس کی ترقی اور بہتری کے لیے کوشاں رہتے ہیں ان سب کو مبارک باد ہو اللہ کرے دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرے آمین۔
آنچل سے وابستگی ظاہر ہے بحیثیت لکھاری رہی کہ ہماری تحریریں اس میں شائع ہوں میرا اور آنچل کا ساتھ چند مہینوں پر محیط ہے لیکن یہ واقعی ایک بہترین جریدہ ہے اور اس میں زندگی کے ہر پہلو کے لیے رہنمائی موجود ہے میری ایک بہت عزیز دوست نے مجھے آنچل کا بتلایا تھا۔
۲) بہت بچپن میں نے کہانیاں پڑھنی شروع کیں شاید تب جب سب لڑکیاں گڑیاں کھیلتی ہیں میں اپنی پاکٹ منی بچا بچا کر بچوں کے رسالے خرید اکرتی تھی پھر ڈائجسٹ پڑھنا شروع کیے اور میٹرک کرنے تک میں بانو قدسیہ، اشفاق احمد اور ممتاز مفتی کو پڑھ چکی تھی ڈائجسٹ میں عنیزہ سید، رفعت ناہید سجاد، آسیہ رزاق، رفعت سراج ان سب کی تحریریں بہت متاثر کرتی تھیں ان سے ہی سیکھا۔
۳) بیتانا مشکل ہے۔
۴) اکثر و بیشتر اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میرے ہاتھ میں بہت لذت ہے عام مصالحوں سے تیار سادہ سی ڈش بھی سب کو بہت پسند آتی ہے۔ میرے شوہر نامدار کبھی کھانے میں نقص نہیں نکالتے اچھا بنا ہوگا تو زیادہ کھائیں گے برا ہوگا تو کم کھا کر اٹھ جائیں گے کبھی کچھ نہیں کہیں گے اور مجھے ان کے کھانے سے پتا چلتا ہے کہ کھانا زیادہ مزیدار پکا ہے یا......
۵) میں نے بہت بچپن میں کھانا پکانا شروع کردیا تھا شاید بارہ سال کی عمر میں وجہ امی کی علالت تھی شروع شروع میں تو پوچھ پوچھ کر پکالیا کرتی تھی پھر آہستہ آہستہ خود ہی سب کچھ اچھا بننا شروع ہوگیا اب تو ماشاءاللہ ہر کھانا پرفیکٹ پکتا ہے اور سسرال میں پہلے دن ناشتہ ہی تیار کیا تھا کیونکہ اور کوئی تھا ہی نہیں بلکہ میرے سسرال میں ناشتے کا کونسیپٹ ہی نہیں تھا میری دیورانی جاب کرتی تھی وہ لسی بنا کر رکھ جایا کرتی تھی جسے میرے ساس سسر اور دیور پی لیا کرتے تھے میں نے جب پراپر ناشتہ تیار کیا تو میرے سسر اور دیور بہت خوش ہوئے اور کہا بہت عرصہ بعد گھر کا ناشتہ ملا ہے پھر باقاعدہ تو کھیر ہی پکائی تھی اور میری پکائی کھیر کے چرچے بہت دور تک ہیں سو بڑی تعریف ہوئی تھی۔
۶) نہیں سارے سلسلے اچھے ہیں باقی آپ لوگ کرنا چاہیں تو آپ کی مرضی یقیناً وہ بھی اچھے ہی ہوں گے۔
۷) ہائے جذبات اور احساسات اب تو ہر جذبہ پرسکون ہوگیا ہے۔ غصہ، گلہ، شکایتیں، سب کچھ ختم ہی کرڈالی ہیں وقت کے ساتھ ساتھ بہت کچھ بدل جاتا ہے۔ سالگرہ منانے کا رواج ہمارے سسرال میں بہت زیادہ ہے شادی سے پہلے کالج لائف میں بس دوستوں کے ساتھ ہلکی پھلکی ٹریٹ ہوجاتی تھی لیکن سسرال میں تو باقاعدہ ہر بندے کی سالگرہ سلیبریٹ کی جاتی ہے ہم بھی شروع شروع میں مناتے تھے لیکن پھر منانا چھوڑ دی شوہر صاحب پسند نہیں کرتے لیکن گھر میں جس کی بھی سالگرہ ہو اس دن اس کو اچھے ریسٹورنٹ میں بہترین ڈنر کرواتے ہیں خصوصاً بچوں کو تو جذبات و احساسات کیا ہونے ہیں میں ویسے بھی ان چیزوں کو زیادہ سیریس نہیں لیتی کبھی سوچتی تھی کہ ڈھیر سارے وش کرنے والے لوگ ہوں ڈھیر سارے تحائف اور ہمارے نام کی سرکاری چھٹی (آہم) تو پھر سالگرہ منانے کا لطف بھی ہو لیکن ہزاروں خواہشیں ایسی کہ......

نزہت جبین ضیاء...... کراچی

۱) سب سے پہلے تو آپ سب کی خدمت میں السلام علیکم آنچل اسٹاف، رائٹرز، قارئین، شاعر و شاعرات اور آنچل سے جڑے ایک ایک فرد کو دل کی گہرائیوں اور بے پناہ محبتوں کے ساتھ ماہنامہ آنچل

ڈائجسٹ کی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو آنچل سے وابستگی کی وجہ یہ ہے کہ جب سے ہوش سنبھالا گھر میں آنچل کو دیکھا اس زمانے میں غالباً سلمٰی کنول (مرحومہ) ایڈیٹر ہوا کرتی تھیں بڑی بہنیں نگہت باجی اور عفت (مرحومہ) پڑھا کرتی تھیں تب پڑھنے کا شعور تو نہیں تھا مگر اس ڈائجسٹ سے ایک انسیت اور لگاؤ ضرور ہوگیا تھا سو وقت کے ساتھ ساتھ یہ رشتہ مضبوط ہوتا گیا۔

۲) میں نے بچپن میں بنیا نقوی کو زیادہ پڑھا ان کے لکھنے کا انداز اور بے ساختگی مجھے اچھی لگتی تھی وہ ہلکے پھلکے انداز میں خوب صورت اور مزے مزے کی تحریریں لکھا کرتی تھیں اور میں ان کے افسانوں کو بہت شوق سے پڑھا کرتی لکھنے کے جراثیم تو خون میں شامل تھے کیونکہ دو بڑی بہنیں لکھتی تھیں مگر انداز بنیا نقوی کا اپنایا۔

۳) نومبر ۲۰۱۶ء کا ٹائٹل مجھے بہت اچھا لگا تھا جس میں ماڈل نے آنچل کو اسٹائل سے پکڑا ہوا تھا ایک وہ ماڈل بھی معصوم تھی اوپر سے اس کے سر پہ آنچل تھا اور ایک ہاتھ سے آنچل کو پکڑے وہ اچھی لگ رہی تھی۔

۴) الحمدللہ الحمدللہ میرے پکائے ہوئے کھانوں کی ہمیشہ تعریف ہی ہوئی ہے آنچل ڈش مقابلے کی بھی کافی ساری ریسیپیز میں نے ٹرائی کی ہیں اور ہمیشہ اچھی تیار کی ہیں اور جس نے کھایا پسند ہی کیا ہے کافی لوگ مجھ سے ریسپی لکھوا کر بھی لے جاتے ہیں۔

۵) شادی سے پہلے ہی سنبھال لیا تھا مگر اتنا زیادہ بوجھ نہیں تھا اور بہنیں بھی تھیں اصل امتحان تو شادی کے بعد شروع ہوا تھا الحمدللہ شادی کے ہفتے بعد ہی میں نے تائی امی (ساس) کی فرمائش پر شامی کباب، کشمی دال اور چاول پکائے تھے، بہت جلدی اور بہت اچھے تیار ہوئے تھے سب کو بہت پسند آئے تھے اور مجھے انعام میں سوٹ ملا تھا۔

۶) نہیں، میرے خیال میں سارے سلسلے مناسب ہیں ہاں یہ کہوں گی کہ جیسے ڈش مقابلہ نام ہے تو اس لحاظ سے ہر ماہ کسی ایک ڈش پر انعام آنچل ڈائجسٹ کی صورت میں بھیجوں گی یا کسی خاص موقع پر جیسے عید، بقرعید، برسات کے حوالے سے ڈش مقابلہ کراؤں گی جس میں انعام ہوں۔

۷) میں یہ سوچتی ہوں کہ زندگی کا ایک اور قیمتی سال یونہی ضائع ہوگیا اللہ تعالیٰ مجھے وقت پر وقت دے رہا ہے لیکن میں صحیح معنوں میں وقت کا استعمال نہیں کر پا رہی میں اپنی زندگی سے وہ فائدہ نہیں اٹھا رہی جو مجھے اٹھانا چاہیے اپنے لیے اپنے آرام کے لیے اپنی ضرورتوں کے لیے سب کچھ کرتی ہوں مگر...... بس مجھے حقیقت میں یہ احساس ہوتا ہے کہ زندگی کا ایک اور سال نکل گیا میں کتنی جلدی زندگی سے دور اور موت کے قریب ہوتی جارہی ہوں۔

حرا قریشی...... ملتان

سنا ہے جب سے تیری سالگرہ ہے
سب ہی ساکت حروف دلربا
لبوں پہ آنے لگے ہیں
عنبر' عود' لوبان
سب خوشبوؤں کے رنگ
میری انگلیوں کی پوروں پر
سرسرانے لگے ہیں
میرے دل کے دروازے پر
گلابوں کی پتیاں پڑی ہیں
محبت سے پیش کی گئی تحائف کی
بیتیاں کھڑی ہیں
اے محبوب میرے
اے آنچل پیارے
کیوں نہ خوش ہوں
آج اس موقع پر
کہ جب دل کو بھی
یہ کہتے میں سن رہی ہوں
کہ
یہ وہ ستارہ ہے جو افق سے کہیں پرے
میرے دل کے کنج پر سکونت پذیر ہے
یہ وہ سیپ عمیق ہے جو گہرائیوں کا بڑا دلکش سفیر ہے۔
یہ وہ بادل ہے جاناں جو محبت برساتا کثیر ہے۔
یہ وہ ساز ہے آواز جس کی ہر ساز ندے سے امیر ہے۔
یہ وہ پرندہ ہے خوش گلو "آواز کرو یتی" جس کی زنجیر ہے۔
ارے اب یوں کیوں؟
میری آنکھوں میں جھانکتے ہو
سماعتوں کو کیوں سنتے ہو
گر دیکھنا ہے تو دیکھو
گر سننا ہے سنو
سمندر کی گہرائیوں میں جو کھو جاؤ
فلک کی بلندیوں پر جو سو جاؤ
ہو اس دنیا میں کہیں
آب و تاب جس کی
سب سے جدا سب سے الگ
یہ وہ اک ننھا منا بچہ شریر ہے
سالگرہ جس کی آج وقوع پذیر ہے......

۱) وابستگی؟
غور سے جس شے کو دیکھا تو نظر آیا مجھے

توہراک گل میں رنگ بو نظر آیا مجھے۔

سچ کہوں تو اس جریدے کا آب بڑا میٹھا میٹھا ہے اور فکر و نظر کا پیاسا دل اس کی محبت سے پر لہجے کی چاشنی میں ڈھلنے پر ہمہ وقت مصر رہتا ہے۔ اس جریدے سے وابستگی کسی دیرینہ تعلق پر مبنی نہیں ہے مگر یاد کے شبستانوں میں اس کی رفاقت طویل تر ہے اور آج کل دل و دماغ انہی پرکیف لمحات کے نرغے میں رہتے ہیں۔

ہوا کچھ یوں کہ ایک بار ہاکر غلطی سے آنچل کو دحرا کے سپرد کر گئے ارے یہ کیا؟ کون سا ڈائجسٹ آگیا چلو دیکھتے ہیں اندر سے کیسا ہے؟ حیرت کی سرگوشیاں گرد و نواح سے کسی رازداری کی طرح برآمد ہوئیں قبل اس کے کہ فہرست پر نظر ڈالی جاتی براہ راست وسط سے انگلیوں کی نرم و نازک پوروں نے اسے چھوا تو گویا لبوں پر گل سے کھل گئے آنچل کا وہ صفحہ اس وقت نظروں کے تصرف میں تھا عید سروے کے سوالات جس پر موجود تھے سونے پر سہاگہ سوالات کی عین پیشانی پر میرا ذاتی شعر موجود تھا جس کو خواتین ڈائجسٹ کے سروے میں بھی کسی نے استعمال کیا تھا شعر یہ تھا (بڑی سج دھج سے سنورتی ہے عید دلہن کی طرح لگتی ہے۔) اس شعر کی وساطت سے محبوب من آنچل ڈائجسٹ سے وابستگی ممکن ہوئی۔ ایک ایسی وابستگی جس کی پتلیوں سے لطف و مہربانی کی کئی کرنیں پھوٹتی ہیں اور رگ و ریشے کو اپنے حصار میں لے کر محبت کے کھونٹے سے باندھ دیتی ہیں۔ اس پہر دل محبت کی مقدس آماجگاہ بن جاتا ہے قصہ مختصر اپنے شعر کے توسط محبوب من سے وابستگی ہوئی اور ہاکر کی ایک احسن نادیدہ غلطی کے باعث یہ رشتہ جڑا دعا ہے سدا تا حیات لب پہ قائم رہے آمین۔

ہوئی جب سے وابستگی تجھ سے حرف میرے آہنگ آفریں لس سے۔

اوراق پر تیرے
بصورت روشنی
جگمگانے لگے ہیں
شعاعیں شفق کی
رنگ بھی قوس قزح کے
نور بن کر میری تحریروں کے بطن پر آنے لگے ہیں
مقام ابدیت پر بیدار فکر کے اصداف کو مس کرتے
طرح طرح کی صورتیں پرچھائیاں مرتعش لبوں پر منڈلانے لگے ہیں
ہو جن سے وابستہ محبت کے رشتے
کچھ ایسی تصویریں
کچھ ایسے نقش و نگار بنانے لگے ہیں۔

۲) تحریری شوق کی تو دل کے بیج سے آبیاری ہوئی اور پھر اس کو تناور شجر کا روپ دینے میں محبوب من عزیزی آنچل کلیدی کردار ادا کر رہا ہے یہاں مصنفین میں میرا سب سے پہلا تعارف عمیرہ احمد، فرحت اشتیاق، راحت جبیں اور پھر نمرہ احمد سے ہوا جس سبک روی سے نصب العین کی جانب رخ کیا مزید مقبول نفوس کی جانب رواں دواں ہے۔

۳) خوابیدہ خیالات کے ان دیکھے راز ہیں۔
عنوان تیرے ساز شب کی آواز ہیں۔

آنچل کے سرورق سے لے کر "ہم سے پوچھیے" تک محبوب من آنچل کی بانی مدیرہ سے مدیرہ معاونین کی پرشوق سعی جھلکتی ہے۔ سو آنچل کا ہر سرورق ہی ہمیں محبوب ہے۔ جنوری کے سرورق پر سانولی سلونی حسینہ اپنے پر کشش حسن کے سنگ جلوہ گر تھیں۔ فروری کا سرورق محبت کے سرخ رنگ میں عیاں کرتا صنف نازک کو حسن کے بھی ہتھیاروں سے لیس لگا۔ مارچ کے سرورق کے تو انداز ہی بھی نرالے تھے اپریل کے سرورق پر عروسی حسن کا شاہکار موجود تھا کہ اس پر تو میرا دل بھی جی جان سے آگیا تھا۔ مئی کے سرورق پر موجود دوشیزہ تیز طرار اور غصے کی بجلیاں گراتی محسوس ہوئی۔ جون کا سرورق موسم گرما میں مل جانے والے ٹھنڈے شربت کی طرح تھا۔ جولائی کا بھی ٹھیک لگا اگست کا مسکراتا پیام تھا۔ ستمبر پر گاؤں کے حسن کا سا فطری رنگ عیاں تھا اکتوبر کا کیا بتاؤں کہ کیسی شان سے سورج کی کرنوں کی مانند آنکھوں پر آکر ٹھہر گیا تھا۔ نومبر کے سرورق پر عقاب سی نگاہیں تھیں۔ دسمبر کا سرورق بانفس نفیس باوقار مہذب خوب صورتی کے اعلیٰ نمونے سے مزین تھا۔

باکمال ہے بے حساب ہے۔ ہر سرورق تیرا لاجواب ہے۔

۴) ریسپی پڑھ کر گاجر کا حلوہ تیار کیا تھا جسے حرا کے علاوہ سب نے ہی کھایا تھا۔ چونکہ محنت کے ساتھ درود پاک کی برکت بھی شامل تھی پھر لذت کیونکر نہ ہوتی۔ رگ جاں گڈی نے تعریف کی بچوں نے مزے کیے تنقید کا سامنا نہیں ہوا بس ستم بالائے ستم حرا نے چکھا تک نہیں؛ جس پر گڑیا باجی کو بھی خوب ملال رہا تھا۔

۵) سسرال ہے نہیں سو لطف زیست برقرار ہے۔ بہرکیف گھر میں امور خانہ داری سنبھالتے جب پہلی بار روٹی بنائی تو بھائی نے کہا کہ "گول نہیں ہے۔" جس پر بابا جان کا یہ کہنا حرا بچے کا سیروں خون بڑھا گیا "میری بیٹی روٹی جلی ہوئی بھی پکائے گی تو میں وہ بھی کھاؤں گا۔"

۶) دوست کا پیغام آئے میں اگر پسندیدہ مصنفین کی تحاریر سے چند سطریں بھی قارئین شیئر کریں تو لطف دوبالا ہو جائے یہ بھی ممکن ہے ان سطروں کو پڑھ کر وہ شخص بھی تحریر پڑھنے پر آمادہ ہو جائے جو مصروفیت یا کسی اور امر کے باعث نہ پڑھ سکا ہو۔ پھر کیا خیال ہے۔

۷) احباب من جب یاد رکھتے ہیں تو دل کی دیواروں پر بہت سے ان کہے احساسات بھی رقم ہونے لگتے ہیں اور اس روز کے شفاف آئینے پر اپنا عکس دکھلاتی یادوں کے منظر جب بھی عیاں ہوتے ہیں تو ایک نادیدہ خوشی ہوتی ہے جس کے پیرہن پر محبت اپنے تغیرات دلکشی سے وقوع پذیر کرتی رہتی ہے۔

اس شعر کے ساتھ اجازت

وقت کے بطن سے تیرے ہر خواب کو تعبیر ملے
راہ خضر کا یہ چراغ تا ابد یونہی جلتا رہے آمین۔

قرۃ العین سکندر...... لاہور

۱) آنچل میرا پسندیدہ ڈائجسٹ ہے جو اصلاحی بھی ہے معاشرتی مسائل کی نمائندگی کرتے ہوئے کہانیوں میں ان کا حل بھی پیش کرتا ہے اور وقت کے ساتھ یہ ناتا مضبوط ہوتا گیا حتیٰ کہ میں خود آنچل کا حصہ بن گئی اور یہ بات میرے لیے باعث فخر ہے آنچل سے یہ پیار یونہی سلامت رہے آمین۔

۲) جہاں تک لکھنے کی بات ہے میں نے ہر تحریر سے کچھ نہ کچھ حاصل کیا ہے قطرہ قطرہ اپنے اندر جذب کیا ہے مگر نگہت عبداللہ کا انداز مجھے ہمیشہ سے اس لیے متاثر کرتا رہا کہ ان کی ہر کہانی کا اختتام امید پر ہوتا ہے اور جب میں نے لکھنا شروع بھی نہیں کیا تھا تو مجھے احساس تھا کہ جب کبھی قلم تھاما کچھ سنجیدہ سا ہی لکھوں گی۔ اور پرامید سا

۳) فروری کا شمارہ کا اور دسمبر کا بھی۔

۴) جی نہیں صرف پڑھنے کی حد تک لطف اندوز نہیں ہوتی بلکہ کچھ ریسپی ٹرائی بھی کی ہیں اور کامیابی بھی ملی ہے۔ بچے خوش ہوتے ہیں۔

۵) سسرال میں میٹھی ڈش تیار کی تھی دال کا حلوہ پکایا تھا میری بڑی نند باجی کوثر کی فرمائش پر اور سب نے بہت پسند کیا تھا اس کے علاوہ بھی اب تو سب ہی کچھ پکانا آتا ہے۔

۶) تمام سلسلے پسند ہیں اور ہر سلسلہ قارئین کی پسندیدگی کی سند حاصل کر چکا ہے۔

۷) اپنی سالگرہ کے دن اپنے مجازی خدا کی جانب سے مبارکباد کی منتظر ہوتی ہوں اور میں ان کی ایک مسکان اور مبارکباد پر ہی خوش ہو جاتی ہوں۔ کیونکہ وہی میری کل کائنات ہیں۔

میری طرف سے آنچل کو سالگرہ بہت مبارک ہو۔ اللہ پاک مزید کامیابیوں سے ہمکنار کرے آمین

کوثر ناز...... حیدر آباد

۱) آنچل ہمیشہ سے دل کے بہت قریب رہا ہے۔ پڑھنے کا وقت نہ بھی ملے تو ہم خریدتے ضرور ہیں۔ وجہ ہماری آپی بنی تھیں جو آنچل باقاعدگی سے پڑھتی تھیں۔

۲) جہاں تک لکھنے کی بات ہے تو یہ جراثیم بچپن سے ہم میں موجود ہیں لیکن آنچل پڑھنا شروع کیا تو عشنا آپی بہت پسند تھیں اور کچھ خواب کی بنا پر پھر سمیرا آپی کے علاوہ ام مریم اور بھی کافی ساری ہیں سو انہی سب کو دیکھ کر شوق چرایا کہ ہم بھی کچھ لکھیں۔

۳) ٹائٹل والا سوال مشکل ہے سبھی اپنی اپنی جگہ اچھے تھے لیکن ہمیں زیادہ جنوری اور اکتوبر کا پسند آیا۔

۴) ہاہاہا اس کا ہمارے پاس دلچسپ جواب ہے کہ کبھی ڈش مقابلہ کو دیکھنے کا اتفاق ہی نہیں ہوا (ہی) کھانے پکانے سے تعلق نہ ہونے کے برابر ہے۔

۵) ابھی کچھ دن پہلے پہلی بار بریانی پکائی تھی اف خوشی بھی ہوئی تھی کہ مما کو اچھا لگ رہا تھا ہمیں کچن میں کام کرتے ہوئے دیکھ کر دوسرا الذیذ بھی تھی تو اور بھی اچھا لگا کہ بھئی ہم نے اچھا پکایا ہے آہم آہم سسرال فی الحال نہیں ہے اس کا جواب ہم اگلے ایک دو سال تک دے سکتے ہیں (ہاہاہا)۔

۶) نہیں کوئی تبدیلی نہیں چاہیے۔ آنچل اپنے تمام سلسلوں سمیت پرفیکٹ ہے۔

۷) احساسات تو بہت اچھے ہوتے ہیں۔ میں بہت خوشی ہوتی ہوں کیونکہ بارہ بجے سے ہی وشنگ میسج موصول ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور دوسرے دن تک رات گئے تک سلسلہ چلتا ہے سو اس کا بھی اپنا ہی مزہ ہے۔

آخر میں آنچل کی پوری ٹیم کو سالگرہ کی ڈھیر ساری مبارکباد۔ بہت ترقیاں پاؤ پیارے آنچل۔ آمین ثمہ آمین۔

عرشیہ سہیل...... کراچی

۱) آنچل ڈائجسٹ میں نے ساتویں جماعت سے پڑھنا شروع کیا تھا۔ آنچل کے ساتھ ساتھ میں دیگر ڈائجسٹس بھی پڑھتی تھی لیکن آنچل کے نام نے ہمیشہ سے میری توجہ اپنی طرف مبذول کروائے رکھی۔ اس میں شائع ہونے والی تحریریں ہمیشہ میرے دل میں گھر کر لیتی تھیں۔ مصروفیات کے سبب اب بہت کم پڑھتی ہوں لیکن جب بھی پڑھتی ہوں دل خوش ہو جاتا ہے۔

۲) کسی ایک مصنفہ کا نام لینا زیادتی ہوگی۔ بہت سی مصنفین سے میں نے لکھنا سیکھا۔ کئی سال میں نے صرف مطالعہ کرتے گزارے ہیں۔ اب دو سال قبل لکھنا شروع کیا ہے اور اس کا سہرا آنچل کو جاتا ہے۔

۳) میرے نزدیک تو سبھی ٹائٹل ایک سے بڑھ کر ایک تھے لیکن پھر بھی مجھے جون اور اکتوبر کے ٹائٹل سب سے زیادہ خوب صورت لگے۔

۴) ساری ریسپیز اچھی ہوتی ہیں لیکن میں صرف وہ پکاتی ہوں جس کی امی اجازت دیتی ہیں۔ (ہاہاہا)

۵) امور خانہ داری میں، میں بہت اچھی نہیں ہوں لیکن بہت بری بھی نہیں ہوں۔ روزانہ کھانا پکانے کی ذمہ داری میری ہے۔ ابھی تک شادی نہیں ہوئی ہے اور جب ہوگی تو جو سسرال والے کہیں گے پہلے دن وہی پکاؤں گی۔

۶) میرے نزدیک آنچل میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بہت اچھا اور معیاری ڈائجسٹ ہے۔

۷) اپنی سالگرہ کے دن ہر انسان کی طرح میں بھی بہت خوش ہوتی ہوں۔ بہت اچھا لگتا ہے جب کوئی آپ کے خاص دن کو یاد

رکھے، آپ کو مبارکباد دے اور تحائف دے۔

آنچل ڈائجسٹ اور پوری ٹیم کو میری جانب سے سالگرہ کی ڈھیروں مبارکباد۔

سدرہ مرتضیٰ...... کراچی

۱) آنچل سے تعلق سمیرا شریف طور کی وجہ سے بنا ان کا "ٹوٹا ہوا تارہ" شروع ہوا تھا تو میں نے آنچل ڈائجسٹ لینا شروع کیا کیونکہ سمیرا کا "یہ چاہتیں یہ شدتیں" میں کتابی شکل میں پڑھ چکی تھی اور تب سے ان کی فین تھی اور فیس بک کے ذریعے جب پتا چلا کہ ان کا نیا ناول شروع ہو رہا ہے تو میں آنچل لیے بغیر نہیں رہ سکی اور بعد میں پتا چلا کہ میری اور بھی کچھ پسندیدہ رائٹر بھی یہاں لکھتی ہیں یوں آنچل سے وابستگی ہوئی جو شادی کے بعد بھی برقرار رہی ماشاءاللہ سے۔

۲) مجھے لکھنے کا شوق نہیں ہے صرف پڑھنے کا ہے پڑھ کے اس رائٹر سے کہانی ڈسکس کرلی تبصرہ کرلیا لائن اپڈیٹ کرلی بس اسی کا شوق ہے۔

۳) ٹائٹل دیکھنے کا اب موقع نہیں ملتا کیونکہ ڈائجسٹ بیڈ پر لاتے ہی میری بیٹی ملیحہ آگے پیچھے کے پیجز پھاڑ لیتی ہے اکثر ڈائجسٹ کے تو اس سوال کے لیے معذرت خواہ ہوں۔

۴) بہت ساری ٹرائی کی شادی سے پہلے بھی بعد میں بھی الحمدللہ پہلی ڈش بہاری چکن تھی جو آنچل سے دیکھ کے ٹرائی کی تھی۔

۵) بہت ٹینشن تھی جب پہلی بار کھیر پکا رہی تھی جبکہ سب کچھ میری نندوں نے کیا تھا میں نے صرف چمچہ چلایا تھا میں اپنی بہنوں سے کہنا چاہوں گی کہ سسرال میں ہر ہر موقع پر ٹینشن ہوگی تو آپ لوگ گھبرائیں نہیں بلکہ صرف اللہ سے دعا اور اس کے کلام کے ذریعے مدد مانگیں، اللہ ہر بیٹی ہر بہن کا نصیب بہترین کرے آمین۔

۶) نہیں آنچل میں کوئی تبدیلی نہیں چاہتی، بس دعا ہے کہ آنچل کا معیار دن گزرنے کے ساتھ بڑھے آمین۔

۷) شادی سے پہلے مناتی تھی پر اب نہیں مناتی کیونکہ اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ملتی اللہ ہم سب کو ہدایت کی راہ پر چلنے کی توفیق دے آمین۔

آخر میں آنچل کی ٹیم، آنچل کے رائٹرز اور آنچل کے ریڈرز کے لیے دعائیں اور نیک تمنائیں خوش رہیں۔

فرح بھٹو...... حیدرآباد

۱) آنچل سے وابستگی کی وجہ اس کی معیاری کہانیاں ہیں جو نہایت مہذب اور لطیف پیرائے میں قاری کے دل کو چھو جاتی ہیں اور آنچل سے میں اپنی بہن کے توسط سے متعارف ہوئی۔ میری بہن کو ڈائجسٹس پڑھنے کا بہت شوق تھا سو ایک دن اس کا شوق میرے ساتھ لگ گیا پھر یہ شوق جنون بن گیا۔

۲) کوئی ایک تحریر یا مصنفہ نہیں ہیں جن کو پڑھ کر میں نے لکھنا چاہا ہو۔ جب آپ مسلسل اچھا ادب پڑھتے رہتے ہو اور آپ میں اللہ نے لکھنے کی صلاحیت رکھی ہے تو آپ کے اندر کا لکھاری خود بہ خود انگڑائی لے کر بیدار ہو جاتا ہے۔

۳) دسمبر کا ٹائٹل اچھا لگا۔

۴) میں اکثر ڈشز ٹرائے کرتی ہوں آنچل کے سلسلے ڈش مقابلے سے۔ بہت اچھی بنتی ہیں۔

۵) میں نے سسرال میں بہت دیر بعد کھانا پکایا۔ یہاں باورچی موجود تھا۔ سو اس نے جس دن چھٹی کی تب مجھے موقع ملا اور اس دن میں نے چکن کڑاہی پکائی تھی جو سب کو پسند آئی۔

۶) آنچل کے سب سلسلے مجھے بے حد پسند ہیں اور اپنی جگہ پرفیکٹ ہیں۔ ایک کمی تھی وہ بھی آپ نے پوری کردی کہ لکھاری اپنی قابل اشاعت اور ناقابل اشاعت تحریریں آنچل میں دیکھ لیتے ہیں اور اس طرح طویل انتظار کی زحمت سے بچ جاتے ہیں۔

۷) سالگرہ تو وہی کی جو بچپن میں منائی جاتی تھی۔ تب تو جنم دن کے موقع پر ایسا لگتا تھا کہ آسمان سے کوئی پری اتر آئی ہے۔ اتنی زیادہ اہمیت ملتی تھی اپنوں کی طرف سے۔ اور بہت زیادہ اہتمام کیا جاتا تھا۔ اب بڑے ہو کر بھی، بہت اچھا لگتا ہے۔ سالگرہ والے دن اپنے اور دوست احباب یاد رکھتے ہیں۔ ڈھیر ساری وشز وغیرہ ملتی ہیں پر بچپن کا اپنا مزہ تھا۔

حناء اشرف...... کوٹ ادو

۱) پہلے پہل تو بس آنچل میں شامل تمام سلسلوں کو پڑھتی تھی سوائے تحریروں کے تمام ناولز کے ٹائٹل شوق سے دیکھتی تھی۔ پھر بعد میں پڑھنا شروع کیا تو بس ایسی شروعات ہوئی کہ ختم ہی نہ ہو سکی، اس سے وابستگی کی وجہ یہ کہ ڈائجسٹ بہت پسند ہے میری کزن رضوانہ باجی جو کہ میری دوست بھی ہیں انہی کے ذریعے اور بڑی بہن اقراء کے ذریعے آنچل سے رشتہ جڑا۔

۲) میری کوشش ہوتی کہ ڈائجسٹ میں شامل تمام تحریروں کو توجہ محبت سے پڑھوں اور پڑھتی بھی ہوں آنچل میں بھی تقریباً سب رائٹرز کی تحریریں پڑھ رکھی ہیں۔ ہمیشہ اچھی تحریریں پڑھ کر بہت اچھا لگتا ہے۔ لکھنے کا شوق تو بہت پہلے سے تھا تب ڈائجسٹ بھی نہیں پڑھتی تھی صرف بچوں والی کہانیاں پڑھتی اور ہمیشہ دل میں خواہش جاگتی کاش میں بھی کچھ لکھ سکوں۔ جو بھی اچھا لکھتی ہیں ان سے متاثر ہوں۔

۳) تقریباً سب ہی ٹائٹل اچھے لگے۔

۴) ڈش مقابلہ والے سلسلے کو کبھی کبھار ہی پڑھتی ہوں، سلسلے میں شامل کبھی کوئی ڈش تیار کرنے کی کوشش نہیں کی، ہاں اگر کچھ اسپیشل پکانا ہو تو ترکیب امی جی سے پوچھ لیتی ہوں۔

۵) فی الحال یہ تو یاد نہیں کہ کچن میں جا کر سب سے پہلے کیا پکایا تھا۔ بڑی بہن اقراء اور میں کافی شرارتی ہوتی تھیں تو مل کر آئے روز

کچھ نہ کچھ پکالیتی تھیں وہ اس لائق ہوتا تھا کہ خود پکاتے تھے اور خود ہی کھاتے اور تعریفیں کرتے تھے۔ الحمدللہ ابھی تو والدین کے گھر راج کررہے ہیں۔ آپ نے سوال پوچھا تو جواب بھی دینا ہی پڑے گا سسرال جاکر سب سے پہلے وہ ڈش پکالوں گی جو سب کی فرمائش ہو گی ویسے مجھے تو بریانی زیادہ پسند ہے (آہم آہم)

۶) آنچل کے مستقل سلسلے سب ہی اچھے ہیں اور مجھے پسند ہیں۔ سوان میں کوئی تبدیلی نہ لائی جائے۔

۷) اپنی سالگرہ والے دن کبھی بے پناہ خوش تو کبھی بہت اداس۔ اگر اپنوں کا ساتھ میسر ہو تو ہر دن پرمسرت ہوتا ہے الحمدللہ مجھے ہمیشہ چاہنے والوں کا ساتھ ملا ہے۔ کبھی اگر خوش نہ بھی ہوں تو سب کھلکھلانے پر مجبور کردیتے ہیں ہر خوشی کے موقع پر میری پیاری بہنیں میرے ساتھ ہوتی ہیں تو سالگرہ کا دن بھی اچھا گزرتا ہے۔ اپنے احساسات کو لفظوں میں بیان نہیں کرسکتی۔

انعم خان...... آسٹریلیا

۱) آنچل سے وابستگی ۲۰۰۴ء میں ایک رشتے دار کے ذریعے ہوئی جو میری بہن اور کزن کو کہانیوں کے بارے میں اس انداز سے بتا رہی تھیں کہ تھوڑے فاصلے پر بیٹھے ہونے کے باوجود میں دلچسپی سے انہیں سن رہی تھی۔ بس پھر جب بہن نے ڈائجسٹ منگوایا تو اس کے پڑھنے کے بعد میں نے بھی ڈائجسٹ پڑھا اور پھر ہر گزرتے ماہ کے ساتھ آنچل سے تعلق مضبوط ہوتا گیا۔

پہلی کہانی کا نام تو یاد نہیں لیکن اس میں ہیرو کا نام ضمائر شاہ تھا۔ اس وقت سب قسط وار آدھی سے اوپر ہوچکی تھیں سو صرف ناول اور افسانے پڑھتی اور وہ بھی پہلے اینڈ چیک کرنے کے بعد سیڈ اسٹوریز تب زیادہ پسند نہیں تھیں۔ البتہ اب اپنا ہاتھ دکھی موڑ پر ہی قلم سے ہٹاتی ہوں اور زندگی میں ایک ہی قسط وار ناول پڑھا، اس کا ذکر نہ کرنا ناانصافی ہے "محبت دل پہ دستک" آج بھی وہی فیورٹ ہے۔

۲) کسی ایک کا نام تو نہیں بتاسکتی لیکن مجھے عالیہ حرا کا انداز تحریر بہت پسند ہے ہلکا پھلکا سا اسی لیے میری کوشش ہوتی ہے انہی کی طرح ہلکا پھلکا لکھوں۔

۳) آسٹریلیا آنے کے بعد ایک ڈائجسٹ بھی قریب سے نہیں دیکھا لیکن دسمبر ۲۰۱۶ء میں میرا افسانہ تھا اسی کو کئی بار غور سے دیکھا۔ بیسٹ ٹائٹل اسی کو کہوں گی۔

۴) شادی سے پہلے اور بعد تک کھانے پکانے کا کوئی شوق نہیں تھا۔ قسمت بھی الحمدللہ اچھی تھی کہ سسرال میں بہن کا ساتھ نصیب ہوا، وہ ہی کھانا وغیرہ پکاتی، ڈشز ٹرائی کرتی جو کہ بہت اچھی بنتیں۔ لیکن اب پچھلے کئی سالوں سے بچوں کے لیے (اکیلا ہونے کی وجہ سے) خود کو کنگ کرنی پڑتی ہے سو اب بھی کچھ پکالیتی ہوں اور ماشاء اللہ کافی اچھا بنالیتی ہوں۔

۵) یہاں آنے کے بعد کچن میں پہلا دن اچھا تھا، بھائی نے بہت تعریف کی (وجہ تین سال سے گھریلو کھانے سے دوری تھی) خیر اب جب سب پکانا آگیا ہے تو کچن میں جانا بھی اچھا لگتا ہے اور بچوں کے لیے کھانا پکانا بھی بہت اچھا لگتا ہے۔

۶) آنچل جیسا ہے پرفیکٹ ہے۔

۷) اچھا لگتا ہے بہت اچھا لگتا ہے جب کوئی دوست وش کرے۔ دل سے ان کی محبت کی مقروض ہوتی ہوں۔ لیکن سب سے زیادہ جس کے وش کرنے کا انتظار ہوتا ہے وہ شخص (شوہر صاحب) کبھی یاد ہی نہیں رکھ پائے ڈیٹ۔ سوان سے ٹائم گزرنے کے بعد گلہ کرتی ہوں۔ اور سات سال گلہ کرنے کے بعد اب امید ہے اگلی بار انہیں یاد ہوگا۔ اور جس دن انہوں نے وش کیا بے شک سب سے آخر میں ہی سہی لیکن وہ دن بہت خوب صورت ہوگا۔

فوزیہ احسان رانا...... حاصل پور

۱) آنچل سے وابستگی کافی پرانی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے آنچل سب کو اپنی محبت کے آنچل تلے بہت اپنائیت سے سمیٹ کر رکھتا ہے آنچل سے رشتہ ایسے جڑا کہ میری پھوپو راحت آنچل پڑھا کرتی تھیں بس وہی ذریعہ بنی ہیں۔

۲) سعدیہ اہل کاشف بہت اچھا لکھنے والی ہیں عشنا کوثر سردار بھی منفرد طرز تحریر کی مالک ہیں بہت سی سینئرز اور اچھا لکھنے والی رائٹرز کو پڑھا تو لکھنے کا شوق ہوا۔ احساس اجاگر ہوا کہ میں بھی لکھ سکتی ہوں۔

۳) ۲۰۱۶ء کا نومبر کا ٹائٹل مجھے بہت پسند آیا۔ میں اسے بیسٹ قرار دوں گی۔

۴) ایک دفعہ گلاب جامن بنانے کی ترکیب آنچل میں بتائی گئی تھی اور میں نے ٹرائی کی تھی بس ٹھیک ہی بن گئے نہ تعریف ہوئی نہ تنقید۔

۵) امور خانہ داری میں سب سے پہلے بریانی بنائی تھی اور سسرال میں پہلی ڈش کھیر پکائی تھی اور میں اپنے سسرالیوں کو اکثر کھانے پر انوائیٹ کرتی رہتی ہوں اس لیے کوئی ایسی چیز نہیں جو پکا کے کھلانے کی حسرت ہو۔ ساتھ ہی ہیں سب۔ دعوتیں چلتی رہتی ہیں ماشاءاللہ

۶) آنچل کے سارے سلسلے ہی بہترین ہیں رائٹر اور قاری کو جگہ ملتی ہے کوئی تبدیلی نہیں چاہوں گی۔

۷) اپنی سالگرہ کے دن کیک کاٹتے ہوئے احساس ہوتا ہے کہ ایک سال اور گزر گیا جذبات یہ ہوتے ہیں کہ یااللہ اگلا سال امن و امان سے گزر جائے۔ اللہ ہم سب پر اپنا خاص کرم رکھے۔

(باقی مئی کے شمارہ میں)

زندگی کے رنگ

ایڈمنز پینل

آنچل کے آفیشل گروپ پر آپ کے پسندیدہ مصنفین سے ان کی تحریروں کے حوالے سے ہمارے آفیشل گروپ اور پیج کے ایڈمنز نے ایک اسپیشل سروے کا اہتمام کیا۔ اس سروے میں بہت سے نو آموز رائٹرز نے بھی حصہ لیا۔

سروے کا سوال یہ ہے۔

ہر انسان کو زندگی کے واقعات پوری جزئیات سے یاد رہتے ہیں چاہے وہ بچپن کے ہوں یا زندگی میں آنے والے دوسرے ادوار سے ہوں تو کیا ہماری رائٹرز اپنے زندگی میں گزرنے والے واقعات، خوشیاں، غم، محبتیں، عادتیں اپنی کہانیوں میں شامل کرتی ہیں؟

کیا آپ کی کہانی کے کرداروں میں آپ کا عکس جھلکتا ہے؟ کیا آپ کی خوشیاں کرداروں کے ساتھ مست مگن ہوتی ہیں اور آپ کے غم آپ کے کرداروں کو رنجیدہ کرتے ہیں؟

اس سروے میں مصنفین کی جانب سے موصول ہونے والے جوابات قارئین کے لیے پیش کئے جارہے ہیں۔

سیما مناف

میں نے ہمیشہ لوگوں کے دکھوں پر لکھا ہے انسان کا مشاہدہ وسیع ہو اور وہ حساس بھی ہو کہانی بن جاتی ہے۔ میں ہر افسانہ اور ڈراما اسی کیفیت میں لکھتی ہوں۔

رخسار وٹے پر میری خالہ زاد بہن کی کہانی تھی بے خودی میں نے ایک اخبار میں ایک خبر پڑھ کر لکھا۔ وہ خبر پڑھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے کیا محبت اتنی جنونی بھی ہوسکتی ہے؟ کیا اس سے پہلے عورت کو محبت کے نام پر نہیں لوٹا گیا؟ دوشیزہ ڈائجسٹ میں مجھے اس پر ایوارڈ ملا۔ پسندیدگی کے باوجود کچھ لوگ اس پر باتیں بھی بنا رہے ہیں کہ محبت کرنے والا ہیرو ایسا کیسے کرسکتا ہے تو کیا لڑکیوں کے ساتھ ایسی زیادتیاں نہیں ہوتیں؟ پلیز اس کے اینڈ تک صبر کریں مجھے یقین ہے کہ اس ڈرامے کو لکھنے کا مقصد آپ کو پتا چل جائے گا۔

اسی طرح بند کھڑکیاں جو میں ہم ٹی وی کے لیے لکھ رہی ہوں۔ اس کا پس منظر کئی سالوں پہلے میری اکلوتی بھانجی حرا کی ایک چھوٹی سی بات پر لکھا ہوا ایک افسانہ تھا وہ اس وقت صرف پانچ یا چھے سال کی ہوگی۔ ہم لوگ سی سائڈ پکنک پر گئے تھے اس نے مجھ سے ریت کا گھروندا بنانے کی فرمائش کی میں نے جلد بازی میں ایک گھروندا بنایا اور اس میں ہاتھ مار کے ایک دروازہ بنایا۔ اس نے پتا ہے مجھ سے کیا کہا؟

کاکا اس گھر میں تو جو رہے گا اس کا تو دم ہی گھٹ جائے گا اس میں تو کوئی کھڑکی ہی نہیں ہے تو اسے ہوا ہی نہیں ملے گی اور میں اتنی چھوٹی سی بچی کے منہ سے یہ بات سن کر حیران رہ گئی تھی اور میں نے بند کھڑکیاں کے نام سے ایک افسانہ لکھا کیا پتا تھا کہ یہ اس کی اپنی کہانی بن جائے گی۔ دو سال پہلے بتیس سال کی عمر میں اس کا برین ہیمبرج میں انتقال ہوگیا۔ صرف بند کھڑکیوں کی وجہ سے۔

تو یہ ہوتی ہے میرے لکھنے کی وجہ۔

عفت سحر طاہر

اسلام علیکم میں نے آج تک خود کی کہانی نہیں لکھی مگر ہر کردار میں رائٹر کی اپنی ہی جھلک ہوتی ہے۔ ہر کردار کا فیصلہ رائٹر کا فیصلہ ہوتا ہے۔ میں خود کو کردار کی جگہ رکھ کر سوچتی ہوں کہ اس کی جگہ میں ہوتی تو کیا کہتی یا کیا فیصلہ کرتی۔

زندگی کے واقعات تو نہیں مگر عادتوں کی جھلک تو کہانی میں لازمی ہے۔ میرا سینس آف ہیومر بالکل ویسا ہی ہے جیسا میرے کرداروں کا۔ میں رشتوں کے متعلق ویسی ہی کیئرنگ ہوں جیسے میرے کردار۔ رائٹر کے پازیٹیو کردار حقیقت میں خود رائٹر ہوتا ہے۔ غلط کردار کو سمجھانے والا کردار رائٹر کی اپنی ذات ہوتا ہے۔ ورنہ کہانی بن ہی نہ پائے۔

ہاں جی بالکل۔ خاص طور پر قسط وار لکھتے ہوئے بہت اٹیچ منٹ ہو جاتی ہے کرداروں کے ساتھ۔ ہر کسی کی خوشی۔ خوش اور غم اداس کرتا ہے۔ میری خوشی یا غم نے آج تک میری تحریر کو متاثر نہیں کیا۔ میں جیسا لکھنا چاہتی ہوں وہی لکھتی ہوں۔

محبت ہاں۔ یہ واحد عنصر ہے جو میں اپنی لائف میں سے اپنی کہانیوں میں ڈالتی ہوں۔ ہمیں اکثر پوچھا جاتا ہے کہ آپ دونوں کی لو میرج ہے؟ تو اپنے میاں صاحب کے بہت سے جملے میں ہیرو سے کہلوائی ہوں ہاہاہا میرے سویٹ والے ہیرو اس لیے بہت پر اعتماد لونگ اور کیئرنگ ہوتے کہ میرے ہسبینڈ ماشاء اللہ سے ایسے ہیں۔ امید ہے کہ آپ کی تشفی ہوگئی ہوگی ان جوابات سے۔ خوش رہیئے۔

فاخرہ گل

میرا نہیں خیال کہ رائٹر کے اپنے غم کسی بھی طرح کرداروں پر اثر

انداز ہوتے ہیں یا ہونے چاہئیں ہاں کرداروں کے دکھ سکھ ضرور موڈ بدل دیتے ہیں۔

"وہی ایک لمحہ زیست کا" لکھتے ہوئے جب تاجی تعفن میں لپٹی ہوئی مسجد میں جا گھستی ہے اور اللہ سے گڑگڑا کر معافی طلب کرتی ہے وہ سب لکھتے ہوئے مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے میں بالکل خدا کے سامنے کھڑی لکھ نہیں رہی وہی الفاظ خود دہرا رہی ہوں دل کی عجیب کیفیت تھی جو بیان سے باہر ہے اسی طرح ابھی پچھلے سال "عید ایسی بھی ہوتی ہے" میں آمنہ کا اپنی شادی سے پہلے اپنے بابا کے ساتھ گزاری آخری رات اور پھر بابا کے تاثرات لکھتے ہوئے میں باقاعدہ ہچکیوں سے رونے لگی تھی اور مجھ سے مزید لکھا ہی نہیں گیا تھا میں اس سین کو طویل کرنا چاہتی تھی تفصیل سے بیان کرنا چاہتی تھی لیکن جتنی مرتبہ قلم پکڑا دل بوجھل اور آنکھیں اس قدر نم ہوتیں کہ میں جو اس ناول کو دو حصوں میں لکھنا چاہتی تھی ایک ہی دفعہ میں مکمل لکھ دیا میری کوئی بیٹی تو نہیں لیکن مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ میں نے اپنی بیٹی کو رخصت کرنا ہے اور اف والدین کے لیے یہ وقت کتنا مشکل ہوتا ہے مجھ سمیت کتنے ہی قارئین نے یہ چیز محسوس کی۔

ویسے میں کوئی بہت زیادہ خوانخواہ والی سنجیدہ انسان نہیں ہوں۔ مجھے ہنسنا مسکرانا اچھا لگتا ہے اسی لیے کچھ عرصہ رک مزاح نہ لکھوں تو بے چینی ہونے لگتی ہے۔ مزاحیہ ناول ہو یا کسی ویب سائٹ کے لیے طنز و مزاح پر مبنی مضمون۔ لکھے بغیر سکون نہیں ملتا خواتین مزاح نگاروں کے انسائیکلوپیڈیا میں اپنا نام دیکھ کر اسی لیے خوشی بھی ہوئی تھی کہ یہی تو میں ہوں۔

اور سوال کے مطابق اگر میری محبتیں کہانیوں کو رنگین کرنے لگیں تو آپ کو میری کہانیوں میں صرف دھنک رنگ نظر آئیں لیکن معاشرے میں بہت کچھ ایسا ہو رہا ہے جس پر لکھنا چاہتی ہوں اس لیے میرا قلم تلخ و شیریں دونوں ذائقے چکھتا رہتا ہے اور اسی حساسیت کی وجہ سے میرے لکھنے کا اصل میدان سنجیدہ نثر نگاری ہی ہے۔ اللہ کرے اس کی دی گئی اس صلاحیت کی ساتھ انصاف کر سکوں۔

نزہت جبین ضیاء

میں ہمیشہ معاشرتی موضوعات پر لکھتی ہوں آس پاس کے کردار اور کئی کہانیوں کے کرداروں میں میری جھلک دکھائی دیتی ہے۔

ریحانہ آفتاب

اسے میری نالائقی کہیں یا یادداشت کی کمی مجھے بچپن کی کوئی بھی چیز پوری جزئیات کے ساتھ یاد نہیں۔ چیدہ چیدہ چیزیں حافظے میں ہیں، بہت خوشی کے پل، بہت دکھ کے لمحات ٹھوکر سے ملا سبق یا کوئی یادگار بات جس نے مجھے کچھ سکھایا ہو۔

میں نے جب بھی لکھا دل سے لکھا ہاں یہ قبول ہے کہ پہلے بے حد خیالی دنیا میں رہتی تھی۔ سب کو اپنی طرح بے لوث گمان کرتی تھی۔ رائٹر میرے لیے ماورائی مخلوق تھیں۔ میں نے شازیہ چوہدری کو پڑھ کے رسالے پڑھنا شروع کیا۔ یہ کہا جائے کہ میں صرف ان کی تحریر کے لیے رسالہ لیتی تھی تو بے جا نہیں ہوگا۔ آج وہ ہم میں نہیں۔ اللہ انہیں جنت میں جگہ دے۔ بے حد افسوس کے ساتھ کسک ہے کہ ان سے کبھی بات نا ہو سکی۔

بات ہو رہی تھی خیالی دنیا کی لیکن جب چھوٹی سی عمر میں ایک معتبر ادارے کی اسسٹنٹ ایڈیٹر بنی تو جیسے ساری رعنائی کی قلعی کھل گئی۔ ادبی لوگوں سے بڑا بے ادب کوئی نہیں جب کھلا تو دل اتنا برا ہوا کہ لکھنا چھوڑ دیا۔ جن کو آپ ماورائی مخلوق سمجھیں وہ گری ہوئی حرکت کریں تو ان سے زیادہ آپ ہرٹ ہوتے ہیں کہ انہیں بہت اونچائی پہ رکھا تھا۔ برداشت نہیں ہوتا۔

پھر پچھلے سال کم بیک کیا کہ سب ہضم کرنے میں دس سال لگ گئے اور میں بھی امچیورٹی سے نکل آئی تھی۔

میری ہر تحریر کسی جملے، واقعے، رویے کی مرہون منت ہوتی ہے۔ میں نے کبھی بھی صفحے بھرنے کے لیے نہیں لکھا۔

میں اپنے کرداروں کے ساتھ ہنستی ہوں ان کے ساتھ روتی ہوں۔ ابھی میرے قاتل مجھے جینے کا حق تو دو آنسوؤں کے بیچ لکھنا ختم ہوا۔ لکھ رہی تھی اور آنسو پیپر پہ گر رہے تھے۔ مجھے کرداروں کا دکھ اپنا دکھ محسوس ہوتا ہے۔ ہیرو کا رومینٹک جملہ مجھے شرمانے پہ مجبور کر دیتا ہے۔ تب ہی شاید ریڈرز نے بہت کم لکھنے کے باوجود مجھے یاد رکھا ہوا تھا۔

میری محبت، شدت سب میری تحریر میں جھلکتی ہے۔ میری ہیروئن کا ہر محاذ پہ ثابت قدم رہنا، سچ بولنے سے نا ڈرنا، ہیرو کو چیلنج کرنا، کھے مارنا ان سب میں ریحانہ آفتاب موجود ہے۔ جو چیز دل سے لکھی جائے وہ دل تک ضرور پہنچتی ہے۔ یہ میرا ایمان ہے۔

سعدیہ عابد

سعدیہ عابد جو ایک عام لڑکی ہے وہ کسی بھی تحریر میں آپ کو نہیں ملے گی کیونکہ ہم اپنی ذات پہ ناول نہیں لکھتے کہیں پڑھا ہے کہ فکشن زیادہ تر تخیل اور مشاہدے کے ذریعے تخلیق ہوتا ہے اور ذات کا عکس تو سوانح عمری میں اتارا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے ہم اپنے کسی بھی ناول میں نہیں ہیں اپنی فیلنگز کو بھی نہیں لکھیں کہ اس کے لیے ڈائری

ہے۔ اور اسی لیے کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ موڈ یا زندگی میں گزرنے والی تلخیوں یا محبت کا اثر تحریر پہ پڑا ہو کیونکہ لکھنے سے پہلے موڈ بہت اچھا ہوتا ہے اور اٹھتے ہیں تو رو رہے ہوتے ہیں اس لیے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے موڈ کا اثر تحریر پر نہیں پڑتا البتہ تحریر ہمارا موڈ ضرور بدل دیتی ہے دکھی اسین لکھ کر دکھی اور اچھا اسین لکھ کر مسکرا لیتے ہیں۔ مگر یہ سب وقتی ہوتا ہے کہ دوڑتی بھاگتی زندگی اور صفحہ قرطاس پہ بکھری زندگی میں بہت فرق ہوتا ہے اور ایک مصنف کبھی بھی صرف اپنے محسوسات نہیں لکھتا کہ اگر مصنف صرف اپنے محسوسات تک محدود ہو جائے تو معاشرے میں پھیلی رنگینیاں اور تلخیاں اسے کبھی نظر نہ آئیں مصنف "میں" کی دوڑ سے نکل کر "ہم" کی بنیاد رکھتا ہے اور اسی لیے ہماری ہر ایک تحریر میں تخیل ہے مشاہدہ ہے ذاتیات نہیں ہے ہماری شخصیت کے رنگ نہیں ہیں کہ جو دیکھتے ہیں جو محسوس کرتے ہیں اس پہ اپنا زاویہ نظر بیان کر دیتے ہیں کہ مصنف "میں" نہیں ہوتا "ہم" ہوتا ہے اس کی تحریر اپنی زات کا نہیں معاشرے کا عکس ہوتی ہے اس کی حساسیت کی دین ہوتی ہے اور مصنف بذات خود کچھ نہیں ہوتا کہ یہ خداداد صلاحیت ہے اور صلاحیت اور ہنر ہمیشہ دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے لیے ہوتا ہے سورج کی روشنی کبھی سورج کو فائدہ نہیں دیتی کہ اسے خود اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ وہ اتنا با صلاحیت ہے ایک دنیا اس کے وجود سے روشن ہے ٹھیک اسی طرح مصنف کی تحریر سے مصنف کو خاطر خواہ فائدہ نہیں پہنچتا قاری کو پہنچتا ہے کہ جب وہ تحریر پڑھ کر دکھ محسوس کرتا ہے اسے لگتا ہے کہ مصنف نے تو واہ میرے دل کی بات کہہ دی اور زندگی کی کچھ تلخیوں کو کم ہوتا محسوس کرتا ہے یا آگے بڑھنے کے لیے زادِ راہ مل جاتا ہے تو مصنف کے لکھی ہوئی تحریر کا حق ادا ہو جاتا ہے اور تحریر سے چلا دل سے دل کا سفر جب تک چلتا رہے گا جب تک محسوسات زندہ ہیں جب تک قاری زندہ ہیں کہ مصنف قاری کے بغیر کچھ نہیں کچھ بھی نہیں یار زندہ صحبت باقی۔ فی امان اللہ۔

سحرش فاطمہ

بالکل جھلکتا ہے ہم اپنے کرداروں میں اپنی ہی کوئی شرارتی حرکت یا اپنا کوئی دکھ یا اداسی کا لمحہ ہو اس کا رنگ بھر دیتے ہیں لیکن یہ بات صرف رائٹر کو ہی پتا ہوتا ہے۔

ہاں جی جب کسی کردار کے لیے ایسا کچھ لکھتی ہوں تو تصور کرتی ہوں تو مجھے بھی ساتھ خوشی ہوتی اسی طرح اداس بھی ہو جاتی ہوں ایک ناول میں نے لکھنا شروع کیا تھا ڈیڑھ سال پہلے اس میں کچھ ایسا لکھا کہ لکھنے کے بعد رونا آگیا اور دو تین دن اس فیز سے نکلی ہی نہیں۔

میں بالکل مانتی ہوں کہ ہر انسان کو اپنے گزرے پلوں میں سے کچھ کچھ واقعات یاد رہ جاتے ہیں بچپن سے لے کر اب تک کی زندگی میں جو بھی ہوا ہوتا ہے چاہے وہ تلخ یاد ہو یا چھوٹی سی چھوٹی خوشی بھی اور بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ ہمیں یاد رہ جاتا ہے دوسروں کو نہیں رہتا۔

اور جب ہم بطور لکھاری کچھ بھی تخلیق کرتے ہیں یونہی ہمارے کردار جو ہم بناتے ہیں ان میں ہم اپنا عکس بھی ڈال دیتے ہیں اور ضروری نہیں کہ صرف اپنا ہی عکس ہو ہمارے ارد گرد اتنے کردار موجود ہوتے ہیں کہ ان کو بھی ہم اپنی تحریروں میں بھر دیتے ہیں۔ کیوں کہ جب ہم لکھ رہے ہوتے ہیں کوئی بھی کردار تو ہمارے دماغ ہمارے ہی ارد گرد موجود لوگوں کو سوچتا ہے اور پھر ان کا مشاہدہ کرتا ہے پھر ہمیں اُن کی کوئی خاصیت یا برائی اپنے کرداروں کے لیے پسند آجاتی ہے اور ہم انہیں لکھ ڈالتے ہیں۔ لکھاری کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ جب وہ لکھے تو اپنے مزاج کو بھی اُس حساب سے لکھے۔ میں لکھنے کے معاملے میں زیادہ شوخ نہیں ہوں سنجیدہ موضوعات پہ زیادہ لکھا ہے تو اپنے اندر کی تلخیاں یا خوشیاں اُس تحریر میں شامل کر دیتی ہوں۔ کچھ تحاریر میری مختلف ہیں جن میں ہلکا پھلکا مزاح بھی شامل ہے تو اُس کی وجہ بھی یہی ہوتی کہ ایسا کچھ ہو چکا ہوتا ہے۔

جب ہم اپنے تخلیق کردہ کردار کو لکھ رہے ہوتے ہیں یا اُن کے حوالے سے سوچ رہے ہوتے ہیں تو تصور میں وہ کردار آجاتا ہے اور جو ہم نے اُس کے حوالے سے لکھا ہوتا ہے وہ ویسی ہی حرکتیں کر رہا ہوتا ہے ہمارے تخیل میں۔ تو جناب کوئی بھی کردار ہو ہم بھی اُس کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں اور اُس کو محسوس کرتے ہیں جیسے کہ وہ کردار ہمارے ساتھ ہی موجود ہو۔

جیسا کہ میں نے بتایا کہ ہم لکھتے ہوئے اُن کرداروں کو تصور کرتے ہیں تو اُن کے جو حالات ہوتے ہیں اُسے محسوس بھی کرتے ہیں۔

بھئی ایک بات بتاؤ۔ جب آپ لکھتے ہو تو کیا صرف تلخیاں، اپنے اندر کی اداسیاں، ناکامیاں ہی لکھتے ہو؟ نہیں ناں؟ ہمیں خود کو خوش رکھنا ہوتا ہے تو اُس حساب سے اپنے کرداروں کو بھی خوشی دینی ہوتی ہے پھر وہ چھوٹی سی چھوٹی خوشی ہی کیوں نہ اُس میں جب محبت کا رنگ چھلکتا ہے تو بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ میری کوشش یہی ہوتی ہے کہ میں جو بھی لکھوں اچھا لکھوں بے شک وہ محبت پہ ہو یا معاشرتی لیکن ہر کردار اچھا ہو سادہ ہو معصوم سا ہو۔ کوئی کردار برا

بھی ہوتا ہے اِس میں بھی اُس کی یہ خوبی ہی تو ہوتی ہے۔
میں رومانوی کہانیاں نہیں لکھ سکتی لیکن کوشش کرتی ہوں کہ کچھ رنگ بھروں اور جب میں نے یہ کوشش کی تو میری پڑھنے والیوں نے مجھے جو کہا اف چھوڑیں۔ مجھے تو سچی شرم آتی ہے ضروری نہیں کہ رومانوی کا مطلب غلط اخذ کیا جائے، رنگ و بہار، پھول، سمندر نظارے بہت سی چیزیں ہوتی ہیں جن کی منظر کشی کر کے آپ کچھ رومانوی انداز دے سکتے ہیں۔

فوح طاہو

بالکل ایسا ہی ہوتا ہے کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی لفظ میں کردار میں رائٹر خود کو بیان کر جاتی ہے۔ رہا رائٹرز سے جڑے واقعات، اُن کی خوشی اُن کے غم کا کہانیوں سے جڑے سوال کا تو ایسا بالکل ہوتا ہے، اکثر ہم سے جڑا یا ہمارے اردگرد ہوتا چھوٹا سا واقعہ چھوٹی سی بات پوری کہانی لکھنے کا سبب بن جاتی ہے۔ چھوٹے سے پوائنٹ کو نوٹ کر کے ہم کہانی بنا ڈالتے ہیں۔ اور جب میں کہانی لکھتی ہوں تو میں پوری طرح خود کو اپنے کرداروں میں اپنے لفظوں میں ڈھال لیتی ہوں ایسے میں میری خوشی میرا غم میری کہانی کے کرداروں میں ڈھل جاتا۔ جہاں میں خوش ہوتی وہاں میرے لفظ کھلکھلا اٹھتے ہیں اور جس لمحے میں اداس ہوتی ہوں میرے لفظ سنجیدگی کا لبادہ اوڑھ لیتے ہیں۔ البتہ میری پوری کوشش ہوتی میرے لفظ بھلے سے اداس ہوں مگر غمگین نہ ہوں۔ پھر جب بات آتی کرداروں کی تو میں اپنی کہانی کے کرداروں کے سنگ ہنستی بھی ہوں جہاں وہ اداس ہوتے تو اُن کے دکھ پر باقاعدہ غمگین بھی ہوتی ہوں۔ اس سارے مرحلے میں یہ بات کہنا بالکل بجا ہے کہ ایک لکھاری اپنے ہر کردار میں اپنے ہر لفظ میں موجود ہوتا ہے۔ ابھی تک میں خود اپنے اوپر کوئی کہانی نہیں لکھ سکی ہوں ہاں مگر میری بہت سی کہانیاں میں نے اپنے اردگرد سے اصل مواد اٹھا کر لکھی ہیں اور ہوتا بھی یہی ہے۔ بس پوائنٹ تو اصل ہی ہوتا ہے پھر کہانی کی باقی امیجینیشن تصوراتی ہوتا ہے، جس میں بہت سی جگہوں پر لکھاری کبھی کسی کردار میں اپنی عادت کو نمایاں کر جاتا ہے۔ اور کبھی کبھی اپنی کہانی کے کسی ایک کردار میں مکمل طور پر خود کو بیان کر جاتا ہے۔
اور آپ کا آخری سوال کہ کیا ہماری محبتیں ہماری کہانی کو رنگین بناتی ہیں ہاں ایسا بھی ہوتا ہے کبھی کبھی ہماری محبتیں ہمارے کرداروں کو رنگین کر دیتی ہیں۔ مگر اصل میں جب رائٹر پوری طرح خود کو کرداروں میں ڈھال کر کہانی لکھتا ہے تو اُس وقت کرداروں کی محبت ہمیں رنگین بنا کر چپکے چپکے مسکرانے پر مجبور کر دیتی ہے اور جب ہم اس طرح مسکرا کر اپنے کردار کی محبت میں گم ہوتے ہیں تو انجان لوگ ہمیں مشکوک نظروں سے دیکھنا شروع کر دیتے ہیں تب ہمیں انہیں سمجھانا پڑتا ہے کہ جی ہم بطور لکھاری اپنے لکھے ہوئے کردار سے محبت ہوگئی ہے یا ہو رہی ہے اس سے آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ لکھاری اپنی کہانیوں میں کس حد تک موجود ہوتا ہے۔

نفیسہ سعید

ہاں میرے کردار میرے آس پاس سانس لیتے ہیں۔ میں جو کچھ لکھتی ہوں اس میں میری زندگی کا ہر ایک لمحہ شامل ہوتا ہے۔

ماہم علی

ہاں جی ہم جو کچھ اپنے اردگرد دیکھتے ہیں وہی لکھتے ہیں۔ میں نے زیادہ نہیں لکھا مگر جتنا بھی لکھا اس میں نصیحتیں ہی لکھیں تو میں خود ایسی ہوں تو ویسا ہی لکھا۔ اور واقعی لکھتے وقت کرداروں کے ساتھ محبت ہو جاتی ہے۔ وہ خوش ہوں تو ہم مسکراتے ہیں وہ دکھی ہوں تو ہمارا چہرہ بھی غم کی تصویر بنا ہوتا ہے۔

ثمینہ فیاض

جی میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا ہے در حقیقت ہر انسان اپنے اندر مثبت اور منفی پہلو دونوں پہلو رکھتا ہے۔ جب ہم منفی کردار لکھتے ہیں تو چاہے امیجینیشن ہی کیوں نا ہو سوچ رائٹر ہی کی ہوتی ہے اسی طرح جب کوئی مثبت کردار لکھتے ہیں تو رائٹر کی پوزیٹیو سوچ جاگ جاتی ہے۔ اردگرد کا ماحول اور واقعات بھی اپنا اثر ڈالتے ہیں۔ اور خود پر بیتی بھی کبھی ذہن کے کسی کونے سے باہر جھانکتی ہے تو کاغذ پر خود بخود قلم بند ہو جاتی ہے

بشریٰ گوندل

میرے زیادہ ناولز کامیڈی ہیں۔ مجھے کامیڈی لکھتے ہوئے زیادہ مزا آتا ہے۔ لیکن عام لائف میں میں بہت سیریس سی ہوں۔ سیریس اسٹوریز لکھتے ہوئے میں کافی اداس ہو جاتی ہوں بلکہ رونے لگ جاتی ہوں۔ فل اسٹوریز تو میں نہیں لیکن کچھ ڈائیلاگز اور کرداروں میں رائٹر موجود ہوتا ہے۔

رابعہ افتخار

کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی کردار میں رائیٹر موجود ہوتا ہے۔ میں نے کم لکھا لیکن وہی لکھا جو دل سے محسوس کیا۔ اپنے اردگرد چلتی پھرتی کہانیوں کو پہلے خود پڑھا پھر لکھا

رضوانہ آفتاب

جہاں تک میری کہانیوں کی بات ہے مجھے اپنی کہانیوں میں اپنا عکس نہیں دکھتا (یہ میری خود کی رائے ہے) کیونکہ نا چاہتے ہوئے

بھی میرے کرداروں میں دکھ کا عنصر بھر جاتا ہے کہانی غمگین ہو جاتی ہے حالانکہ میں دکھی لڑکی نہیں ہوں شاید کچھ زیادہ حساس ہوں اس لیے ایسا ہو سکتا ہے۔

ہاں کچھ ایسے واقعات کو ضرور اپنی کہانی کا جزو بناتے ہیں جو حقیقی زندگی میں رونما ہو بہوں کرداروں کے ساتھ ذاتی وابستگی ہو جاتی ہے ان کے ساتھ ہنستے روتے ہیں دراصل یہ ہمارا ہی عکس ہے جو کرداروں میں جھلکتا ہے

حقیقی زندگی میں ہم جیسا کرنہیں سکتے کردار کو اپنی جگہ رکھ کروہ کام کرواتے ہیں دل کو بے حد تسکین ملتی ہے

ہاں بالکل کچھ ایسے ڈائیلاگز ضرور ہوتے ہیں جسے میسجز سے کاپی کر کے ضرور لکھتی ہوں اس سے کہانی میں محبت اور مزاح دونوں کا رنگ عود کر آتا ہے:)

ندا حسنین

اپنی زندگی میں آنے والے واقعات تحریر نہیں کیے اب تک آگے کروں گی یا نہیں کچھ کہہ نہیں سکتی۔ میری کہانی کے واقعات زیادہ تر ٹریجیڈیز پر مبنی ہوتے ہیں جیسے سختیاں جھیل کے سونا قیمتی بنتا ہے میں اپنے کردار بھی ایسے ہی کندن بناتی ہوں۔

میرے ہر کردار میں کہیں نہ کہیں میری جھلک ضرور موجود ہوتی ہے۔ بھلے وہ مثبت کردار ہو یا منفی مگر آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ پ محبت کا فسانہ یا کبھی کبھی کی ہیروئن ندا حسنین کا پرتو ہے ہاں ان میں میری جھلک ضرور موجود ہوگی' خوشی کے عالم میں میرے کردار مشکل دور سے گزر رہے ہوتے ہیں کیونکہ اس مشکل دور کے بعد میں نے خوشیاں لکھنی ہوتی ہیں۔

میرے غم میرے کرداروں کو حساس بناڈالتے ہیں
میری محبتیں میری کہانی کو خوبصورت بنا ڈالتی ہیں

حمیرا نوشین

رائٹر اپنی زندگی کے مختلف ادوار میں مختلف کیفیات سے گزرتا ہے اور یہ سچ ہے کہ اس کی تحاریر میں یہ سب جذبات و کیفیات کئی جگہوں پر جھلکتے ہیں۔

دکھ میں وہ جس کیفیت سے گزرتا ہے وہ اسے اپنی کسی بھی تحریر میں ضرور صفحۂ قرطاس پر بکھیر کر سکون محسوس کرتا ہے اور خوشی کے لمحوں کو الفاظ کا پیراہن اوڑھا کر تسکین حاصل کرتا ہے گو کہ میں نے ابھی بہت مختصر لکھا ہے مگر میں نے بہت سی کہانیوں میں اپنی خوشی، محبت محرومی کے جذبات تحریر کیے۔

بشریٰ سیال

رائٹر کبھی بھی ماحول اور اردگرد سے کٹ کر نہیں لکھتا ہم جو لکھتے ہیں وہ کہیں نہ کہیں حقیقت میں ہو رہا ہوتا ہے۔ ابھی حال ہی میں کرن ڈائجسٹ میں میرا افسانہ "ردائے شہر" شائع ہوا ہے جو کہ حقیقی کہانی تھی۔

جی ہاں تحریر موڈ پر بہت ڈیپینڈ کرتی ہے اور میرے کردار میرے دل کے بہت قریب ہیں ان کی خوشیوں پر ہنستی ہوں اور دکھوں پر روتی بھی ہوں۔

عائشہ پرویز صدیقی

میں اپنی تحاریر میں کر چکی ہوں یہ کام اور مزے کی بات پکڑ میں بھی آ گئی۔

مسکان احزم

میں تو ابھی چھوٹی سی رائٹر ہوں۔ میرا پہلا سلسلے وار ناول شہید وفا ابھی میرے قلم سے بتدریج تخلیق ہو کر ریڈرز تک پہنچ رہا ہے۔ اس لیے ان سوالوں کا جواب میں اسی ناول کے حوالے سے دوں گی۔ جی بالکل اس کہانی کے کچھ کردار ایسے ہیں جو مجھے اپنے جیسے دکھائی دیتے ہیں۔ جو میرا عکس ہیں۔ ہر کردار کی کوئی نہ کوئی عادت مجھ سے ضرور ملتی ہے۔ مجھے آرمی سے بہت محبت ہے اس لیے میں اس کہانی میں اپنے کرداروں کے ذریعے اپنے دل کی بات لوگوں تک پہنچا رہی ہوں۔ وہ جو کچھ میں کرنا چاہتی تھی وہ اب میرے یہ کردار کر رہے ہیں۔

میں محبت کے یہ کردار لکھتے ہوئے بہت پرجوش ہوتی ہوں۔ اس لیے میری خوشیاں ان پر اثر انداز نہیں ہوتیں بلکہ ان کی خوشیاں میرے اندر کا موسم بدل دیتی ہیں۔

میرے غم میرے کرداروں کے آگے کوئی معنی نہیں رکھتے۔ یا پھی رو میں بہہ رہے ہیں۔ میرا اداس موسم ان پر خزاں مسلط نہیں کر سکتا۔

آخری سوال کا بھی جواب دوں گی کہ میری محبت میرے ناول کے کردار ہیں۔ ان کی ہر محبت جو وہ لوگوں سے کرتے ہیں وہ جو اس ملک سے کرتے ہیں۔ وہ حقیقی زندگی میں مجھ پر بہت گہرے اثرات چھوڑ رہے ہیں۔ ان کی محبتیں میری زندگی کو رنگین بنا رہی ہیں۔

شہباز اکبر الفت

میں نے ابھی تک جو چند ایک کہانیاں لکھی ہیں ان میں سے کئی ایک جزوی طور پر میری زندگی اور ذات سے ہی متعلق ہیں بالخصوص قسمت کی پڑیا، نئے جوتے اور کہانی کار۔ قسمت کی پڑیا تو خیر میری آپ بیتی کا ہی حصہ تھی لیکن نئے جوتے لگ بھگ اسی فیصد اور کہانی کار بھی تقریباً ستر فیصد میری اپنی کہانی ہے اور ان کا

مرکزی کردار میں خود ہوں دراصل خود پر جو بیتی ہو، اسے زیادہ صراحت، بہتر تاثر اور جذبات کی چاشنی کے ساتھ تحریر کیا جاسکتا ہے ابھی جو میری دو نئی کہانیاں آرہی ہیں فیک آئی ڈی اور ایک کا ابھی نام نہیں رکھا ان کا بھی میری زندگی سے گہرا تعلق ہے۔

محمود ظفر اقبال ہاشمی

میں اس سے باہر کچھ نہیں جو کچھ میری تحریروں اور میرے کرداروں کے اندر ہے۔

افشاں علی

خود ساختہ یا خیالی سی دنیا بسا کہ خود نمائی سے بہتر، اپنے آس پاس بکھری کہانیوں کو یکجا کرنا، اور اپنے اندر اٹھتے جذبات و طوفانوں پہ بند باندھ کر صفحہ ابیض پہ تحریر کرنا گویا ایک فنکار کا اصلی فن ہے۔

میں ہمیشہ معاشرتی موضوعات پر لکھتی ہوں سو اب ان کہانیوں کے کرداروں میں میری جھلک دکھائی دیتی ہے یا ان کہانیوں میں میرا عکس، بات بس اتنی سی ہے، کہ ان کہانیاں میں کہیں نہ کہیں میں موجود ہوتی ہوں، جنہیں میری بصارت و حساسیت نے محسوس کیا ہو۔ انہی کرداروں کو سمیٹ کر میں قلمبند کرتی ہوں آخر میں بس اتنا کہوں گی،

تنقید کیجیے نہ تقریر کیجیے
جو آنکھ دیکھتی ہے اسے تحریر کیجیے

ڈاکٹر صبا خان

ہر انسان کی زندگی میں بے شمار واقعات اور کہانیاں ہوتی ہیں، جو دیوار زندگی میں رکھے ایک ایک اینٹ کی طرح ہوتی ہیں، شاعر اور ادیب وہی ہوتے ہیں جو ان کو منظر عام پہ لاتے ہیں، اور ہر ادیب کی ہر کہانی اس دیوار کی ایک ایک اینٹ ہوتی ہے جسے وہ نکال کے باہر کرتا ہے لہذا ہر کہانی میں کہیں نہ کہیں اپنی جھلک ضرور ہوتی ہے۔

صبا احمد خان

میرا قلم سے ناتہ جڑا ہی اس وجہ سے ہے کہ میں اپنے چند لوگوں کے بھیانک روپ لوگوں تک لاسکوں' میری جتنی بھی کہانیاں ہیں وہ سب حقائق پر مبنی ہیں۔ ان میں کہیں نا کہیں میرا کردار شامل ہے۔

میں اپنی خوشیوں سے کرداروں کو مست نہیں کرتی بلکہ ان کو خوشیاں دے کر ان کو مست کرتی ہوں۔ کبھی کبھی میرے اندر کے غم میرے کرداروں کو رنجیدہ کر دیتے ہیں۔ محبت کا جذبہ تو ہے ہی رنگین۔ میری زندگی میں شاید محبتوں کی کمی نے ہی مجھے یہ احساس دلایا تھا کہ محبت کا جذبہ کتنا رنگین ہے۔

نادیہ احمد

یہ تو ایک لازمی امر ہے کہ، ہر لکھاری کی کہانی میں کہیں نا کہیں اس کی شخصیت کا رنگ جھلکتا ہے۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے قلم اٹھایا ہی اس وقت جاتا ہے اپنے اندر کا غبار باہر نکالنا ہو پھر وہ بھلے محبت ہو، نفرت ہو یا معاشرے کا اصلاحی پہلو جہاں تک بچپن کے واقعات کا تعلق ہے تو جی ہاں میں نے ان میں سے چند ایک کو اپنی کہانی کا حصہ بنایا ہے یا میری کوئی ایسی فینٹسی ہو تو میں اس میں اپنے قلم سے کہانی کا رنگ بھرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ کہانی کے کرداروں میں مجھ سے زیادہ میرے آئیڈیلز کا عکس جھلکتا ہے۔

میں وہ لکھتی ہوں جو مجھے اچھا لگتا ہے
کہانی تو آپ کے بچے کی طرح ہوتی ہے
پہلی سطر سے آخری حرف تک آپ اسے بڑھتا ہوا دیکھتے ہیں
اس کے واقعات کو محسوس کرتے ہیں تو یہ ایک فطری عمل ہے کہ کرداروں سے انسیت ہو جاتی ہے
پھر چند کردار تو یوں بھی آپ بہت سنوار کر لکھتے ہیں تو ان سے لگاؤ ہو جاتا ہے۔

صدف آصف

ایسا ہوتا بھی ہو شاید، مگر زیادہ تر معاشرے کے کردار یا ان میں پھیلی کہانیوں سے متاثر ہو کر لکھا ہے، ویسے یہ بات تو سچ ہے کہ کہانیوں میں کبھی کبھی لکھاری کا رنگ بھی جھلک جاتا ہے۔ مگر ایسا ہونا ضروری نہیں، ہم اپنے مشاہدے اور جگ بیتی پر لکھنا پسند کرتے ہیں، ہمارے ارد گرد پھیلے ایسے دلچسپ کردار جن کو پکڑ کر اپنے افسانے کا حصہ بنا لیتے ہیں، گویا انگوٹھی میں نگینہ فٹ ہو جیسے۔ غم کہانی کے کرداروں پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ ہاں محبت ضرور اثر دکھاتی ہے۔ ویسے ہمیں اپنے بچپن کے واقعات مکمل جزئیات سے یاد نہیں ہیں۔

غزالہ جلیل راو

جی ہاں میری تحریروں میں میری جھلک ہوتی ہے۔ چاہے وہ کسی بھی کیفیت کی ہو...... کیونکہ جب ہم لکھتے ہیں تو لاشعوری طور پر کردار کی انگلی تھام کر چلنے لگتے ہیں۔ بہت ساری کہانیوں میں میری جھلک دکھائی دیتی ہے۔

قراۃ العین سکندر

جی سب کردار ہمارے ارد گرد ہی موجود ہوتے ہیں لیکن اپنی ذات پر لکھنے کا تجربہ نہیں ہوا اس کی کئی وجوہات ہیں شاید اس کی وجہ میری ریزرو طبیعت ہو مگر کہانیوں میں جو محبت کے رنگ جھلکتے

ہیں اور تلخیاں لڑتی ہیں یہ سب وہی ہے جو معاشرے سے آپ نے لیا ہوتا ہے۔ قلم اٹھاتے وقت کوئی خاص سوچ نہیں ہوتی پھر جب لکھنا شروع کریں تو کردار بولنے لگتے ہیں ہنستے بھی ہیں اور روتے بھی ہیں ان سب کے ساتھ ہر تحریر میں آپ کا خاص انداز ضرور چھلکتا ہے اور آپ کی چھاپ چھوڑ جاتا ہے۔

صائمہ قریشی

میں سمجھتی ہوں کہ ایک رائٹر کے پاس ایک "تیسری آنکھ" ہوتی ہے جس سے وہ ہر دکھ، خوشی، پریشانی اور محبت کو ایک خاص نظریے سے دیکھتے ہیں، ہر اینگل سے اس کو پرکھتے ہیں۔

میرے خیال میں ہر رائٹر کی انتہائی ذاتی زندگی، اس کی سوچ، اس کی محبت نفرت سب اس کی آئیڈیل ہوتی ہے اور وہ ہر جذبے کو جس زاویے سے بھی دیکھتا ہے وہاں محبت موجود ہوتی ہے۔ عملی زندگی میں چاہے وہ ویسا نہ کر سکے جیسے چاہتا ہے لیکن اپنی کہانیوں میں اپنے کرداروں کی قسمت کے فیصلے کرنے کا اختیار رائٹر کے پاس ہوتا ہے اور ہر کردار چاہے وہ چھ ماہ کا بچہ ہو یا ساٹھ سالہ کوئی کردار رائٹر کی جھلک اس میں ہوتی ہے کیونکہ رائٹر اس کو ویسے تخلیق کرتا ہے جیسے وہ آئیڈیل پرسنلٹی ہو جسے وہ آئیڈیلائز کرتا ہے۔

ہاں میری تحریروں میں میرا اپنا تجربہ، میری خوشیاں، میرے غم سب ہوتے ہیں اور میری محبت میری کہانیوں میں ہوتی ہے، ہیروئن کی بر جستگی ہو یا ہیرو کا رومانٹک انداز سب میری زندگی کا حصہ ہیں۔ لیکن ابھی تک صائمہ قریشی سامنے نہیں آئی ہے ابھی تک وہ اپنا کردار لکھ نہیں سکی ہے۔ حساس کردار ہو یا شوخ چنچل کردار میرے شب و روز کی وجہ سے کبھی اثر انداز نہیں ہوئے۔ وہ کردار ویسے ہی ہوتے ہیں جیسے میں چاہتی ہوں کے ہو۔

حساس دل بھی بہت کچھ تخلیق کرواتا ہے
ویسے یہ محبتیں ساری میری اپنی ہیں

سامعہ عبید

میرا خیال ہے کہ ایک رائٹر کا عکس اس کے کرداروں میں کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی انداز میں جھلک ہی جاتا ہے چاہے ایک فیصد ہی سہی۔ زندگی کے واقعات اور رائٹر کا موڈ کہانی پر بہت اثر انداز ہوتا ہے۔

واقعات لکھتی تو نہیں پر ہاں زندگی کی ایک کمی ضرور اپنی کہانیوں میں اکثر اوقات شامل کرتی ہوں "بھائی" کی کمی۔ میرا ناول "بن تیرے میں ہوں بے نشاں" میرا پہلا ناول تھا پر مجھے لگتا ہے کہ وہ اسی لیے میں اچھے سے لکھ پائی کہ اس کے کردار میرے دل کے بے حد قریب ہیں۔ بالخصوص "بھائی جان" کا کردار۔

خوشیاں اور غم تھوڑا بہت اثر تو کرتے ہیں مگر میں ان کی وجہ سے کبھی اپنی کہانی کو اور اپنے کرداروں کو بھٹکنے نہیں دیتی۔

محبتیں..... یوں تو ہر رائٹر کی طرح میں بھی اپنی کہانی پورے دل سے لکھتی ہوں مگر میں اپنی کہانی میں ان رشتوں اور ان کے مابین ہوئی ہر بات کو سب سے زیادہ دل سے لکھتی ہوں جو محبتوں سے گندھے ہوں ان کو لکھتے ہوئے میں اپنا دھیان ذرا بھی بھٹکنے پر بُری طرح جھنجھلا جاتی ہوں۔

عمارہ عماد

میری کہانیوں میں میں خود بھی ہوتی ہوں اور کئی ایسے واقعات بھی ہوتے ہیں جو میں نے خود دیکھے اور خود جھیلے ہیں اور میرے کئی احساسات بھی جو کہانی کے کردار بیان کر رہے ہوتے ہیں۔ ایک لکھاری معاشرے سے ہی کہانیاں اور کردار لیتا ہے اور اپنی جھلک بھی ضرور ہوتی ہے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ میں کچھ غلط دیکھوں تو اس حقیقی کردار کو روکنے یا سمجھانے کی استطاعت نہ ہو تو اس کی نشاندہی اپنے افسانوں کے ذریعے کر کے خود کو پرسکون محسوس کرتی ہوں۔ میں نے ایک ناول لکھا اس کے منفی اور مثبت کردار میرے بہت دیکھے بھالے ہیں۔ جیسے آج کل میں ایک ناول لکھ رہی ہوں اس میں ہیرو کے والد کا کردار بہت مثبت ہے تو اس کی خصوصیات لکھتے ہوئے میں نے اس کردار کے ذریعے اپنے ابو جی کو بیان کیا ہے۔ اس لیے میں نے تو جو کچھ بھی تھوڑا بہت لکھا ہے ان میں خود بھی ہوں اور میرے ارد گرد بستے لوگ بھی ہیں۔ میرے غم یا خوشیاں میرے کرداروں کو متاثر تو کرتے ہیں لیکن یہ بہت اثر انداز نہیں کرتے میں نے انہیں جیسے لکھنا ہو ویسے ہی لکھتی ہوں بلکہ لکھتے ہوئے میں ان کے احساسات کو خود پر اثر پذیر ہوتا محسوس کرتی ہوں۔ جی محبت بھی کہانی پر اثر انداز ہوتی ہے اور اس کا رنگ بھی کچھ نہ کچھ تحریر کا حصہ بنتا ہے۔

صباحت رفیق چیمہ

اکثر اوقات شامل کرتی ہوں۔ جیسے وہ ایک ملکہ محبت میں سین جب وداد آفندی اپنی ڈائری پہ یہ الفاظ لکھ رہی ہوتی ہے کہ میں صبح فجر کے لیے اٹھنا چاہتی تھی خلوص دل سے نیت بھی کرتی الارم بھی لگاتی لیکن پھر بھی میری آنکھ نہ کھل پاتی یہ اس بات کی واضح علامت تھی کہ میرا اللہ مجھ سے ناراض ہے۔ ایسا میرے ساتھ حقیقت میں ہوا اور یہ الفاظ تب میں نے اپنی ڈائری پہ لکھے تھے جنہیں بعد میں میں نے ناولٹ میں شامل کرلیا۔

تھوڑا بہت میرا عکس میری ہر کہانی کے کرداروں میں اکثر جھلکتا ہے۔ بالکل اگر کرداروں کی زندگی میں خوشیاں لکھ رہی ہوتی ہوں جب تو میں بھی خود کو ایسے خوش محسوس کرتی ہوں جیسے میں اُن کی دُنیا ہی کا تو ایک حصہ ہوں۔ نہیں ایسا بالکل نہیں ہوتا کہ میرے غم میرے کرداروں کو رنجیدہ کریں میں جتنا مرضی غم زدہ ہوں بھی تو میں اپنے کرداروں پہ اثر انداز نہیں ہونے دیتی۔

میری محبت کہانی کو رنگین بنا دے اگر میں دُنیا کی تلخ حقیقتوں سے نظر چُرالوں بلکہ اکثر اوقات میرے ساتھ ایسا ہوتا ہے اگر میں محبت پہ لکھ رہی ہوں تو میرے دماغ پہ یہ سوال بار ہا دستک دیتا ہے کہ ایسا حقیقت میں کب ہوتا ہے جیسے کہانیوں میں محبت مل جاتی ہے ایسے حقیقی زندگی میں کب ملتی ہے محبت بہت نایاب ہوتی ہے۔

افشاں شاھد

پہلے تو عمدہ سوالات پوچھنے پر داد و تحسین قبول کیجیے۔

ہر کہانی میں تو رائٹر کا عکس نہیں جھلک سکتا کیونکہ ہر کردار کا ایک اپنا وجود ہوتا ہے جو اکثر اردگرد کے لوگوں سے متاثر ہو کر رائٹر کے قلم سے وجود میں آتا ہے۔

میں کوشش کرتی ہوں کہ جس بھی کردار کے بارے میں لکھوں اسے محسوس کروں اور جب افسانے میں ہیروئن روئے تو میری آنکھیں بھی نم ہو جائیں۔ اور میری خوشیاں اور غم کرداروں پر اثر انداز ہوتے ہیں ایک دفعہ ایک جگہ میں بہت ہرٹ ہوئی تھی اور میں نے دوسری صبح اس سچویشن پر افسانہ لکھا تھا لیکن میں محبت کے بارے میں لکھتے وقت بہت احتیاط سے کام لیتی ہوں یا پھر میں بہت کم اظہار کرتی ہوں اس لیے محبت کے بارے میں مکمل کر نہیں لکھ پاتی۔

فرح بھٹو

میری کہانیوں میں اردگرد کے واقعات زیادہ ہوتے ہیں۔ جو آس پاس یا معاشرے کی باتیں مجھے ہِٹ کرتی ہیں وہ میں لکھ لیتی ہوں۔ اور اب تک افسانے جو لکھے ہیں میرے مشاہدے پر مشتمل ہیں۔ میں ہوں ان میں مگر بہت کم کہیں جھلک دکھا دیتی ہوں اپنی ورنہ تھرڈ پرسن بن کر صرف لطف اندوز ہوتی ہوں کرداروں کی خوشیوں میں خوش اور غم پر افسردہ ہوتی ہوں۔ خود کی کوئی بات یا واقعہ کہانی میں ہی سہی شامل کرنا میرے لیے انتہائی مشکل ہے۔ کیونکہ میں ایسی ہی ہوں ریزہ ریزہ اپنی خوشیاں اپنے غم سینت سینت کر رکھنے والی۔

جہانہ آفتاب

جو الفاظ قلم کی نوک سے بہتے ندی کی مانند قرطاس پر موتیوں کی طرح بکھر جاتے ہیں وہ الفاظ دراصل دل سے نکلتے ہیں اور جو لفظ دل کی زمین سے پھوٹتے ہیں وہ درحقیقت الفاظ نہیں ہوتے وہ دل کی چیخ ہوتے ہیں آہ و بکا ہوتی ہے جو درد کے سمندر میں ڈوبنے سے نکل آتی ہے ایک لکھاری وہی لکھتا ہے جو دیکھتا ہے اور جو محسوس کرتا ہے لکھاری بھلے دوسروں کی زندگی میں رونما ہونے والے واقعات لکھ رہا ہو مگر کیفیات وہ ہوتی ہیں جو اس کا دل محسوس کرتا ہے۔ کردار کوئی بھی ہو اس کے محسوسات میں لکھاری کا عکس ہوتا ہے میری تحریر کے ہر غم اور ہر خوشی میں میرے ذاتی محسوسات شامل ہیں میری شخصیت کے بہت سے رنگ میری تحریر کے کرداروں میں جھلکتے ہیں۔

کوثر ناز

جی بالکل ایسا ہوتا ہے۔ ہر رائٹر اپنی کہانی کے تقریباً سبھی کرداروں میں موجود ہوتا ہے چاہے وہ منفی ہو یا مثبت۔ میں ہمیشہ وہی لکھتی ہوں جو محسوس کرتی ہوں میں اپنے کرداروں کو خود جیتی ہوں ان کی خوشی لکھتی ہوں تو خوش ہوتی ہوں۔ غم لکھتی ہوں تو اداس بھی ہوتی ہوں۔ کہانی لکھاری کی سوچ کی عکاسی کرتی ہے۔

مریم جہانگیر

میں نے ایسا کچھ نہیں لکھا جو میں نے محسوس نہ کیا ہو!

قراۃ العین خرم ھاشمی

میری تحریروں کی بنیاد دو چیزوں پر ہے۔ ایک میرا مشاہدہ اور دوسرا میری حد سے بڑھی ہوئی حساسیت۔ اس لیے جو بھی لکھا اس میں کہیں نہ کہیں میری سوچ کا کوئی رنگ ضرور جھلکتا ہے۔ اپنے بچپن کالج لائف پھر میرڈ لائف کے بہت سے تجربات و واقعات اپنی کہانیوں میں لکھے ہیں۔ بلکہ زیادہ تر وہ ہی لکھا جس نے حساسیت کی سطح پر آ کر بہت شدت سے ہلچل مچائی اور اپنے ہونے کا شور ڈالا۔

عریشہ سھیل

ہاں بالکل ایسا ہی ہے۔ بلکہ میرا ماننا یہ ہے کہ ہر لکھاری اپنی کہانی کے کسی نہ کسی کردار میں اپنا عکس دکھاتا ہے اور اپنی ذاتی زندگی کے واقعات قلم بند کرتا ہے۔ اسی طرح میں نے بھی اپنی کہانیوں میں بہت سی ایسی باتیں لکھیں۔ یہی وجہ ہے کہ لکھاریوں کو حساس کہا جاتا ہے۔

بشکریہ فیس بک گروپ اور پیج ایڈمنز
صباء عیشل، حنا مہر، راؤ رفاقت علی، نادر، طلحہ عصر خان، نرمین نعیم۔

چراغ خانہ

رفعت سراج

کھلا رہے ہیں پھول، چمن بے قرار ہے
لکھی ہے ہر شجر پہ شکایت پیار کی
سینے میں جب دبائی گئی خواہشیں نمو
فریاد زبان نے بے اختیار کی

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

دانیال پیاری کو اپنے کمرے میں لے آتا ہے تب پیاری مشہود کے گھر میں تنہا ہونے پر غمگین ہوجاتی ہے دانیال اسے صبر کا دامن تھامے رہنے کا کہتا ہے اور جلد ہی حالات بہتر ہونے کا یقین دلاتا ہے دانیال اسے آرام کرنے کا کہتا کمرے سے نکل جاتا ہے سعدیہ گھر پہنچ کر جو دلی حالت ہوتی ہے اس کو اپنے چہرے پر بھی ظاہر کرنے احتیاط کررہی ہوتی ہے جبکہ مانو پھوپو مسلسل سعدیہ کے سر پر سوار ہوتی ہے سعدیہ بہانہ بناتی اپنے کمرے میں آجاتی ہے سعدیہ کو عالی جاہ پر غصہ آرہا ہوتا ہے کہ آخر وہ مانو آپا کو لینے ابھی تک کیوں نہیں آیا تھا مشہود قید سے آزاد ہونے میں ناکام ہوجاتا ہے مشہود کا بھوک سے برا حال ہوتا ہے تب وہ وحشی اسے زبردستی اٹھا کر کھانے کی طرف اشارہ کرتا ساتھ آئی عورت کو پانی کا گلاس زمین پر رکھنے کا کہتا ہے مشہود کو پہلے سے کہیں زیادہ اس سے خوف محسوس ہوتا ہے۔ مانو آپا بےکار بیٹھے رہنے سے اکتا کر سعدیہ کی تلاش میں کچن میں جھانکتی کچن خالی دیکھ کر ششدر رہ جاتی ہے سعدیہ کھانے کا انتظام کرنے کا کہہ کر مانو آپا کے پاس سے اٹھی تھیں۔ عالی جاہ کا ایک پارٹی سے جھگڑا ہوجاتا ہے اور پیسے اس پارٹی کو دینے ہوتے ہیں وہ عجلت میں گھر داخل ہوتا لاکر سے پیسے نکالتا ہے پیسے اس کی ضرورت سے کم ہوتے ہیں تب اسے مانو آپا کا خیال آتا ہے اور ملازم سے پوچھنے پر مانو آپا کا دانیال کے گھر میں موجودگی کا پتا چلتا ہے۔ پیاری کی طبیعت اب پہلے سے بہتر ہوتی ہے تنہائی میسر آتے ہی وہ سوگئی تھی لیکن جاگتے ساتھ ہی پہلا خیال بھائی کا آتا ہے اس کی تنہائی کے احساس سے آبدیدہ ہوجاتی ہے تب دانیال اسے کمال فاروقی کی آمد کا بتاتا ہے۔ عالی جاہ کے لیے یہ خبر کسی طوفان سے کم نہیں ہوتی کہ پیاری کو سعدیہ خود جا کر گھر لے آئی تھی۔

(اب آگے پڑھیے)

پیاری رو رو کر اتنی نڈھال ہوئی کہ تکیہ پر سر رکھتے ہی گہری نیند میں چلی گئی۔ دانیال کافی دیر سے بیڈ کے کنارے پر بیٹھا اس کی طرف یک ٹک دیکھے جارہا تھا۔ چہرے پر عجیب بے بسی کی کیفیت تھی اس کے لیے یہ ایک انتہائی اذیت ناک بات تھی کہ انتہائی اصرار اور سمجھانے بجھانے کے باوجود پیاری نے ایک نوالہ منہ میں نہیں ڈالا تھا وہ خالی پیٹ سورہی تھی اور ڈاکٹر نے بڑی سختی سے تاکید کی تھی کہ اس کے کھانے پینے کا خیال رکھا جائے اور بلڈ پریشر لو ہونے کی وجہ کم خوراک ہی ہے لہٰذا جوسز اور پروٹین والی غذائیں اس کو کھلائی جائیں جوسز اور پروٹین والی غذائیں تو دور کی بات اس نے تو چائے ڈبل روٹی تک لینے سے انکار کردیا تھا۔

مشہود اپنی جان کا دشمن اوران کی خوشیوں کا قاتل بن رہا تھا مسئلے کا صرف ایک ہی حل سمجھ میں آتا تھا اور وہ یہ کہ کسی طرح سے پیاری کی طرف سے مشہود کا دل صاف ہوجائے تو تمام حالات خودبخود معمول پر آجائیں گے۔ یہ خیال آتے ہی اس نے اپنے جسم میں خاصی توانائی محسوس کی اور جیسے شکست خوردہ انداز میں اٹھ کھڑا ہوا کمرے میں ہلکی روشنی پھیلی ہوئی تھی اس نے وال کلاک میں ٹائم دیکھنے کی کوشش کی۔ بارہ اور ایک کے درمیان کا وقت تھا، پاپا ابھی تک نہیں آئے ایک خیال بجلی کی طرح اس کے دماغ میں کوندا اس نے اپنا موبائل اٹھایا اور ایک نظر پیاری پر ڈالی اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

وہ کمال فاروقی کا نمبر ڈائل کر رہا تھا‘ یہ پتا کرنے کے لیے کہ اس وقت وہ کہاں ہیں؟ ان کا نمبر ڈائل کر کے سیل کان سے لگا کر کال ریسیو ہونے کا انتظار کر رہا تھا کہ اسے یوں محسوس ہوا کہ پورچ میں کوئی گاڑی آ کر رکی ہو۔ وہ بھاگنے کے انداز میں ٹیرس تک گیا اور گرل تھام کر پورچ میں جھانکا تو پتا چلا گاڑی پورچ میں نہیں آئی۔ گاڑی گھر کے گیٹ کے باہر آ کر رکی ہے ائیرپورٹ کیب سے کمال فاروقی اتر رہے تھے۔ ڈرائیور کار کی ڈگی سے بیگ نکال رہا تھا‘ دانیال ایک لمحے کے لیے سب کچھ بھول گیا‘ اس کی آنکھیں فرط مسرت سے چمکنے لگیں یوں جیسے مرتے دم کسی کو مسیحا میسر آ جائے۔ وہ تیز قدموں سے تقریباً دوڑتا ہوا زینہ اترا تھا‘ وہ زینہ اتر کر لاؤنج سے باہر بھی نہیں آیا تھا کہ کمال فاروقی لاؤنج کے داخلی حصے میں کھڑے دکھائی دیئے‘ گارڈ ان کے بیگ اٹھائے ان کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ دانیال اور کمال فاروقی کی نظریں ایک دوسرے سے ملیں‘ دانیال چھوٹے بچے کی طرح جا کر ان سے لپٹ گیا۔

”اللہ کا شکر ہے پاپا میں آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے ابھی آپ کا نمبر ڈائل کیا تھا کہ گاڑی رکنے کی آواز آئی تو میں نے سوچا کہ شاید آپ آ گئے‘ واقعی آپ آ گئے۔“ وہ باپ کو اپنے سینے سے لگا کر زور سے بھینچ رہا تھا‘ قد میں وہ باپ سے دو چار انچ اونچا تھا لیکن انداز ایسا تھا جیسے کوئی شیر خوار بچہ اپنی ماں سے لپٹا رہا ہو۔ محبت بھرے استقبال نے کمال فاروقی کو نہال کر دیا‘ پل بھر میں شاد سے نظر آئے۔ بیٹے کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر اس کی پیشانی چوم لی۔

”سب خیریت ہے نا؟“ انہوں نے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دانیال کے چہرے کے تاثرات پڑھنے کی کوشش کی‘ دانیال نے لاشعوری طور پر ان سے نظریں چرا کر سر جھکا لیا لیکن زبردستی کے انداز میں مسکرا بھی تا کہ باپ اس کی خاموشی کو کوئی منفی طرز عمل نہ جانے اور کسی اندیشے میں نہ مبتلا ہو جائے۔

”جی پاپا اللہ کا شکر ہے سب خیریت ہے بلکہ دیکھا جائے تو حالات پہلے سے بہت بہتر ہیں۔“

”ماشاء اللہ بھئی‘ ماشاء اللہ...... یہ الفاظ سننے کے لیے تو کان ترس گئے تھے۔ آج تاریخ کیا ہے بھئی گھر میں داخل ہوتے ہی خوش خبریاں مل رہی ہیں۔“ کمال فاروقی نے لطیف انداز میں بیٹے کے ساتھ تھوڑی سی چھیڑ چھاڑ کی۔

”جی پاپا...... بس یوں سمجھ لیجیے کہ ساری بری خبروں کا سلسلہ رک گیا‘ اب سب اچھا ہے۔“ دانیال نے ہمت کر کے اپنا سارا اعتماد سمیٹ کر باپ کی آنکھوں میں دیکھا۔

”واہ بھئی واہ...... مزہ آ گیا میں تو سارے راستے بڑی ادھیڑ پن میں رہا‘ اللہ جانے کیا ہو رہا ہوگا‘ کیا سلسلہ ہوگا۔ تم سے فون پر بات ہوتی رہی تھی لیکن تم نے کوئی ایسی خاص خوش خبر سنائی نہیں۔“

”جی پاپا یوں سمجھ لیجیے کہ خوش خبری آج ہی ملی ہے۔ یہ سوچ کر آپ کو فون نہیں کیا کہ آج تو آپ پہنچ رہے ہیں تو ڈائریکٹ خوش خبری شیئر ہوگی۔“ دانیال خود پر اب اچھا خاصا قابو پا چکا تھا۔ دانیال کا اطمینان مسکراہٹ اور الفاظ نے کمال فاروقی پر جادو کا سا اثر کیا تھا ایک دم ہلکے پھلکے ہو کر وہیں گرنے کے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئے۔

”اچھا‘ ابھی تک تو یہ پتا چلا ہے کہ تمہارے پاس خوش خبریاں ہیں اب یہ بھی بتاؤ کہ کیا کیا ہیں۔“

”پہلی خوش خبری تو یہ ہے کہ ممی پیاری کو خود لینے گئی تھیں۔“

”اوہ...... گڈ گڈ......“ کمال فاروقی کے منہ سے تحیر آمیز کلمہ بڑی بے ساختگی سے نکلا اور اب وہ بہت پُرشوق نظر آئے اور دلی خوشی کی کیفیت ان کی آنکھوں سے مترشح تھی۔

”اور یہ کہ پھر ممی اسے گھر لے آئیں۔“

”ارے نہیں بھئی......!“ کمال فاروقی جیسے اپنی جگہ سے اچھل پڑے۔

”رئیلی پاپا...... ممی مانو پھوپو کے ساتھ گئی اور اسے لے آئی تھیں۔“

”یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔“ کمال فاروقی نے جیسے مدتوں بعد کھل کر سانس لی اور دل و جان سے اللہ کا شکر ادا کیا۔

”بھئی لگتا ہے میرا اس گھر میں رہنا کچھ مناسب نہیں۔“

”کیا مطلب؟“ کمال فاروقی کی بات سن کر دانیال نے حیرت سے باپ کی طرف دیکھا۔

”بھئی یہی کہ جب میں یہاں ہوتا ہوں تو اچھی خبروں کا انتظار کرتا رہتا ہوں‘ گھر سے باہر ہوتا ہوں تو خوش خبریاں آنا شروع ہو جاتی ہیں‘ واہ بھئی واہ۔“

”ارے نہیں پاپا...... بس یہ ٹائمنگ کی بات ہے۔“

”چلو خیر یہ بہت اچھا ہوا‘ پیاری اس وقت کیا کر رہی ہے‘ تم تو جاگ رہے ہو۔“ کمال فاروقی نے اپنے کوٹ کی آستین اوپر کر کے اپنی رسٹ واچ پر ٹائم دیکھتے ہوئے دانیال سے پوچھا۔

"پیاری تو بہت دیر ہوئی پاپا سوگئی تھی بس میں آپ کے انتظار میں جاگ رہا ہوں۔ مجھے لگ رہا ہے ممی بھی سوگئی ہوں گی اور آپ کے لیے ایک بہت اچھی خبر ہے۔"

"اچھا تیسری خوش خبری جلدی سے سناؤ۔" کمال فاروقی نے اب شریر انداز میں پوچھا۔

"تیسری خوش خبری یہ ہے کہ ممی گیسٹ روم سے اپنا سارا سامان واپس اپنے بیڈروم میں لے آئی ہیں اور کیونکہ وہ بہت خوش ہیں اس لیے آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں...... مجھے پوری امید ہے کہ اب وہ آپ سے بھی بہت اچھی اچھی باتیں کریں گی کیونکہ ساری پریشانیاں تو ختم ہوگئی ہیں۔"

"اچھا بھئی امید پر دنیا قائم ہے...... اللہ تمہاری زبان مبارک کرے۔" کمال فاروقی ہنستے ہوئے اپنی جگہ سے کھڑے ہوگئے۔

"یہ بیگ ایک میں لے جارہا ہوں اور دوسرا جو ہے اس میں تو کوئی خاص ایسی چیزیں نہیں ہیں جن کی فوراً مجھے ضرورت پڑے۔ صبح نوکر بیڈروم میں رکھ دے گا تم بھی جا کر آرام کرو۔" وہ آگے بڑھے اور دونوں ہاتھوں سے دانیال کے کندھے زور زور سے دبانے لگے۔

"گڈ لک مائی ڈیئر سن...... گڈ لک۔" دانیال نے مسکرا کر باپ کی طرف دیکھا۔ کمال فاروقی اپنا بیگ اٹھا کر جس میں کچھ خاص وزن محسوس نہیں ہورہا تھا زینے کی طرف بڑھ گئے مگر دانیال اپنی جگہ کھڑا ہوا تھا۔ جب اسے یقین ہوگیا کہ کمال فاروقی زینہ طے کرچکے ہوں گے اور اپنے کمرے کے قریب پہنچ چکے ہوں گے تو وہ ہیں صوفے پر بیٹھ گیا اب اس کے چہرے پر مسکراہٹ کے بجائے گہری سنجیدگی جھلک رہی تھی۔

"پاپا آگئے اب مشہود کو فیس کرنا ہے۔ جب تک مشہود کا رویہ نارمل نہیں ہوجاتا 'دلی ہنوز دور است' کے مصداق پیاری اسے مل کر بھی نہیں مل پائے گی۔" وہ سوچ رہا تھا۔

❁......❁......❁

سعدیہ کیونکہ شدید ذہنی دباؤ کا شکار تھیں اور ان کو یہ بھی شاید یقین نہیں تھا کہ کمال فاروقی آج آجائیں گے۔ اسی وجہ سے خواب آور دوالے کر گہری نیند سوچکی تھیں۔ کمال فاروقی نے بڑی آہستگی سے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا تو ایک بڑی دل فضا سی ٹھنڈک نے ان کا استقبال کیا کمرے میں ہلکی روشنی پھیلی ہوئی تھی سعدیہ ہاتھ پاؤں چھوڑے بے سدھ سو رہی تھیں ان کے سونے کے انداز سے یوں لگتا تھا کہ انتہائی گہری نیند میں ہیں اور کبھی کبھی ان کے منہ سے ہلکے ہلکے خراٹے نکلتے تھے وہ بھی ماحول میں گونج رہے تھے۔ کمال فاروقی نے جانے کتنے زمانے بعد بیوی کی طرف بڑی اپنائیت سے دیکھا تھا۔

"دیر آید درست آید...... شکر ہے اس عورت کو بھی عقل آگئی۔ اتنے سال خود بھی جلتی رہی مجھے بھی سلگاتی رہی آخر حاصل کیا ہوا۔" وہ سوچتے ہوئے ڈریسنگ کی طرف بڑھے اور وہ احتیاط کررہے تھے کہ قدموں سے آہٹ پیدا نہ ہو۔

وہ چاہتے تھے کہ اب بات کرنے کی نوبت نہ آئے جو بات ہو صبح ہی ہو اور بہت اچھے موڈ اور ماحول میں...... وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کررہے تھے سر سے ایک بہت بڑا بوجھ اتر گیا تھا۔

"شکر ہے پیاری اپنے اصل ٹھکانے پر آگئی اب سعدیہ کا بہت خیال رکھنا ہوگا کہ اسے اپنے فیصلے پر کبھی پچھتاوے کا احساس نہ ہو اور دنیال کو کوئی نیا چیلنج درپیش نہ ہو۔" دو مختلف سمتوں سے آکر ملنے والے دنیا کے طاقت ور ترین اور کمزور ترین رشتے کے بندھن میں بندھ جانے کے بعد جب اولاد کے معاملات سے گزرتے ہیں تو ہر مصلحت کو قانون بنا کر سوچتے ہیں۔

شریف مرد کی تو نشانی ہی یہی ہے کہ وہ اولاد کی خاطر بدترین عورت کو بھی بڑی خندہ پیشانی اور صبر وضبط کے ساتھ برداشت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ سوئی ہوئی سعدیہ مدت بعد بہت اپنی اپنی سی محسوس ہورہی تھی۔

❁......❁......❁

عالی جاہ اپنے سر سے بوجھ اتار کر اور اپنے حساب سے پارٹی کے منہ پر پیسے مار کر ہلکا پھلکا ہوچکا تھا اور رات ایک اور دو کے درمیان چوڑی شاہراہ پر گاڑی دوڑاتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

"ایک بوجھ اتر گیا دوسرا چڑھ گیا یار یہ کیا ہورہا ہے پیاری کو سعدیہ مامی گھر لے آئی ہیں یہ تو اتنی حیرت ناک بات کہ سورج مشرق کی بجائے مغرب سے نکلا ہو۔ یہ کمبخت سارے شہر کی لڑکیاں مرگئی ہیں کیا جو یہ دل جا کر اسی پر اٹک گیا ہے۔" پیاری اس کے اعصاب پر سوار تھی اور وہ سر جھٹک کر اس کے تصور سے جان چھڑانے کی کوشش کررہا تھا۔

کچھ لوگوں کی انا اتنی طاقت ور ہوتی ہے کہ وہ اپنی اس انا کی قوت کو محبت کی شدت کا نام دیتے ہیں اور اس غلط فہمی میں مبتلا

ہوجاتے ہیں جواُن کی انا کا سوال بن گیا ہے وہ ان کی محبت ہے۔ وہ محبت نہیں ہوتی وہ صرف انا ہوتی ہے یا ضد ہوتی ہے اس وجہ سے وہ سر پر سوار رہتی ہے۔ محبت کے بارے میں مشہور ہے کہ جب محبت ہوجاتی ہے تو انسان ہر پل اپنے محبوب کے تصور میں گم رہتا ہے۔ انا پرست اس کو اپنی ضد سمجھتا ہے اسے ہر وقت سوچتا رہتا ہے اور محبت کا نام بھی دے دیتا ہے حالانکہ انا اور محبت ایک دوسرے کی ضد ہیں جہاں انا ہوتی ہے وہاں محبت نہیں ہوتی جہاں محبت ہوتی ہے وہاں انا نہیں۔

اگر کسی وجہ سے دانیال پیاری کو ٹھکرا دے تو‘ وہ اسے ویلکم کہنے کے لیے کہیں قریب ہی کھڑا ہوا ہوگا۔ اس لیے کے اس نے ساری زندگی میں ایک لڑکی کو توجہ سے دیکھا اور وہ اس کے دل پر چڑھ گئی اور جو چیز اس کے دل پر چڑھ جائے وہ اسی کی ہوتی ہے وہ بڑی رش ڈرائیو کررہا تھا‘ وہ نشہ نہیں کرتا تھا لیکن اس وقت اس پر ضد اور انا کا نشہ طاری تھا۔

❁......❁......❁

دیر سے سونے کے باوجود کمال فاروقی کی آنکھ نور کے تڑکے کھل گئی تھی‘ ان کی زندگی میں آنے والی ایک بہت خوب صورت سی تبدیلی سے بہت کم لوگ واقف ہوئے تھے ان میں زیادہ تر لوگ وہ تھے جن سے ان کی اکثر میٹنگ رہتی تھیں اور وہ نماز کا وقفہ لازمی اس میٹنگ کے دوران کیا کرتے تھے۔ جوانی میں بھی وہ دین اور مذہب سے بالکل بے گانہ نہیں رہے تھے لیکن جتنی پابندی سے اس وقت وہ اللہ کی طرف رجوع کرنے لگے تھے اس کا اندازہ شاید ابھی ان کے گھر والوں کو بھی نہیں ہوا تھا اور دیکھا جائے تو ایک خراب شادی نے ان کی زندگی میں یہ خوب صورت تبدیلی برپا کی تھی۔ نماز کی عرصہ دراز سے پابندی کی وجہ سے ایسا ہوتا تھا کہ چاہے وہ رات کو کتنی ہی دیر سے سوئیں ایک مخصوص ٹائم پر آنکھ خود بخود کھل جاتی تھی۔ شدید اعصابی جنگ نے ان کو غور و فکر میں مبتلا کیا اور غور و فکر جب گہرا ہوا تو کوئی دل میں بولنے لگا۔ جب کوئی دل میں بولنے لگا تو خوب باتیں ہونے لگیں۔ باتیں ہونے لگیں تو پتا چلا کہ گفتگو کا بہترین سلیقہ تو نماز ہے‘ وہ اللہ کے آگے سجدہ ریز ہوئے تو ایک روحانی سکون سے آشنائی ملی کیونکہ وہ نمازیں جو بس ایک فرض نمازوں کی طرح ادا ہوتی رہیں ان نمازوں میں اور نمازِ شوق میں بڑا فرق نظر آیا۔

کبھی کبھی اپنی اس تبدیلی کو وہ بہت گہرائی سے محسوس کرتے ہوئے لطف اندوز بھی ہوتے تھے حال ہی میں انہیں مولانا طارق جمیل کے بیان میں سنی ہوئی ایک بات اکثر یاد آتی تھی۔ مولانا صاحب بیان کے دوران اپنا موضوع سامعین کے دل میں اتارنے کے لیے بڑی لطیف سی مثالوں سے بھی کام لیا کرتے ہیں‘ انہی کے درس میں انہوں نے سنا تھا کہ انہوں نے ایک بزرگ کا قصہ بیان کیا تھا جن کی بیوی کم یا زیادہ نہیں اعلیٰ درجہ کی بدتمیزی تھی وہ ایک دن لکڑیاں کاٹنے جنگل کی طرف گئے تو پیچھے ان کا مرید ان کے گھر چلا آیا۔ دروازے پر دستک دی تو اندر سے خاتون خانہ نے پھاڑ کھانے والے انداز میں دریافت کیا کہ کون ہے؟ جواب ملا کہ میں پیر صاحب سے ملنے آیا ہوں۔ خاتونِ خانہ نے یہ سنتے ہی پیر صاحب یعنی اپنے شوہر کو بے نقط سنائیں اور بڑے سخت لہجے میں اس آنے والے سے بات کی۔ وہ بے چارہ بندہ ڈر کر پلٹ گیا‘ راستے میں اسے وہ بزرگ آتے ہوئے دکھائی دیئے بندے نے بڑی حیرت سے دیکھا کیونکہ بزرگ نے کٹی ہوئی لکڑیاں شیر پر لادی ہوئی تھیں اور شیر بڑے مطیع انداز میں ان کے ساتھ چل رہا تھا۔ وہ حیران ہوکر پوچھنے لگے کہ ایک بیوی تو آپ کے قابو میں آ نہیں سکی‘ اتنا بڑا شیر آپ نے کیسے قابو کرلیا۔ بزرگ مسکرائے اور فرمایا کہ اپنی بیوی کے ساتھ رہتے ہوئے جس صبر و ہمت کا مظاہرہ کرنا پڑا اس کے صلے میں اللہ نے یہ بزرگی عطا فرمائی کے شیر مطیع ہوگیا اور یہ بیان بھی کمال فاروقی نے اسی حالیہ سفر کے دوران سنا تھا اور اپنے آپ میں کچھ تبدیلی محسوس کی تھی۔ سعدیہ کی طرف سے جو زہر دل میں بھرا ہوا تھا وہ گھر سے دور ہونے کی وجہ سے پھر مولانا کے پند و نصائح کی وجہ سے خاطر خواہ حد تک کم ہو چکا تھا اور وقفے کے بعد گھر آئیں تو ویسے بھی گھر جنت محسوس ہوتا ہے اس وقت تک جب تک کہ بیوی دو دو ہاتھ کرنے کے موڈ میں دکھائی نہ دے۔

انہوں نے محتاط انداز میں حوائج ضروریہ انجام دے کر جاء نماز بچھا کر فرض نماز ادا کی پھر اس کے بعد بڑے خشوع و خضوع سے طویل دعا کی۔ دعا کی طوالت اس باعث تھی کہ اللہ سے رحم و کرم اور حالات کی سدھار کے لیے بڑے دنوں کے بعد پرسکون ذہن سے دعا کرنے کی توفیق نصیب ہوئی تھی۔

سعدیہ تو کئی گھنٹے ایک ہی زاویے سے سوتے سوتے شاید کچھ بے چینی محسوس کررہی تھیں اسی لیے انہوں نے ایک کراہ کے ساتھ کروٹ لی تھی۔ کروٹ لیتے ہی نیند میں کچھ دیر کے

لیے آنکھ کھلی تو انہیں محسوس ہوا کہ ہلکی روشنی میں ایک سایہ دیوار پر دکھائی دے رہا ہے۔ خوف کی ایک سرد لہر ریڑھ کی ہڈی میں سرائیت کرگئی وہ بغور سائے کی طرف دیکھ رہی تھیں' انہیں محسوس ہوا کہ وہ سایہ ہلکے ہلکے ہل رہا ہے جیسے کوئی نشے میں جھوم رہا ہو۔ سعدیہ کے حلق میں کانٹے سے پڑنے لگے' بیڈ قدرے اونچا ہونے کی وجہ سے فوراً جاء نماز پر بیٹھے ہوئے کمال فاروقی پر ان کی نظر نہیں پڑسکی تھی اور ان کی نظریں مسلسل دیوار پر پڑنے والے سائے پر تھیں۔ چند لمحے تو وہ سائے کی طرف آنکھیں پھاڑے گھورتی رہیں دل بند ہوتا ہوا محسوس ہورہا تھا اس پر کمرے میں اپنے تنہا ہونے کا احساس شاید انہوں نے زندگی میں پہلی بار خوف کی اس شدت کو محسوس کیا تھا وہ پلکیں جھپکائے بغیر مسلسل سائے کی طرف دیکھ رہی تھیں معاً کمال فاروقی دعا مکمل کرکے اور چہرے پر ہاتھ پھیر کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ سعدیہ کا خوف حیرت اور قدرے شرمندگی میں تبدیل ہوگیا' بڑے کسلمند انداز میں کچھ پہلو بدلے پھر نیند بھری آواز میں گویا ہوئیں۔

"مرے آپ کب آئے؟"

"السلام علیکم۔" کمال فاروقی نے سوال کا جواب دینے کی بجائے سعدیہ کو سلام کیا' سعدیہ کو حیرت کا اتنا زوردار جھٹکا لگا کہ ساری کاہلی رفوچکر ہوگئی ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

"وعلیکم السلام۔" وہ اتنے تعجب اور حیرت سے آنکھیں پھاڑے کمال فاروقی کی طرف دیکھ رہی تھیں جیسے انہوں نے آٹھواں عجوبہ آنکھ کھلتے ہی اپنے کمرے میں دیکھ لیا ہو۔

"کیسی ہیں آپ؟ میں تو بہت احتیاط کررہا تھا کہ کہیں میری آہٹ سے آپ کی نیند نہ ٹوٹ جائے۔" کمال فاروقی جاء نماز طے کرتے ہوئے سعدیہ سے مخاطب تھے اور سعدیہ کو یوں لگا کہ دل دھڑکنا بند کردے گا وہ پلکیں جھپکنا بھول گئی تھیں۔ یک ٹک کمال فاروقی کی طرف دیکھ رہی تھیں' کمال فاروقی آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ان کے قریب آئے اور بیٹھ گئے۔ سعدیہ نے نظروں کا زاویہ بدلا' پلکیں پھر بھی نہیں جھپکیں' وہ یک ٹک کمال فاروقی کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"کیسی طبیعت ہے سعدیہ؟" انہوں نے یہ کہتے ہوئے سعدیہ کا نرم ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔ سعدیہ بس حیرت سے مرنے ہی کو تھیں کہ کمال فاروقی نے سعدیہ کا ہاتھ اپنے ہونٹوں سے لگایا اور مسکرا کر بولے۔

"میری جان...... بہت بہت شکریہ...... جزاک اللہ۔" سعدیہ نے کافی دیر بعد پلکیں جھپکیں اور ایک تحیر بھرا کلمہ لبوں سے ادا کیا۔

"آپ کمال...... کمال۔"

"جناب عالی...... مجھے کمال فاروقی کہتے ہیں' آپ کا شوہر نامدار۔"

"آپ کو کیا ہوا کمال...... مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی' آپ بہت چینج لگ رہے ہیں۔" بالآخر سعدیہ کے منہ سے نکل ہی گیا۔

"کیا یہ چینج...... گڈ چینج نہیں ہے؟ اگر نہیں ہے تو بالکل سچ سچ بتاؤ بالکل اسی طرح جس طرح کھری کھری سناتی ہو۔" کمال فاروقی مسکراتے ہوئے لطیف انداز میں گویا ہوئے۔ سعدیہ نے ان کے ہاتھوں سے اپنا ہاتھ کھینچنے کی بالکل بھی کوشش نہیں کی تھی شاید ان کو کمال فاروقی کے ہاتھوں کی گرمی اچھی لگ رہی تھی یا اس گرمی میں ان کی دلی کیفیت کی تپش تھی جسے عرف عام میں محبت کا نام دیا جاسکتا ہے۔

"کیوں اتنا حیران ہورہی ہو پہلے بھی تو ہزاروں بار لڑے ہیں اور دوستی ہوئی ہے لیکن میں تمہیں یہ یقین دلاتا ہوں کہ اب تم جتنا مرضی مجھ سے لڑو میں یہ وعدہ کرکے گھر میں داخل ہوا ہوں کہ میں تم سے نہیں لڑوں گا۔" وہ سعدیہ کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے مسکرا کر سعدیہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"لیکن مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" سعدیہ نے اپنے اندیشے کو الفاظ دیئے۔

"کس بات سے؟" اب کمال فاروقی قدرے حیران ہوئے۔

"کہیں یہ چینج دو چار دنوں کے لیے تو نہیں آیا۔ میں تو آپ کا یہ انداز دیکھنے کو ترس گئی تھی۔"

"اپنی ہی باتیں کروگی...... کچھ مجھ غریب سے بھی پوچھ لو کس کافر کا دل نہیں چاہتا کہ اس کی بیوی اس سے پیار بھری باتیں کرے اور وہ اس کی پیار بھری باتوں کا جواب اس سے بھی زیادہ پیار بھرے انداز میں دے۔ سچ بتاؤ کیا ایسا نہیں ہوتا' کیا دل نہیں چاہتا۔ یار ہم انسان کے بچے ہیں کوئی جانور تو نہیں۔" کمال فاروقی نے بڑی بے ساختگی سے مسکراتے ہوئے سعدیہ کی آنکھوں میں دیکھا' وہ درحقیقت بے پناہ خوش تھے کچھ تو سفر نے ان کی ذات میں ایک تغیر برپا کیا تھا کچھ مولانا کی شہد

آ گئیں باتوں نے ایک جادو کا سا اثر کیا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کا بیٹا خوش تھا خوشی ان کے گھر میں آ چکی تھی اب انہیں سعدیہ سے کوئی بھی گلہ شکوہ نہیں تھا بلکہ وہ تہیہ کر چکے تھے کہ اتنی بڑی خوشی حاصل کرنے کے بعد وہ آج سے سعدیہ کی ہر کوتاہی کو ہر زیادتی ہر تلخی سہہ لیں گے وہ سعدیہ کی طرف دیکھ رہے تھے مدتوں کے بعد سعدیہ کو جیسے ان کی نگاہ سے حیا آنے لگی اب وہ بھی پلکیں جھکائے دھیرے سے مسکرا رہی تھیں۔

دانیال کی آنکھ تو ویسے علی الصبح ہی لگی تھی وہ صوفے پر جس انداز سے سو رہا تھا اس سے لگتا تھا کہ اس وقت وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہے سوائے دھماکے کہ اسے کوئی اور آواز نہ چونکا سکتی ہے نہ جگا سکتی ہے۔ پیاری بیڈ پر بیٹھی ہوئی یک ٹک دانیال کی طرف دیکھے جا رہی تھی دانیال کا ایک ہاتھ لٹک کر کارپٹ کو چھو رہا تھا اور اس کی دونوں ٹانگیں کشن پر رکھی ہوئی تھیں صوفہ اس کے قد سے قدرے چھوٹا تھا اس لیے ٹانگیں صوفے سے باہر لٹک رہی تھیں دو کشن اس نے سر کے نیچے رکھے ہوئے تھے۔ پیاری کے حساب میں وہ بہت تکلیف دہ حالت میں سو رہا تھا پیاری کے دل کو کچھ ہوا صرف اس کی وجہ سے وہ رات بھر اتنی تکلیف میں سوتا رہا ہے۔ وہ ہمت کر کے اپنی جگہ سے اٹھی فاقے کی وجہ سے پیٹ سے عجیب وغریب قسم کی آوازیں آ رہی تھیں جس سے اس کو اندازہ ہوا کہ وہ اس وقت شدید بھوک میں مبتلا ہے لیکن وہ جس ماحول میں تھی اس ماحول میں وہ کسی سے بھی اپنی بھوک کی کیفیت بیان نہیں کر سکتی تھی۔ ہاں...... بس ایک طرح سے ہی ممکن تھا کہ دانیال اٹھ کر بیٹھے اور اسے کچھ کھانے کے لیے لا کر دے یا اسے ناشتے کا کہے۔

رات جب دانیال اس سے اصرار کر رہا تھا درحقیقت اسے بھوک پیاس کا کوئی احساس نہیں تھا اعصاب اتنے شل تھے کہ سوائے ذہن پر بوجھ کے علاوہ کوئی دوسرا تاثر یا احساس ہی نہیں تھا لیکن گہری نیند سے جاگنے کے بعد اسے بڑی شدید بھوک کا اندازہ ہوا بلکہ ایک طرح سے اسے افسوس بھی ہوا کہ وہ دانیال کے کہنے پر تھوڑا بہت کھا لیتی تو اس کی یہ حالت نہ ہوتی۔ اپنی غرض یعنی بھوک کی وجہ سے یا دانیال کی تکلیف کی وجہ سے بہرحال وجہ کوئی بھی تھی وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی دانیال کے قریب آ گئی۔ پہلے تو سوچا کہ جگانے کا طریقہ کیا ہونا چاہیے کیا وہ اس کا کندھا چھوئے یا اس کا لٹکتا ہوا ہاتھ اٹھا کر اس کے سینے پر رکھ دے یا پھر بے ترتیب بال جو اس کی پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے سمیٹ کر پیچھے کر دے۔ بس اس کے چھونے کی دیر ہی تو ہے وہ جاگ جائے گا بال سمیٹنے کے خیال سے اسے حیا آ گئی سب سے آسان طریقہ اسے یہی لگا کہ وہ اس کا لٹکتا ہوا ہاتھ اٹھا کر اس کے سینے پر رکھے۔ بس اتنا کرنا بھی کافی ہوگا اس نے گویا بہت ہمت کر کے دانیال کا ہاتھ ایک ہاتھ سے تھاما اور بڑی آہستگی سے اٹھا کر سینے پر رکھ دیا اس سے پیشتر وہ اپنا ہاتھ دانیال کے ہاتھ سے ہٹاتی دانیال کا دوسرا ہاتھ اس کے ہاتھ پکڑ چکا تھا اور اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دی تھیں۔

"زندہ ہونا شرط ہے مجھے بے ہوشی میں بھی کوئی چھوئے تو میں بتا سکتا ہوں کہ مجھے کس نے چھوا ہے اور پیاری مجھے چھوئے گی تو فرشتے میرے کانوں میں گنگنا کر کہیں گے اب اٹھ جاؤ کیونکہ پیاری جاگ رہی ہے۔" وہ بڑے دلنشین اور محبت بھرے انداز میں بڑی گرمجوشی نظروں سے پیاری کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پیاری ایک دم اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی اور دانیال کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ کھینچنے کی کوشش کی جو دانیال نے بڑی مضبوطی سے اپنی گرفت میں لیا ہوا تھا۔

"وہ میں آپ کو اس لیے جگا رہی تھی کہ آپ پلیز بیڈ پر جا کر سو جائیں۔ آئی ایم سوری آپ نے بہت تکلیف میں رات گزاری مجھے اندازہ نہیں تھا......"

"کس بات کا اندازہ نہیں تھا؟" دانیال نے اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"یہی کہ آپ اتنی تکلیف میں صوفے پر سوئیں گے۔" وہ ہچکچاتے ہوئے گویا ہوئی۔

"اور میں اس خیال سے بیڈ پر نہیں سویا کہ پھر تم ساری رات تکلیف میں رہو گی حالانکہ ایسا ہونا تو نہیں چاہیے مگر تم نے اتنے سخت پہرے لگا دیئے ہیں کہ مارے محبت کے میں وہ پہرے توڑنے پر تیار نہیں ہوں اس وقت تک جب تک تم مجھے اجازت نہ دو...... دیکھو نا محبت کس کو کہتے ہیں ایک دوسرے کے احساسات کا جذبات کا اعتراف کرنا...... ایک دوسرے کی تکلیف کو محسوس کر کے تکلیف دور کرنے کی کوشش کرنا اور جس سے محبت کی جائے اس کی تکلیف کو اپنی ہی تکلیف سمجھنا۔ میں نے تم سے محبت کی ہے پیاری...... کوئی مذاق تو نہیں...... تم جتنا مجھے آزما سکتی ہو آزماتی رہو آگے بڑھتی چلی جاؤ میں تمہیں

ہمیشہ بالکل قریب آس پاس ملوں گا۔ میری طرف سے محبت کی انتہا ضرور ہوگی معذرت کبھی نہیں ہوگی۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے پیاری کو دونوں شانوں سے تھام لیا' نیند بھری آنکھیں بکھرے بکھرے بال محبت اور نیند کے خمار سے بوجھل لہجہ پیاری کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں۔

"اگر آپ کو واقعی مجھ سے محبت ہے اور میرا اتنا خیال ہے تو میری ایک بات مان لیں۔" دانیال ایک دم چونکا کسی انجانے سے اندیشے نے اس کو اندر ہی اندر سہایا مگر بظاہر اس نے بہت پیار بھرے لہجے میں استفسار کیا تھا۔

"ہاں کہوں...... بلکہ حکم کرو۔"

"آپ بیڈ پر جاکر آرام سے سو جائیں بس میری اتنی بات مان لیں۔" پیاری نے خالی پیٹ کی گڑگڑاہٹ کے دوران باقاعدہ درخواست کرتے ہوئے کہا تھا حالانکہ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اگر دانیال نے واقعی اس کی بات مان لی اور بیڈ پر جاکر کروٹ سے سو گیا تو پھر کیا وہ اس کے اٹھنے تک یوں ہی بھوکی بیٹھی رہے گی۔ پہلے یہ بیڈ پر جاکر لیٹے تو سہی پھر شاید وہ ہمت کرے اور اسے بتادے کہ اسے اس وقت سخت بھوک لگ رہی ہے۔

دانیال نے واقعی اس کی بات مان لی تھی' اچھے بچوں کی طرح جاکر بیڈ پر لیٹ گیا اور دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لیے تھے پھر بڑی شریر مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔

"اب ٹھیک ہے۔" پیاری نے جواب دینے کی بجائے اثبات میں گردن ہلائی اور ساتھ ہی ہمت کرنے لگی اب اسے بتادے کہ اسے بڑی سخت بھوک لگ رہی ہے' اس سے غلطی ہوگئی وہ اسے بیڈ پر جانے کا کہہ بیٹھی حالانکہ اسے پہلے یہ بتانا چاہیے تھا کہ اس وقت وہ بہت بھوکی ہے' بھوک سے نڈھال ہورہی ہے بُری حالت ہورہی ہے۔ دانیال اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور وہ نظریں جھکائے کھڑی اپنی ہی فکر میں مبتلا تھی۔ نکاح کا بندھن ایسا خوب صورت بندھن ہے جو نکاح کے چند بولوں کے بعد دنیا کا سب سے مضبوط ترین بندھن بن جاتا ہے اور اپنائیت کے احساس کا وہ رشتہ استوار ہوتا ہے کہ زندگی اپنائیت کی اس انتہا کو محسوس کرتی ہے جس کے خواب دیکھے جاتے ہیں' کوئی اپنا ہو ایسا اپنا جس پر کچھ کہے بغیر الفاظ کا سہارا لیے بغیر خود بخود آشکار ہوجایا کرے۔ دل دل کی بات سنے نظر نظر کا اشارہ سمجھے آٹھ پہر اپنائیت کے احساس کی بارش میں بھیگا کرے اور اپنائیت یہ کہ خدانخواستہ اپنائیت کا یہ احساس نہ چھن جائے جب دل سجدے کرتا ہوا اللہ سے دعا کرتا ہے یارب العالمین اپنائیت کے یہ احساس قبر میں اترنے تک ساتھ رہیں کیونکہ اپنائیت کے احساس سے بڑی نعمت کوئی نہیں۔

دونوں نے ایک دوسرے کو چاہا تھا ٹوٹ کر محبت کی تھی' دونوں کے دلوں کو پتا تھا کہ وہ ایک دوسرے کے ہیں' ایک دوسرے سے بہت پیار کرتے ہیں لیکن بیچ میں ایک تیسرا تھا جو ایک غیر مرئی دیوار بن کر کھڑا ہوگیا تھا اور اپنی اذیتوں کو پوری کائنات میں پھیلانے کے درپہ تھا۔ اپنے اندیشوں کو یقین مان رہا تھا اپنی بدگمانیوں کو حکمت سے پُر خیالات گردان رہا تھا۔

پیاری زیادہ دیر کھڑی نہ رہ سکی' نڈھال انداز میں اس صوفے پر جا بیٹھی' جس پر سے ابھی دانیال اٹھ کر بیڈ پر لیٹا تھا۔

"ایک بات کہوں پیاری......" دانیال اب کروٹ لے کر اور دونوں ہاتھ اپنے گالوں کے نیچے دبا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ پیاری نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ "ایک بات ذہن میں رکھنا کیونکہ ابھی تم میری بیوی ہو اور بیوی کو اپنے شوہر کے مزاج کے تمام موسموں سے باخبر ہونا چاہیے۔" پیاری نے پھر سوالیہ نظروں سے دیکھا وہ الجھ گئی تھی۔

"جیسے کچھ سمجھ نہ آیا ہو' مجھے نا...... میرے ساتھ ایک مسئلہ ہے اگر میری نیند ٹوٹ جائے نا تو پھر مجھے جھولے میں لٹا کر جھولا بھی جھلایا جائے نا تو نیند نہیں آتی۔ اب تم نے مجھے جگا دیا ہے لہٰذا تمہیں اس جرم کی پیاری سی سزا ملنا چاہیے۔" دانیال کی بات سن کر پیاری ایک دم گھبرا گئی اور دوشیزگی کے بہت سے رنگین خواب آنکھوں کے سامنے جھلملانے لگے۔ وہ خواب جو اس عمر کا خاصہ ہوتے ہیں اور الہام کی طرح اترا کرتے ہیں' اس نے لاشعوری طور پر سر کو یوں ہلایا جیسے وہ سوال سننے سے پہلے ہی انکار کررہی ہو اور دم سادھ لیا حالانکہ اندر ایک کھوج تو جاگی تھی کہ آخر اس بات کا مطلب کیا ہے۔

"تمہاری سزا یہ ہے کہ تم واش روم میں جاؤ ہاتھ منہ دھوؤ میں تمہارے لیے ناشتا منگواتا ہوں۔ بے وقوف لڑکی کل سے کچھ نہیں کھایا' تم کیا سمجھ رہی ہو کہ تمہارے اس طرح بھوکا رہنے سے چٹکی بجاتے ہی سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔ اتنا برا ہوچکا ہے اس کو ٹھیک ہونے میں کچھ تو ٹائم لگے گا' کیا تم اس وقت تک بھوک ہڑتال کروگی۔ اب میں تمہاری ایک بات نہیں سنوں گا' اگر تم نے میری بات نہیں مانی تو میں ابھی ممی اور پاپا کو

لے کر اسی کمرے میں آجاؤں گا پھر دیکھتا ہوں کہ تم کیسے ناشتا نہیں کرتیں۔" پیاری کی آنکھوں میں ایک بے ساختہ قسم کی خوشی کی چمک ابھری تھی۔

"اُف اللہ...... تُو نے سن لی۔" واقعی اس وقت ایسی حالت ہورہی تھی کہ اگر آدھے گھنٹے تک اسے کچھ کھانے کو نہ ملتا تو شاید وہ بے ہوش ہوجاتی۔ اس نے جلدی سے اپنا سر ہلایا، جیسے دانیال کی بات کے جواب میں ہاں کہہ رہی ہو حالانکہ اس کا دل تو یہ چاہ رہا تھا کہ کہے اللہ کے لیے جلدی سے کچھ منگوالو اس سے پہلے کہ تم مجھے اٹھا کر ہسپتال لے کر جاؤ اور دوبارہ سے مجھے گلوکوز کی بوتلیں چڑھنا شروع ہوں۔

دانیال کو پیاری کا جواب ہاں میں ملا تو وہ بڑی پھرتی سے اٹھ کر بیٹھ گیا اور ٹیبل پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی جو صرف اسی وجہ سے اس کی ٹیبل پر رہتی تھی کہ جب وہ کچن سے نوکر کو بلانا چاہے تو فوراً آجائے کیونکہ دن اور رات بے ترتیب تھے، کھانا کھانے کا ناشتا کرنے کا کوئی وقت نہیں تھا۔ نوکر اس کے انتظار میں مستعد رہتے تھے کہ کب گھنٹی بجے اور وہ جا کر اس کی خدمات بجالائیں۔ پیاری کو اس وقت ایک نہیں دہری خوشی ملی تھی ایک تو اس کے کھانے پینے کا بندوبست کیا جارہا تھا دوسرا یہ کہ کمال فاروقی گھر آچکے تھے کیونکہ دانیال نے یہی تو کہا تھا کہ وہ ابھی ممی اور پاپا کو بلائے گا پھر وہ دونوں اس کو راضی کریں گے۔ پیاری کو یوں محسوس ہوا کہ بس غم کے بادل چھٹنے والے ہیں۔ مشہود کمال فاروقی کا بزنس پارٹنر بھی ہے اور بزرگ کی حیثیت سے لحاظ بھی بہت کرتا ہے۔ کم سے کم ان کی بات تو سننے پر مجبور ہوگا۔

"دیکھو فریش جوس اور ایک ہاف بوائل ایگ لے کر فوراً آؤ۔" دانیال نے نوکر کے اندر داخل ہوتے ہی وقت ضائع کیے بغیر آرڈر دیا۔ "دس منٹ کے اندر اندر اس سے زیادہ دیر نہیں ہونی چاہیے" اس نے مزید تاکید کی۔ نوکر مؤدبانہ سر جھکا کر الٹے پاؤں واپس چلا گیا تھا۔

"ناشتا تو پاپا کے ساتھ کریں گے، ملاقات بھی ہوجائے گی اور ناشتا بھی۔" وہ اٹھ کر پیاری کے قریب چلا آیا۔ پیاری نے سر اٹھا کر دیکھا، بکھرے بال، بڑھی ہوئی شیو۔

"اس حلیے میں ناشتے کی ٹیبل پر جائیں گے۔" پیاری کے منہ سے غیر ارادی طور پر نکلا تھا۔ دانیال نے بڑی دلچسپی سے پیاری کی طرف دیکھا۔

"تھینک گاڈ، تمہیں بھی میرا حلیہ نظر آیا۔ اب ذرا حالات پر بھی نظر کرم فرمالینا۔" وہ اس کے قریب بیٹھ گیا۔ پیاری گھبرا کر سمٹنے لگی۔

"گھبراؤ نہیں تمہاری اجازت کے بغیر تمہیں ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔" وہ دانیال کی نظروں کی گرمی سے خود کو پگھلتا ہوا محسوس کررہی تھی۔

❁ ❁ ❁

سعدیہ جتنی دیر واش روم میں شاور کے نیچے رہیں یہی سوچتی رہیں۔ آخر کمال فاروقی کہاں ہوکر آئے ہیں، اتنا بڑا چینج...... اتنے سے دنوں میں تو کبھی نہیں آسکتا۔ ہاں لوگ برس ہا برس بعد اپنے گھر لوٹیں تو واقعی تبدیلیاں رونما ہوسکتی ہیں۔ جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی باہر نہیں رہے، اس موڈ میں گھر سے نکلے تھے اور واپس آئے ہیں تو کیا ہیں۔ عقل حیرت کی انتہا کو چھو کر گھٹنوں کے بل گرتی جارہی تھی، دماغ لڑا لڑا کر تھک گئیں کچھ سمجھ میں نہ آیا لیکن جب غسل سے فارغ ہوکر اپنے ہاتھوں کا مساج کررہی تھیں تب ہی ایک خیال بجلی کی طرح ذہن میں کوندا۔

"اوہ...... اینجو لی تھینک فل ہورہے ہیں، بس ان کی تو مراد پوری ہوگئی۔"

"ظاہری بات ہے دانیال سے ملاقات ہوئی ہوگی اس نے باپ کو پہلی فرصت میں بتادیا ہوگا کہ ماں پیاری کو لے آئی ہے اور یہ سنتے ہی وہ سب کچھ بھول بھال گئے ہوں گے۔ ان کو میری فکر تھوڑی ہے ان کا سارا دھیان تو ان کے بیٹا اور بہو کی طرف ہے ان کے صدقے میں مجھ سے اتنے پیار محبت سے بات کی جاتی ہے ورنہ پینتیس سال ہوگئے جس طرح سے آج صبح بات کی ہے اس طرح سے تو شاید شادی کے شروع شروع کے دنوں میں بھی نہیں کی، اُف میرے اللہ......" انہوں نے اپنا دایاں ہاتھ سر پر رکھ کر گویا اپنی حماقت پر سر پیٹا کہ وہ اتنی سی بات نہیں سمجھ سکیں۔ یہاں تک سوچ کر انہوں نے ایک گہری سانس لی اور لوشن کے جار کا ڈھکن بے خیالی میں ٹیڑھا میڑھا لگا کر رکھ دیا۔ کچھ دیر پہلے جو خوشی کی کیفیت خون میں دوڑ رہی تھی اس کی رفتار اچانک دھیمی پڑگئی کیونکہ بدگمان اس خوب صورت کیفیت پر غالب آچکا تھا۔

"میری حیثیت ہی کیا ہے، بس ان کے قواعد و ضوابط پر یس سر، یس سر بولتے رہو تو مسئلہ ہی کوئی نہیں۔ یہ چاہتے تھے کہ بیٹا

جیت جائے ماں ہار جائے مراد پوری ہوگئی خوش ہوگئے۔'' وہ جس کیفیت میں باتھ روم میں داخل ہوئی تھی اس کی متضاد کیفیت میں واش روم سے باہر آئی تھیں بلکہ پیشانی پر ہلکے ہلکے بل بھی پڑے ہوئے تھے کیونکہ ان کے خیالات کی جو انتہا تھی اس حساب سے یہ بدگمانی ہی ان کا عقیدہ تھی۔

❀.....❀.....❀

پیاری کے لیے دانیال کے سامنے بیٹھنے کی بجائے دس پندرہ منٹ باتھ روم میں گزارنا کہیں زیادہ آرام دہ تھا کیونکہ وہ اب مشہود کی باتیں دانیال سے کرکے اپنی طرف سے ماحول کو بوجھل کرنے کی کوشش نہیں کرنا چاہتی تھی۔ دانیال کا لگژری باتھ روم اس کے لیے واقعی بہت آرام دہ ثابت ہوا خوشبوؤں سے مہکا ہوا وسیع اور کشادہ۔

وہ دانیال کی بہت خوب صورت آرام دہ کرسی پر جا کر بیٹھ گئی جس کی پشت پر موٹا سا تاول پڑا ہوا تھا عموماً وسیع وعریض پرتعیش واش روم میں اس طرح کی چیئر کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے جس کی کوئی منطقی وجہ اس کی سمجھ میں تو نہیں آتی تھی کہ واش روم کیا ایسی جگہ ہے جہاں آرام دہ کرسی پر بیٹھ کر جھولے لیے جائیں اور دنیا کے مسئلے مسائل پر غور کیا جائے لیکن بہرحال اس وقت تو یہ کرسی اس کے لیے بہت بڑی نعمت تھی۔ وہ کرسی پر بیٹھ کر آہستہ آہستہ جھولنے لگی اور چاروں طرف نظر دوڑانے لگی واقعی بہت خوب صورت واش روم تھا دانیال کی فنکارانہ مزاج کا عکاس جس میں چھاؤں میں پروان چڑھنے والے ہرے بھرے پودے بھی تھے اور دیوار گیر آئینے بھی مختلف شیمپو لوشنز کی خوشگوار مہک روشن دانوں سے چھن چھن کر آنے والی سورج کی کرنیں واش بیسن کے دائیں جانب بہت خوب صورت دودھیا بڑا سا گلدان جس میں سرخ اور جامنی مصنوعی گلاب عجب بہار دے رہے تھے۔ وہ رات کو بھی اس واش روم میں آئی تھی لیکن اُس وقت اس کا ذہن کہیں اور تھا وہ صرف اور صرف مشہود کے بارے میں اور اس کی تنہائی کے بارے میں سوچ رہی تھی اگرچہ وہ خیال اور سوچ ابھی تک امر بیل کی طرح اس کی جان سے لپٹی ہوئی تھی لیکن ماحول اس طرح بوجھل محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ شاید یہ رات کا ہی خاصہ ہے جو اللہ نے ہر شے کو ڈھانکنے اور ڈھانپنے کے لیے تخلیق کی ہے جس کی تاریکیوں میں شر اور گناہ پلتے ہیں۔ یہ رات جو شر والوں کے لیے پردہ ہے اور حیا والوں کے لیے...... محبت اور نور کی چادر

سورج نکلتے ہی کیفیات میں ایسی تبدیلی واقع ہوتی ہے کہ اگر غور کیا جائے تو عقل حیران ہوتی ہے کہ دن اور رات کے مصارف ہی مختلف نہیں۔ کیفیات بھی مختلف ہوتی ہیں اور دوسرے یہ کہ جب فاقہ اتنا طویل ہوکے جان پر بن جائے تو یہ انسانی نفس کی کمزوری ہے کہ پھر وہ پیٹ کے سامنے اعلیٰ درجے کی خود غرضی کا مظاہرہ بھی کرتا نظر آتا ہے۔

بھوک سے پیٹ میں بل پڑ رہے تھے اسے چند منٹ بعد کمرے میں ٹیبل سرکانے کی آواز اور برتنوں کی کھن کھن سنائی دی بس پھر تو وہ جیسے تڑپ کر باہر آئی تھی۔ دانیال ہاف بوائل ایگ پر کالی مرچ چھڑک رہا تھا پیاری کو واش روم سے باہر آتا دیکھ کر بڑی گرم جوشی سے ٹیبل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے گویا ہوا۔

''بس فٹافٹ شروع ہوجاؤ۔''

''میں فریش ہوکر آتا ہوں میرا مطلب ہے حلیہ ٹھیک کرکے آتا ہوں۔'' پیاری یہ سن کر ہی پرسکون ہوگئی واقعی اس وقت تو جی چاہ رہا تھا جو کچھ سامنے ہے بس ٹوٹ پڑے۔ اس نے دانیال کے اصرار کرنے کا بھی انتظار نہ کیا اور پائن ایپل جوس کا گلاس اٹھا کر منہ سے لگالیا۔ جوس معدے میں کیا اترا آنکھوں میں زندگی کی چمک عود کر آئی آدھا گلاس خالی کرکے وہ ہاف بوائل ایگ کھانے لگی۔ پیاری کو پیٹ پوجا کرتا دیکھ کر دانیال کو یوں لگا ایک آتش جہنم سرد ہوگئی ہو کم سے کم یہ اطمینان ہی بہت تھا کہ فی الحال کسی غیر متوقع ایمرجنسی کا سامنا تو نہیں ہونے والا۔

وہ وارڈ روب کھول کر ڈریس سلیکٹ کر رہا تھا پیاری نے اتنی دیر میں ہاف بوائل ایگ بھی معدے میں اتار لیا۔ پیٹ کا جہنم سرد ہوتے ہی دماغ میں جہنم سلگنے لگا وہ بے بس تھی غیر ارادی طور پر ذہن بار بار مشہود کی طرف چلا جاتا تھا۔ دانیال اس کی طرف دیکھے بغیر واش روم میں چلا گیا۔

❀.....❀.....❀
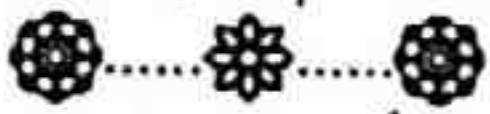
کمال فاروقی نے تو گویا سعدیہ کے ہاتھ پاؤں ہی باندھ کر رکھ دیئے تھے صبح آنکھ کھلتے ہی وہ اعلیٰ درجے کا حسن سلوک فرمایا کہ سعدیہ کی بے بسی دیدنی تھی اس لیے کہ جو کچھ کمال فاروقی نے کہا اس کے بعد نہ وہ تلخ بول سکتی تھی نہ لڑائی کا کوئی بہانہ نکال سکتی تھیں بلکہ الٹا اب تو سر پر کام پڑ گیا تھا۔

ناشتے کی ٹیبل بہت اہتمام سے سجانا تھی اس لیے بھی کہ

شوہر کئی دنوں کے بعد گھر میں ناشتا کررہا تھا دوسرے یہ کہ پیاری کی بھی گھر میں پہلی صبح تھی اگر وہ کوئی کمی کوتاہی چھوڑ تیں تو اس کا مطلب یہ تھا کہ انہیں ان دونوں کے گھر میں موجود ہونے سے کوئی دلچسپی نہیں وہ گھر میں ہوں یا نہ ہوں ان کو کوئی فرق نہیں پڑتا اور پیاری سے ہمیشہ کے لیے پیچھا چھڑانے کے لیے تو بہت ہی ضروری تھا کہ وہ کمال فاروقی کے سامنے لاڈ پیار کا مظاہرہ کریں کہ کل کو جب کہیں سے کوئی غلط یا الٹی سیدھی بات سننے کو ملے تو وہ اس پر یقین ہی نہ کریں وہ فریش ہوکر کچن میں چلی آئیں اور خانساماں کو ہدایات دے رہی تھیں۔

''دیکھو بھئی تمہارے صاحب ناشتے میں مغز بہت پسند کرتے ہیں۔ مغز ضرور پکانا اور کاتو مجھے ابھی کچھ اندازہ نہیں کہ وہ کیسا ناشتہ کرتی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ نہاری پکالو چاہے چکن کی ہو ویسے بھی آج کل کے بچے بیف اور مٹن سے زیادہ چکن کی طرف بھاگتے ہیں اور ہاں تھوڑا سا انڈوں کا حلوہ ضرور بنانا اسی ریسپی سے جو مانو آپا نے تمہیں بتائی تھی۔ تمہارے صاحب بہن کی اسپیشلٹی ٹیبل پر دیکھیں گے تو بہت خوش ہوں گے۔ بھئی میں نے تو کئی دفعہ بنانے کی کوشش کی مجھ سے تو نہیں بنا' ادھر اُدھر پیلے سے لڈو پڑے دکھائی دیتے ہیں اور دیکھو ناشتا جلدی لگادینا کیونکہ تمہارے صاحب اٹھے ہوئے ہیں اور میں نے ان کو صرف دانیال اور پیاری کی وجہ سے کمرے میں روکا ہوا ہے دیر نہ لگانا ہو سکے تو ڈرائیور کی بیوی کو کوارٹر سے بلا لو وہ تمہاری مدد کردے گی' بہت ٹائم ہوگیا ہے۔'' وہ خانساماں کو ہدایات دینے کے بعد بولتی ہوئی کچن سے باہر آ گئیں۔

⁂ ⁂ ⁂

''میرے سب کپڑے تو گھر پر ہیں یہ بڑے عجیب سے ہورہے ہیں۔'' پیاری جو خاصی دیر سے تذبذب کی کیفیت میں تھی' دانیال کو واش روم سے باہر آتا دیکھ کر بولی۔ دانیال اس کی بات سن کر مسکرایا اور اس کے قریب آ کر دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ کر گویا ہوا۔

''تمہیں کپڑوں کی کمی ہے' اچھا ہے اس بہانے تھوڑی سی آؤٹنگ ہوجائے گی۔ چلو آج میں تمہیں ڈھیر ساری شاپنگ کرادوں گا' تم جتنے مرضی کپڑے لے لو ابھی تک میں نے تمہیں دیا ہی کیا ہے۔'' دانیال اس کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کررہا تھا مگر پیاری تھی کہ نظر اٹھا کر ہی نہیں دے رہی تھی۔

''نہیں' اتنے سارے کپڑوں کی تو مجھے ضرورت بھی نہیں ہے گھر میں الماری بھری پڑی ہے بلکہ وہاں تو ان میں کپڑے لگانے کی جگہ بھی نہیں ہے۔'' وہ بڑی سادگی سے گویا ہوئی۔ دانیال ایک بار پھر مسکرایا۔

''بھئی الماری میں کپڑے رکھنے کی جگہ نہیں ہے مگر اس گھر میں کپڑے رکھنے کی بہت جگہ ہے۔ ایسا کرو ان کپڑوں کو وہیں رہنے دو اور نئے کپڑے خرید کر یہاں جو وارڈ روب ہے اس کو بالکل فل کردو۔''

''لیکن میں اتنے سارے کپڑوں کا کروں گی بھی کیا؟'' پیاری کے منہ سے بڑی بے ساختگی سے نکلا۔

''بھئی کپڑوں کا کیا کرتے ہیں' میں نے سنا ہے کہ لڑکیوں کا تو کپڑوں سے پیٹ ہی نہیں بھرتا اور یہ بھی سنا ہے کہ جس کسی کو پارٹی یا فنکشن میں جانا ہوتا ہے تو وہ صبح سے اس غم میں بیٹھی ہوتی ہے کہ اس کے پاس ڈھنگ کے کپڑے ہی نہیں......'' پیاری دانیال کا یہ شگفتہ سا جملہ سن کر نا چاہتے ہوئے بھی مسکرادی۔

''میں ان لڑکیوں میں سے نہیں ہوں' مجھے ہر وقت شاپنگ کرنے کا اور بہت سارے کپڑے جمع کرنے کا کبھی بھی شوق نہیں رہا۔ بس موسم کے حساب سے ضرورت ہوتی ہے تو لے لیتی ہوں۔'' وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

''تم بڑی نرالی لڑکی ہو اور سنو نرالی اور انوکھی نہ ہوتیں تو دانیال کی زندگی میں کیسے رنگ بھرتیں۔ میری بیگم...... زندگی میں تو سارے رنگ تم نے بھرے ہیں اور ہاں دیکھو اللہ کے لیے اب منہ سے اچھی اچھی بات نکالنا سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا میں تمہارے ساتھ ہوں نا اور پاپا...... پاپا کو تم اتنی ہی عزیز ہو جتنا کہ میں اس لیے کہ پاپا بہت اچھی طرح سمجھ چکے ہیں کہ میرا خوش ہونا بہت آسان ہے' بس میرے پاس پیاری کو ہونا چاہیے۔'' دانیال کے منہ سے جیسے ہی نکلا کہ بس اچھی اچھی باتیں کرنا' پیاری کو فوراً ہی یاد آ گیا کہ ابھی تو اس کی راہ میں دور دور تک صرف الجھنوں اور پریشانیوں کے ٹوٹے ہوئے کانچ بکھرے ہوئے ہیں۔ بڑی مشکل سے آنے والی مسکراہٹ پل بھر میں رفوچکر ہوگئی' دھیان خود بخود مشہود کی طرف چلا گیا۔

دن چڑھ گیا تھا اس نے خود ہی ناشتا بھی کرلیا ہوگا' ہوسکتا ہے ماسی آ گئی ہو تو اس نے ماسی سے کہہ دیا ہو کہ وہ اس کے لیے ناشتا بنادے۔ پیاری کی نظریں خود بخود وال کلاک کی

طرف اٹھ گئیں' وہ یقین کرلینا چاہتی تھی کہ کم ازکم اس وقت مشہود گھر میں اکیلا نہیں ہے اور دونوں ماسیاں گھر میں موجود ہیں کیونکہ پہلے جو ماسی آتی تھی اسے صرف کپڑے دھونا ہوتے تھے وہ بڑی پھرتی سے لکڑ پکڑ کرتی مشین لگاتی اور کپڑے دھوکر آناً فاناً رخصت ہوجاتی اس کے کام کرنے کا انداز اتنا پھرتیلا تھا کہ آدھے گھنٹے میں کپڑے دھوتی اور یہ جا وہ جا۔ صبح ہی صبح آجاتی تھی آٹھ بجے سے بھی پہلے' پیاری کے دل کو بڑی تقویت تھی کہ ماسی پہنچ گئی ہوگی اور شاید مشہود نے اسے اپنے ناشتے کے لیے بھی کہہ دیا ہو' ویسے بھی گھر میں تمام آنے والی ماسیاں مشہود سے خوش رہتی تھیں کیونکہ وہ سخاوت کرنے میں ہمیشہ آگے آگے رہتا تھا اور اکثر ماسیوں کے ہاتھ پر کچھ نہ کچھ رکھتا رہتا تھا۔

گھر کا نقشہ آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا' وہ بالکل کھو کر رہ گئی۔ دانیال بہت غور سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا اس کے ہاتھ ابھی تک پیاری کے شانوں پر تھے۔

"دیکھو میں نے کہا تھا نا اپنی اور میری فضا خراب نہ کرنا نہ الٹا سیدھا سوچنا بلکہ کچھ اچھا...... آخر اچھا سا سوچنے میں جیب سے جاتا کیا ہے۔ میں کہہ رہا ہوں نا ان شاء اللہ سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا' پاپا سب کچھ سنبھال لیں گے۔ مشہود میری اور تمہاری بات سننے کے لیے تیار نہیں لیکن وہ پاپا کے سامنے زیادہ ضد نہیں کرسکے گا۔ پاپا اسے کنٹرول کرلیں گے میرے خیال میں وہ ان کی بہت عزت کرتا ہے' چلو اٹھو شاباش۔" مشہود نے پیاری کو کاندھوں سے پکڑ کر اور تھوڑا سا دباؤ ڈال کر بالآخر کھڑا ہونے پر مجبور کردیا۔ پیاری نے غیر ارادی طور پر دانیال کی طرف دیکھا۔

"اصل میں مشہود بھائی کی طبیعت اگر ٹھیک ہوتی نا تو بالکل ہی فکر نہ ہوتی' ان کے کھانے پینے کا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں وہ ناشتے میں صرف سیریل لیتے ہیں ہاں لنچ وہ ٹھیک ٹھاک چاہتے ہیں۔ ڈنر اکثر باہر کرتے ہیں لیکن آج کل تو وہ باہر نہیں جاسکتے بس یہی خیال آرہا تھا۔" آخرکار پیاری کو دانیال پر ترس آہی گیا اب وہ یوں بات کررہی تھی جیسے صفائی پیش کررہی ہو اور یقین دلانے کی کوشش کررہی ہو کہ اسے صرف اور صرف مشہود کی فکر ہے اور اس کی زندگی میں کوئی مسئلہ نہیں۔

دانیال نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور اسے اپنے بازو کے گھیرے میں لے کر دروازے کی طرف چل پڑا وہ پیاری کے قدموں کے حساب سے قدم اٹھا رہا تھا اور اس وقت ہوا میں اڑ رہا تھا پیاری اس کے قریب تھی اور پہلے کے مقابلے میں خاصی پرسکون تھی۔

کمال فاروقی اور سعدیہ ڈائننگ ٹیبل پر پہنچ چکے تھے اور دانیال اور پیاری کا انتظار کررہے تھے جیسے ہی دانیال پیاری کے ساتھ ڈائننگ ہال میں داخل ہوا' کمال فاروقی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے انہوں نے والہانہ اور پرجوش انداز میں بہو بیٹے کو خوش آمدید کہا۔

"واہ بھئی واہ...... ماشاء اللہ...... ماشاء اللہ۔" ان کے منہ سے یہ الفاظ بے ساختہ انداز میں ادا ہوئے تھے۔ پیاری نے قریب آکر پیشانی پر ہاتھ رکھ کر آہستہ آواز میں ساس سسر کو سلام کیا۔ سعدیہ نے اپنے آپ کو سنبھالا اور آگے بڑھ کر پیاری کو گلے سے لگالیا۔

"ماشاء اللہ طبیعت کافی بہتر نظر آرہی ہے۔ بہت اچھی لگ رہی ہو لیکن تم نے ڈریس چینج نہیں کیا۔" سعدیہ کے منہ سے یوں ہی غیر ارادی طور پر نکلا تھا۔ دانیال نے ماں کی طرف دیکھا۔

"ممی آپ کو پتا ہے پیاری ہسپتال سے یہاں آئی ہے اور جس حال میں یہ ہسپتال پہنچی تھی وہ بھی آپ کو پتا ہے۔ یہ تو آپ کو اور مانو پھوپو کو سوچنا چاہیے تھا کہ کچھ ڈریس وغیرہ بھی ساتھ رکھ لیتیں۔"

"ارے بھئی یہ ناشتے کی ٹیبل پر کیا باتیں شروع کردیں۔" کمال فاروقی نے فوراً پیاری کو ایک کرسی پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ سعدیہ ایک دم گڑبڑا ئیں۔

"آئی ایم سوری بیٹا...... میرے ذہن میں بالکل نہیں رہا' سوری۔" انہوں نے پیاری کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر اس کی پیشانی چومی پھر یوں لگا کہ جیسے کھڑے کھڑے ایک گلاس کھولتا ہوا پانی اپنے معدے میں انڈیلا ہو۔

"یا اللہ کب ختم ہوگی میری یہ آزمائش۔" ہونٹ مسکرا رہے تھے دل جل کر خاک ہورہا تھا پھر انہوں نے کمال فاروقی کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

"بھئی یہ تو مجھے سوچنا چاہیے تھا' دانیال ٹھیک کہہ رہا ہے لیکن مسئلہ ہی کوئی نہیں ناشتا کرکے تھوڑی دیر بعد نکلتے ہیں۔ پیاری کو بہت سارے ڈریس دلا دیتے ہیں' ارے بھئی مجھے یا تمہیں ڈریس دلانے کے لیے جانے کی ضرورت نہیں ہے

پیاری کا شوہر خود یہ ڈیوٹی نبھائے گا۔"
"جی پاپا...... میں آپ کی اطلاع کے لیے یہ عرض کردوں کہ میں یہ بات پیاری سے پہلے ہی کر چکا ہوں۔ ناشتا کرکے ہم کوئی مووی وغیرہ دیکھیں گے کیونکہ شاپنگ مال وغیرہ تو ایک بجے سے پہلے کھلنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا پھر میں پیاری کو لے کر چلا جاؤں گا فی الحال اچھا سا ناشتا کرتے ہیں۔"
"ممی یہ میری تو سنے گی نہیں ناشتا کرانا آپ کی ڈیوٹی ہے۔" دانیال نے کرسی کھینچی اور بیٹھتے ہوئے ماں کے خوشگوار موڈ کا فائدہ اٹھا کر خود بھی لاڈ پیار کا اظہار کیا۔ سعدیہ پر کڑی گزر گئی۔
"ارے بیٹا کوئی دودھ پیتی بچی ہے ماشاء اللہ سب چیزیں سامنے ہیں اور یہ سارا اہتمام اسی کے لیے تو کیا گیا ہے اور جب تک یہ ساری چیزیں نہیں کھائے گی اس وقت تک میں اس کو ٹیبل سے نہیں اٹھنے دوں گی تم بالکل فکر نہ کرو۔"
"ساری چیزیں......" پیاری نے آنکھیں پھاڑ کر یہاں سے لے کر وہاں تک کھانے کے لوازمات کا جائزہ لیا۔ آملیٹ سالن، مچھلی ہاف فرائی، جام مارم لیڈ، بٹر کیا نہیں تھا ناشتے کی میز پر۔ اس نے تو ساری زندگی میں جتنا ناشتا کیا ہوگا وہ سارا مل ملا کے بھی آج کی ٹیبل کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔
"میں ناشتا بہت ہلکا سا کرتی ہوں پلیز آپ لوگ لیجیے۔" پیاری نے خوف زدہ ہوکر پہلے ہی کہہ دیا کہ اس کے ساتھ زور زبردستی نہ کی جائے۔
"ارے بیٹا آپ شروع تو کرو یہ تو بعد کی بات ہے کہ اتنا کرنا ہے یا اتنا کرنا ہے بلکہ آپ شروع کرو اس کے بعد ہمارا کام ہے۔" کمال فاروقی بڑی شگفتگی سے گویا ہوئے۔ سعدیہ نے پیاری کی طرف دیکھا ملگجے کپڑوں میں بھی وہ غضب ڈھا رہی تھی اور شاید قدرے پرسکون ہونے کی وجہ سے بہت تر و تازہ اور پرسکون نظر آرہی تھی۔

❀......❀......❀

مشہود نے اپنی ساری زندگی میں اتنی خوفناک نسوانی چیخیں کبھی نہیں سنی تھیں۔ رات بارہ بجے کا عمل تھا اس دن دل دہلا دینے والی چیخ سے اس کی نیند ٹوٹی تھی وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ اونچی چھت والے ایک بڑے سے کمرے میں ایک بہت نحیف و نزار سا بلب روشن تھا جس کی زرد اور بیمار روشنی میں اعصاب ویسے ہی شل ہوجاتے تھے اور طبیعت پر گرانی محسوس

معزز قارئین آپ سے التماس ہے کہ ہم www.urdusoftbooks.com پر آپ حضرات کے
لیے مسلسل اچھی کُتب فراہم کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں جس کے لیے وقت اور رقم دونوں
صرف ہوتے ہیں جس کی غرض سے ہماری اِس ویب سائٹ کُچھ سپانسر اشتہارات لگائے گئے ہیں جب
ویب سائٹ وزٹرز اُن اشتہارات میں سے کسی اشتہار پر کلک کرتے ہیں تو ویب سائٹ کو تھوڑی سی آمدن
حاصل ہوتی ہے، یہ آمدن ویب سائٹ کے اخراجات کو برداشت کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے
اس لیے آپ حضرات سے گزارش ہے کے اپنے Google Chrome یا Mozilla Firefox
کی Adblocker Extension کو Pause کردیں یا صرف ہماری ویب سائٹ کے لیے
Pause کردیں۔ نیچے نظر آنے والی تصویر میں دکھایا گیا ہے کے Adblocker کے Pause
ہونے یا انسٹال نہ ہونے کی صورت میں اشتہارات **Green Box** والی جگہ پر ظاہر ہوں گے۔

ہوتی تھی یوں جیسے غم کی خبر سننے کے بعد کسی انسان پر دیر تک ڈپریشن کی کیفیت طاری رہے۔ اکثر وہ اٹھ کر اس بلب کو بجھا دیا کرتا تھا اس اذیت ناک روشنی سے زیادہ تاریکی بھلی لگتی تھی۔
آج جانے کیسے خود بخود اس کی آنکھ لگ گئی' وہ لائٹ آف کرنا بھول گیا تھا۔ باہر سے مسلسل دل دہلا دینے والی چیخوں کی آوازیں ایک تسلسل سے آرہی تھیں' جی تو چاہتا تھا دروازہ توڑ کر باہر نکل جائے کیونکہ اسے اندیشہ تھا کہ یہ چیخیں اسی ہمدرد اور خیر خواہ لڑکی کی ہیں جو روشن دان کے ذریعے من وسلویٰ اتارنے کی ڈیوٹی انجام دیتی رہی تھی۔ وہ انتہائی اعصابی تناؤ کا شکار ہونے لگا کیونکہ وہ مکمل طور پر بے بس تھا نا آنکھ سے کچھ دکھائی دے رہا تھا نہ وہ دروازہ توڑ کر باہر نکل کر جا سکتا تھا پھر اسے باہر بھاری بھرکم ٹرک کے اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی اتنا تو وہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ باہر کار کا انجن اسٹارٹ ہوا ہے یا ٹرک کا۔ انجن کی گڑگڑاہٹ کے ساتھ ساتھ چیخوں کا سلسلہ جاری تھا وہ اٹھ کر بڑی بے قراری سے ٹہلنے لگا۔
''آخر باہر کیا ہو رہا ہے۔ گیٹ کھلا ہوا ہے' ٹرک اسٹارٹ ہو رہا ہے' لڑکی چیخ رہی ہے' ہوا کیا ہے.....؟'' اس کا جی چاہا کہ وہ پلنگ کھڑا کر کے اس پلنگ کو ہی سیڑھی بنالے اور روشن دان سے لٹک کر باہر دیکھے کہ آخر ماجرا کیا ہے پھر فوراً ہی خیال آیا کہ اگر اس نے جھانک کر باہر دیکھ بھی لیا تو فائدہ کیا ہے اگر باہر کسی کے ساتھ کوئی زیادتی ہو رہی ہے تو وہ کچھ کرنے کے قابل تو نہیں ہے۔
آہستہ آہستہ ٹرک یا ہیوی وہیکل جو کچھ بھی تھا اس کی آواز معدوم ہوتی گئی اور ماحول پر ایک وحشت ناک سناٹا طاری ہو گیا' اس نے بھی کھل کر سانس لی۔ مہیب سناٹے میں نسوانی چیخوں کی بازگشت سنائی دے رہی تھی' نیند اچاٹ ہو گئی تھی۔ ہو نہ ہو یہ اسی لڑکی کی چیخوں کی آواز تھی جو روشن دان سے من وسلویٰ اتارا کرتی تھی' اس کا دل اسی ایک نکتے پر رحم رہا تھا۔
''کہیں اسے میری مدد کرنے پر کوئی سزا تو نہیں دی گئی۔''
اچانک ایک خیال اندیشے کی صورت مشہود کے حواس سے لپٹ گیا۔ ایک تو مشکل تھی ابھی تک یہاں جو سامنے آیا تھا اس کی زبان سمجھ نہیں آتی تھی' قبر میں منکر نکیر کی زبان بھی نامانوس نہ ہو گی تب ہی تو مردہ سوالوں کے جواب دے سکتا ہے۔
''یہ کمرہ تو قبر سے بھی کچھ بڑھ کر ہے۔'' اب بے بسی کی ایک لہر نے اسے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ لاشعوری طور پر تنہائی میں بھی کسی کے آس پاس ہونے کا جو احساس حاوی رہتا تھا' آج وہ بھی چھن گیا تھا۔ آج سے پہلے تنہائی اتنی وحشت ناک نہیں تھی۔

❀ ❀ ❀

باہر لان میں بلیاں اچانک لڑ پڑی تھیں یا کوئی بلا ڈورے ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا اور مشہود اپنے دھیان سے چونک پڑا۔ کئی طرفہ غرانے کی آوازیں تھیں جیسے پہلوان اکھاڑے میں لپٹنے سے پہلے اچھل کود کر کے داؤ پیچ سیٹ کرتے ہیں۔ غوں غوں کی آوازوں سے سماعتیں چٹخنے لگی تھیں اور اکھاڑا بھی عین کھڑکی کے تلے بنایا گیا تھا جو اس کے سرہانے ایک فٹ کے فاصلے پر تھی۔ غوں غوں کی آواز کے بعد چیخیں ہو گئیں' دھپ دھپ کی آوازیں بھی آرہی تھیں۔ بڑے سے گھر میں چہار سو تاریکی کا راج تھا' باہر مین گیٹ پر ایک پلر پر لیمپ روشن تھا دوسرے پلر کے لیمپ کا بلب زمانوں سے فیوز تھا۔ اس کی مریل سی سفید روشنی بس ٹھوکر کھانے سے بچاؤ دے سکتی تھی۔ اسی مریل سی روشنی میں کھڑکی کے شیشے بھی روشن تھے۔ بلیوں کے جھگڑے نے ماحول میں انتشار برپا کر کے رکھ دیا تھا۔
''یہ پروگرام کتنی دیر کا ہے یہ تو باہر جھگڑتی بلیوں یا اللہ کو پتا تھا۔'' مشہود اعلیٰ درجے کے ذہنی کرب میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اچانک پیاری سر پر دوپٹہ جمائے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔
''تنہائی بہت خوف ناک ہوتی ہے ناں بھائی۔'' مشہود کو اس کی آواز سماعت سے ٹکراتی محسوس ہوئی' اس نے لاشعوری طور پر ''ہاں'' میں گردن ہلا دی۔
''آپ کو تو بلیاں تنگ کر رہی ہیں' اکیلی لڑکی کو تو بھیڑیے تنگ کرتے ہیں۔''
''پیاری.....'' اس نے قطعی غیر ارادی طور پر پیاری کو پکارا' جواب میں سوائے بازگشت کے کچھ نہ تھا۔
(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

میری ذات کا چراغ

طلعت نظامی

بے سود نہیں جیتے ہم درد کے مارے بھی
دنیا تیری زینت ہیں کچھ خواب ہمارے بھی
تقدیر کی دنیا میں تدبیر نہیں چلتی
موہوم بھروسے بھی، لاچار سہارے بھی

رات کے گیارہ بج چکے تھے‘ وہ کچن کی سمیٹا سمیٹی سے فارغ ہوتے ہوئے فالتو لائٹس آف کرتی بیڈ روم میں آ گئی جہاں تابش حسب عادت نیوز دیکھتے ہوئے نیم غنودگی میں جا چکے تھے۔ ریموٹ ایک ہاتھ کی گرفت میں سینے پر دھرا تھا اور گلاسز آنکھوں پر ٹکے ہوئے تھے‘ ٹی وی پر نیوز کاسٹر فراٹے سے نیوز پڑھ رہا تھا‘ اسے بھلا کیا خبر تھی اس کا ایک قدر دان نیند کی آغوش میں جانے کی بھرپور تیاریوں سمیت خود کو ماحول سے لاتعلق کر بیٹھا ہے۔ قدرے ناگواری سے اس نے ٹی وی آف کیا‘ آنکھوں پر ٹکے گلاسز اتار کر سائیڈ ٹیبل پر رکھے‘ اس سارے عمل میں تابش کی آنکھیں ایک بار کھلیں اور دوبارہ پرسکون ہو کر بند ہو گئیں اس دوران وہ کروٹ بدل کر خود کو مکمل طور پر نیند کے سپرد کر چکے تھے۔

”ایک میں ہوں کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کا ذخیرہ کیے بیٹھی ہوتی ہوں کہ محترم جب جاب سے آئیں گے تو شیئر کروں گی‘ ہر بات میں ان کا ردعمل ملاحظہ کروں گی۔ اکٹھے ہنسیں گے بولیں گے اور یہ ہیں کہ مجھ سے زیادہ اپنی نیند کے شیدائی بن بیٹھے ہیں جیسے یہ اکیلے ہی تھکے ہوں‘ عورت کب تھکتی ہے وہ تو روبوٹ ہے ہر پل کام کے لیے بس اشارے کے بٹن کی منتظر۔“ وہ بڑبڑاتی ہوئی کمبل میں دبک گئی‘ حد درجے کا غصہ آ رہا تھا ان کی بے حسی پر۔

سردیوں کی راتوں کا سناٹا اور سوا ہوتا اگر برابر والے کمرے سے ساس جی کی آواز نہ آ رہی ہوتی وہ شاید بچوں کو کوئی کہانی سنا رہی تھیں‘ اس کا پارہ اور ہائی ہو گیا۔

صبح اسکول کے لیے مجھے پریشانی ہوتی ہے نہ کہ ان کو جو بچوں کو ابھی تک جگا رکھا ہے خود تو دن کے وقت بھی کسی نہ کسی وقت خراٹے لے لیتی ہیں اور بچے صبح جاگتے ہوئے میری انتڑیوں میں بل ڈال رہے ہوتے ہیں اوپر سے فرمائشی اور پرہیزی ناشتوں کی بھرمار‘ تنک کر ایک سائیڈ پر کمبل پھینکا اور دندناتی دوسرے کمرے میں جا پہنچی۔

”یہ کیا ہو رہا ہے‘ ابھی تم لوگ سوئے نہیں۔ صبح جاتے ہوئے موت آئے گی‘ تمہارے پاپا تو گھوڑے بیچ کر نو بجے تک سوئیں گے‘ پریشانی مجھے ہوتی ہے۔ ہر قسم کا کام صبح صبح نمٹاتے ہوئے۔“ بظاہر ساس کو سناتی وہ بچوں پر برس

پڑی' ماں جی نے بھی قدرے شرمندگی سے اس کے تیکھے چتون کو دیکھا۔

''ارے چھوڑو نا بہو...... بچے خوش ہو رہے ہیں ہمارے لیے یہی بہت ہے اور ویسے بھی کل چھٹی کا دن ہے تم شاید بھول گئی ہو۔'' ایک لمحے کو وہ چپ سی ہو گئی اپنی برہم مزاجی میں وہ یکسر فراموش کر چکی تھی کہ کل ہفتے کا دن ہے اور اسکول کی چھٹی ہوتی ہے۔

''یہ صرف کل ہی کی بات نہیں ماں جی آپ دیکھتی ہیں میری پریشانی کو صبح صبح کہ کس طرح ان تینوں کی کھینچا تانی میں وقت گزر جاتا ہے۔ روز رات کو الٹے سیدھے قصے سن کر سوتے ہیں اور اسکول ٹائم میں نیند پوری کرتے رہتے ہیں۔'' اس نے بدلحاظی کی انتہا کر دی' جہاں ماں جی کو بے حد سبکی کا احساس ہوا وہاں تینوں بچوں کے چہرے بھی اتر گئے تھے۔

''نہیں بہو...... میں بچوں کو مسلمان سپہ سالاروں کے قصے سنا رہی تھی تاکہ ان کی معلومات میں بھی اضافہ ہو اور کہاں سے الٹے سیدھے واقعات لاؤں گی سنانے کو۔ چلو بچو آج کے لیے اتنا بہت ہے اب اچھے بچوں کی طرح سو جاؤ۔''

''تھوڑی کہانی اور رہ گئی تھی' مما نے غلط موقع پر انٹری دے دی۔'' زویا بڑی تھی اس لیے زبان کے معاملے میں بھی کچھ آگے تھی' اس کی گھوریوں کا بھی اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ اب کے ماں جی ہی رضائی چھوڑ کر کھڑی ہو گئی تھیں کیونکہ اب ان کے نوافل اور تسبیحات کا ٹائم شروع ہو جاتا تھا۔ بڑھاپے کی بے خوابی کا قطعاً اثر نہ لیتے ہوئے وہ جاء نماز پر وقت گزارا کرتی تھیں' جانے کسی پہر آنکھ لگ گئی تو لگ گئی ورنہ عبادت کے مزے لیتی رہتیں۔

''میرے لیے تو کوئی ٹائم ہی نہیں محترم کے پاس۔ پتا نہیں کیسے بے حس انسان ہیں جن کے پاس بیوی سے بات کرنے کا کوئی ارمان ہی نہیں۔ ماں جی کی باتیں ختم ہوں تو میں بھی زبان کی گرہ کھولوں۔ اب ان باتوں میں مجھے کیا دلچسپی کہ ان کے جیٹھ کی سالی کی شادی میں کتنے من مٹھائی حلوائی نے تیار کی تھی' بیگانے کی شادی میں عبداللہ دیوانہ کے مصداق دوسروں کو بھی دیوانہ کرنا چاہتی ہیں اور بچوں کو تو دیکھو ایسے سن رہے ہیں جیسے مٹھائیوں کے ٹوکرے ان کے سامنے پڑے ہوں۔'' بلبلاتی کچن سمیٹنے چل دی' ماں جی کا موضوع اب چینج ہو چکا تھا موجودہ مہنگائی کا مقابلہ گزشتہ سستائی سے ہو رہا تھا جہاں آنوں کے بھاؤ بازار سیٹ کر گھر آیا جاتا تھا۔

''اُف یہ زبان اور یادداشت بھی غضب کی' جانے اس سستائی کے دور میں کون کون سے نسخے کھا کر دماغ کو اس اعلیٰ درجے تک پہنچایا تھا۔ ایک میں ہوں کہ کچھ دیر پہلے کی رکھی ہوئی چیز بھول جاتی ہوں۔''

آج تو غضب ہی ہو گیا تھا اس کے کچن سمیٹ کر کمرے تک آتے تابش جاگ رہے تھے اور تو اور اس کا فیورٹ میوزک چینل بھی آن کر رکھا تھا اس نے سائیڈ ٹیبل پر پڑی گھڑی میں ٹائم سیٹ کرنا شروع کیا۔

''حیرت ہے...... آج بھنگ مارکیٹ میں ختم ہو گئی تھی کیا......؟''

''ہاہاہا...... اصل میں آج ڈوز لی ہی نہیں' مجھے تمہاری شکایتیں آج دور کرنی ہیں بہت دنوں سے تمہاری بدلی بدلی سی روش دیکھ رہا ہوں' تیکھے تیکھے سے تیور مجھ سے پوشیدہ تھوڑی ہیں۔'' ہاتھ پکڑ کر اسے پاس بٹھالیا۔

''اوہ...... حضرت نے میری ساری چوٹیں ملاحظہ کر لیں بس نہیں کی تو اپنی ہٹیلی عادتیں۔''

''اسی لیے تو شرمندہ ہوں' نیند آ جانے کا مقصد یہ نہیں کہ میں نے تمہیں بھلا دیا ہے' بس یار پروموشن ہونے کے باعث ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں اتنی تھکن ہو جاتی ہے کہ بیڈ پر آنے کی دیر ہوتی ہے اور خبر ہی نہیں ہوتی کہ میں کہاں ہوں۔''

''بات نیند کی نہیں تابش توجہ کی ہے' ہر ٹائم تو اماں جی کی موجودگی نے آپ کی توجہ مجھ سے کھینچ لی ہے۔ ان کی بے سروپا گفتگو میرا موڈ خراب کرتی ہے' جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتیں۔ ہر وقت ان کی باتیں اور آواز میرے

کانوں میں گونجتی رہتی ہیں کہ دھیان چوپٹ ہوا رہتا ہے' ہم دونوں اپنی باتیں کیا کریں گے۔'' تابش کے چہرے کا رنگ بدلا۔

''ارے تم تو ایسے ری ایکٹ کررہی ہو جیسے ان باتوں سے نیا نیا تمہارا واسطہ پڑا ہے۔ ہمارے تین بچے ہوگئے شہرین...... اب تک تو تمہیں عادی ہوجانا چاہیے ان کی اس عادت کا۔''

''بس اب میرے اعصاب جواب دے گئے ہیں ان کے باوا آدم کے زمانے کی کہانیاں سن سن کر۔ اس دن پڑوسن باجی نے اپنی بہو کی سہل پسندی کا ذکر کیا چھیڑ دیا ماں جی نے اپنی اور اپنی ساس کی زندگی کی ساری مشکلات' کٹھنائیاں' محنت' جدوجہد سب ان کے آگے گوش گزار کردیں۔ وہ بھی بے چاری پچھتا رہی ہوں گی اپنی غلطی پر کہ بھڑ کے چھتے میں ہاتھ کیوں دے بیٹھیں۔''

یہ حقیقت تھی کہ ان کی باتیں داستان امیر حمزہ سے بھی طویل ہوتیں' رات گزر جاتی پر بات ختم نہ ہوتی۔ دل کی صاف ستھری اماں جی کو عمر رفتہ شیئر کرکے بہت آسودگی ملتی تھی پر آج کے دور میں دل کی شفافیت کو کون پرکھتا ہے۔

''ایک بات بتاؤ۔'' تابش نے اس کا ہاتھ تھاما۔ ''کیا تم اپنی بہو سے اپنے زمانے کی کسی بھی چیز کا تذکرہ کوئی بھی بھولی بسری یاد اس سے شیئر نہیں کروگی؟ کیا تمہیں اپنے بچوں کا بچپنا یاد نہیں رہے گا جس کو دہرا کر تمہارے لب مسکرا اٹھیں گے۔ بڑھاپے کی نقاہت میں یہ پچھلی شرارتیں' امنگوں بھری باتیں تازگی نہیں بھریں گی۔ آج ماں جی اگر خوش ہولیتی ہیں تو اس سے بڑھ کر اور ہمارے لیے کوئی انعام نہیں۔''

''اللہ کے واسطے تابی......'' اس نے ہاتھ جوڑے۔

''میں ہرگز ایسی بات نہیں کروں گی یا کوئی ایسی حرکت نہیں کروں گی جس سے میری بہو کی برداشت جواب دے جائے اور وہ اندر ہی اندر مجھ سے خار کھاتی رہے۔''

وہ حد درجے تپی ہوئی تھی۔

''اوکے' یہ تو وقت بتائے گا پر ماں جی کو میں نہیں روک سکتا' کوئی حد نہیں قائم کرسکتا ان کی خوشدلی کی راہ میں۔ ان کا ہمارے سوا ہے ہی کون جن کے آگے وہ دل کھول کر رکھ سکیں۔''

''یہ بھی خوب رہی' بڑا بیٹا اور بہو بھی کچھ حق رکھتے ہیں ان کی وعظ و نصیحت اور قصہ چہار درویش سے فیض یاب ہونے کے لیے' کچھ دنوں کے لیے ماں جی کو ان کے پاس......''

''بس......'' ہاتھ کے اشارے سے تابش نے اس کی چلتی زبان کو کنٹرول کیا۔ ''وہ ماں ہیں میری کوئی بکاؤ مال نہیں جو ایک دکان سے دوسری دکان میں سودا کرتا پھروں۔ کافی دن وہ بھائی کے پاس رہی ہیں اور بہت خوش باش رہی ہیں کبھی بھابی کی زبان سے ان کے خلاف کوئی بات سنی ہے تم نے۔ اب وہ ہمارے پاس ہیں تو ان کو بھیج کر اپنی کم ظرفی کا ثبوت دے دیں ہم۔''

''ہنہہ......'' ساری خوش مزاجی دھری کی دھری رہ گئی۔ ''ماں جی کے سامنے میری وقعت ایسے ہی صفر رہے گی' بہت آئے تھے میری تبدیلیاں نوٹ کرنے والے۔'' کروٹ بدل کر اسے سوتا دیکھ کر اپنی نم آنکھوں کو خشک کیا۔

''اس سے اچھا تھا یہ پہلے ہی سو جاتے۔'' ساتھ والے کمرے سے ماں جی کی آواز آرہی تھی۔ ''ہنہہ...... بچوں کو بھی باتونی بنا کر دم لیں گی بڑی بی۔'' ایک چڑ سی محسوس ہونے لگی تھی ان کی آواز سے۔

اس دن زویا اپنے اسکول میں منعقد کیے جانے والے فروٹ ڈے کا تذکرہ کررہی تھی ساتھ پائن ایپل کا سٹیوم خریدنے کی ضد بھی جاری تھی۔

''تمہیں کس نے کہا تھا پائن ایپل بننے کو' ابھی میں کلر ڈے سے فارغ ہوئی ہوں' اسکول والوں کو اس کے علاوہ کوئی اور کام نہیں۔'' وہ کپڑوں کی تہہ لگا رہی تھی' ماں جی پاس ہی تخت پر بیٹھی پوتی کو محبت پاش نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

''ارے میری جان...... پڑھائی کے اب نت نئے

طریقے ایجاد ہورہے ہیں' ایک وہ زمانہ تھا جب تمہارے دادا ابا خیر سے تمہارے پاپا نے بھی تعلیم حاصل کی' کیا نفسانفسی کا دور تھا۔ ایک ٹائم کھانا کھا کر دوسرے ٹائم کے لیے سوچا جاتا تھا کہ اب کیا کیا جائے' اس دور میں تعلیم کا حصول کتنا مشکل تھا کوئی ہم سے پوچھے پھر بھی دادا ابا نے تعلیم حاصل کی' قلیل تنخواہ میں تمہارے پاپا نے علم کو اوڑھنا بچھونا بنایا' کیا انہیں پتا نہیں ہوگا کہ پائن ایپل کسے کہتے ہیں؟'' وہ ہنسیں۔ اس کا تو پارہ ہائی ہوگیا۔

''اللہ کا واسطہ ہے ماں جی' ہر بات کو اپنے زمانہ قدیم سے نہ ملایا کریں۔ اس دور میں تو کمپیوٹر' لیپ ٹاپ بھی قدم قدم پر انسان کی راہ نمائی نہیں کیا کرتے تھے۔ ہم تعلیم یافتہ ہوکر بھی کمپیوٹر کی تعلیم سے ناآشنا ہیں آج کے بااعتماد بچوں کے سامنے بے وقوف بن کر بیٹھے ہوتے ہیں۔ آج کا بچہ بچہ سیل فون سے کھیل رہا ہے' گزشتہ زمانے کا کیا تقابل آج سے۔'' ان دنوں کچھ زیادہ ہی چڑ ان سے محسوس ہونے لگی تھی جس کا نتیجہ آج کل کی بدلحاظی کی شکل میں نکلا۔ ماں جی کی کیفیت پت جھڑ کے ٹنڈ منڈ درخت جیسی ہوگئی جیسے کسی نے ان کی مسکراہٹ کے ہرے لبادے کو نوچ ڈالا ہو۔

کچھ تابش کے رویے نے اسے روایتی بہو بننے پر مجبور کردیا تھا' ابھی خود جو اسکول والوں کی بڑھتی ہوئی فرمائشوں پر چڑ محسوس کررہی تھی۔ ماں جی کی دخل اندازی نے فوراً اطوار بدلنے پر مجبور کردیا۔

ماں جی فوراً وضو کرنے اٹھ گئیں حالانکہ عصر کی اذان بھی ابھی نہیں ہوئی تھی اسے کمینی سی خوشی محسوس ہوئی انہیں یک دم چپ ہوتا دیکھ کے۔ اسی رات ماں جی نے تابش کو لاہور کا ٹکٹ منگوانے کا کہا۔

''کیوں ماں جی......! خیریت تو ہے' یہ بیٹھے بٹھائے سردی کے موسم میں شہر بدلنے کی کیا سوجھی۔ خدانخواستہ کوئی گستاخی ہوگئی ہے کیا ہم سے۔'' انہوں نے چور نگاہوں سے شہرین کو دیکھا جو خود بھی نظریں چرائے بیٹھی تھی۔

''ارے نہیں میری جان...... اللہ تم لوگوں کو سدا سلامت رکھے۔ یونہی بیٹھے بیٹھے عاطف اور اس کے بچے یاد آنے لگے' دل بہت بے چین ہورہا تھا ان لوگوں سے ملنے کو' بس تم انتظام کردو کتنے دن ہوئے ان لوگوں کی شکلیں دیکھے ہوئے۔'' ان کی شیریں بیانی کے آگے تابش کی نانا بھی نہیں چلی' اسے انہوں نے شیشے میں اتار لیا۔

وہ چلی گئیں' شہرین نے سکھ کا سانس لیا کیوں کہ ان کے انداز بتارہے تھے کہ وہ اب نہیں آئیں گی ان کے پاس۔

''چلو اب میری زبان کے زنگ بھی صاف ہوں گے' بڑی بی اپنے آگے کسی کو کچھ بولنے ہی نہیں دیتی تھیں۔''

وہ جو تابش سے بدگمان ہوئی بیٹھی تھی ایک دم سے دل صاف کر بیٹھی۔ وہ بھی اس کے بدلے بدلے انداز دیکھ رہے تھے جو ہر کام گنگناتی ہوئی کررہی تھی پر بچے بہت مس کررہے تھے انہیں' روز رات کو دادی سے کہانیاں جو سننے کے عادی تھے اب تینوں کو اکیلے کمرے میں ڈر بھی لگنے لگا۔

''دودھ پیتے نہ بنو سمجھے تم لوگ' اعتماد پیدا کرو ساتھ ہی تو کمرہ ہے درمیان سے دروازہ کھلتا ہے پھر ڈر کس بات کا؟'' وہ چپ سے ہوگئے۔

انہی دنوں ان کی گلی میں ڈکیتی کی نئی واردات ہوئی' صبح چار بجے پانچ ڈاکو موٹے تالے کو دزار کی مدد سے کاٹ کر گھر میں داخل ہوئے' دونوں بھائیوں کو مضبوط رسیوں سے باندھا اور ایک ڈاکو دونوں بہوؤں پر پستول تان کر کھڑا ہوگیا' ساتھ وارننگ بھی جاری کی کہ کسی نے ہلنے کی بھی کوشش کی تو سہمے ہوئے بچوں کی جان سلامت نہیں رہے گی۔ گھر میں رکھے بزنس کی غرض سے تین لاکھ روپے' تین سونے کے سیٹ' الیکٹرونکس آئٹم اور بچوں کے قیمتی کھلونے بھی اپنے ساتھ لے گئے' ڈیڑھ گھنٹے میں بھرا پرا گھر بھائیں بھائیں کرنے لگا۔

دوسری صبح اہل محلہ کو پتا چلا' بس خیر تھا کہ کسی کی جان
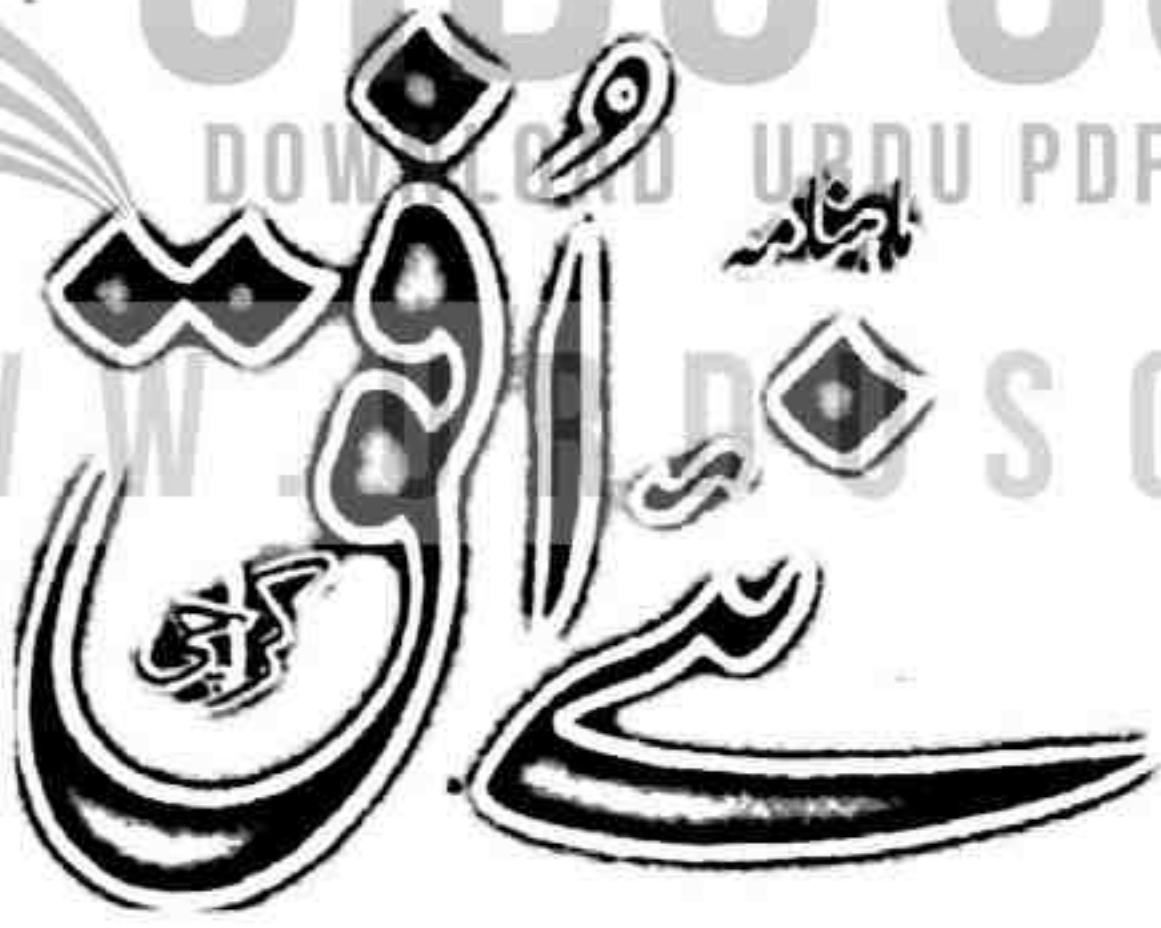
نہیں لی انہوں نے لیکن خوف کی ایک لہر پورے محلے میں پھیل گئی تھی۔ ابھی یہ واقعہ پرانا بھی نہیں ہوا تھا کہ دو گلی چھوڑ کر پھر ڈکیتی کی ایک تازہ داستان رقم ہوئی۔ گھر کے مرد نے زحمت کی کوشش کی تو گولی مار کر ڈاکو فرار ہوگئے' گولی کولہے کی ہڈی میں پیوست ہوگئی' ڈاکٹر نے جان بچالی لیکن ہنستا بستا پُر رونق محلہ خوف و ہراس کی تفسیر بن گیا' محلے کا چوکیدار بھی ڈرا سہما رہنے لگا۔ ہتھیاروں سے لیس چھ سات لحیم شحیم آدمیوں کے سامنے چوکیدار بھی خود کو نہتا محسوس کرنے لگا تھا۔

وارداتیں بڑھ گئیں' گھر گھر خوف کا اژدھا پھن پھیلا کر بیٹھ گیا۔ گھر کے مرد رات بھر جاگنے لگے' نیند اڑ گئی' دن بھر کی تھکان کے بعد رات کی نیند کسی انعام سے کم نہیں تھی' اب وہ بھی نہ نصیب ہوتی۔ جاگ جاگ کر شہرین کا بلڈ پریشر بڑھ گیا۔

''تم سو جایا کرو میں تو جاگتا ہوں نا' دیکھو لو کیا حالت کرلی ہے تم نے اپنی۔'' اس کی بے پناہ سرخ آنکھیں دیکھ کر تابش کی تشویش بڑھ گئی' وہ حد سے زیادہ ڈرپوک ثابت ہوئی تھی۔

''کیسے جاگتے ہیں آپ؟ تھوڑی ہی دیر میں آپ کے خراٹے گونجنے لگتے ہیں' کیا میں نہیں دیکھتی۔ ساتھ والے کمرے میں بچے سو رہے ہوتے ہیں' میں اکیلی سہمی رہتی ہوں' بس یہی لگتا ہے ذرا دیر کو آنکھیں بند ہوئیں اور کوئی دیوار پھاند کر اندر آجائے گا۔''

''ایسا نہیں ہوگا پاگل......اب اس ڈر سے کیا تم کبھی نہیں سوپاؤ گی' یہ تو خود اذیتی ہوئی۔''

''میں کیا کروں' ڈر مجھے ایک پل بھی آنکھیں نہیں بند کرنے دیتا' اوپر سے سردیوں کی لمبی لمبی راتیں جن سے مجھے عشق تھا اب تو دل کرتا ہے جلد از جلد گرمیاں آجائیں' کم از کم رونق تو رہے گی گرمیوں کی کلبلاہٹ سے۔''

''محلے کے با اثر لوگوں کی میٹنگ ہوئی ہے وہ احتجاجی ریلی نکالیں گے کہ ہمیں تحفظ فراہم کیا جائے۔ جلدی اس

مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا۔''

''ہاں جب تک ڈاکو ہر گھر سے فیض یاب ہو کر روانہ ہو چکے ہوں گے' اتنی جلدی ہماری کب سنی جائے گی تابش۔'' وہ واقعی بہت پریشان تھی' ایک پل کی نیند کو ترس گئی تھی۔ جی چاہتا ہے کوئی اس کے پاس جاگے تاکہ وہ بھی کچھ دیر کو آنکھیں موند لے۔

کوئی آواز ہر پل کان میں گونجے تاکہ وہ پرسکون ہو کر سو پائے۔ اس شور میں بھی اس کے اعصاب کو آسودگی مل سکے' تابش کی نیند سے وہ واقف تھی کہ وہ جاگ نہیں سکتے تھے' وہ خود دودھ پیتی بچی بن گئی تھی۔ اس کی سماعت ان آوازوں کو ترس گئی تھی جو برابر والے کمرے سے آ رہی ہوتی تھیں کبھی جو اس کے اعصاب پر ہتھوڑے برساتی تھی۔ ہر پل بڑھاپے کی بدخواب آنکھوں کی نگرانی سے خود کو محروم پاتی جو عبادت میں خود کو محو رکھتیں' اس وقت وہ چلتا پھرتا' چاق و چوبند وجود گھر میں ہوتا تو کس قدر رونق سی ہو جاتی۔ اس خوف و ہراس کے دور میں وہ تھوڑی دیر سو تو جاتی' ہر پل گونجتی آواز گھر کے کونے کونے میں رونق تو بکھیرتی تھی نا...... اس نے اس سناٹے بکھیرتی رات میں ہتھیلی مسلی جو خوف سے بھیگی ہوئی تھیں۔ رات کے تین بج رہے تھے اسی ٹائم سے چور اچکے زیادہ مستفید ہوتے ہیں' اس نے چپکے سے سیل اٹھا کر نمبر ملایا۔ اپنی خود غرضی پر خود ہی نادم ہوئی پھر سیل آف کر دیا۔

''سزا ملی ہے مجھے بزرگ جیسی نعمت کی ہتک کرنے کی۔'' پلکوں پر نمی جم گئی تھی۔ کتنے ٹھاٹ سے سوتی تھی' ایک مربی ہستی کو جھاڑ کر وہ ٹھاٹ باٹ سب مفقود ہو گئے تھے۔

''کیا پتا مجھے معاف کر دیں وہ' دل کی بھی تو بہت وسیع ہیں۔'' ایک چھوٹا سا سیل فون تابش نے ہی ماں جی کو کال ریسیو کرنے کے لیے پچھلے سال ہی لا کر دیا تھا' ان کا نمبر ہر کسی کے پاس تھا۔ پہلی بپ جاتے ہی انہوں نے کال ریسیو کر لی تھی' پتا تھا نا کہ وہ اس وقت تہجد کی تیاری کر رہی ہوں گی۔

''ماں جی......'' اس کی پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

''ہاں ہاں بول بچے...... خیریت تو ہے؟ تابش نے پوری رپورٹ مجھے دی ہے' کوئی مسئہ ہے کیا اللہ نہ کرے۔'' اس کے سوکھے وجود میں جان پڑ گئی۔

''ن...... نہیں ماں جی...... بس آ...... آپ واپس آ جائیں' مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔'' کہہ نہ پائی کہ پچھلے بیس پچیس دنوں سے وہ سو نہیں پائی تھی۔

''ہاں...... ہاں تم گھبراؤ نہیں' میں نے ٹکٹ منگوا لیا ہے' کل ہی روانہ ہو رہی ہوں یہاں سے' اس وقت میرے بچوں کو میری ضرورت ہو گی۔ یہاں تو اللہ کے فضل سے بہت امن و امان ہے پر تم لوگ ان حالات میں اکیلے پڑ گئے ہو' فکر مت کرو پرسوں تم لوگوں کے ساتھ ہوں گی میں۔'' اس کے آنسو تواتر سے بہنے لگے' کیسی نبض شناس مسیحا تھیں وہ۔

''ماں جی...... مجھے معاف کر دیں۔'' اس کی بھیگی آواز کی نمی میں وہ بھی بھیگ گئی تھیں۔

''پاگل ہو تم' ایسا کرو بیڈ پر جاؤ آیت الکرسی کا ورد شروع کرو میں بھی یہاں سے روز تم لوگوں کا حصار باندھتی ہوں' دیکھنا خود نیند آ جائے گی۔ اللہ بہتر کرے گا۔''

''جی اماں جی۔'' دل چاہ رہا تھا پھوٹ پھوٹ کر روئے' یہ خواہش فوراً ہی پوری ہو گئی' سیل آف کرتے ہی جوں ہی پلٹی تابش اس کے لرزتے کپکپاتے وجود کو سہارا دینے کے لیے کھڑے اس کی ساری باتیں سن رہے تھے۔ بس پھر کیا تھا تابش کے شانے تھے اور اس کے بے دریغ آنسو' انہیں خبر ہو گئی تھی کہ شہرین کا آدھا غم ہلکا ہو چکا ہے ماں جی کی آواز سن کر۔

❁

بادل، دل اور آنکھیں

یاسمین نشاط

تھم گئی رفتارِ ہستی، وقت ساکن ہوگیا
جب نگاہوں کو جھکا کر آپ شرمانے لگے
مرحلے جتنے کڑے تھے حوصلہ بڑھتا ہے
راستوں کے موڑ، منزل پر نکل آنے لگے

کمرے میں اس قدر پھیلاوا تھا کہ الاماں۔ جوتے چپلیں جینز، شرٹس ٹائٹس، دوپٹے پھٹے کاغذ، کتابیں چپس کے خالی پیکٹس خالی ٹن پیکس اف اللہ...... شرمین نے اندر داخل ہوتے ہی سر پیٹ لیا۔ یہ اسی کا کمرہ تھا جس کو وہ دو دن پہلے چھوڑ کر گئی تھی کس بدتہذیب کو اس کا روم میٹ بنادیا گیا تھا اس نے جھنجھلا کر لائٹ آن کی۔ یہ جو نظر آرہا تھا وہ کھلی کھڑکیوں سے اندر آتی قدرتی روشنی میں دکھائی دیا تھا۔ کمرہ روشن ہوتے ہی کوئی بیڈ پر لیٹا دکھائی دیا اس سے پہلے اس نے صرف زمینی چیزوں پر توجہ دی تھی۔

''کون ہے یار؟ لائٹ تو بند کردو۔'' بیزاری آواز آئی۔

وہ تنتناتی ہوئی اندر داخل ہوئی اور قریب تھا کہ ہاتھ میں پکڑا سارا سامان اس بے خبر سوئی لڑکی کے سر پر دے مارتی کہ شبانہ اندر آ گئی اور اسے دیکھ کر مسکرادی۔

''آ گئیں تم...... چلو اچھا ہوا میں تو پاگل ہوگئی ہوں یہ سب دیکھ دیکھ کر۔ پتہ نہیں کس جنگل سے آئی ہے محترمہ۔ ہل کے نہیں دے رہی۔ میں تو پچھلے پہر سے سات گھنٹے ساتھ والے کمرے میں گزار چکی ہوں کیونکہ اس حالت میں، مجھ سے تو یہاں کھڑا ہی نہیں ہوا جارہا تھا۔'' اس نے کمرے کی حالت کی طرف اشارہ کیا۔

''ہے کون یہ جس کو کسی بھی طرح کی تمیز اور سلیقہ نہیں۔'' وہ ایک بار پھر تلملائی۔

''زیمل حسان۔'' موصوفہ نے کروٹ بدلے بنا ذرا سی گردن موڑ کر اپنا تعارف کروالیا۔

''شکریہ جی...... یہ بتانے کا اب یہ بھی بتادیں آپ کی ملازمہ کہاں آرام فرمارہی ہیں تاکہ ان کو بلا کر یہ کمرہ صاف کروالیا جاسکے۔'' زمین نے دانت پیسے تھے جب کہ شبانہ اپنا جگہ صاف کرنے میں جت گئی تھی۔ ادھر خاموشی ہی خاموشی تھی۔ وہ چند ثانیے کھڑی اس بت کے حرکت کرنے کا انتظار کرتی رہی جب کوئی جواب نہ آیا تو پاؤں پٹختی شبانہ کی تقلید کرنے لگی کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

انہوں نے سارا بکھرا سامان اٹھا کر اس کی الماری میں گھسیڑا۔ زمین نے جھاڑو لگائی۔ شبانہ نے بیڈ شیٹس چینج کیں اور اس کے بعد فریش ہوکر زمین اپنا بیگ خالی کرنے لگی وہ پچھلے دو دن سے بہاولنگر گئی ہوئی تھی شبانہ اور زمین پچھلے ایک ماہ سے روم میٹ تھیں کہ ان دونوں کا ایڈمیشن ایک ساتھ ہوا تھا۔ اتفاق سے دونوں کا رول نمبر بھی آگے پیچھے تھا اور کمرہ بھی ایک ہی الاٹ ہوگیا تھا وہ دونوں بی ایس آنرز کی اسٹوڈنٹس تھیں میٹرک میں اچھے مارکس آنے کے باوجود زمین میڈیکل پڑھنے کا ارادہ نہیں رکھتی تھی سو اس نے ہوم اکنامکس کالج میں ایڈمیشن لے لیا تھا جب کہ شبانہ باوجود کوشش کے بھی بس پورے پورے مارکس ہی لے کی تھی۔ سو ابا نے اسے یہاں ایڈمیشن دلایا کہ چلو ڈاکٹر نہ سہی زندگی گزارنے کا سلیقہ ہی آجائے۔ شروع کے دو دن کے علاوہ ان کو دوستی کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی دونوں کی عادتیں کسی حد تک ملتی جلتی تھیں۔ دونوں حد درجہ صفائی پسند تھیں دوسروں کا خیال رکھتی تھیں طبیعت میں اعتدال تھا۔ ان کی تربیت ان کے اٹھنے بیٹھنے سے ظاہر ہوتی تھی دونوں کا فیملی بیک گراؤنڈ بھی کچھ اتنا اسٹرونگ نہ تھا سو دونوں میں اچھی نبھنے لگی تھی۔ شبانہ کا تعلق شیخوپورہ سے تھا اور روز آنے جانے کی مصیبت سے بچنے کے لیے وہ ہاسٹل میں رہنے لگی تھی اور اب یہ تیسری روم میٹ زیمل حسان۔ ان کا بالکل متضاد۔ کیسے نبھے گی؟ وہ دونوں سوچ رہی تھیں۔

ڈنر کے لیے ڈائننگ ہال کی طرف جاتے جاتے شبانہ کو

خیال آیا اس "سوئے ہوئے محل" کو اٹھالے۔ ورنہ بھوکی رہ جائے گی سو اس نے زیمل کا کندھا ہلایا۔

"اٹھ جائیں زیمل کھانے کے لیے چلنا ہے۔" وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ "زیمل اٹھیں بھی۔" اس نے دوبارہ عمل دہرایا۔

"اوہوں۔" وہ کسمسائی اور کروٹ لے کر اوندھی ہوگئی۔

"تمہیں کیا مسئلہ ہے اب آ بھی چکو۔ خود ہی کھاتی پھرے گی۔" زرمین نے بے زاری سے کہا تو شبانہ کندھے اچکاتی اس کے پیچھے ہولی۔

"سنو شبانہ میرا کھانا ادھر ہی لے آنا۔" بیڈ کی طرف سے آتی آواز نے اس کو گھما کر رکھ دیا۔

"اس قدر شاہانہ انداز...... یہ ہے کہاں کی شہزادی ڈیانا؟" وہ تلملا کر مڑی۔

"ہم کوئی تمہارے نوکر نہیں ہیں اور نہ ہی یہ تمہارا محل۔ بی بی یہ ہاسٹل ہے اور تمہیں سارا کچھ خود ہی کرنا ہوگا اور وقت پر ورنہ بھوکی مروگی۔" زرمین نے اسے کھری کھری سنادی۔ اس نے کوئی بھی رسپانس دیئے بنا پھر سے کروٹ بدل لی۔ وہ دنوں باہر نکل گئیں۔ کھانا کھاتے ہوئے بھی وہ زیمل حسان کو ڈسکس کرتی رہی تھیں کھانے کے بعد شبانہ تو لابی میں چلی گئی جب کہ زرمین کمرے میں آ کر موبائل پر مصروف ہوگئی۔ موبائل رکھنے کی پرمیشن تو نہیں تھی لیکن ہر لڑکی کے پاس سائلنٹ لگا موبائل موجود رہتا تھا۔ اور ٹیچرز بھی جانتی تھیں لیکن کوئی بھی جتاتا نہیں تھا ہاں کبھی کبھار چیکنگ ہوجاتی اور موبائل پکڑے جاتے لیکن کچھ فائن کرنے کے بعد واپس کردیئے جاتے سو ایسی کوئی سختی نہ تھی۔

"ویسے یہ کب سے سورہی ہے؟" شبانہ روم میں آئی تو اس نے پوچھا۔ اس کی نیند سے اب اسے کوفت ہونے لگی تھی۔

"رات سے۔" شبانہ نے اتنی بے نیازی سے کہا کہ زرمین کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

"کیا رات سے...... نہیں تم مبالغہ آرائی سے کام لے رہی ہو؟"

"کیوں بھلا...... مائی ڈیئر یہ پرسوں تمہارے جانے کے بعد آئی تھی۔ نہ سلام نہ دعا۔ اپنا سامان جو کہ تین عدد بڑے بڑے سوٹ کیس پر مشتمل تھا یہاں رکھا اپنا ٹفن کیریئر نکال کر ٹھونسا اور پھر بنا برش کیے چینج کیے سوگئی۔ صبح ناشتے کے لیے اٹھی۔ کپڑے بدلے اور باہر نکل گئی۔ دوپہر کو واپسی ہوئی اور سوٹ کیس کھولے جانے لگے ایک ایک چیز نکال کر ڈھیر کردی گئی۔ شاید کچھ ڈھونڈا جارہا تھا میں نے مروتاً ہیلپ کی آفر کردی لیکن ٹھا مارتھینک یو سننے کو ملا۔ اس کے بعد میں تو لابی میں چلی گئی تھی واپس آئی تو کمرے کی حالت بری تھی اور محترمہ محو استراحت اور اس کے بعد سے تم دیکھ ہی رہی ہو۔" شبانہ تفصیل سے بتا کر اپنی الماری کی طرف بڑھ گئی پھر کچھ یاد آنے پر مڑ کر بولی۔

"کل کالج میں پنک ڈے ہے۔" اور مشہور گلوکارہ بھی آرہی ہے بریسٹ کینسر پر بریفنگ دینے کے لیے اور اس کے بعد سنا ہے ویلکم ہے کپڑے ڈیسائیڈ کرلو۔" وہ الماری میں سر دیئے کچھ ڈھونڈنے لگی۔

"کیا ویلکم کل ہی ہے؟" زرمین نے سر اٹھا کر پوچھا۔ وہ اپنے پراجیکٹ میں بزی تھی اسے آئیڈیا شاید کچھ اچھا نہیں لگا تھا۔

"نہیں فورتھ ایئر کی لڑکیاں باتیں کررہی تھیں شاید نیکسٹ ویک' ابھی ڈیٹ ڈیسائیڈ نہیں ہوئی۔ تمہارا اب گھر جانے کا پروگرام کب کا ہے؟" وہ اماری سے مطلوبہ چیز برآمد کرچکی تھی اس لیے بند کر کے واپس بیڈ پر آ گئی۔

"ابھی تو نہیں...... اگلے مہینے ابرار بھائی کی منگنی کا فنکشن ہے' تب ہی جاؤں گی۔ روز روز اتنی دور کہاں جایا جاتا ہے۔" اس کے چہرے پر کچھ بیزاری کی سی کیفیت تھی شبانہ نے تائیدی سر ہلایا۔

"ہیلو زرمین اینڈ شبانہ۔" ایک بے حد فریش اور چہکتی آواز نے انہیں بری طرح چونکایا تھا وہ تو بھول ہی گئی تھیں کہ کمرے میں ان کے علاوہ کوئی تیسرا بھی ہے ان کی نظر بے اختیار کونے کی طرف اٹھی تھی۔ وہ دونوں بازو اوپر کیے انگڑائی لے رہی تھی دونوں کی نظریں اس پر ٹھہری گئی تھیں۔ حسن اور وہ بھی ایسا۔ وہ چھلانگ لگا کر بیڈ سے نیچے اتری۔

"نام تو میں بتا ہی چکی ہوں۔" وہ ان کی طرف آتے ہوئے بولی اور اپنے دایاں ہاتھ آگے بڑھایا۔ پہلے زرمین اور پھر شبانہ کی طرف۔

"باقی میں اتنی بری ہوں نہیں جتنا ان دنوں میں تم نے سمجھ لیا ہے۔" وہ زور سے ہنسی وہ بھی مسکرادیں۔

"اصل میں جب میں......" وہ زرمین کے ساتھ بیڈ پر بیٹھتی

ہوئی بولی۔
"بہت زیادہ فرسٹریٹڈ ہوتی ہوں تو اسی طرح کرتی ہوں اپنی چیزیں بکھیر کر گند پھیلا کر۔ سو کر مجھے جب کسی پر غصہ آرہا ہوتا ہے تو پھر میں ایسی ہی ہو جاتی ہوں اور جب میں دکھی ہوتی ہوں تو غائب ہو جاتی ہوں۔" وہ بولتے بولتے رکی۔ وہ حیرانی سے اسے نان اسٹاپ بولتے دیکھ رہی تھیں۔
"کیسے؟" وہ پھر زور سے ہنسی۔
"یہ ابھی نہیں بتاؤں گی۔ جب تم مجھے دکھی کروگی تب دیکھ لینا۔ اینی وے شکریہ تم نے میرا پھیلاوا سمیٹا۔ اگلے چھ سال تک ہمیں اکٹھے رہنا ہے امید ہے اچھی دوستی رہے گی کیوں؟"
"ہاں......" دونوں نے فوراً سر ہلایا جیسے وہ کچھ دیر چپ رہیں گی تو انہیں سزا سنادی جائے گی۔
"اچھا میں باہر جارہی ہوں کچھ کھانے پینے۔ تم چلوگی۔" اس نے اٹھ کر الماری کھولی اور اس میں ٹھونسے گئے کپڑے اٹھا کر ڈھیر کرنے لگی۔
"تم دونوں اتنا کم تو نہیں بولتی ہو کیا میری دوستی پسند نہیں آئی؟" وہ پھر ہنسی تھی شاید وہ جانتی تھی کہ ہنستے ہوئے اس کے چہرے پر کتنی دلکشی آجاتی تھی۔
"نہیں ایسی بات نہیں۔ شاید ہم امپریس ہو رہے ہیں۔" شبانہ فوراً منمنائی جب کہ نرمین نے اسے گھورا تھا۔
"میری خوب صورتی سے۔" وہ پھر ہنس پڑی۔ اپنا مطلوبہ جوڑا نکال کر الماری بند کی۔
"میرے پاس تو تمہیں امپریس کرنے کے لیے بہت کچھ ہے لیکن دوستی میں سب کچھ برابری کی سطح پر ہوتا ہے تم بھی مجھ سے امپریس مت ہونا۔ ورنہ پھر میں شاید یہ دوستی نہیں کرسکوں گی۔ تم لوگوں نے بتایا نہیں چل رہی ہو یا نہیں؟" اس نے کیچر میں جکڑے بالوں کو کھولا۔ ریشمی بال شانوں پر بکھر گئے۔
"نہیں......اور شاید تم بھی نہیں جاسکوگی۔ گیٹ آٹھ بجے بند کردیا جاتا ہے اور سات بجے کے بعد وارڈن باہر قدم نہیں رکھنے دیتی۔" اب کہ نرمین بولی۔
"وارڈن اور گیٹ میرا مسئلہ نہیں تم جانا چاہتی ہو تو آجاؤ۔ دہی بھلے کھائیں گے پاپڑی والے۔ ساتھ میں فروٹ چاٹ مصالحے والی۔" اس نے لالچ دیا۔ شبانہ کے منہ میں پانی بھر آیا وہ حامی بھرنے ہی والی تھی کہ نرمین نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔
"نہیں شکریہ ہم لوگ کھانا کھا چکے ہیں۔" اس نے نہایت شائستگی سے منع کیا وہ کندھے اچکا کر اپنے کپڑے پریس کرنے لگی۔
"سوری تمہیں تھوڑی دیر کے لیے یہ برداشت کرنا پڑے گا میں آتے ساتھ ہی سمیٹ لوں گی۔" وہ معذرت خواہانہ انداز میں کہتی باتھ روم میں گھس گئی۔
"کیا چیز ہے یہ۔" اس کے جاتے ہی نرمین نے شبانہ سے کہا اور اس نے جواباً کندھے اچکا دیئے۔
دہی بھلے تو نہ کھائے البتہ ٹھیلے والے سے چکن برگر لے کر وہ کافی دیر فٹ پاتھ پر واک کرتی رہی۔ ٹریفک انتہا کی تھی سارے پنچھی گھروں کو لوٹ رہے تھے۔
"تمہارے سارے شوق مڈل کلاس لڑکیوں والے کیوں ہیں؟" پہلا لقمہ منہ میں جاتے ہی اسے کسی کا کہا جملہ یاد آیا۔
"مثلاً؟" وہ اپنی ستواں ناک چڑھاتی۔
"یہ دہی بھلے ٹھیلوں کے برگر پکوڑے دہی کی چٹنی والے سموسے......اوپر سے تمہاری شاپنگ بھی کچھ ایسی ہی جگہوں سے ہوتی ہے برانڈڈ شاپس کے باہر لگے تھڑوں پر بکتے سیل والے کپڑے۔ سیل والے بیگز انارکلی اچھرہ تمہارے فیورٹ شاپنگ مالز کہیں سے بھی تم لگتی ہو پرنس شہریار کی بیٹی؟" وہ دونوں ہاتھ پتلون کی جیبوں میں گھسائے اس کا مذاق اڑاتا۔
"کیوں پرنس شہریار کی بیٹی کیا آسمان سے ٹپکی ہے؟" وہ ہنس دی یوں کہ اس کے دائیں گال میں بڑا ننھا سا ڈمپل اور نمایاں ہو جاتا اور وہ دیکھتا رہتا۔ اپنی اس پاگل سی کزن کو۔ جو سارے زمانے سے ہٹ کر تھی اس کا سارا خاندان اسے ابنارمل سمجھتا تھا واحد ایک عون ہی تھا جو اس کے ہر کام میں اس کا ساتھ دیا کرتا تھا۔
ریگل چوک کے دہی بھلے ہوں یا شاہ عالمی کے کشمیری دال چاول، سمن آباد کے پکوڑے یا باٹا پور کے دہی کی چٹنی والے سموسے ہوں۔ وہ عون کو ایک فون کرتی، ادھر وہ سارے کام چھوڑ اپنی اس کزن کی فرمائش پوری کرنے پہنچ جاتا اور وہ اس کی بائیک کے پیچھے بیٹھ کر سارا جہاں پھرا کرتی۔ یہ اور بات کہ گھر آکر مما سے جو کھنچائی ہوتی وہ اس کا سارا مزہ کرکرا کر ڈالتی لیکن وہ بھی زیمل حسان تھی چند ہی منٹوں بعد سب بھلا کر اگلے دن پھر کسی پلان کو ترتیب دے رہی ہوتی۔

برگر کھاتی سوچوں میں ڈوبی اسے پتہ ہی نہ چلا تھا کہ وہ ہاسٹل کے گیٹ تک پہنچ گئی تھی۔ واچ مین کو سو کا نوٹ پکڑاتی وہ مزے سے ہاتھ جھاڑتی اندر آ گئی۔ رسٹ واچ میں ٹائم دیکھا ساڑھے آٹھ ہو رہے تھے وہ مڑی اور واچ مین کو گیٹ بند کرتے دیکھ کر مسکرا دی۔

کمرے میں پہنچی تو زمین چائے پی رہی تھی اور شبانہ ہینڈ فری لگائے جانے کیا سن رہی تھی اسے دیکھ کر دونوں نے ایک ساتھ ہی وال کلاک کی سمت دیکھا تھا مین گیٹ سے ہاسٹل کا راستہ پندرہ بیس منٹ کا تھا اس نے ہاتھ میں پکڑا چپس کے پیکٹوں سے بھرا شاپر زمین کے آگے رکھا اور خود اپنی الماری سیٹ کرنے لگی۔ دونوں نے اس سے کوئی بات نہ کی تھی وہ بھی خاموشی سے اپنے کام میں لگی رہی تبھی جیسے زمین کو یاد آیا۔

''تمہارا فون آ رہا تھا تم ادھر ہی بھول گئی تھیں اپنا سیل؟''

''نہیں...... بھولی نہیں تھی خود ہی چھوڑ گئی تھی۔'' وہ بیگز نکال رہی تھی۔ زمین نے دیکھا بہت خوب صورت ہینڈ بیگز تھے۔

''یہ بیگز مما لاتی ہیں جب بھی فارن ٹور پر جاتی ہیں۔'' وہ اس کی نظروں کو بھانپ گئی اس لیے بتانے لگی۔

''اصل میں میری ساری ننھیال کو شاپنگ اور اندھا دھند شاپنگ کا خبط ہے چیزیں یوں خریدتے ہیں جیسے مفت بٹ رہی ہوں۔ کہیں تم پھر تو مجھ سے ایمپریس نہیں ہو رہی؟'' اس کی نظروں کی محویت بھانپ کر وہ مسکرائی۔

''نہیں۔'' زمین نے سر جھکا لیا۔ حقیقت تھی کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی شخصیت سے ایمپریس ہو رہی تھی اس کی پرسنالٹی میں تھا کچھ ایسا جو کہ مدمقابل کو اپنی طرف اٹریکٹ کرتا تھا۔ وہ اپنے کام سے فارغ ہوئی تو تبھی زمین نے گرم چائے کا کپ اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس کے چہرے پر چمک سی آ گئی۔

''اوہ تھینک یو۔'' اس نے کپ تھاما۔

''کتنی خوشی ہوتی ہے جب کوئی آپ کی طلب پڑھ لے اور پھر اس کو پورا کر دے بنا آپ کے اظہار کیے؟''

''مجھے لگتا ہے میرا یہاں دل لگ جائے گا۔'' اس نے چائے کا پہلا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

''نہیں بھی لگا تو ہم ہیں ناں۔'' شبانہ نے ہینڈز فری اتارتے ہوئے کہا تو تینوں ہنس دیں۔ وہ ساری رات اس نے

مختلف باتیں سوچتے آنے والے دنوں کا خاکہ بنتے گزار دی تھی۔ اگلا دن بے حد معروف تھا۔ نرمین اور شبانہ نے اپنا پورا کالج دکھایا۔ آڈیٹوریم، سیمینار روم، لائبریری، آفس، اسٹاف روم سب کچھ دکھا ڈالا۔ بارہ بجے کے بعد پنک ڈے کے سلسلے میں پروگرام تھا۔ سب لڑکیاں ہال میں جمع ہو رہی تھیں نرمین بھی انہیں لے کر گھس گئی۔ ہال لڑکیوں سے کچھا کچھ بھر چکا تھا ایک ساتھ تین سیٹیں کہیں بھی خالی نہ تھیں سو تینوں الگ الگ ہوگئیں۔ پروگرام شروع ہو چکا تھا۔ ایک لیڈی ڈاکٹر بریسٹ کینسر کی علامات تشخیص اور وجوہات پر بریفنگ دے رہی تھی۔ وہ بے توجہی سے سن رہی تھی۔ تبھی اس کی نظر اسٹیج پر کھڑی مسز حسان پر جا پڑی۔

"ممّا یہاں؟ پبلسٹی کا تو کوئی موقع مما کے ہاتھ سے پھسل نہیں سکتا۔" اس نے برا سا منہ بنایا اسے اب اس شو میں انٹرسٹ نہیں رہا تھا۔ وہ باہر نکل آئی۔ نرم نرم کھلی سی دھوپ ہر سو پھیلی ہوئی تھی وہ بے حد آہستگی سے چلتی ہوئی گراؤنڈز کی طرف آگئی۔ نسبتاً ایک ویران گوشے کا انتخاب کیا اور زمین کو ایک پیپر سے صاف کرکے بیٹھ گئی۔ فاصلے فاصلے پر بیٹھی لڑکیوں کے گروپس خوش گپیوں میں معروف تھے اس نے اپنا لیپ ٹاپ کھولا اور کچھ سرچ کرنے لگی نرمین اور شبانہ جانے کہاں رہ گئی تھیں یہ کام بھی بورنگ لگنے لگا تھا آج کوئی خاص کلاس بھی نہیں تھی۔ پچھلے ایک ہفتے کے سارے نوٹس وہ شبانہ اور نرمین سے لے چکی تھی۔ گھر...... ہاں شاید وہ گھر کو مس کر رہی تھی مگر کس کو؟ شاید عون کو...... نہیں۔ اس نے زور سے سر جھٹکا۔ وہ عون کے بارے میں سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ عون نے اسے بہت زیادہ ہرٹ کیا تھا۔ جو حرکت عون نے کی تھی وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی عون پر تو اسے اپنے آپ سے زیادہ اعتماد تھا وہ ایسی بات کہے گا اس کے تو تصور میں بھی نہیں تھا اور یہ عون سے شدید ناراضگی کا ایک اظہار ہی تھا کہ وہ گھر اور عون سب کو چھوڑ چھاڑ ہاسٹل چلی آئی تھی۔ اس کا ذہن پھر عون کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔ تبھی ذرا فاصلے پر بیٹھے گروپ کی ایک لڑکی بلند آواز سے چلانے لگی۔

"آئی ول شوٹ یو۔ تم یہ سوچ بھی کیسے سکتے ہو؟ دیکھو اگر تم نے ایسا کیا تو... میں ابھی اسی وقت اپنی کلائی کاٹ لوں گی۔" وہ ہذیانی ہو کر اس قدر شدت سے چلائی کہ زیمل خوف زدہ سی ہو کر اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی۔ وہ لڑکی فون پر غالباً کسی لڑکے سے بات کر رہی تھی۔ اور بڑے جارحانہ عزائم تھے اس کے اس کے ساتھ موجود باقی تین لڑکیاں دبی دبی ہنسی سے اسے اشاروں سے مزید اکسا رہی تھیں۔

"یہ دیکھو میں ابھی اپنی کلائی کاٹ رہی ہوں۔ اسپتال ضرور آنا۔ میں مرنے سے پہلے ایک بار تمہیں دیکھنا چاہوں گی یہ لو۔" اس کے ساتھ ہی اس لڑکی نے چھری اٹھائی اور کلائی پر پھیر دی اور زیمل کے لبوں سے بے ساختہ چیخ نکل گئی۔ اس لڑکی نے ناگواری سے اس کی طرف دیکھا اور ساتھ موجود لڑکی اپنے موبائل سے فٹافٹ تصویر لینے لگی تھی۔ اس لڑکی نے دوبارہ موبائل کان سے لگایا۔

"میں اپنی کلائی کاٹ چکی ہوں آگے تمہاری مرضی۔ تصویر تمہیں ابھی مل جائے گی تاکہ تمہیں میری محبت کا یقین ہو جائے۔" کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ دوسری لڑکی نے فاٹا فٹ بیگ سے بینڈیج نکالی اور اس کی کلائی پر لپیٹنے لگی۔ گویا سب کچھ پلان کے تحت کیا گیا تھا۔ شاید زخم بھی اتنا گہرا نہیں لگایا گیا تھا۔ زیمل کئی لمحے ششدر سی انہیں دیکھتی رہ گئی تھی۔ لڑکیوں کی یہ کون سی قسم تھی اس نے تو سنا تھا لڑکے بلیک میلنگ کرتے ہیں پر یہاں تو الٹی گنگا بہہ رہی تھی۔

"تو تم ادھر ہو؟" نرمین نے اچانک اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونکی۔ پیچھے شبانہ بھی تھی جو کہ انہی لڑکیوں کو دیکھ رہی تھی۔ زیمل نے آہستگی سے انہیں کچھ دیر قبل والا واقعہ سنایا۔ تو شبانہ ہنس دی۔

"پچھلے ہفتے اسی لڑکی کو میں نے اپنے خون سے ایک بڑے سے کارڈ پیپر پر آئی لو یو اور دل بناتے دیکھا تھا بعد میں اسی طرح تصاویر بنا کر کسی کو بھیجی گئی تھیں۔ میں تو حیران ہوں اتنے پیسے خرچ کرنے کے بعد یہ لڑکیاں کالج میں یہ کچھ کرتی پھر رہی ہیں۔ ہیں کس ایئر کی پتہ نہیں۔ کوئی ان کے ماں باپ کو بتائے تو وہ تو جیتے جی ہی مر جائیں اپنی اولاد کے ایسے کرتوت سن کر۔" اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھر کے پہلے زیمل اور پھر نرمین کو دیکھا۔ زیمل جھک کر اپنا لیپ ٹاپ اٹھانے لگی تبھی ادھر سے قہقہوں کی آوازیں آنے لگیں۔ شاید ان کا مقصد پورا ہو گیا تھا۔

"چلو زیمل دفع کرو ان دھوکہ باز لڑکیوں کو۔" شبانہ نے اس کا کندھا ہلایا وہ فٹافٹ آگے بڑھ گئی۔ لیکن ذہن ان لڑکیوں کی باتوں میں ہی الجھا ہوا تھا۔ وہ ہوم نرسنگ کی کلاس لے کر نکلی

ہی تھی کہ سامنے سے شبانہ آتی دکھائی دی۔ وہ میوزک کی کلاس لینے جارہی تھی اسے ہاتھ سے اشارہ کرنے لگی پاس آئی تو بولی۔
"تم سے ملنے کوئی آیا ہے میں سمجھی تم شاید روم میں ہو۔"
"عون آیا ہوگا!" اس نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔
"بھائی؟" شبانہ نے استفہامی نظروں سے اسے دیکھا۔
"نہیں۔" وہ مختصراً کہہ کر وزیٹنگ روم کی طرف بڑھ گئی لیکن شبانہ کو یہ خبر زمین کوسنا کر ہی چین آیا تھا کہ زیمل کو ملنے اس کا کوئی خاص بندہ آیا ہے وہ دونوں بے چینی سے اس کا انتظار کرنے لگی تھیں۔ زیمل وزیٹنگ روم میں داخل ہوئی تو اس نے اپنا دل اور لہجہ دونوں مضبوط کرلیے تھے وہ اسے دیکھ کر کھڑا ہوگیا تھا۔
"کیسی ہو؟" وہ کھوجتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔
"ایک دم فرسٹ کلاس۔" وہ کھلکھلا کر ہنسی اور ان بجتی گھنٹیوں پر اس کا دل سجدہ ریز ہونے لگا تھا اس نے بمشکل خود کو سنبھالا تھا۔
"تم کیسے ہو اور مام ڈیڈ؟" اس نے ہاتھ سے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی کارنر صوفہ پر ٹک گئی۔ عون نے اس پر سے نظریں نہیں ہٹائی تھیں۔
"آنٹی حسب معمول دبئی گئی ہیں انکل کینیڈا۔ میں نے ابھی باہر دیکھا۔ عمیمہ آنٹی آئی تھیں یہاں؟" اس نے بتاتے ہوئے ایک گہری نظر ڈالی۔
"ہاں تم کیوں آگئے۔ اب اگر تمہارا نام میں نے وزیٹرز لسٹ میں دے ہی دیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم آئے روز یہاں کے چکر لگانے لگو۔" اس نے سیدھا سیدھا کہا۔ عون ہنس دیا۔
"پتہ ہے ہم دونوں میں کیا مشترک ہے۔ ہم دونوں دل رکھنا نہیں جانتے۔ سچ بول دیتے ہیں۔ تو سچ چاہے کڑوا ہو سننا تو پڑتا ہی ہے۔ چلو گی دہی بھلوں کی ایک اور دکان ڈھونڈی ہے میں نے۔" وہ بڑی بے ربطہ سی گفتگو کررہا تھا۔
"نہیں..... نہیں جاسکتی ڈسٹرب ہوں۔ اچھا اللہ حافظ۔"
وہ کھڑی ہوگئی عون نے نادیدہ نظروں سے اسے دیکھا کس قدر ظالم ہوگئی تھی یہ لڑکی وہ جو اس کی سب سے اچھی دوست تھی۔
"سنو تم ناراض ہو؟" اس نے پوچھا۔
"ہاں۔" وہ کہہ کر باہر نکل گئی اور عون کی نظروں نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا وہ واقعی نہیں سمجھ پا رہا تھا اب کیا کرے؟

❁......❁......❁......❁

"طیب تے اتنا کمینہ اے اوئے ہوئے کیہ دساں بھراں جی۔ اک واری ایک بلی لے آیا اوہ بلی سی کہ شرلی۔ اور چڑھ ادھر چڑھ کرسی بنی۔ ہر شے گندی کر چھوڑی۔ مینوں غصہ آیا۔ میں بھی غسل خانے اچ بند کر چھوڑی۔ پر طیب انہوں یاد کر کے اتنا رویا۔ بلآخر مینوں کڈھنا پیا۔ پر بجلی میں وی نہیں۔ ایک دن شدید ٹھنڈ اچ میں دونواں نوں باہر کڈھ چھوڑیا۔ تے مینوں آکھدا اے نہاڑے ورگیاں ستاں ہوندیاں جیہ یاں نولاں سمیت پتراں نوں اس موسم اچ کدھ ماردیاں۔ جائے کڈی ظالم سی اے۔ کھبراں جی کیہ دساں ہے تے تیرہ سال دا پر حرکتاں۔ میں تاں تنگ آ گئی آں۔" بشریٰ نے طیب نامہ سنایا۔
"طیب تو اس قدر کمینہ ہے کہ بھائی صاحب کیا بتاؤں ایک دفعہ بلی لے آیا وہ بلی تھی کہ پھلجڑی۔ چارپائی کرسی ہر شے کو گندا کردیا۔ مجھے غصہ آیا تو میں نے اسے باتھ روم میں بند کردیا۔ لیکن طیب اس قدر رویا کہ مجھے اسے باہر نکالنا پڑا لیکن میں بھولی نہیں شدید سردی میں دونوں کو نکال باہر کیا کہنے لگا آپ جیسی ساس ہوتی ہیں جو اس طرح کے موسم میں بہو کو بیٹے سمیت نکال باہر کرتی ہیں کس قدر ظالم ساس ہے کیا بتاؤں بھائی صاحب ہے تو تیرہ سال کا لیکن حرکتیں میں تو تنگ آگئی ہوں۔" چوہدری صداقت ہنس پڑے۔ بشریٰ ان کی لاڈلی اور پیاری بہن تھی۔
"جھلیے ایویں پریشان نہ ہویا کر۔" انہوں نے حقے کو منہ میں ڈال کر پیار سے دیکھا۔
"لو بتاؤ۔" بشریٰ نے ناک چڑھائی۔ اسی وقت بھرجائی نذیراں لسی کے گلاس لے آئی۔ تو باتوں کا رخ مڑ گیا۔ بشریٰ اپنے بھتیجے ٹیپو کے بارے میں پوچھنے لگی۔ نذیراں خوش ہوکر بتانے لگی۔ ٹیپو کا ذکر اسے بہت ہی خوش کرتا تھا۔
"بہت دن ہوگئے بھائی ٹیپو نہیں آیا۔" بشریٰ نے لسی کا گھونٹ بھرتے ہوئے پوچھا۔
"ہاں بس۔" چوہدری صداقت نے مختصراً کہا اور کسی سوچ میں گم ہوگئے۔ ٹیپو کا واقعی کافی دنوں سے کوئی رابطہ نہ تھا ان کا اکلوتا بیٹا تھا یہ خوبرو جوان۔ جو لگتا تھا شہر کی رنگینیوں میں آہستہ آہستہ گم ہوتا جارہا تھا۔
نذیراں نے لسی کے خالی گلاس اٹھائے اور بشریٰ کو تاکید

کرتی گئی کہ وہ کھانا کھائے بغیر نہ جائے۔ بشریٰ کون سا ٹلنے والی تھی وہ تو آتی ہی سارے دن کے لیے تھی سسرال کے بکھیڑے ہی اس قدر تھے کہ وہ ہفتے میں ایک دن تو جان چھڑا کر آ ہی جاتی تھی اور دن ڈھلے ہی اس کی واپسی ہوتی تھی وہ کافی دیر بیٹھی بھائی کے ساتھ گپ شپ کرتی رہی اور جب چوہدری صداقت اٹھ کر ڈیرے گئے تو وہ کچن میں نذیراں کے پاس آ گئی۔

نذیراں نے مٹی کے چولہے پر ہانڈی چڑھا رکھی تھی اور باہر کچے صحن میں لگے تنور میں بالن یعنی ایندھن بھی ڈال دیا تھا بھرجائی آٹا گوندھ کر اب تنور پر روٹیاں لگانے کو تیار تھی وہ پیڑھی کھینچ کر بھرجائی کے قریب ہی آ بیٹھی۔

نذیراں وقفے وقفے سے پھکنی سے چولہے میں پھونک بھی مار رہی تھی جس سے مدھم ہوتی آگ پھر سے بھڑک اٹھتی۔ پاس ہی ایک بڑی سی دیگچی دھری تھی۔ جس میں نذیراں نے خالص دودھ سے کھیر تیار کی تھی وہ جانتی تھی بشریٰ کو کھیر بہت پسند تھی اس لیے صبح اٹھتے ساتھ ہی اس نے کھیر چڑھا دی تھی بھرجائی نے تنور پر روٹیاں لگانی شروع کردی تھیں نذیراں دیسی گھی کا کٹورا اٹھائے گرم گرم روٹیاں پکاتی جارہی تھی۔ بشریٰ سے بھوک برداشت نہیں ہورہی تھی اس نے ہانڈی سے کٹورا بھرا آدھا پکا سالن نکالا اور گرما گرم روٹی سے لطف اٹھانے لگی نذیراں اس کی حرکت پر ہنس دی۔

"بچیاں والی ہوگئی بشریٰ پر عادتاں نہیں بدلیاں۔" (بچوں والی ہوگئی ہو لیکن عادتیں نہیں بدلیں)

"پر کیوں؟" گرم نوالہ منہ میں لیتے ہوئے زبان جل گئی تو وہ "دشش" کر اٹھی۔

"سیانے کہہ گئے ہمیشہ ٹھنڈی کرکے کھاؤ۔" نذیراں نے ایک اور گرم روٹی اس کے چھابے میں ڈالی۔ بشریٰ نے سر ہلایا۔ پھر ہولے سے بولی۔

"بھابی ٹیپو کا کیا اشارہ ہے ابا جی کو بہت جلدی ہے کہتے ہیں اب کی دفعہ ٹیپو آیا تو وہ نمو کی رخصتی کردیں گے۔" نذیراں نے پل کی پل اس کو دیکھا۔

"جمیل بھائی نے ہمیشہ جلدی کی ہے ٹیپو بڑا افسر ہے اس کے طور طریقے بدل گئے ہیں پتہ نہیں وہ اس فیصلے کو مانے گا بھی یا نہیں۔ میرا دل تو بہت پریشان ہے کہیں اس نے انکار کردیا تو پتہ نہیں کیا ہوگا۔"

"اللہ تو خیر منگ بھرجائی۔ تہانوں زبیر دا پتہ ہے۔ کوئی گل ہوئی اوہ اک منٹ لاسی مینوں کدھن تے۔" وہ دہل کر بولی۔

"اللہ خیر کرے۔" نذیراں نے ہاتھ کے اشارے سے بھرجائی کو مزید روٹی لگانے سے منع کیا اور پھر پکی روٹیوں کا چھابا اٹھائے باورچی خانے کی طرف آ گئی۔ بشریٰ بھی پیچھے آ گئی تھی۔ یک دم ہی اس کا پیٹ بھر گیا تھا وہ تو پہلے ہی مخالف تھی اس نے بھائی کو سمجھایا بھی تھا کہ وٹے سٹے والا کام نہ کریں لیکن لڑکیوں کی سنتا کون تھا چوہدری جمیل نے اپنے منہ سے نمو کے رشتے کے بارے میں کہا تھا تو چوہدری صداقت کی ہمت کیسے ہوتی انکار کی۔ انہوں نے فوراً سے پہلے نمو کو ٹیپو کی منگ بنا ڈالا تھا۔ ان دنوں ٹیپو میٹرک میں تھا اور نمو آٹھویں پاس کر کے گھر بیٹھ کر گھرداری سیکھ رہی تھی کیونکہ گاؤں میں آگے اسکول نہ تھا۔ دن ڈھلے زبیر آیا اور بشریٰ اپنے گھر چلی گئی۔ لیکن نذیراں کے دل میں چھپے وسوسے جوں کے توں تھے۔

❀ ❀ ❀ ❀

اس ویک اینڈ پر وہ گھر بھی آئی تھی۔ ڈیڈ اپنے فارن ٹور سے واپس آ چکے تھے اور ممی...... اپنے اگلے ٹور کی تیاری میں تھیں۔ وہ آج تک سمجھ نہ پائی تھی کہ ڈیڈ نے ایک جیسی ہی دو عورتوں سے شادی کیوں کر رکھی تھی۔ عمیمہ ماما اور خزینہ ممی دونوں میں رتی بھر فرق نہیں تھا۔ دونوں کی عادتیں ہی نہیں پیسہ لٹانے کا طریقہ بھی ایک ہی تھا پھر جانے کیوں حسان شہریار نے عمیمہ کو چھوڑ کر خزینہ کو شریک حیات بنالیا تھا کھانے کی میز پر اشتہا انگیز کھانے تھے اور اتنی بڑی میز کے ایک طرف وہ اور دوسری طرف ڈیڈ تھے۔ ڈیڈ کے دائیں طرف خزینہ ممی تھیں جو اپنی پلیٹ میں سلاد کے چند ٹکڑے ڈالے بڑی نزاکتوں سے ذرا ذرا کتر کر کھا رہی تھیں اور یہی حال ڈیڈ کا تھا اسے ہنسی آ گئی کیا فائدہ اتنی دولت کا کس قدر نعمتوں سے بھری کھانے کی میز تھی اور وہ دونوں کچی سبزیاں کھا کر اپنا پیٹ بھر رہے تھے ممی کا ڈائٹنگ پروگرام اور ڈیڈ کی سوکالڈ بیماریاں۔ وہ جانتی تھی یہ سارا اہتمام اس کے لیے کیا گیا تھا۔ بریانی، کوفتے، دم پخت، فرائی چکن، شامی کباب، شاشلک، رشین سیلڈ اور چکن جلفریزی۔

"اوہ خدایا...... اتنا رزق۔" اور وہ جانتی تھی یہ سارا کھانا ڈسپوزل ہوجانا تھا۔

"تمہاری اسٹڈیز کیسی چل رہی ہیں زیم؟" ڈیڈ نے ایک سرسری نگاہ اس پر ڈالی اور ساتھ ہی ان کی نظر بار بار سامنے لگے وال کلاک کی طرف بھی اٹھ رہی تھی۔ نو بجے انہیں میٹنگ کے

لیے نکلنا تھا اور ممی کو اپنی فلائٹ کے لیے وہ دونوں تو بس فارمیلٹیز نبھانے اس کے ساتھ آ بیٹھے تھے۔

"ابھی تو بس سو سو ہی ہے۔ ہاں فنکشنز آئے دن ہوتے رہتے ہیں۔ سیلیبرٹیز آتے رہتے ہیں۔ ابھی پچھلے ہفتے جو بریسٹ کینسر کے سلسلے میں شو ہوا تھا عمیمہ مام بھی ایز اے چیف گیسٹ وہاں موجود تھیں۔" حسان شہریار کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرایا۔ جب کہ خزینہ نے بڑی کاٹ دار نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"تم ملی نہیں اپنی ماما سے؟" لہجے میں واضح طنز تھا۔

"کیا فرق پڑتا ہے؟" اس نے چمچ بھر دہی پلیٹ میں ڈالا اور سلاد میں مکس کر کے کھانے لگی۔ حسان شہریار اپنا ڈنر ختم کر چکے تھے سو کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"زیمل کب تک ہو؟" انہوں نے موبائل پر کسی کا نمبر ڈائل کرتے ہوئے پوچھا پھر جواب سنے بغیر باہر نکل گئے۔ خزینہ بھی زیادہ دیر مروت نہیں نبھا سکی اور معذرت کرتی اٹھ گئیں۔ نعمتوں سے بجی ٹیبل نے اپنی ناقدری کا رونا رویا تھا۔ وہ جو دو دن رہنے کا سوچ کر آئی تھی اگلی صبح ہی واپس جانے کا ارادہ کر لیا۔ یہاں رہ کر دیواروں سے تو باتیں نہیں کرنا تھیں۔ رات گئے تک وہ فیس بک پر مصروف رہی سو اگلے دن آنکھ بھی دوپہر دو بجے کھلی۔ جلدی سے شاور لے کر اس نے اپنا بیگ اٹھایا اور باہر آ گئی۔ چوکیدار اور ڈرائیور دونوں غائب تھے اس نے تھوڑی دیر انتظار کیا پھر ٹیکسی لے کر ہاسٹل پہنچ گئی۔ شبانہ اور نرمین دونوں اپنے گھر گئی ہوئی تھیں کمرہ خالی تھا وہ بیگ پھینک کر بستر پر نیم دراز ہو گئی۔ ذہن منفرد سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ پتا نہیں اسے کب تک یہ خانہ بدوشوں والی زندگی گزارنی تھی دو مائیں ہونے کے باوجود اسے ماں کا پیار ماں کی گود میسر نہیں تھی۔ عمیمہ مام تو اسے جنم دینے کے بعد بھول ہی گئی تھیں۔ ہاں خزینہ ممی کا پیار کا اپنا انداز تھا وہ اس کے لیے ڈھیروں شاپنگ کرتیں فکر مندی کے دو چار جملے اور بس...... اور ڈیڈ کے پاس تو کچھ پوچھنے کے لیے بھی وقت مہینوں کے بعد میسر آتا تھا ایک عون تھا اس کا تایا زاد اور جو بچپن سے لے کر اب تک اس کا دوست اور ہم راز تھا۔ لیکن اس نے بھی مردوں والا چولا پہن لیا تھا اور اسے مرد کی نظر سے ہی دیکھنا شروع کر دیا تھا۔

اسے عون سے محبت نہیں تھی لیکن پیار بہت تھا اور اس پیار کو وہ مرد و عورت کے تعلق کا نام نہیں دیتی تھی۔ ویسا ہی پیار جو ایک انسان اپنی کسی عزیز شے سے کرتا ہے۔ سو عون اسے عزیز ضرور تھا لیکن اس کی طرف سے بڑھے محبت کے ہاتھ وہ قبول نہیں کر سکتی تھی۔ بلکہ اس روپ میں تو وہ اسے کسی صورت بھی قبول نہیں تھا۔ وہ اپنے حالات اور عون کے بارے میں سوچتے سوچتے جانے کب نیند کی آغوش میں چلی گئی تھی آنکھ کھلی تو رات کے نو بج چکے تھے۔ اسے بھوک بھی محسوس ہو رہی تھی اور سر میں شدید درد بھی۔ صبح سے لے کر اب تک اس نے کچھ بھی نہ کھایا تھا باہر جانے کی ہمت نہ ہو رہی تھی اس نے اٹھ کر الماری کھولی۔ شاید کچھ کھانے پینے کو مل جائے۔ مگر سوائے ایک بسکٹ کے پیکٹ کے اسے کچھ نہ ملا۔ وہ کچھ دیر خالی الذہن کیفیت میں بیڈ پر بیٹھی رہی پھر جانے کیا سوچ کر عون کا نمبر ڈائل کر دیا۔ ایک رنگ پر ہی فون ریسیو کر لیا گیا تھا۔

"بھوک ستا رہی ہے؟" چھوٹتے ہی پوچھا اس کے درست قیاس اب زیمل کو کھولانے لگے تھے۔

"نہیں تو......" وہ مکر گئی۔ اس کی ہاں میں ہاں ملانا اس کو شہ دینے کے مترادف تھا۔

"میری یاد آ رہی ہے؟" وہ شوخ ہوا۔

"ہاں سوتے میں ڈر گئی تھی تمہاری شکل دیکھ کر۔" وہ ہنسی۔

"اچھا......" وہ بھی ہنس دیا۔

"واپس کیوں چلی گئیں۔ میں تو شام کو تمہیں الحمرا لے کر جانے کا پروگرام بنا رہا تھا۔ فیض احمد فیض کی یاد میں زبردست پروگرام ہو رہا ہے میں نے ٹکٹس بھی لے لیں تھیں۔ سوچا تھا سرپرائز دوں گا۔"

"آ...... ہا" زیمل کو افسوس ہوا۔

"اگر تم سرپرائز دینے کے چکر سے باہر نکل آؤ تو بہت سے کام وقت پر ہو جایا کریں۔ اب اگر تم یہ بات مجھے صبح بتا دیتے تو میں بڑی بھوکی نہ مر رہی ہوتی۔ لیکن تمہارے سرپرائز میں...... اب تم گیٹ وارڈن سے آ کر پرمیشن لو کچھ بھی کہو میں یہ ہرگز مس نہیں کروں گی۔" اس نے کہہ کر فون بند کر دیا اور خود کپڑے سلیکٹ کرنے لگی اور ٹھیک پانچ منٹ بعد اس کے دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔

گھر سے فون آ گیا تھا اور وہ دو دن کی چھٹی لے کر روانہ ہو رہی تھی۔ اس کے پیرنٹس یہاں کے ٹرسٹی تھے اور زیمل حسان ان رولز اینڈ ریگولیشن کی کھلم کھلا خلاف ورزی کر سکتی تھی۔ عون اسے گیٹ سے باہر مل گیا تھا اسے دیکھ کر ہنس پڑا۔

"بہت ناجائز فائدہ اٹھاتی ہو تم زیمل حسان ہونے کا۔ اب مجھے سمجھ آیا کہ تم نے میرا نام ہی کیوں لکھوایا ہے وزیٹرز میں تاکہ وقت بے وقت میں تمہیں پک کرسکوں۔ تمہیں گھما پھرا سکوں تم ایک کام کروواپس گھر آجاؤ۔ کوئی اور ضرورت مند اس کمرے میں رہ لے گی۔ اچھا بھلا پرآسائش گھر چھوڑ کر یہاں رہ رہی ہو۔" اس نے گاڑی ڈیل روڈ کی طرف کی اور ایک گہری نظر اس پر ڈال کر نظریں سامنے مرکوز کردی تھیں۔ زیمل نے اپنے کیوٹیکس لگے خوب صورت ہاتھوں کو دیکھا اور بولی۔

"وہ گھر نہیں...... بس ایک مکان ہے میں وہاں رہ رہ کر اوب چکی ہوں۔ اتنا بڑا گھر ہر طرف نوکر چاکر۔ تمہیں کیا پتہ عون اس گھر کی ایک ایک چیز سے ٹپکتی امارت نے محبت کا چہرہ کہیں چھپا ہی دیا ہے۔ گھر کے تین افراد کبھی کبھار ہی ایک دوسرے کی شکل دیکھ پاتے ہیں اور کبھی قسمت سے اکٹھے ہو بھی جائیں تو کان موبائلز کالز پر اور نظریں وال کلاک پر لگی رہتی ہیں۔ ایک ایک لمحہ قیمتی ہوتا ہے ان کا۔ منٹ منٹ ہزاروں لاکھوں کا کاروبار۔ کیا کرنا ہے ان لوگوں نے اس قدر دولت کا۔ کماتے جارہے ہیں بینک بھرے پڑے ہیں دولت کے انبار سے یہ پلازے شاپنگ مالز فیکٹریاں۔ مما کا اپنا بزنس سیٹ اپ۔ مجھے تو کبھی کبھی ان کے انسان ہونے پر بھی شک ہونے لگتا ہے۔ یار فیلنگز نام کی کوئی چیز ان میں رہی نہیں اور وہ میری مما۔ عمیمہ مام۔ وہ ساری دنیا کی ماؤں سے نرالی ہیں۔ ان سے کہیں زیادہ فکر تو خزینہ مما سال میں دو بار کرلیتی ہیں۔ مس تو ڈارلنگ ہیوا ے گڈ ڈے' سویٹ ہارٹ' بس ان چند جملوں میں قید ہے ان بزنس ایمپائر چلانے والوں کی زندگی۔ گھڑی کی سوئیوں کی ٹک ٹک پر جینے والے یہ لوگ۔ مجھے ترس آتا ہے ان پر کیا فائدہ ان کی اس بے تحاشہ دولت کا نہ سکون سے پوری نیند لے سکتے ہیں نہ ہی اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے لطف اندوز ہوسکتے ہیں کھانے کی ٹیبل من وسلویٰ سے کم نہیں ہوتی لیکن ایک لقمہ کھانا نصیب نہیں...... سلاد' پھل' جوس اور اوپر سے جب مما مجھے دیتی ہیں بازاری فروٹ چاٹ اور نمک کم کھانے کے نقصانات پر لیکچر تو مجھے ان پر اور زیادہ ترس آتا ہے یہ لوگ زندگی انجوائے کرنا جانتے ہی نہیں۔" اس نے بولتے بولتے بالوں پر لگا کیچر کھولا تو سیاہ ریشمی بال شانوں پر بکھر گئے۔ عون نے پل کی پل اس کی طرف دیکھا تھا۔

"یہ لڑکی...... یہ لڑکی۔" اس نے سوچا۔ کیوں اس کی محبت کی گہرائی نہیں جانتی تھی کیوں دن رات کے کسی بھی پہر کو آرام سے اس کے ساتھ گزار دینے کے باوجود تمام عمر اس کے ساتھ گزارنے کو تیار نہیں تھی۔ اپنی ہر بات ہر خوشی ہر غم اس سے شیئر کرتی تھی پھر بھی اس کو اپنی زندگی میں خاص جگہ دینے کی بات پر طیش میں آجاتی تھی۔

"اگر رہی بات وزیٹر میں صرف تمہارا نام لکھوانے کی تو عون تمہارے علاوہ اور کس کے پاس اتنا ٹائم ہے جو مجھے ملنے آئے میرے ساتھ ذلیل خوار ہو؟" اب کے ذرا بشاشت سے اس نے کہا۔

"ہاں کاٹھ کا الو ایک ہی پیدا ہوا ہے اس دنیا میں اور اس کا نام عون ہے۔" وہ مسکرایا اور گاڑی پارکنگ میں روک دی۔

"الحمرا آرٹ کونسل۔" کے باہر ادب کے دلدادہ لوگوں کا جم غفیر تھا۔ اچانک ہی بادل زور سے گرجے تھے اس نے آسمان پر نگاہ ڈالی۔ ابھی کچھ دیر پہلے تاروں سے بھرا آسمان کالے بادلوں سے ڈھک گیا تھا۔ یکا یک ہی موسم نے پلٹا کھایا تھا۔

"عون بارش ہونے والی ہے۔" اس نے عون کو متوجہ کیا۔

"ارے...... ایک دم کہاں سے آگئے بادل۔ ابھی شام میں تو بہت اچھا خاصا موسم تھا چلو جلدی چلو۔" اسی دم ایک موٹی بوند زیمل کے چہرے پر گری اور پارکنگ سے اندر جاتے بارش تیز تر ہوگئی تھی۔ بڑی مشکل سے خود کو بچاتے وہ لوگ اندر پہنچے تھے۔ پروگرام شروع ہوئے کافی دیر ہوچکی تھی اب محفل موسیقی شروع ہونے والی تھی۔ کمپیئرنگ ہورہی تھی زیمل بھیگ گئی تھی۔ وہ کپڑے بھی ہلکے پھلکے پہن کر نکلی تھی کوئی جیکٹ یا سوئیٹر لیا نہیں تھا۔ بارش اب تیز ہورہی تھی اور بارش کے آر پار کچھ بھی دکھائی نہ دے رہا تھا۔

"او میرے اللہ......" اس نے سردی سے کانپتے ہوئے عون کو دیکھا۔

"اس سب میں میرا ہاتھ نہیں......" اس نے برستی بارش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وضاحت دی۔ زیمل خلاف توقع چپ رہی تھی۔

"اس بھیگے حلیے میں اندر جانا چاہیے؟" عون نے پوچھا۔

"آف کورس محبت کا تقاضہ تو یہی ہے۔" زیمل نے شانے اچکائے اور سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ عون نے تقلید کی۔ انٹرنس کے ساتھ ہی دو خالی سیٹیں انہیں نے فوراً سنبھالی تھیں۔

"عشق تھکا تا نہیں مزا دیتا ہے۔" کمپیئر بول رہا تھا۔ "اور

یہ مزاجب روح میں اترتا ہے تو چھید کرڈالتا ہے۔تن کو لہرلہر کردیتا ہے اور جب لہو قطرہ قطرہ مساموں سے رستا ہے تو ہر بوند میں ایک ہی شکل بنتی ہے۔ یار کی شکل۔ اس یار کی شکل جو زہر پلا کر تریاق نہیں دیتا۔ آہستہ آہستہ جان لیتا ہے اور اس آہستہ آہستہ جان دینے میں جو مزا ہے وہ اور کسی بات میں نہیں۔ عشق تھکاتا نہیں مزا دیتا ہے۔'' گھمبیر لہجے میں بولتا کمپیئر چپ ہوا تو ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ وہ دونوں بازو ٹانگوں کے گرد لپیٹے کرسی پر اکڑوں بیٹھی رہی۔ جب کہ عون تالیاں بجاتے مسلسل اس پر نظر جمائے ہوئے تھا۔ جیسے سمجھانا چاہ رہا ہو عشق کا فلسفہ۔ مغنیہ اسٹیج پر فیض کی شاعری اپنی مدھر آواز میں سنانے لگی اور اب زیمل پورے انہماک سے اسے سن رہی تھی۔

''میں نے سمجھا تھا کہ تو ہے تو درخشاں ہے حیات
تیرا غم ہے تو غم دہر کا جھگڑا کیا ہے
تیری صورت سے ہے عالم میں بہاروں کو ثبات
تیری آنکھوں کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے
اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا
راحتیں اور بھی ہیں وصال کی راحت کے سوا
مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ
مجھ سے پہلی سی محبت......''

اچانک اسے شدید قسم کی سردی کا احساس ہوا اور اس کا سارا جسم ہولے ہولے لرزنے لگا تھا۔

''عون......'' اس نے پکارا۔ لیکن شور میں شاید اس نے سنا نہیں تھا۔ وہ اپنی کرسی سے ٹیک لگائے ٹانگ پر ٹانگ دھرے پوری طرح منہمک تھا۔ اس کے دانت بجنے لگے۔ شاید اسے ٹھنڈ لگ گئی تھی۔

''عون......'' اس نے اس کے بازو کو جھنجھوڑا۔ وہ چونک کر سیدھا ہوا۔

''کیا ہوا زی؟'' ہال کے مدھم اندھیرے میں وہ واضح طور پر اس کا چہرہ تو نہ دیکھ پایا۔ ''ٹھیک تو ہو......؟'' وہ اس کی طرف جھکا۔

''عون مجھے بہت زیادہ سردی لگ رہی ہے بہت ہی زیادہ۔'' اس نے کانپتے لہجے میں کہا۔

''اوہ مائی گاڈ۔'' وہ پریشان ہو گیا۔

''تم یہ کوٹ پہن لو۔'' اس نے اپنا گیلا کوٹ اتار کر اس کے شانوں پر پھیلایا۔ شکر تھا وہ اندر تک اتنا گیلا نہیں ہوا تھا۔

''گھر چلو عون...... میں اچھا فیل نہیں کر رہی۔''

''باہر بہت تیز بارش ہے۔ یہاں سے نکل کر پارکنگ تک جانے میں ہمیں دس منٹ تو لگ ہی جائیں گے اور ان دس منٹ میں ہمارا برا حال ہو جائے گا تم پہلے ہی ٹھنڈ سے کانپ رہی ہو۔''

''لیکن میں یہاں کانپ کانپ کر مر جاؤں گی عون۔ پلیز اٹھو۔'' وہ خود بھی سیٹ سے کھڑی ہوئی اور اسے بھی کھینچنے لگی۔

''یار......'' وہ جھنجھلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اگلی سیٹوں پر بیٹھے لوگ مڑ کر انہیں دیکھنے لگے تھے۔

''مجھے تمہاری سمجھ نہیں آتی۔ موسم ابھی اتنا بھی چینج نہیں ہوا کہ تم ہاف سلو پہن کر نکل کھڑی ہوئیں۔ سب کچھ گڑبڑ کر دیا تم نے۔'' اس نے موبائل کی ٹارچ آن کی اور ہال کے دروازے کی طرف بڑھا وہ بھی پیچھے چلی آئی۔ سیڑھیاں اترتے اترتے ان کا برا حال ہو گیا تھا اسے لگ رہا تھا مزید اس سے ایک قدم بھی نہیں چلا جائے گا۔ اسے یاد آیا جسم تو اس کا صبح سے ہی دکھ رہا تھا جب وہ گھر سے ہاسٹل جانے کے لیے نکلی تھی اور ہاسٹل پہنچ کر اس نے چائے کے ساتھ پین کلر بھی لی تھی کہ اس کا سر درد کی شدت سے پھٹے جا رہا تھا شاید اسے صبح سے ہی ٹمپریچر تھا اسی نے دھیان نہیں دیا تھا اور اب بارش میں بھیگنے سے حالت یک دم اتنی بگڑ گئی تھی۔ عون باہر بارش کا زور دیکھنے چلا گیا تھا۔ دفعتاً کسی نے اس کے کندھوں پر نرم گرم کوٹ ڈال دیا تھا وہ چونک کر پلٹی۔ عون کا کوٹ تو گیلا ہونے کے سبب اس نے واپس کر دیا تھا۔

کوٹ ڈالنے والا پلٹ کر سیڑھیاں چڑھ رہا تھا اس کے دل میں تو آیا کہ آواز دے کر کوٹ اتار کر منہ پر دے مارے۔ پر اس وقت ٹھنڈ نے کا نقصان اس کے کھاتے میں آتا سو مضبوطی سے کوٹ کو اپنے گرد لپیٹے عون کا انتظار کرنے لگی اس نے کون سا کوٹ ہمیشہ کے لیے رکھ لینا تھا گاڑی میں بیٹھتے ہی واپس بھجوا دے گی اس نے خود کو مطمئن کیا تھا۔ اب یہ عون کہاں رہ گیا تھا۔ اس نے جھنجھلا کر رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ پندرہ منٹ ہو گئے تھے اسے گئے ہوئے۔ ساڑھے دس ہو چکے تھے۔ جتنی تیز بارش تھی گھر پہنچتے پہنچتے ایک ڈیڑھ بج جاتا۔ وہ اس وقت کو کوسنے لگی جب وہ ایسے وقت میں عون کا کہا مان کر نکلی تھی۔

''اللہ بھلا کرے اس بندے کا۔'' اس نے اس اجنبی کو

دعا دی اور عون کو دیکھنے کے لیے اٹھ گئی ساتھ ہی عون نے نمبر ڈائل کیا۔
"ہاں ہیلو......زی باہر آؤ میں گاڑی لے کر آرہا ہوں۔ بہت زیادہ پانی ہے گزرنے کا راستہ نہیں ہے ہمت کرکے آؤ مین روڈ کے ساتھ گاڑی لگاتا ہوں۔" بارش کے شور کی وجہ سے وہ چیخ کر بول رہا تھا بات سنتے سنتے وہ باہر آ گئی اور باہر جو کچھ تھا اسے دیکھ کر اس کے منہ سے بے ساختہ۔
"اوہ میرے اللہ نکلا......" اپنے ہوش میں اس قدر طوفانی بارش اس نے پہلی دفعہ دیکھی تھی۔ بارش کے آر پار کچھ دکھائی نہ دیتا تھا اسٹریٹ لائٹس کی مدھم سی روشنی تھی۔ اب اسے گیٹ کے پاس اکا دکا لوگ کھڑے نظر آرہے تھے شاید انتظامیہ کے تھے۔ دفعتاً اس کا پاؤں سلپ ہوا اور وہ بری طرح فرش پر پھسلتی چلی گئی تھی اس کا بیگ چھوٹ کر دور کہیں جا گرا تھا۔ پاکٹ میں رکھا موبائل بجنے لگا تھا۔ لیکن اس کے ہاتھ اس بری طرح رگڑ کھا گئے تھے اور کمر بھی کہ تکلیف کی شدت سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ کہاں پھنس گئی تھی بارش نے اسے بری طرح بھگونے کا تہیہ کر رکھا تھا اس سے کھڑا نہ ہوا جا رہا تھا۔
"آیئے......" دفعتاً کسی نے اپنا ہاتھ اس کے سامنے سہارا دینے کے لیے پھیلایا۔
"عون......" وہ اس مضبوط ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیتے ہوئے بولی۔
"شکر ہے تم آ گئے میں تو پریشان ہی ہو گئی تھی۔ بہت بری طرح گری ہوں میں، بہت چوٹ آئی ہے۔" وہ گھٹنوں کو سہارتے ہوئے بولی۔ وہ ہاتھ اسے سہارا دے کر اپنے قدموں پر کھڑا کر چکا تھا اور اب وہ تیزی سے گیٹ کی جانب جا رہے تھے۔
"بارش کو بھی جیسے آج ہی برسنا تھا۔" عون کی خاموشی پر وہ پھر بولی۔ اس کا ہاتھ ابھی بھی اس مضبوط ہاتھ کی گرفت میں تھا۔ عون ہمیشہ مشکل وقت میں اس کا سہارا بن جایا کرتا تھا۔
"تم بہت اچھے ہو عون۔ لیکن میں کیا کروں مجھے تم سے محبت نہیں ہے۔" اس نے دل ہی دل میں اس سے معذرت کی۔
"یا اللہ......!" اس کے منہ سے یک دم نکلا۔ اس کا پاؤں ٹھہرے پانی میں پڑا اور اس کا جوتا پیروں سے نکل کر کہیں اندر ہی غائب ہو گیا۔
"میرا جوتا۔" وہ چلائی۔
"جانے دیں۔" کسی نے چھاتا اس کے اوپر پھیلایا تھا۔
اس نے نگاہ اوپر اٹھائی اور چھاتے سے ہوتے ہوئے اس کی نظر دوسری سمت منہ پھیرے شخص پر پڑی تھی جو ایک ہاتھ سے اس کے اوپر چھاتا پھیلائے اور دوسرے ہاتھ سے اس کا ہاتھ تھامے اسے سہارا دیئے کھڑا تھا۔ دفعتاً بادل زور سے گرجے تھے اور کڑکتی بجلی نے پل بھر کو اس کا چہرہ واضح کر دیا تھا اور اس نے اسی سرعت سے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کروایا تھا۔
"کک......کون ہو تم؟" اس کے ہوش اڑ گئے تھے۔
"ظفریاب......" اس نے مسکراتے ہوئے اپنا تعارف کروایا۔
"آیئے آپ کو گاڑی تک پہنچا دوں تاکہ میرا فرض پورا ہو۔" اس نے دوبارہ اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔
"نن......نہیں۔" وہ تڑپ کر پیچھے ہوئی تھی۔ وہ تو اسے عون سمجھ رہی تھی اور یہ تو کوئی اور ہی تھا۔ وہ جیب میں ہاتھ ڈال کر موبائل نکالنے لگی تھی وہ بج اٹھا۔ عون کی ہی کال تھی۔
"عون......تم کہاں ہو؟ میں یہاں پھنسی کھڑی ہوں۔ راستہ کا پتہ نہیں چل رہا۔ سردی سے میرا برا حال ہو رہا ہے اور اب تو مجھے لگتا ہے بس گر ہی پڑوں گی ہمت ختم ہو رہی ہے میری۔" وہ روہانسی ہوئی۔
"یار میں تمہیں دیکھ رہا ہوں بس کسی طرح یہ کراس کرکے گیٹ تک آؤ میں گیٹ کے بالکل پاس کھڑا ہوں۔" اس نے کہا۔
"عون یہاں سے گیٹ تک کیسے......اتنا پانی ہے؟" اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا لوگ آرہے تھے شاید پروگرام ختم ہو گیا تھا۔ اچانک ہی کسی نے برستی بارش کے پیچھے بڑی سرچ لائٹ روشن کردی تھی۔ سارا ماحول روشن سا ہو گیا تھا۔ اس نے دیکھا عون گیٹ کے ساتھ بالکل سامنے گاڑی میں سے ہاتھ ہلا رہا تھا۔
"یار اس راجہ سے کہو جلدی کرو گاڑی کا انجن نہ بند ہو جائے۔" وہ وہیں بیٹھا مشورے پر مشورے دیئے جا رہا تھا اس نے بائیں طرف کھڑے اس شخص کو دیکھا جواب بھی مختلف نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے غصے سے فون بند کیا۔ ایک دو آدمی چھتریاں لیے نظر آنے لگے تھے شاید انتظامیہ تھی۔
"آپ؟" اس نے جان لیا تھا مدد لیے بغیر گزارا نہیں تھا۔
"جی میں انتظامیہ سے ہوں میڈم آیئے۔" وہ مسکرایا اور

اس مصیبت کے عالم میں بھی اس نے دیکھ لیا تھا اس شخص کی مسکراہٹ کافی حسین تھی۔ زیمل نے قدرے ہچکچاتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیا اور گھٹنوں گھٹنوں پانی میں گھس گئی۔ کچھ منچلے بھی پانی میں اتر آئے تھے اور اب وہ ان لمحوں کو انجوائے کررہے تھے وہ جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتی تھی اس لیے نظر اٹھائے بنا تیز تیز قدم اٹھانے کی کوشش کررہی تھی اور بالآخر اس نے بحفاظت اسے گاڑی تک پہنچادیا تھا۔ عون نے دروازہ کھولا اور وہ جلدی سے اندر گھس گئی۔ اس شخص کا شکریہ تک نہ ادا کیا۔ گاڑی کا دروازہ بند کرتے ہوئے اسے کوٹ کا خیال آیا۔ اس نے جلدی سے کوٹ اتار کر کھلے شیشے سے اس کی طرف بڑھادیا۔

''تھینک یو...... آج آپ نے میری بہت مدد کی۔'' اخلاقیات نبھانے کا بھی خیال آہی گیا تھا لیکن اس نے کوٹ لیتے ہی پیچھے کی طرف قدم بڑھادیئے تھے کسی سایہ دار جگہ کی تلاش کے لیے۔

وہ رات شاید اسے کبھی نہیں بھول سکتی تھی گھر آتے آتے اس پر چھینکوں کا حملہ ہوچکا تھا اور بخار اس قدر تیز تھا کہ اس پر نیم بے ہوشی کی کیفیت طاری ہوگئی تھی۔ وہ ایک بجے گھر پہنچے تھے عون اسے سہارا دے کر اندر لایا تھا۔ مما پاپا تو گھر پر تھے ہی نہیں اس نے مجیداں کو جگایا۔

''بی بی کے لیے کچھ گرم لے کر آؤ۔ بلکہ پہلے ان کے کپڑے چینج کرواؤ پھر چائے یا سوپ جلدی۔'' بیڈ پر لٹاتے ہوئے اس نے مجیداں کو ہدایت دی تھی۔ پھر خود باہر نکل گیا تھا۔ میڈیسن باکس سے کچھ میڈیسن جو اس وقت وقتی ریلیف کے لیے ضروری تھیں۔ نکال کر وہ اندر آیا تو مجیداں اس کے کپڑے بدلوا کر الیکٹرک ہیٹر آن کرچکی تھی۔

''میں چائے لے کر آتی ہوں۔'' وہ کہتی باہر نکل گئی۔ وہ کمبل میں لپٹی بند آنکھوں سے ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔ وہ کرسی گھسیٹ کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ مجیداں کے آنے تک اسے یہیں بیٹھنا تھا۔ مجیداں چائے کی بجائے سوپ لے آئی تھی۔

''تم بی بی کو پلاؤ اور اس کے بعد یہ دوائی دے دینا میں اوپر سو رہا ہوں۔ کوئی مسئلہ ہو تو جگالینا اور ہاں ادھر بی بی کے ساتھ ہی سو جانا۔ اکیلا مت چھوڑنا۔'' وہ کہتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ مجیداں نے زبردستی اسے دو چمچ سوپ کے پلائے پھر دوا کھلا کر کمبل میں لٹادیا آہستہ آہستہ اس کے کانپنے میں کمی آرہی تھی۔ مجیداں کچھ دیر بیٹھی اس کی ٹانگیں دباتی رہی پھر جب لگا کہ وہ سوگئی ہے اب قدرے سکون میں ہے وہیں بیڈ کے ساتھ فرش پر بستر لگا کر لیٹ گئی اور آنکھ جو لگی تو صبح اس وقت کھلی جب زیمل پانی مانگ رہی تھی اس نے جلدی سے اسے پانی پلایا۔ بدن تپ رہا تھا بخار میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔

''کچھ چاہیے چھوٹی بی بی؟'' پانی پلا کر اس نے پوچھا تو وہ نفی میں سر ہلاتی دوبارہ لیٹ گئی۔ مجیداں کچھ دیر کھڑی رہی پھر عون کو جگانے کے لیے باہر آگئی۔ عون پہلے ہی جاگ چکا تھا اور سیڑھیاں اترتا نیچے ہی آرہا تھا۔

''صاحب جی چھوٹی بی بی کا بخار کم نہیں ہوا۔'' اس نے بتایا تو وہ سر ہلاتا نیچے آیا۔

''ڈرائیور سے کہو گاڑی نکالے اور تم بھی ساتھ آجاؤ ہم اسپتال جائیں گے۔'' اس نے زیمل کے بیڈ روم کے دروازے میں کھڑے ہو کر جھانکا وہ بے سدھ پڑی تھی۔ اس نے زیمل کو سہارا دے کر گاڑی میں بٹھایا اور گاڑی تیزی سے اسپتال کے راستے پر ڈال دی۔

اسے نمونیہ ہوگیا تھا۔ حسان صاحب اطلاع پاتے ہی واپس لوٹ آئے تھے۔ ان کی اکلوتی بیٹی بیمار تھی۔ انہوں نے شام تک کوئی دس ڈاکٹرز سے رجوع کرلیا تھا۔

''فکر کی کوئی بات نہیں۔ بس احتیاط کریں ریسٹ کروائیں جلدی ٹھیک ہوجائے گی۔'' کم و بیش ہر ڈاکٹر کے یہی الفاظ تھے۔ لیکن حسان صاحب نے تو وہ دس دن جیسے اس کے لیے ہی وقف کردیئے تھے اور دواؤں سے زیادہ یہ حسان صاحب کی توجہ اور محبت کا نتیجہ تھا جو وہ بہت جلد صحت یاب ہونے لگی تھی۔ ابھی بھی حسان صاحب نے اپنے ہاتھوں سے اسے سوپ پلایا تھا اور سوپ پلانے کے ساتھ ساتھ انہوں نے اسے اس کے بچپن کے بے شمار قصے سناڈالے تھے اور اسے یہ سب بہت اچھا لگ رہا تھا۔ ہوش سنبھالنے کے بعد شاید وہ پہلی بار باپ کی شفقت اور محبت محسوس کررہی تھی ورنہ تو بچپن عمیمہ مام اور ڈیڈ کی لڑائیاں سنتے ہی گزر گیا تھا اسے وہ دن اچھی طرح یاد تھا جب عمیمہ مام اسے سویا چھوڑ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گھر چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔ تب ڈیڈ نے اسے سنبھالا تھا اور کچھ ہی دن بعد خزینہ ممی دلہن بن کر آگئیں تھیں۔ خزینہ ممی نے شروع شروع میں تو اس کا بہت خیال رکھا تھا لیکن بعد میں نارمل ہوگئی تھیں۔ ہاں

ان کی کیئر کرنے کا طریقہ ذرا الگ تھا۔ وہ بازار جاتیں یا آؤٹ آف کنٹریز اس کے لیے ڈھیروں شاپنگ کرتیں اور شاپنگ بھی بے حد اعلیٰ اور نفیس۔ آج تک اس نے اپنے لیے خود بھی کوئی چیز نہ خریدی تھی۔ موسم جیسے ہی چینج ہوتا اس کی الماری موسم کی مناسبت کے کپڑوں، جوتوں اور بیگز سے بھر جاتی اسے نہیں یاد تھا اس نے آج تک کوئی بھی چیز دوسری سے تیسری بار استعمال کی ہو۔ اسے کبھی عمیمہ ماما کی یاد نہیں آئی تھی نہ ہی وہ خزینہ ممی کے لیے دل میں کوئی بغض رکھتی تھی۔ کسی کے پاس بھی اس کے لیے ٹائم نہیں تھا۔ سوائے عون کے جو وقت بے وقت اس کے پاس آ موجود ہوتا تھا۔

''ارے عون ہے کہاں۔ اس دن کے بعد وہ نظر نہیں آیا۔ میں اتنی بیمار ہوں پھر بھی۔'' سوچتے سوچتے اسے عون کا خیال آیا تو وہ اپنا موبائل تلاش کرنے لگی۔ ذہن میں آیا تھا کہ شبانہ اور نرمین کو بھی کال کرلے اور کلاسز کے بارے میں پوچھ لے۔ اس نے سائیڈ ٹیبل کی دراز کھولی فون وہاں نہیں تھا۔ وہ مجیداں کو آوازیں دینے لگی۔

''آپابی...... آپابی۔'' وہ بھاگی آئی۔

''میرا موبائل کہاں رکھا ہے آپابی؟'' وہ اِدھر اُدھر نظر دوڑاتے ہوئے بولی۔

''آپ کا موبائل تو بی بی جی میں نے نہیں دیکھا۔'' اس نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کچھ یاد کرنے کی کوشش کی لیکن کچھ یاد نہ آیا۔

''اس دن...... اس دن وہ میرے پاس ہی تھا۔ عون...... عون کی گاڑی میں تو نہیں رہ گیا لیکن اس کی گاڑی میں رہا ہوتا تو وہ اب تک واپس کرچکا ہوتا کہاں چلا گیا؟'' وہ فون تو ابھی کچھ دن قبل ہی ڈیڈ نے گفٹ کیا تھا اسے۔ بہت پسند تھا۔

''آپابی...... رکیں میں خود ہی باہر چلتی ہوں۔'' اس نے کمبل اٹھا کر پاؤں نیچے لٹکائے مجیداں نے سائیڈ پر رکھے اس کے شوز اٹھا کر دیئے، وہ پیروں میں اڑستی کھڑی ہوئی تو اسے ایک زوردار چکر آ گیا۔ وہ سر پکڑ کر واپس بیٹھ گئی۔ اتنے دنوں سے لیٹ لیٹ کر اس کا جی بھر چکا تھا۔ اتنا بارش میں بھیگی نہیں تھی جتنا بیمار پڑ گئی تھی۔ وہ اتنی نازک مزاج تھی اسے پہلی بار احساس ہوا تھا۔

''آپ رہنے دو بی بی۔ میں سیٹ اِدھر اٹھا لاتی ہوں۔'' مجیداں اس کی حالت دیکھ کر باہر نکل گئی اور فوراً کارڈلیس فون اٹھا لائی لیکن عون اس کے موبائل کے بارے میں لاعلم تھا۔ اس کے نہ آنے کے بارے میں اس نے دانستہ نہیں پوچھا تھا اور فون بند کردیا تھا۔

ڈیڑھ ہفتے کے بعد وہ کالج پہنچی تو شبانہ اور نرمین اسے دیکھ کر بھاگی آئیں۔

''کہاں تھیں تم اتنے دنوں سے تمہارا فون بند تھا نہ کوئی اتہ نہ پتہ ہم نے سمجھا کالج ہی چھوڑ گئی ہو اور اتنی کمزور کیوں ہورہی ہو۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری؟'' چھوٹتے ہی انہوں نے سوالوں کی بوچھاڑ کردی تھی۔ وہ انہیں بتانے لگی۔

''اوہ...... اس سیل فون پر تو میری نظر تھی۔'' شبانہ نے تاسف سے کہا۔ تو وہ ہنس دی۔

''تم یہ لے لو۔'' اس نے اپنا نیا موبائل بیگ سے نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

''نو...... نو...... یہ فراخ دلی نہ دکھایا کرو کسی دن سچ میں تم سے تمہاری کوئی قیمتی چیز مانگ لی تو......'' اب وہ آرٹ کی کلاس لینے جارہی تھیں۔

''میں وہ بھی دے دوں گی آزمالینا میرے لیے رشتے اہم ہیں چیزیں نہیں۔'' اتنے دنوں بعد کالج آ کر اسے بہت اچھا فیل ہورہا تھا۔

''ارے بس زیادہ مت سر پر چڑھاؤ اسے اس کا کوئی اعتبار نہیں کل کو تم سے وہ تمہارا ہینڈسم کزن مانگ لے۔ اس کی نظر ہے اس پر۔'' نرمین نے ہنستے ہوئے کہا تو شبانہ نے اس غیر متوقع بات کو سن کر اس پر چڑھ دوڑی۔

''شرم کرو۔ اتنی بھی ذلیل نہیں ہوں کہ اپنی دوست کا حق چھین لوں۔''

''نہیں...... نہیں تمہیں عون چاہیے تو لے لو میرا اس میں کوئی انٹرسٹ نہیں۔ اوپن آفر ہے۔'' وہ کھلکھلا کر ہنسی۔

''واقعی؟'' شبانہ نے آنکھیں پٹپٹائیں۔

''بدتمیز سچ میں...... یہ لو میں تمہیں اس کا نمبر سینڈ کررہی ہوں کوشش کرلو۔ ہمت مرداں مدد خدا۔'' وہ فٹافٹ اسے نمبر سینڈ کرنے لگی۔ اس اثنا میں وہ آرٹ کی کلاس کے سامنے پہنچ چکی تھیں سو خاموشی سے اندر داخل ہوگئیں۔

وہ دن کافی بزی گیا تھا۔ اسے چھٹیوں کے دنوں کا کام لینا تھا صرف آرٹ کا ہی کام بہت زیادہ تھا۔ وہ ڈائری میں سب نوٹ کرتی جارہی تھی جب کہ شبانہ اور نرمین اسے پچھلے پورے

ہفتے کی رواو سنا رہی تھیں۔
"جس میں سب سے شاکنگ نیوز یہ تھی کہ اس روز کلائی کاٹ لینے کا ڈرامہ کرنے والی لڑکی بھاگ گئی تھی۔ پولیس تین چار دن تک کالج آتی رہی پھر پرنسپل نے کہہ سن کر بات دبائی۔ اس کی ساری سہیلیوں نے اس کے خلاف سچ اگل دیا تھا اور جس لڑکے سے اس کی دوستی تھی اس کے بارے میں ساری معلومات انہوں نے پولیس اور اس کے پیرنٹس کو دیں۔"
"سچ کیسی ہوتی ہیں یہ لڑکیاں اور ان میں اتنا حوصلہ کہاں سے آجاتا ہے کہ ماں باپ کی عزت کو داؤ پر لگا ئیں۔" زمین نے دھیرے سے کہا۔
"یار بس...... اصل میں بہت سارے لوگوں نے محبت کا ایک غلط امیج بنادیا ہے۔ لڑکے لڑکیاں محبت بس مذاق سمجھنے لگے ہیں۔ ایک وقت میں کئی لوگوں سے دوستی اور ان سب میں لڑکیاں کسی طور پر بھی لڑکوں سے پیچھے نہیں۔ بس یار کچھ میڈیا' کچھ انٹرنیٹ سب نے مل کر بیڑا غرق کر ڈالا ہے نوعمر ذہنوں کا۔" تیز تیز لکھتے ہوئے زیمل نے کہا۔
"آنٹی آپ کی عمر کتنی ہوگی؟ پلیز ڈونٹ مائنڈ......؟" شبانہ کی رگ شرارت پھر پھڑکی اور زمین کی اس کے انداز پر ہنسی چھوٹ گئی تھی۔
"یہی کوئی ایک سو اٹھارہ سال پینسٹھ دن چورانوے گھنٹے پچیس منٹ اور چالیس سیکنڈ۔" اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا اور پھر تینوں ہنسنے لگیں۔
ہاسٹل آتے ہی شبانہ اور زمین تو سوگئی تھیں جب کہ وہ اپنا کام مکمل کرنے میں لگی ہوئی تھیں۔ اسائنمنٹ مکمل کرکے اس نے آرٹ کا پروجیکٹ نکالا۔ جیومیٹریکل اور الفابیٹ اشکال کے ساتھ اسے کوئی ایسی ڈرائنگ بنانی تھیں۔ جن میں تمام جیو میڈیکل شیپ موجود ہوں۔ وہ نیٹ پر سرچ کرنے لگی۔ بہت زیادہ ڈیزائنز تھے انتخاب کرنا مشکل تھا اس نے سوچا ان دونوں سے مشورہ کرلے گی۔ وہ یونہی ٹائم پاس کرنے لگی۔ موبائل کی اسکرین پر انگلی پھیرتے ہوئے بے شمار چیزیں کلک کرتی نظروں کے سامنے سے گزرتی جاتی تھیں۔ لپ اسٹکس' پرفیوم برانڈ شوز' بیگز' سوئیٹرز پتہ نہیں زندگی آسان ہوئی تھی یا مشکل۔ چیزیں لوگوں کی دسترس میں ہوئی تھیں یا دور کچھ بھی کہنا مشکل تھا لیکن اتنا وہ جانتی تھی نئی نسل میں فرسٹریشن بہت بڑھتا جارہا تھا اس سب سے وہ واپس سرچنگ کرنے لگی کوٹ' سوئیٹرز وہ تھم سی گئی کچھ دن پہلے کی بارش اسے یاد آ گئی اور کوٹ۔ اوہ اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا اس نے اپنا موبائل اس کوٹ کی جیب میں رکھا تھا جو انتظامیہ کے اس آدمی نے اسے پہننے کے لیے دیا تھا اور گاڑی میں بیٹھ کر اس نے موبائل نکالے بنا ہی اسے کوٹ واپس کردیا تھا۔
"اوہ شٹ...... اس کی تو چاندی ہوگئی اتنا مہنگا موبائل پاکر وہ پاگل ہوگیا ہوگا۔" چند لمحوں کی مدد اس کے لیے تو بڑی بھاگوان ثابت ہوئی تھی۔ اس نے اپنی عقل پر ماتم کرتے ہوئے اس آدمی کو بھی لعن طعن کی۔ اگر موبائل اس کو مل گیا تھا تو چاہیے تھا ناں واپس کردیتا۔ کیسے اور کہاں کے بارے میں نہ اس نے سوچا اور نہ خیال آیا۔ اس نے ارادہ کیا کہ ایک بار الحمرا آرٹس کونسل جاکر پتہ کرے گی کیا خبر وہ آدمی مل جائے۔"
"تمہاری باتیں بہت احمقانہ ہیں زیمل بی بی۔" جب شبانہ اور زمین کے جاگنے پر اس نے ساری بات ان کو بتائی تو ہمیشہ کی طرح شبانہ نے اس پر چڑھائی کردی۔
"وہ کیسے؟" زیمل نے ابرو چڑھا کر پوچھا۔
"دیکھو پہلی بات اس رات تمہاری مدد کس نے کی کیا تم اس بارے میں جانتی ہو؟ اس شخص کا چہرہ دیکھا تھا؟ جب کہ بقول تمہارے شدید بارش تھی اور اندھیرا بھی اور الحمرا جاکر کیا یہ پوچھتی پھرو گی کہ بھائی کون ہے وہ چھتری والا جس نے مجھے بارش سے بچنے کے لیے اپنا کوٹ دیا اور بعد میں تم نے وہ کوٹ بمعہ اپنے موبائل فون کے واپس کردیا۔ رہی بات اس کی اخلاقیات کی تو کیا اس کے پاس تمہارا کانٹیکٹ نمبر تھا؟ تمہارے گھر کا ایڈریس یا نام وہ جانتا تھا جہاں آکر وہ تمہارا فون تمہیں واپس کرتا۔ سو بی بی اب تم فاتحہ پڑھو۔ ویسے بھی تمہیں کیا فکر...... کھوئی چیزوں کا ماتم تو ہم جیسے لوگ کرتے ہیں جنہیں کبھی کبھار ترس ترس کر بڑی مشکلوں سے کچھ ملتا ہے اس لیے چل کرو اور دکھاؤ کیا کیا بنایا ہے۔" اس نے گفتگو کا رخ دوسری جانب موڑا تو وہ اسے فائل دکھانے لگی۔
"زبردست بہت اچھے۔" زمین اور شبانہ دونوں نے ستائشی نظروں سے اس کا پرانا کام دیکھا۔
"یہ ابھی ابھی بنایا ہے۔" اس نے آخری صفحے پر انگلی رکھی۔
"ارے یہ کیوں؟" دونوں نے حیرت سے پہلے صفحہ پر پھر اس کی طرف دیکھا۔ اس نے لہراتے بل کھاتے ناگ کی ڈرائنگ بنائی تھی۔

"نہیں اچھا۔" وہ پریشان ہوئی۔

"اچھا ہے بلکہ بہت ہینڈسم لگ رہا ہے میں تو سوچ رہی ہوں اسے پٹالوں۔" شبانہ کی زبان پھر پھسلی تھی زمین نے اسے گھور کر دیکھا پھر تینوں کھلکھلا کر ہنس دیں۔

"تم بھی نا کسی کو جانے مت دینا ہاتھ سے۔ ویسے اصلی لگ رہا ہے ناں۔ جیسے ابھی پھن لہرا کر آگے بڑھے گا اور شبانہ تمہیں ڈس لے گا۔ پھر اس کی محبت کا نشہ تمہارے انگ انگ میں دوڑے گا اور پھر تم بھی اکشا دھاری ناگن بن کر اس کے پیچھے پیچھے کہیں دور چلی جاؤ گی اور ہم مدتوں یہ کہانی اپنے بچوں کو سنا سنا کر سلایا کریں گے اور بچے جب ہم سے پوچھیں گے کہ یہ اکشا دھاری ناگن کون تھی تو ہم انہیں تمہاری تصویر دکھایا کریں گی اور......"

"بس کرو زیمل۔" زمین نے بے تحاشا ہنستے ہوئے اسے مزید بولنے سے روکا اور شبانہ بھی اس کی کہانی پر کچھ دیر اسے گھورتی رہی پھر ہنس دی۔

❁......❁......❁......❁

"زیمل...... زیمل......" زمین بھاگتی ہوئی اس کے پاس آئی۔

"تم شعر لکھتی ہو؟" وہ جو گھاس پر چوکڑی مارے سامنے بیگ اور لیپ ٹاپ رکھے ایک ہاتھ سے اسکیچ بنا رہی تھی اور دوسرے سے چپس کھا رہی تھی ایک لمحے کو سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر سے اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔

"میں نے کچھ پوچھا ہے زیمل؟" وہ اس کے جواب نہ دینے پر چپ سے اس کے پاس بیٹھ گئی۔

"ہاں کبھی کبھار۔" وہ مختصراً کہہ کر چپ ہوگئی۔

"یار...... آفت ہے تمہیں پتہ ہے کالج میں مشاعرہ ہو رہا ہے تم اس میں حصہ لو۔ اوہ میرے اللہ کتنا مزہ آئے گا جب اس سامعہ کو منہ توڑ جواب ملے گا بڑا اتراتی پھرتی ہے۔" وہ خوامخواہ ایکسائٹیڈ ہو رہی تھی۔

"اب سامعہ کو منہ توڑ جواب دینے کی ضرورت کیوں پیش آ گئی؟"

"بدتمیز ہے اس دن بڑا منہ بھر کے اس نے کہا تھا کہ تمہاری دوست میں ساری خوب صورتی اس کی دولت کی ہے ورنہ ٹیلنٹ نام کی کوئی چیز تو اس میں ہے ہی نہیں دیکھنا ایک دن اپنے باپ کی دولت کے بل بوتے پر ہی ڈگری حاصل کرے گی خوامخواہ ایک مستحق کا حق مارا ہے اس نے اور مجھے بڑا غصہ آیا تھا پچھلے ہفتے ہی اس نے مشاعرہ میں حصہ لینے کے لیے اپنا نام دیا ہے مس عینی کو اور تم بھی اپنا نام لکھواؤ اور بتا دو کہ تم ہرگز کسی سے کم نہیں۔" اس نے اپنی اور سامعہ کی گفتگو من و عن دہرائی تو زیمل ہنس دی۔

"مجھے اپنا آپ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں میں زیمل حسان ہوں اور میرے لیے یہی کافی ہے باقی صرف کہہ دینے سے ٹیلنٹ کے ہونے یا نہ ہونے کا پتہ نہیں چلتا وقت ثابت کرتا ہے اور تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی کسی سے الجھنے کی۔ زیمل حسان کو اپنا آپ ثابت کرنے کے لیے کسی سہارے کی ضرورت نہیں اوکے۔" اس نے اپنی اسکیچ بک بند کی اور اپنی چیزیں سمیٹنے لگی۔

"تم بالکل بھی ہماری سمجھ سے باہر ہو۔" زمین نے جھنجھلا کر کہا تو وہ ہنس دی۔

"میں تو ایسی ہی ہوں۔"

❁......❁......❁......❁

sendup شروع ہوگئے تھے اور وہ مکمل طور پر پڑھائی میں جت گئی تھیں تیاری تو سب کی سو سو ہی تھی لیکن ان کو اتنی فکر بھی نہ تھی آج کل ان کا کمرہ عجب ابتری کا نظارہ پیش کر رہا تھا سارا سارا دن کمبل میں گھسی وہ نوٹس بناتی رہتی یا پھر کمرے میں پھر پھر کر با آواز بلند رٹا لگایا جاتا۔ زمین اور شبانہ کا یہی اسٹائل تھا جب کہ زیمل رٹا سسٹم سے خائف تھی ویسے بھی وہ بہت ذہین تھی ہمیشہ اچھے مارکس لیتی تھی لیکن پڑھائی کو اپنے اوپر سوار نہیں کرتی تھی جتنی دیر پڑھا گیا پڑھا۔ پھر آرام سے کتابیں بند کر کے سو بھی لیتی باہر بھی گھوم پھر آتی لیکن بیمار ہونے کے بعد سے وہ قدرے محتاط ہوگئی تھی شدید سردی میں نکلتے ہوئے وہ احتیاط ہی برتتی تھی۔

"ارے سنا۔" وہ کیتلی میں سے گرم گرم چائے کپوں میں انڈیل رہی تھی جب شبانہ نے کمبل میں سے منہ نکالا۔

"نہیں...... سنا دو۔" وہ ایک ایک کپ انہیں تھما کر اپنا کپ لیے چیئر پر بیٹھ گئی۔

"روبینہ بتا رہی تھی کہ وہ جو مشہور ایکٹریس نہیں ہے جو آج کل بہت ان ہے اس کالج سے پڑھ کر گئی ہے۔"

"اف اوہ شبانہ تمہاری فضول سی بریکنگ نیوز بنا بنایا موڈ غارت کر دیتی ہے۔" زمین نے اسے غصے سے دیکھا تو زیمل

نے چائے کا سپ لیا اور اسے دیکھنے لگی۔

"اچھا پھر......"

"پھر کیا آج اردو کی ٹیچر بتا رہی تھیں کہ جب ہم چھ سال بعد اس کالج سے نکلیں گی تو ہماری شخصیت پوری طرح بدل چکی ہوگی ہم عام لڑکیوں سے بالکل الگ دکھیں گی۔"

"ہاں بالکل جب ہم فیل ہوں گی ناں اور ہمارا ایڈمیشن نہیں جائے گا تو بلاشبہ ہم سب سے الگ ہی دکھیں گی۔" زرمین جانے کیوں تپی ہوئی تھی۔

"کوئی مسئلہ ہے زرمین؟" زیمل اس کی طرف مڑی۔ وہ اس طرح بی ہیو نہیں کرتی تھی لیکن ایک دو دن سے ہر بات پر الجھ رہی تھی۔

"ہاں ہے مجھے سمجھ نہیں آتی ابا جی آخر اس رشتہ سے جان کیوں نہیں چھڑا لیتے ایک بار بھی اس بندے نے کبھی اس تعلق، اس رشتے میں انٹرسٹ شو نہیں کیا پھر بھی ابھی ابرار بھائی کی منگنی پر یہی شور رہا بات ساری چاچی کی ہے۔" وہ ہولے ہولے جیسے خود سے ہی باتیں کر رہی تھی۔

"وہ بچپن کی منگنی شنگنی کا رولا؟" زیمل نے استفہامیہ پہلے شبانہ اور پھر اپنے آپ سے الجھتی زرمین کو دیکھا۔

"ہاں صرف رولا نہیں بلکہ کھپ رولا۔" زرمین سر جھٹک کر ہنس دی پھر شبانہ کی طرف دیکھ کر کہنے لگی۔

"اور بتاؤ اور کیا کہا تمہاری اردو کی ٹیچر نے۔ ہماری ٹیچر تو بس لیکچر دینے آتی ہیں اور چلی جاتی ہیں وہ تو ہمیں کوئی انفارمیشن نہیں دیتی کہ چھ سال بعد ہمارے سینگ نکل آئیں گے پیچھے ایک عدد دم کا اضافہ ہو جائے گا کان بڑے بڑے ہو کر لٹک جائیں گے دانت نوکیلے ہو جائیں گے اور شاید ہم ویمپائرز بن جائیں گی اور ہالی ووڈ والے اپنی ہارر موویز کے لیے ہم سے رجوع کریں گے اور پھر۔ دولت، شہرت اور عزت ہمارے قدموں کی باندی بن جائے گی ٹوٹل چینج۔ اف سوچو۔ بس چھ سال کی بات ہے۔" اور اس کی بات پوری ہونے تک شبانہ اس پر تکیوں کی برسات کر چکی تھی۔

ایگزامز ختم ہوتے ہی شبانہ کچھ دن کے لیے شیخوپورہ چلی گئی تھی زرمین جانا چاہ رہی تھی لیکن جانے کون سی بات اسے روکے ہوئے تھی آج کل وہ سارا دن نہایت ہی سیڈ سونگز سننے میں گزار رہی تھی زیمل دو دن گھر رہ کر واپس آ گئی تھی۔ مما اپنے فارن ٹورز سے واپس آ چکی تھیں اور ہمیشہ کی طرح اس کے لیے ڈھیروں شاپنگ کی تھی وہ سارا کچھ اٹھا کر ہاسٹل چلی آئی تھی ارادہ تھا سب شبانہ اور زرمین کو گفٹ کر دے گی۔

"سنو آج کہیں باہر چلیں۔" زرمین کا کہا اتنا غیر متوقع تھا کہ وہ جو بیڈ پر آڑھی ترچھی لیٹی غیر ارادی طور پر عون کے بارے میں سوچ رہی تھی چونک اٹھی۔

"کیا میرے کانوں نے جو کچھ سنا...... صحیح تھا؟"

"ہاں میرے اندر عجب سی وحشت ہے، میں کچھ دیر باہر جانا چاہتی ہوں بلکہ چلو آج تمہارے فیورٹ دہی بھلے اور وہ کیا کہتی ہو تم چنے پٹھورے کھا کر آتے ہیں۔" اس نے فٹافٹ پروگرام ترتیب دیا۔

"او کے ابھی چلو چینج کر لو پھر عون کو بلاتی ہوں گاڑی کے لیے یہ آٹو واٹو مجھ سے ہینڈل نہیں ہوتے۔" وہ کہتے ہوئے عون کا نمبر ملانے لگی اور ٹھیک پون گھنٹے بعد وہ باہر موجود تھا اس نے بلیو جینز کے اوپر پنک ٹاپ پہنی تھی اور گلے میں ریڈ اسکارف شولڈر بیگ کاندھے پر لٹکائے اس نے بھورے بال کھلے چھوڑ دیئے تھے لیئرز میں کٹے اس کے گھنے بال اس کے گول چہرے پر بہت سوٹ کرتے تھے زرمین نے فان کلر کی لانگ شرٹ کے ساتھ میچنگ ٹائٹ پہنی تھی لمبے بالوں کو اس نے ہمیشہ کی طرح چوٹی میں قید کر رکھا تھا۔

"تھینک یو عون۔" اس نے گاڑی کے ادھ کھلے شیشے سے اندر جھانکا۔

"ہم تمہیں آفس چھوڑ دیتے ہیں گھومنے پھرنے کے بعد تمہیں آفس سے لے لیں گے تم ہمیں ہاسٹل ڈراپ کر کے اپنی گاڑی لے جانا۔" اس نے اپنا پروگرام بتایا عون سر ہلا کر رہ گیا اس کی کسی بات سے انکار کرنا تو اس نے سیکھا ہی نہیں تھا پھر پلان کے مطابق وہ سارا دن زرمین کو گھماتی رہی اپنے ہر فیورٹ پوائنٹ پر اس کو لے کر گئی تھی لیکن زرمین کو جو بات کھا رہی تھی وہ اسے چین نہیں لینے دے رہی تھی وہ شخص اسے کئی سالوں سے ڈی گریڈ کر رہا تھا اور وہ ہو رہی تھی۔ بہت تکلیف دہ ہوتا ہے اس ایک شخص کے لیے بے وقعت ہونا جس کے لیے آپ ساری زندگی داؤ پر لگائے بیٹھے ہوں وہ شیئر کرنا چاہتی تھی کسی کو اپنا دکھ بتانا چاہتی تھی لیکن اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا شیئر کرے اور کس سے؟ اسے اپنی دوستوں کے سامنے یہ سب کہہ کر بے وقعت نہیں ہونا تھا۔ اب زیمل اسے لے کر پٹھوروں والی شاپ پر آ گئی تھی۔

''مجھے حیرت ہے زیمل جس اپر کلاس سے تمہارا تعلق ہے وہاں اس طرح کی جگہیں اور یہ سب کھانا گندگی میں شمار ہوتا ہے اور تم ان سب چیزوں کی دلدادہ ہو کیا تمہیں اپنے اسٹیٹس کا خیال نہیں آیا کبھی؟'' زرمین نے پوچھا۔ اس وقت اس کے سرخ و سپید چہرے پر نظر ٹھہر ٹھہر جاتی تھی تمتماتے گال اور شربتی آنکھیں وہ کسی کا بھی قرار لوٹ لینے کا حق رکھتی تھی۔

''میرا اسٹیٹس......!'' وہ دل کھول کر ہنسی۔

''کیا ہے میرا اسٹیٹس۔ میرے پاس میرا اپنا تو کچھ بھی نہیں میرے نام کے آگے حسان شہریار کا نام لگتا ہے حسان شہریار۔ میری تمام تر آسائشوں کا خرچہ ڈیڈ اٹھاتے ہیں میں تو وہی ایک عام سی لڑکی ہوں عام سی جگہوں پر پھرنے والی عام لوگوں سے گھل مل جانے والی عام چیزیں کھانے والی۔ میرے پاس میرا ہے ہی کیا جس پر میں غرور کروں میں نے تو اپنے لیے اس کالج کا انتخاب کیا۔ ورنہ اور بھی بے شمار کالجز ہیں بناوٹ اور تصنع کی لائف میں نہیں گزار سکتی۔'' اسی وقت اس کے موبائل پر بیپ ہوئی تھی اس نے دیکھا شبانہ کا فون تھا۔

''ہاں کہاں ہو؟'' وہ بھی شاید وہ لاہور پہنچ گئی تھی۔

''نہیں گھر پر ہی ہوں مجھے یہ بتانا تھا کہ اس روز جس بندے کے پاس تمہارا موبائل رہ گیا تھا وہ مجھے کونٹیکٹ کر رہا ہے تمہارے ہی نمبر سے کافی دن پہلے اس کے میسجز آئے ہوئے ہیں۔ میں نے غور ہی نہیں کیا کہ تمہارا یہ نمبر تو کھو گیا ہے کل میں نے چیک کیا تو پتہ چلا پھر میں نے تمہارے نمبر پر کال کی تو بند تھا لیکن آج ایک اور نمبر سے فون آ گیا کہتا ہے کہ وہ تمہارا موبائل واپس کرنا چاہ رہا ہے تمہارا پتہ پوچھ رہا ہے بتا دوں بلکہ میں نے بتا دیا ہے اور ویسے تم ہو کہاں؟'' وہ رکی۔

''ہمن آباد۔'' اس نے گرم گرم پکوڑوں کی پلیٹ اپنے آگے کی جو ویٹر ابھی رکھ کر گیا تھا۔

''اوکے ٹھیک ہے۔'' اس نے مزید کچھ سنے بغیر فون بند کر دیا۔

''عجیب پاگل ہے۔'' اس نے فون کو گھورا اور پھر زرمین کو اشارہ کرتے ہوئے خود بھی پکوڑوں سے انصاف کرنے لگی۔ وہ اپنے گزشتہ تمام واقعات زرمین سے شیئر کر رہی تھی اور جب فارغ ہو کر اس نے ویٹر کو بل لانے کا اشارہ کیا بھی سامنے برآمدے میں رکھی کرسی پر سے اٹھ کر ایک آدمی ان کی طرف آ گیا۔ وہ غیر ارادی طور پر اس کو دیکھنے لگی اور اس کی وجہ شاید اس کی غیر معمولی ہائیٹ تھی اور شاید ہائیٹ اور باڈی کا پرفیکٹ میچ بھی۔

''میم یہ آپ کا فون۔'' اس نے قریب آ کر بغیر کسی تمہید کے چھوٹا سا گفٹ ہیمپر اس کے سامنے ٹیبل پر رکھا۔ زرمین بھی سر اٹھائے اس لانبے چوڑے وجیہہ شخص کو تک رہی تھی زیمل نے شاید سنا ہی نہیں تھا وہ ایک ٹک اس کو دیکھے جا رہی تھی وہ کھنکارا تو زیمل سٹپٹا کر نیچے دیکھنے لگی۔

''میم یہ اس روز غلطی سے میرے کوٹ میں رہ گیا تھا۔ میں نے بھی کافی دنوں بعد چیک کیا آپ کے سیل میں ٹوٹل پانچ نمبر تھے مام ڈیڈ اور عون کے علاوہ دو لڑکیوں کے۔ میں نے ایک کو کافی ٹیکسٹ کیے لیکن انہوں نے جواب نہیں دیا پھر شاید آپ نے سم ہی بند کروا دی پھر میں نے اپنے نمبر سے انہیں کال کر کے پوچھا۔ صد شکر آپ مجھے مل گئی یہ آپ کی امانت۔ چیک کر لیجیے۔'' اس نے وہ گفٹ ہیمپر تھوڑا اس کے آگے کھسکایا۔

''جی بس ٹھیک ہے تھینک یو۔'' اس نے اس کو چھوا تک نہیں اور وہ پلٹ بھی گیا اس کولون کی مہک ابھی تک باقی تھی ویٹر نے بل اس کے سامنے لا کر رکھا اور بے منٹ کرتے ہوئے اس نے بنا دیکھے گفٹ ہیمپر اٹھا کر اپنے بیگ میں ڈال لیا...... وہ کتنے دن یونہی اس کے بیگ میں پڑا رہا تھا لیکن اس کے ذہن میں مسلسل وہ آواز بازگشت کر رہی تھی وہ سحر زدہ سی ہو گئی تھی۔

❀ ❀ ❀ ❀

''خیریت ہے؟'' شبانہ نے اس کی کھوئی کھوئی کیفیت نوٹ کر لی تھی وہ اس وقت لنچ کرنے کی نیت سے وہاں آ کر بیٹھی تھیں زرمین شوربا بنوانے چلی گئی تھی وہ یونہی بیٹھی بیگ کی زپ سے کھیل رہی تھی۔

''زی از ایوری تھنگ اوکے؟'' اس نے اس کا کندھا ہلایا تو وہ چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔ شبانہ نے اپنا سوال دہرایا۔

''نہیں کچھ ٹھیک نہیں ہے میرے اندر۔ آئی ایم فیلنگ ناٹ ویل۔'' وہ نفی میں سر ہلانے لگی زرمین گرما گرم شوربا اور کولڈ ڈرنک لے آئی تھی اور زیمل کی بات سن چکی تھی۔

''یہ اس دن سے ایسی ہوئی ہے جب سے ظفر اسے اس کا موبائل لوٹا کر گیا ہے۔'' زرمین نے بتایا تو وہ چونکی۔

''ظفر تمہیں کیسے پتہ اس کا نام ظفر ہے؟'' زرمین ہنسی۔

"پتہ کیسے ہوگا۔ ظاہر ہے اس کا کچھ نہ کچھ نام تو ہوگا ظفر، اسفر احمد تو مجھے لگا۔" اس کا نام ظفر ہوگا۔ یونہی مجھے لگا۔ اس نے صفائی دی۔

"یعنی بچی کو کوئی......" شانہ نے معنی خیزی سے بات ادھوری چھوڑی اور کھی کھی کرنے لگی۔

"ہاں ہے ناں......" اس نے اعتراف کیا اور پھر بیگ اٹھا کر چل پڑی وہ دونوں آوازیں دیتی رہ گئیں لیکن وہ رکی نہیں تھی سیدھی لائبریری آ گئی۔ آج اس کا کوئی بھی کلاس اٹینڈ کرنے کا موڈ نہیں تھا۔ اس نے یونہی دو بکس ایشو کروائیں اور بجائے ٹیبلو پر بیٹھنے کے وہ بک ریکس کے آگے ہی نیچے بیٹھ گئی تبھی بیگ میں رکھا موبائل وائبریٹ ہوا تھا۔ اس نے نکالا۔ کسی ان نون نمبر سے کال آ رہی تھی اس نے ٹیکسٹ کیا۔

"کون......؟"

"میں......؟" فوراً ریپلائی آیا۔

"کون میں؟" اس نے تیز تیز ہاتھ چلائے۔

"تو نے دیکھی ہے وہ پیشانی وہ رخسار وہ ہونٹ
زندگی جن کے تصور میں لٹا دی ہم نے
تجھ پہ اٹھی ہیں وہ کھوئی ہوئی ساحر آنکھیں
تجھ کو معلوم ہے کیوں عمر گنوا دی ہم نے۔

"ٹون۔" کی آواز کے ساتھ پھر میسج آیا تھا۔ زیمل تو سرخ ہی ہوگئی۔

"تم ہو کون بدتمیز؟" اس نے لکھا تھا۔

"بدتمیز ہی ہوں...... جانتی تو ہیں آپ میرا نام۔ پھر بات کیوں بڑھا رہی ہیں۔" اس نے لکھا۔

"اوہ نو......" اس نے غصے سے موبائل ہی آف کر دیا۔ اب پڑھائی کیا خاک ہونا تھی اس نے بکس واپس کیں اور لائبریری سے باہر نکل آئی۔ اب اس کا رخ ہاسٹل کی طرف تھا وہ اپنی کیفیات واقعی سمجھ نہ پا رہی تھی وہ کیوں پچھلے چار دن سے مسلسل اس اجنبی کے بارے میں سوچ جا رہی تھی جس کا اسے نام تک معلوم نہ تھا اور خالی خوب صورتی سے کیا ہوتا ہے وہ تو شاید وہاں کی انتظامیہ میں سے تھا۔ کوئی گارڈ وغیرہ۔

"اف زیمل اب بندوں کے معاملے میں تمہارا اسٹینڈرڈ اتنا لو ہوگیا ہے خوامخواہ سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہی ہو۔" اس نے سر جھٹکا اور خود کو گھر کا بھی۔ لیکن ہاسٹل آ کر جیسے ہی اس نے اپنا پرس کھولا تو سامنے وہ گفٹ ہمپر نظر آیا۔

"میم......" کوئی بولا تھا وہ جادو جگاتی ہوئی آواز...... اس نے ہاتھ ڈال کر موبائل نکالا۔

"ہاں میرا ہی ہے۔" اس نے بددلی سے سامنے دیکھ کر واپس ڈال دیا اور عون سے بات کرنے کا ارادہ کرتے ہوئے وہ اپنے بیڈ کی جانب آ گئی جیسے ہی موبائل آن کیا۔

"ٹوں...... ٹوں...... ٹوں۔" کتنے ہی میسجز کی بیپ بجی۔ اس نے دیکھا وہی انجان نمبر تھا اس نے میسجز پڑھنے شروع کیے۔

"ہیں لاکھوں لوگ زمانے میں کیوں عشق ہے سوا بے چارہ
ہیں اور بھی دکھ جیسے وحشت کی انسان کو جو کھٹتیں دکھیارا
ہاں بے کل بے کل رہتا ہے ہو پیت میں جس نے جی ہارا
ہر شام سے لے کر صبح تلک یوں کون پھرے گا آوارہ"

اس نے اگلا میسج سلائیڈ کیا۔

"وہ کوئی مٹھی میں آیا پل ہو تو
اس کو اڑا بھی دوں
وہ کہیں آنکھ میں ٹھہرا غم ہو تو
بہا بھی دوں
وہ اگر فقط محبت ہو تو
بھلا بھی دوں
کروں میں کیا؟
وہ لہو بن کے انگ انگ میں بہتا ہے
کروں میں کیا؟
وہ دھڑکن کی طرح دل میں دھڑکتا ہے۔

"یا اللہ یہ کون ہے؟" اس نے سر پکڑا۔

اگلا میسج نہ صرف چونکانے والا تھا بلکہ اس کے تو رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے پڑھ کر۔ اسے اپنا وجود کپکپاتا محسوس ہوا تھا وہ جیسے جیسے پڑھتی جا رہی تھی دل تیز تیز دھڑکنے لگا تھا۔

"ہیلو زیمل حسان...... میں ظفریاب چوہدری ہوں۔ شاید آپ کا میرا تعارف نہیں ہے آپ مجھے نہیں جانتیں لیکن میں آپ کو بہت عرصے سے جانتا ہوں پہلی بار میں نے آپ کو تب دیکھا تھا جب آپ جناح پارک کے باہر کھڑی گول گپے کھا رہی تھیں آپ کے ساتھ ایک اور لڑکا بھی تھا شاید عون۔ دوسری بار وہی بھٹے کھاتے دیکھا تھا تیسری بار آپ ایک غریب بچے کو کھانا لے کر دے رہی تھیں، چوتھی بار آپ کالج سے نکل کر برگر پوائنٹ تک گئی تھیں اور کافی دیر آپ واک کرتی رہی تھیں
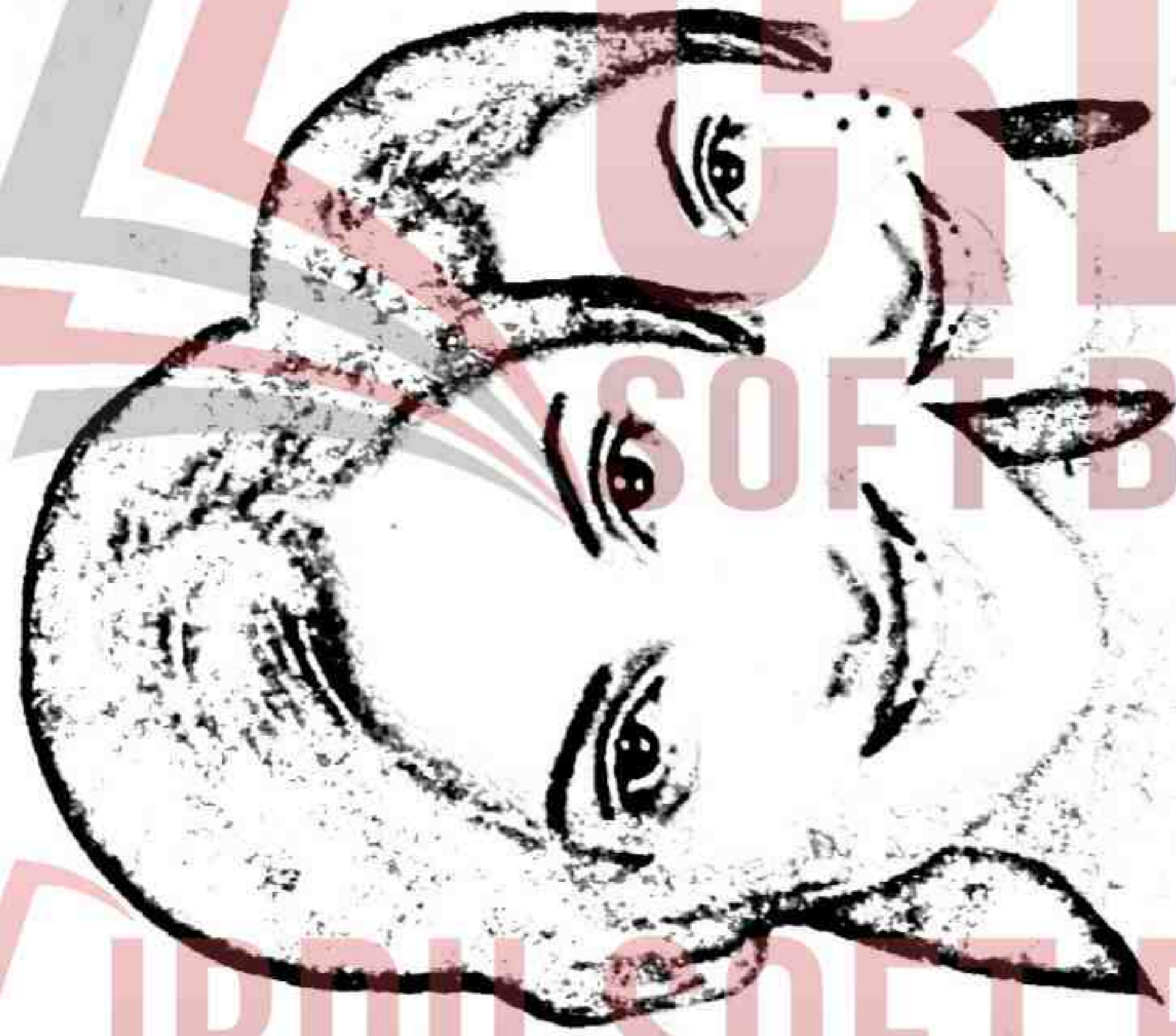
پھر الحمرا آرٹس...... میرا کوٹ آپ کا موبائل...... مس زیمل مجھے کہنے دیجئے۔ آئی لو یو......"

شرم سے زیمل کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا وہ شخص کب سے اس کو دیکھ رہا تھا اس کے آنے جانے کا حساب رکھ رہا تھا گویا الحمرا میں اس کا مل جانا اتفاقیہ نہیں تھا اس کا کوٹ دینا اور اس کا موبائل کئی ہفتوں بعد واپس کرنا اگر وہ اس کے بارے میں اتنا کچھ جانتا تھا تو یقیناً گھر کے بارے میں بھی جانتا ہوگا۔ نہیں وہ اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرے گی اس کو خوامخواہ ہی غصہ آنے لگا کیا پتہ وہ جھوٹ بول رہا ہو محض پتے پھینک رہا ہو اسے بے وقوف بنانے کے لیے۔ اس نے ارادہ کرلیا وہ اس کو رسپانس نہیں دے گی۔ اور نہ ہی اس کے بارے میں سوچے گی لیکن یہ ارادہ اگلے دن بھر بھری دیوار کی طرح ڈھے گیا جب وہ اسے پرنسپل کے آفس میں داخل ہوتا دکھائی دیا۔ وہ کئی ثانیے ششدر سی کھڑی اسے دیکھتی رہی وہ یہاں تک بھی پہنچ گیا تھا کیا کرنے آیا تھا۔ اس بارے میں اس نے زیادہ دیر نہیں سوچا بس اس کے کانوں میں اس کی مدھر آواز گونجنے لگی تھی۔

ڈیڈ نے اسے گھر بلایا تھا اس نے اپنا شیڈول چیک کیا۔ فی الحال تو سب نارمل چل رہا تھا اس نے ویک اینڈ پر گھر جانے کا پروگرام بنالیا۔ شبانہ اور نرمین بھی گھر جانے کا پروگرام بنا رہی تھیں گھر پہنچی تو بہت کچھ چونکا دینے والا تھا تمام گھر کی نئے سرے سے رینوویشن ہوچکی تھی۔ تایا اپنی فیملی کے ساتھ براجمان تھے خزینہ مما اور ڈیڈ بھی خلاف توقع گھر پر موجود تھے چھل پہل سی محسوس ہورہی تھی شاید کوئی پارٹی تھی۔

"اوہ...... زیم ڈارلنگ آگئیں تم؟" اسے دیکھتے ہی خزینہ مام آگے بڑھیں اور چٹاچٹ اس کی بلائیں لینے لگیں۔

"یا اللہ خیر۔" وہ اس اچانک افتاد پر بوکھلائی' ڈیڈ تایا جی' تائی اماں سب ہی تو خصوصی شفقت کا مظاہرہ کررہے تھے۔ اس کی چھٹی حس نے خطرے کا الارم بجایا۔ اس نے لاؤنج میں نظر دوڑائی عون کہیں نہیں تھا وہ معذرت کرتی اپنے کمرے میں آگئی۔ دروازہ بند کرتے ہوئے وہ عون کا نمبر ملا چکی تھی فون دوسری بیل پر ہی ریسیو کرلیا گیا تھا اور عون کی چہکتی آواز نے گویا اس کے شک پر مہر لگادی تھی۔

"زہے نصیب کہیے خادم کیا خدمت کرسکتا ہے؟"

"عون کیا چل رہا ہے کیوں سب لوگ اکٹھے ہوئے ہیں یہاں اور مجھے بلایا گیا ہے جلدی بولو۔" وہ کڑے تیوروں سے پوچھ رہی تھی۔

"ارے میڈم خفا کیوں ہورہی ہیں اصل میں' میں نے تو سوچا تھا چونکہ تمہیں ہر کام ڈرامائی کرنے کی عادت ہے اس لیے انگیجمنٹ رنگ تمہیں کو پہنا کرواؤں لیکن اماں نے یہ بات یکسر مسترد کردی۔ انہیں اپنی اکلوتی بہو کو اپنے ہاتھوں سے رنگ پہنانا تھی...... بہو۔"

"اسٹاپ اٹ عون۔" وہ اس کی بات سن کر چلائی۔

"تم نے سوچا بھی کیسے اور جب میں تمہیں منع کرچکی تھی پھر بھی...... اس کے باوجود تم نے یہ حرکت کی ابھی کے ابھی اور اسی وقت ان سب کو بلواؤ یہاں سے۔ ورنہ میں تمہیں شوٹ کردوں گی۔ سمجھے تم۔" اس نے فوراً فون بند کیا اور کمرے میں تیز تیز چکر کاٹنے لگی۔ غصے سے اس کا خون کھول رہا تھا۔

"مام اور ڈیڈ نے مجھ سے پوچھے بغیر اتنا بڑا فیصلہ کیسے کرلیا پوچھنا تو درکنار بتانا بھی گوارا نہیں کیا۔ کیا سمجھ رہے ہیں یہ سب میں عون کے ساتھ اگر گھوم پھر لیتی ہوں تو میں ساری زندگی اس حکم کے غلام کے ساتھ گزار دوں گی۔ ہزار بار بتایا اس عون کے بچے کو کہ مجھے اس سے محبت نہیں اور میں شادی اسی سے کروں گی جس سے ٹوٹ کر محبت کروں گی اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی...... میں خود انکار کردیتی ہوں۔" اس نے فیصلہ کرتے ہوئے اپنی ہمت بندھائی اور باہر آگئی ٹی وی لاؤنج اب خالی تھا۔ جمیلہ برتن سمیٹ رہی تھی۔

"کہاں گئے سب؟" وہ اس کے سر پر آن کھڑی ہوئی۔

"وہ جی......" وہ بولتے بولتے ہچکچائی۔

"جلدی بولو۔" وہ غرائی۔

"وہ جی عون صاحب کا ایکسیڈنٹ ہوگیا سب لوگ اسپتال چلے گئے ہیں۔" وہ شاید اس سے چھپانا چاہ رہی تھی لیکن اس کے کڑے تیوروں کے آگے ٹھہر نہ سکی۔

"کیا...... کیا کہہ رہی ہو؟" وہ ششدر رہ گئی کئی ثانیے بول ہی نہ پائی۔

"جی بی بی فون آیا تھا ان کے گھر سے وہ لوگ اسی وقت چلے گئے بڑے صاحب نے منع کیا تھا پر جی آپ......"

"اچھا...... اچھا جاؤ۔" وہ سمجھ گئی تھی عون نے ڈرامہ کیا تھا تاکہ یہ لوگ واپس چلے جائیں اور منگنی نہ ہوسکے انکار تو اس نے کبھی کیا ہی نہ تھا اس کی کسی بات سے اس نے فوراً کمرے میں آکر عون کو ٹیکسٹ کیا۔ شکریہ اور لمبی تان کر سوگئی۔ مام ڈیڈ کب

واپس آئے اور عون کو صحیح سالم دیکھ کر ان پر کیا بیتی ہوگی اور ان کا اس کے جھوٹ پر غصہ کس انتہا کو پہنچا ہوگا یہ سب جاننے کی اسے ضرورت نہ تھی صبح جب وہ اپنی نیند پوری کر کے جاگی تو بھی گھر میں مام اور ڈیڈ نہیں تھے جمیلہ نے بتایا وہ رات بھر گھر آئے ہی نہیں تھے اور عون کی طرف ہی تھے۔ اس نے جلدی سے ڈیڈ کا نمبر ملایا لیکن پھر یہ سوچ کر بند کر دیا کہ ان کی خفگی کا سامنا وہ کیسے کر پائے گی ان کا غصہ اتر جانے تک اسے ان سے بات کرنے اور سامنے آنے سے احتیاط برتنا چاہیے اس نے اپنا موبائل ہی آف کر دیا۔ لیکن جمیلہ بی بی نے گھنٹے بعد ہی آ کر اطلاع دی کہ عون کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہے اور ڈیڈ اسے اسپتال بلا رہے ہیں وہ واقعی گھبرائی تھی کہیں سچ مچ تو عون نے کچھ نہیں کر لیا یہ سوچ دہلا دینے والی تھی اس نے ڈیڈ سے اسپتال کا پتہ پوچھا اور آناً فاناً گاڑی لے کر اسپتال پہنچ گئی۔ مام اور ڈیڈ تو شاید گھر کے لیے نکل گئے تھے کیونکہ نظر نہیں آ رہے تھے البتہ عون پٹیوں میں جکڑا نظر آ رہا تھا تائی امی کا رو رو کر برا حال تھا جانے کس کی نظر لگ گئی تھی ان کے بیٹے کو اسے دیکھتے ہی انہوں نے گلے سے لگا لیا اور اونچی آواز میں رونے لگی۔

"تجھے کس نے بتا دیا۔ میں نے کہا تھا کوئی نہ بتائے میں جانتی تھی تو یہ برداشت نہیں کر سکے گی۔" تائی اماں جانے کیا سمجھ رہی تھیں۔ وہ انہیں تسلی دے کر عون کے بیڈ کے قریب آئی وہ آنکھیں موندے لیٹا تھا وہ قدرے جھک کر آہستہ آواز میں بولنے لگی۔

"یار بس کرو یہ ڈرامہ اتنا لمبا سین کرنے کو کس نے کہا تھا۔ میں نے تو کہا تھا بس منگنی رکوا دو۔ چلو اب اٹھ جاؤ۔ گھر والے بہت پریشان ہو گئے ہیں سچ مچ۔" اس نے اس کا ماتھا تھپتھپاتے ہوئے کہا تھا لیکن اس کے وجود میں حرکت نہیں ہوئی وہ اسی طرح لیٹا رہا تھا۔

"بہت سیریس انجری ہوئی ہے بائیک کا تو کچھ نہیں بچا۔" تایا ابو کی آواز پر وہ پلٹی۔ وہ افسردہ سے اس کے پیچھے ہی کھڑے تھے۔

"اوہ......!" اس کے لبوں سے نکلا تو عون نے سچ مچ بائیک دے ماری تھی۔ پاگل انسان اسے اس بے ہوش پڑے شخص پر غصہ آنے لگا کیوں اس کی ہر بات مانتا تھا اور اس حد تک مانتا تھا کہ ہر حد سے گزر گیا تھا۔

"میں تم سے بات کرنا ہی چھوڑ دوں گی۔" اس نے غصے سے اسے دیکھا...... اگلے کئی دن اسپتال کی نذر ہو گئے بڑی مشکلوں کے بعد رات گئے عون کو تھوڑی دیر کے لیے ہوش آیا تھا یہ حوصلہ افزاء بات تھی ڈاکٹرز اسے مزید ٹیسٹ کے لیے لے گئے تھے اس کے دائیں شولڈر کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی کیسے یہ تو وہ مکمل ہوش میں آنے کے بعد ہی بتا سکتا تھا۔

"تُو فکر نہ کر ہم ان شاء اللہ اگلے ہفتے ہی رسم کر لیں گے۔" تائی اماں کو اس کا متفکر اور غصیلا چہرہ کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا اس لیے تسلی دینے والے انداز میں بولیں۔

"تائی اماں......!" اس کا جی چاہا سر پیٹ لے۔ "میں کچھ اور سوچ رہی ہوں اور فی الحال یہ منگنی کے سیاپے کو نہ ہی پالیں آپ نے دیکھا نہیں بدشگون ہو گیا...... شکر کریں عون کی جان بچ گئی میرا کیا۔ دو چار سال صبر کر لوں گی لیکن فی الحال، ہم عون کی زندگی کا کوئی رسک نہیں لے سکتے میں نے عون سے کہا تھا ابھی رہنے دیں میری ساڑھ ستی چل رہی ہے۔" اس نے کن اکھیوں سے تائی کو دیکھا جن کے کان کھڑے ہوئے تھے۔

"ساڑھ ستی......! یہ کیا ہوتا ہے؟"

تائی اماں کی ضعیف الاعتقادی سے فائدہ اٹھانے کا موقع اب ہی تو آیا تھا اور یہ کیسا آئیڈیا تھا کہ وہ تائی جان کو ہی ڈرا دے تاکہ یہ بات ہمیشہ کے لیے ٹھپ ہو جائے وہ کھسک کر تائی اماں کے قریب ہوئی۔

"یہ بات تائی اماں میں صرف آپ کو بتانے لگی ہوں وعدہ کریں مام ڈیڈ کو پتہ نہیں چلنے دیں گی۔ آپ سنبھال لیں گی نا؟" وہ انہیں اموشنل بلیک میل کر رہی تھی اور پھر جیسے جیسے وہ بولتی گئی تائی اماں کے چہرے کا رنگ بدلتا گیا اور اس وقت وہ یہ سوچ رہی تھیں کوئی پل ہو وہ عون کو کسی ڈبے میں بند کر کے چھپا دیں جہاں زینل کی بری نظر ان کے اکلوتے بیٹے کو چھو بھی نہ سکے۔

"آپ تو جانتی ہیں ناں تائی اماں عون سے میری محبت کو...... میں تمام عمر اکیلی بیٹھی رہ سکتی ہوں لیکن عون کی زندگی داؤ پر نہیں لگاؤں گی، مجھے عون کی زندگی سے بڑھ کر کوئی عزیز نہیں۔" اس نے آنسو بہاتے ہوئے کن اکھیوں سے پھر تائی کو دیکھا وہ مکمل طور پر ٹریپ ہو چکی تھیں۔

"میں سمجھتی ہوں بیٹا۔" انہوں نے اس کا سر سینے سے لگا لیا بس تم فکر نہ کرو میں سب سنبھال لوں گی کم از کم چار سال تک تو عون کو اس بارے میں سوچنے ہی نہیں دوں گی اس کے بعد تو

سب خیر ہے ناں؟''

''جی.......جی۔'' اس نے فوراً اثبات میں سر ہلایا۔ اپنی اس کمینگی پر اس نے خود کو لعن طعن بھی کی کہ یہ کوئی موقع نہ تھا لیکن وہ یہ بھی جان گئی تھی کہ اگلے ہفتے' مہینے یا پھر کچھ عرصہ بعد یہ ایشو پھر کھڑا ہونا تھا پھر کیا بہانہ ہوتا اس لیے اس نے تائی اماں کو ہی شیشے میں اتار لیا تھا' تائی اماں اور تایا ابا مام اور ڈیڈ سے یکسر مختلف تھے۔ گھر' دولت ان کے پاس بھی وافر تھی لیکن تائی اماں نے اپنی ساری عمر سادگی میں ہی گزاری تھی تایا ابا کی طبیعت بھی کچھ ایسی ہی تھی لیکن پیار دونوں بھائیوں میں بہت تھا۔ عون کے سارے ٹیسٹ کلیئر آئے تھے بس شولڈر کی ہڈی بری طرح متاثر ہوئی تھی پورے بازو اور کندھے پر پلستر چڑھا تھا وہ تو ہاسٹل سے واپس آ گئی تھی لیکن عون کو ابھی مزید ایک ہفتہ اسپتال میں ہی ایڈمٹ رہنا تھا آنے سے پہلے وہ عون سے لڑ کر آئی تھی وہ آگے سے ہنستا رہا تھا۔

''تم نے کہا تھا منگنی رکوا دو...... منگنی تو پھر اسی طرح رک سکتی تھی چھوٹی موٹی بات کو کس نے سمجھنا تھا۔'' وہ ہنس رہا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں چھپا کرب بے حد واضح تھا جس سے وہ نظر چرا گئی تھی۔

''میں کروں بھی تو کیا عون؟'' اس نے سوچا۔

❁......❁......❁

''چاچی بس۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

''مجھے اس کا انتظار نہیں کرنا۔ مجھے شادی ہی نہیں کرنی آپ چاچا کو بول دیں۔''

''لو بتاؤ چار دن ہوئے نہیں لڑکی اور تم شرم وحیا بھول گئی ہو آج تک ایسا ہوا نہیں خاندان میں۔ ایسا سوچنا بھی نہیں۔'' بشریٰ نے ساگ بناتے ہوئے اسے گھورا۔

''آپ خود انصاف کریں کتنے سال ہو گئے اس بے نام رشتے میں بندھے۔ کتنی بار آیا وہ گاؤں میں۔ کبھی بھول کے بھی اس کو خیال آیا اس بات کا۔ کبھی اس دہلیز کو عبور کیا اس نے۔'' اس کے شکوے بجا تھے سنہرے خواب دیکھنے کی عمر اس نے انتظار کرتے اور ڈرتے گزار دی تھی۔ بشریٰ نے ہاتھ روک کر پل کی پل اس کو دیکھا۔

''دیکھو بات سنو میں نے بھائی صاحب سے بات کی ہے اس دفعہ آیا تو نکاح کر کے ہی جائے گا تم پریشان نہ ہو۔'' بشریٰ اسے تسلی دے رہی تھی لیکن اس کے اندر کھو جانے کا خوف کنڈلی مارے بیٹھا تھا وہ اسی لیے جلدی ادھر آئی نہیں تھی اس نے جو راہ فرار ڈھونڈی تھی اسی میں خود کو چھپائے پھرتی تھی لیکن اب اسے اپنی بےقدری کا احساس مارنے لگا تھا۔

''اچھا جاؤ گاؤں کا ایک چکر لگا کر آؤ صاف ستھری ہوا تمہارے لیے بڑی مفید ثابت ہوگی۔'' بشریٰ نے کہا۔

وہ چند ثانیے سر جھکائے بیٹھی رہی پھر اسے بات معقول لگی۔ واقعی اسے چکر لگا آنا چاہیے تھا اس نے پیروں میں چپل اڑسی اور باہر نکل آئی۔ صبح کا وقت تھا ہر طرف چہل پہل سی تھی اس نے دیکھا گامے تائی کی دکان پر کافی رش تھا۔ ہر کوئی اپنی ضرورت کی چیزیں خرید رہا تھا گامے تائی کی دکان گاؤں کا ڈیپارٹمنٹل اسٹور تھا جہاں آٹا دال چاول چینی کے علاوہ پراندے سستا میک اپ جیولری سب دستیاب تھا۔ جب سے گاما تائی ریٹائرڈ ہوا تھا اور اس کے بیٹے نے اپنا منصب سنبھالا تھا تو اس نے اپنی جمع پونجی سے گھر کی بیٹھک میں پرچون کی دکان کھول لی تھی وہ یونہی چلتی ذرا آگے آ گئی۔ حیفاں دودھ کی بالٹی اٹھائے خراماں خراماں آتی نظر آئی اس نے آواز دے ڈالی۔

''ری نمو تو کب شہر سے آئی؟'' اس نے دلتوئی سر سے نیچے اتاری اور اسے گرمجوشی سے ملنے لگی۔

''کل واپسی بھی ہے میری کیسے ہیں سب؟'' اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''بھلی جنگی تو بتا بھرا نیپو سے ملاقات ہوئی؟'' اس نے شرارت سے کہا تو وہ چونکی۔

''نیپو آیا ہے کیا؟''

''لو کر لو گل...... تمہیں یہ بھی نہیں پتا۔ کل جب میں نندیاں چاچی کا کرتا دینے گئی تھی تو چارپائی پر بیٹھا لسی کا گلاس پی رہا تھا چھابے میں دیسی گھی سے تڑتے تندوری پروٹھے۔ اوپر آم کا اچار ساتھ میں پودینے اور ہریاں مرچاں کی چٹنی یوں ندیدوں کی طرح کھا رہا تھا جیسے شہر میں کچھ کھانے کو ملتا ہی نہیں۔'' حیفاں ہنس ہنس کر بتا رہی تھی اور اس کا دل کٹی پتنگ کی طرح ڈولنے لگا تھا وہ یہیں تھا گاؤں میں اس کے آس پاس اور اسے خبر تک نہ تھی اس کے جی میں آئی جا کر ایک نظر اس کو دیکھ لے برسوں کی پیاس تو بجھا لے اپنی خاموش محبت کا اس پر اثر بھی دیکھ لے لیکن اس کے پاؤں من من بھر کے ہونے لگے حیفاں اپنی دلتوئی اٹھا کر چلی بھی گئی اور وہ تب سے اسی جگہ پر

کھڑی تھی۔
"شاید چاچی کو پتہ نہیں کہ ٹیپو آیا ہے۔" اس کے ذہن میں خیال آیا تو وہ الٹے پیر واپس پلٹی۔ "چاچی کو جا کر بتا تو دے۔" وہ تیز تیز چلتی گھر واپس آئی۔ سارے میں سرسوں کے ساگ کی خوشبو پھیلی تھی۔ چاچی ساگ چڑھا چکی تھی پھکنی سے آگ جلاتی چاچی پوری طرح دھوئیں میں گم تھی گیلی لکڑیاں ہلکے سے سلگ رہی تھیں عشق میں بھی انسان اس گیلی لکڑی کی طرح ہوجاتا ہے۔ نہ پوری طرح جلتا ہے نہ بجھتا ہے بس سلگ سلگ کر ختم ہوتا رہتا ہے اس نے سوچا دھوئیں سے اس کی آنکھوں میں پانی آ گیا تھا۔
"آ گئی لے دو منٹ پہلاں ٹیپو اٹھ کے گیا۔ ملن آیا سی واپس جار یا کل۔" (آ گئی ہو دو منٹ پہلے ہی ٹیپو اٹھ کر گیا ہے ملنے آیا تھا کل واپس جا رہا ہے ناں) بشریٰ چاچی نے بتایا تو اس کا دل مٹھی میں آ گیا وہ آیا بھی اور چلا بھی گیا۔ وہ ایک نظر اس کو دیکھ بھی نہ سکی۔ کیسی بے چارگی تھی وہ اوندھے منہ پڑی رہی۔ نہ کھایا نہ پیا۔ کچھ اچھا لگ ہی نہ رہا تھا۔ آج اسے ابرار نے لینے آنا تھا اور صبح اسے واپس لاہور جانا تھا اسے افسوس ہونے لگا وہ کیوں چاچی کی محبت میں دوڑی چلی آئی تھی لیکن یہ بھی حقیقت تھی بشریٰ اس سے بے حد محبت کرتی تھی وہ جیسے ہی چھٹیوں میں گھر آتی بشریٰ فوراً بلوا بھیجتی اور وہ بھی فٹافٹ آ جاتی اب وہ بددلی سے اٹھ کر اپنا بیگ چیک کرنے لگی۔ کل صبح اسے بھی واپسی کے لیے نکل جانا تھا۔

❀......❀......❀......❀
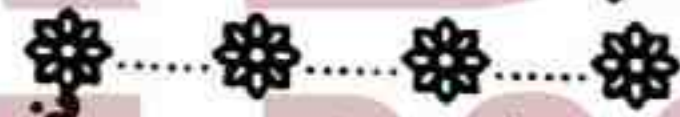
اور نہ چاہتے ہوئے بھی زیمل حسان اس شخص کی محبت میں گرفتار ہوتی جا رہی تھی ہر پل اس کے بارے میں سوچتی رہتی بلاوجہ بلامقصد اس کے میسجز کا انتظار کرتی اور پڑھنے کے بعد اس کو ڈانٹتی رہتی ایسی ایسی چن کر شاعری بھیجتا کہ وہ ٹپٹا کر رہ جاتی لیکن غصہ کے اظہار کے طور پر وہ ایڈیٹ اسٹوپڈ قسم کے جواب دیتی رہتی۔ اس دن بھی جب اس کی بے حد خوب صورت نظم کے جواب میں اس نے احمق لکھا تو اس کا جواب آیا۔
تو بی بی کس نے کہا میرا ایس ایم ایس اتنی توجہ سے پڑھو اور مجھے مختلف القابات سے نوازو...... ہوں؟"
"سمجھتا کیا ہے خود کو؟" وہ تلملا اٹھی۔
"تمہیں کس نے کہا میں تمہارے ایس ایم ایس پڑھتی ہوں؟" جواب میں اس نے اتنا بڑا جھوٹ لکھ دیا۔
"تم مجھے پاگل کر دو گے۔" اس نے دانت پیسے۔
"کروں گا نہیں...... کر چکا ہوں زیمل حسان...... مان جاؤ۔"
"بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہارے فلسفے۔" اس نے ہمیشہ کی طرح فون بند کر دیا لیکن وہ اس کی باتوں کو جھٹلا نہیں پا رہی تھی وہ اسے واقعی پاگل کر چکا تھا وہ اٹھتے بیٹھتے جاگتے سوتے اسے ہی سوچنے لگی تھی اور ایسے میں وہ نرمین کی الجھن اور پریشانی جان ہی نہ پائی تھی فقط شبانہ ہی تھی جو ان دونوں پر نظر رکھے ہوئے تھی اور بس انتظار کر رہی تھی کہ یہ دونوں اپنے منہ سے کچھ پھوٹیں لیکن دونوں نے ہی چپ سادھ رکھی تھی۔
فائنل ایگزام شروع ہونے والے تھے ہاسٹل خالی ہو رہا تھا فیئر ویل بھی نزدیک تھی۔ ساتھ کے کمرے سے آتی میوزک کی آواز اسے بری طرح ڈسٹرب کر رہی تھی اس نے دیکھا زیمل حسب عادت لمبی تان کر سو رہی تھی اور شبانہ ہینڈ فری لگائے جانے کیا سن رہی تھی اس کا دل بس پھٹ پڑنے کو تھا۔ وہ کسی کو اپنا دکھ بتانا چاہتی تھی کسی کاندھے پر سر رکھ کر رونا چاہتی تھی۔
"سنو شبانہ۔" وہ اس کے پاس آ بیٹھی۔ شبانہ نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر سے مصروف ہو گئی اس نے غصے سے اس کے ہینڈ فری نکال پھینکے۔
"شبانہ میں تم سے بات کرنا چاہتی ہوں اپنے دل کی بات۔"
"محبت وغیرہ...... ہوں؟" اس نے شرارت سے آنکھیں گھمائیں۔
"پلیز شبانہ۔" وہ روہانسی ہو گئی۔
"کچھ سیریس ہے کیا؟" وہ سنجیدہ ہو گئی نرمین اپنی انگلیاں مروڑ رہی تھی۔
"ہاں اگر میں نے شیئر نہ کیا تو میرا دماغ پھٹ جائے گا۔"
"میں تو بہت دنوں سے ویٹ کر رہی ہوں کب تم کچھ پھوٹو منہ سے مگر تم دونوں ہی شاید مجھے اس قابل نہیں سمجھتیں۔" شبانہ مکمل اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔
"نہیں ایسی بات نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ پھر دھیرے دھیرے اسے بتانے لگی۔ شبانہ بیچ بیچ میں "ہیں" "اف" "باپ رے" "یا اللہ" جیسی آوازیں نکال کر حیرت کا اظہار کرتی رہی جب وہ چپ ہوئی تو اس کی آنکھوں میں

آنسو تھے۔

"ہم لوگ ابھی بھی زمانہ جاہلیت سے باہر نہیں آئے بچپن میں جب کسی انسان کو اچھے برے کی تمیز نہیں ہوتی منگنی نکاح جیسے بندھن میں باندھ دینے کا مقصد مجھے تو آج تک سمجھ نہیں آیا۔ اس کی کیا لاجک کیا تھیوری؟" شبانہ اسے تاسف سے دیکھ رہی تھی۔

"اصل میں چچا زبیر نے ہی یہ رشتہ کروایا تھا چچی بڑے اچھے اطوار کی ہیں اباجی نے سوچا تو صرف یہ کہ میں خوش رہوں گی اور پھر گاؤں میں تو پیدا ہوتے ہی رشتے جوڑ دیئے جاتے ہیں میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے اپنے نام کے ساتھ اس کا نام دیکھا ہے میں نے اٹھتے بیٹھتے اس کے سپنے بنے ہیں لیکن آج تک جان نہیں پائی وہ میرے بارے میں کیا سوچتا ہے پتہ ہے شبانہ یہ جو آج میں یہاں اس کالج میں ہوں تو اسی وجہ سے کہ چچا زبیر نے اباجی سے کہا تھا ٹیپو پڑھ لکھ کر بڑا افسر بن جائے گا ایسا نہ ہو کل کو ان پڑھ نمو سے شادی کرنے سے انکار کردے۔ اس لیے مجھے آگے پڑھنا چاہئے۔ ابرار بھائی نے خود میرا ایڈمیشن یہاں کروایا تاکہ میں اس کے برابر کھڑی ہوسکوں اور وہ پتہ نہیں کہاں غائب ہے مجھے یہی ٹینشن ہے کہ اگر اسے کوئی اور پسند آ گئی تو میں کیا کروں گی؟" اس کے اندر کی بے چینی اس کے چہرے سے عیاں تھی۔

"تم نے کیا کرنا ہے کرے گا تو وہ اس لڑکی سے شادی۔ بھئی جس کو پسند کرے گا پاگل۔ بے وقوف جو ابھی ہوا نہیں اس کے بارے میں سوچ سوچ کر ہلکان ہونے کا فائدہ؟ تمہارے بڑے ہیں ناں معاملات کو ہینڈل کرنے کے لیے۔ جنہوں نے رشتہ طے کیا ہے وہ ہی اس کو سنبھال بھی لیں گے اور بچا بھی لیں گے تم فی الحال اپنی تعلیم پر دھیان دو مت پڑو عشق کے عذابوں میں۔ آگے یاد ہے ناں۔" وہ اس کا ہاتھ دباتے آرام سے آگے چلی گئی نرمین نے اثبات میں سر ہلایا۔

عمر کٹتی ہے ان کی کانٹوں پر
پھول رکھتے ہیں جو کتابوں میں

"شاباش۔" شبانہ نے اسے تھپکی دی۔

"اب پوری توجہ سے پیپر کی تیاری کرو۔ اے ون رزلٹ ہونا چاہیے بعد میں بات کریں گے۔"

"تھینک یو شبانہ۔" وہ ممنون ہوئی۔

"اٹس مائی پلیجر۔" وہ ہنس دی۔

زیمل کب سے عون کا نمبر ڈائل کررہی تھی لیکن وہ نہیں مل رہا تھا پتہ نہیں ایکسیڈنٹ کے بعد سے وہ کیوں کھنچا کھنچا سا رہنے لگا تھا اس نے تو مام اور ڈیڈ کو بھی بڑی مشکل سے ہینڈل کیا تھا اس نے جتنی بار فون کیا تھا وہ کاٹ دیتا تھا کال بیک بھی نہیں کی اب بھی وہ ایسے ہی کررہا تھا پھر اسے بھی غصہ آ گیا۔

"نہیں تو نا سہی۔" اس نے فون بند کرکے بیڈ پر اچھالا اور خود کچھ کھانے کے لیے کینٹین کی طرف آ گئی لنچ بھی نہیں کیا تھا شبانہ اور نرمین بھی نوٹس بنانے لائبریری میں جا کر بیٹھی تھیں ہاسٹل میں لڑکیوں کی تعداد کم ہوگئی تھی کیونکہ امتحانوں کی تیاری کے لیے وہ گھر جا چکی تھیں ان تینوں کا ابھی موڈ نہ بن رہا تھا کچھ ان کے لیکچرز بھی شاٹ تھے سو وہ بھی کمپلیٹ کرنا تھے نرمین تو یہیں رہنا چاہ رہی تھی شبانہ البتہ ہر ویک اینڈ پر گھر کا چکر لگا آتی تھی اور زیمل کو چونکہ نیا نیا عشق ہوا تھا اس لیے وہ گھر جانے کے موڈ میں نہیں تھی وہ اس شخص سے ملنے کو بے تاب ہو رہی تھی جس نے پچھلے چار ماہ سے اس کی نیند اڑا رکھی تھی وہ جانتی تھی وہ اس کو یہیں کہیں ملے گا چلتے پھرتے آتے جاتے اب وہ ہر آنے جانے والے کے چہرے کو کھوجنے لگی تھی۔ کینٹین سے سینڈوچ لے کر وہ وہیں بنچ پر بیٹھ گئی ذہن میں مختلف سوچیں تانا بانا بن رہی تھیں انجانے میں ہی وہ عون اور اس شخص ظفریاب کا موازنہ کرنے لگی تھی۔

"بس اب مل جاؤ آنکھ مچولی کا کھیل ختم کرو۔" اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھر کے سوچا تھا سورج غروب ہونے کو تھا ہاسٹل کے کوریڈور کی لائٹس جل اٹھی تھیں نماز کی پابند لڑکیاں ہال کی طرف جارہی تھیں اس نے غور کیا اس نے آج تک نماز نہیں پڑھی تھی اسے بھی محسوس ہی نہ ہوا تھا کہ نماز پڑھنی چاہئے بچپن میں ایک قاری صاحب متعین کیے گئے تھے جو اسے قرآن پاک پڑھانے آتے تھے دو بار قرآن پاک ختم کرنے کے بعد اس نے دوبارہ کبھی کھولا ہی نہ تھا اور نماز تو شاید اسے ٹھیک سے پڑھنا بھی نہیں آتی تھی۔ زندگی میں پہلی بار اسے ندامت سی محسوس ہوئی تھی کل سے نماز پڑھنے کا ارادہ کرکے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ وسیع و عریض کریڈور سے گزر کر وہ اپنے کمرے میں جارہی تھی وہ اپنی اس عجیب محبت کے بارے میں سوچ رہی تھی کیا اس کا کہا سچ ہوگیا تھا اس نے عون سے کہا تھا۔

"ضروری نہیں عون تم مجھے پسند کرو۔ مجھ سے محبت کرو تو میں بھی تم سے محبت کروں میں تو شادی ہی اس شخص سے کروں گی

جس سے محبت کروں گی۔"

"اور اگر اسے تم سے محبت نہ ہوئی تو؟" عون نے غمزدہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"نیور مائنڈ۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"اس کی محبت میرا مسئلہ نہیں ہے مسئلہ میری محبت ہے اور فی الوقت مجھے تم سے محبت نہیں ہے۔" وہ اس وقت عون کو کوئی ظالم پری لگ رہی تھی لیکن اسے پروا کب تھی شاید ہم سب صرف اپنی محبت کے بارے میں سوچتے ہیں لیکن وہ اس محبت کے بارے میں سوچ بھی تو کیا۔

وہ کون تھا کہاں رہتا تھا کیا کرتا تھا وہ کچھ بھی تو نہیں جانتی تھی دو بار کی سرسری ملاقات میں وہ کیوں اس کی محبت میں مبتلا ہوگئی تھی۔ اس نے کوئی سحر پڑھ کر پھونکا تھا اس پر۔ جو وہ دن رات اسی کے بارے میں سوچنے لگی تھی انہی سوچوں میں گم وہ اپنے کمرے تک پہنچ گئی تھی نرمین اور شبانہ اسے باہر ہی مل گئیں ساتھ چند اور لڑکیاں بھی تھیں کوئی ڈسکشن چل رہی تھی غالباً۔ وہ ہاتھ ہلاتی کمرے میں گھس گئی وہ اس وقت کچھ بھی بولنے کے موڈ میں نہ تھی جوتے اتارنے کے بعد وہ بیڈ پر نیم دراز ہوئی ہی تھی کہ موبائل پر بیپ ہوئی۔ اس نے اٹھا کر دیکھا آٹھ مسڈ کالز تھیں اور تقریباً اتنے ہی میسجز۔ یقیناً عون ہی ہوگا اس نے سوچا اور موبائل سائیڈ پر ڈال دیا۔ وہ کوئی فالتو شے نہیں تھی بلکہ وہ اس ظفریاب سے بھی بات نہیں کرے گی منع کردے گی کم از کم ایگزیمز تک۔

ایگزیمز کے بعد ان کو تین ماہ کے لیے آف مل جانا تھا اس کے بعد اگست میں ان کی نئی کلاسز اسٹارٹ ہونا تھیں وہ سوچ رہی تھی ڈیڈ کے ساتھ فارن ٹور پر نکل جائے یہ تین ماہ بہت بورنگ ہونے والے تھے اس کے لیے۔ نرمین اور شبانہ اندر آئیں تو اسے بستر پر لیٹا پا کر ہنس دیں۔

"پھر فرسٹریشن ہو رہا ہے کیا؟" شبانہ اس کی پائنتی کی طرف آ کر بیٹھ گئی جب کہ نرمین اپنا بستر جھاڑنے لگی تھی۔

"ہاں..... شاید نہیں۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"عون تمہارا فون نہیں اٹھا رہا اور تم ظفریاب کا ہے ناں؟" شبانہ کا کہا اتنا غیر متوقع تھا کہ وہ یک ٹک اس کی شکل دیکھنے لگی کچھ بول ہی نہ پائی۔

"سوری تم فون اندر ہی بھول گئی تھیں بہت شور کر رہا تھا اس لیے میں نے چیک کرلیا یہ ظفریاب وہی ہے ناں جس کے پاس تمہارا فون رہ گیا تھا وہ جس نے بارش میں تمہاری ہیلپ کی تھی؟" شبانہ تجسس سے پوچھ رہی تھی۔

"ہاں اور پلیز آگے کی فی الحال کچھ نہ پوچھنا۔ نہ سوچنا میرا کچھ بھی بتانے کا موڈ نہیں ہے۔" زیمل نے بیزاری سے کہا اور کروٹ بدل لی اس پر بیزاری اور قنوطیت دونوں ایک ساتھ حملہ آور ہوئی تھیں شبانہ اٹھ کر اپنے بستر پر چلی آئی نرمین سو چکی تھی شبانہ کو ابھی نیند نہیں آ رہی تھی سو وہ دوبارہ پڑھائی میں مصروف ہوگئی۔

ایگزیمز ختم ہوئے تو سب نے اپنے گھروں کی راہ لی شبانہ تو آخری پیپر والے دن ہی شیخوپورہ چلی گئی تھی نرمین اور زیمل البتہ اگلے دن نکلی تھیں گھر میں سامان رکھنے کے بعد وہ سیدھی عون کی طرف چلی آئی تھی تائی اماں اسے دیکھ کر خوش ہوگئیں اس کے امتحانوں کا پوچھنے لگیں اس نے بتا کر ادھر ادھر نظر دوڑائی پھر قدرے جھک کر رازداری سے پوچھا۔

"عون میاں کہاں ہیں؟"

"وہ....." تائی ہنس پڑیں۔ "ارے بیٹا وہ تو آج کل پتہ نہیں کن ہواؤں میں ہے غائب رہتا ہے سارا دن گھر آئے گا تو فون کان سے لگا ہوگا مجھے تو لگتا ہے کسی لڑکی وڑکی سے باتیں کرتا رہتا ہے۔" تائی کا انداز لاپروائی لیے ہوئے تھا جب کہ اس کے دل کو دھکا سا لگا۔

"ہائے لڑکی.....!" اس نے چونک کر تائی اماں کو دیکھا وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھیں بلکہ ٹی وی پر آنے والے بیڈ کورز کے کمرشل پر دھیان دے رہی تھیں۔

"تو تم کیا چاہتی ہو زیمل حسان تمہاری تمام تر بے رخی کے باوجود وہ پروانہ کی طرح تمہارے گرد منڈلاتا رہے۔" کسی نے اسے لتاڑا تھا وہ نظریں چرا گئی پھر بلامقصد تائی اماں سے ڈھیروں باتیں کرتی رہی۔ لیکن اسے اپنا لہجہ اپنی آواز اپنی ہنسی سب کھوکھلی محسوس ہو رہی تھیں۔

"ہاں تو کیا میں کون سا اس سے محبت کرتی ہوں۔" اس نے اپنے دل کو سرزنش کی لیکن کہیں کچھ تھا جو کھویا کھویا سا لگ رہا تھا۔

"تبھی وہ میرا فون اٹینڈ نہیں کر رہا۔" دل نے پھر سوچا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اچھا تائی اماں عون آئے تو اسے بتایئے گا میرا۔ چھٹیاں ہوگئی ہیں اب تین ماہ کے لیے فارغ ہوں میں۔" اس نے

دیوار گیر رات کے نو بجاتے گھڑیال کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"زیمل بیٹا' کھانا کھا کر جاؤ تمہارے تایا ابو آتے ہوں گے۔ مل لو ان سے خوش ہوں گے یاد کررہے ہیں بڑے دنوں سے۔" انہوں نے اسے بازو سے پکڑ کر واپس بٹھایا۔

"نہیں کھانا نہیں کھاؤں گی ابھی اتنا کچھ تو کھلا دیا آپ نے۔ پھر چکر لگاؤں گی۔ کندھا کیسا ہے اب عون کا' پلستر اترا کہ نہیں؟" اسے ایک دم یاد آیا۔

"ہاں بہتر ہے۔ اصل میں اس وقت اس نے جو گھر آنے کی جلدی مچائی تھی اس وجہ سے ہڈی پھر اپنی جگہ سے کھسک گئی تھی بس سارا کچھ دوبارہ کروانا پڑا۔ بہت تکلیف میں رہا ہے میرا بچہ ابھی جانا ہے دوبارہ چیک اپ کے لیے۔ دیکھو ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں۔" اسے اپنی خودغرضی پر شرمندگی ہوئی۔ وہ کیسے کیسے عون کا استعمال کرتی رہی اور وہ اف تک نہیں کرتا تھا۔ سوچتے ہوئے وہ باہر نکل آئی۔ گاڑی اسٹارٹ کرکے اس نے گھر جانے کے بجائے نہر کی طرف موڑلی اس کا دل بے سبب اداس سا ہوگیا تھا۔ وہ کتنی دیر نہر پر بے مقصد پھرتی رہی۔ منچلے شور مچاتے ادھر ادھر جارہے تھے۔ ہوا میں ہلکی سی خنکی تھی۔ اس نے جوتے اتارے اور نہر کنارے مخملیں گھاس پر ننگے پاؤں چلنے لگی۔ اب اگر عون اس کے ساتھ ہوتا تو رات کو گھاس پر ننگے پاؤں چلنے کے ان گنت نقصانات گنوادیتا۔

"عون......" وہ چاہتی نہیں تھی پھر بھی ہر بات میں عون کو سوچتی تھی عون اور اس کا ساتھ تھا بھی تو بہت پرانا۔ ایک ساتھ کھیلتے بڑے ہوئے تھے۔ وہ اس کی ایک ایک کیفیت کو سمجھتا تھا جانتا تھا اور پھر...... سوچتے ہوئے وہ چونکی کوئی اس کے ہم قدم ہوا تھا۔

گھنی مونچھوں تلے نچلے ہونٹوں کا دایاں کونا دبائے وہ دنیا جہان کی شرارت وشوخی آنکھوں میں سمیٹے اسے دیکھ رہا تھا یا شاید اس کی حیرانی سے لطف اٹھا رہا تھا۔

"تم......!" وہ کافی دیر بعد بول پائی۔

"یہاں...... کیسے؟" وہ ہنس دیا۔ مدھم ہنسی۔

"تمہارے فون پر ٹریکر لگوایا ہے میں نے۔ تمہارے پل پل کی خبر رکھنے کے لیے۔ ابھی تم جب عون کے گھر سے نکلی تھی تو......" وہ بات ادھوری چھوڑ کر اس کی حیرت سے پھٹی آنکھوں کو دیکھنے لگا۔

"ٹریکر...... میرے فون پر...... پر کیوں؟" وہ غصہ ہونے لگی۔

"ایک منٹ...... ہر بات پر فوراً ہائپر مت ہوجایا کرو اور میں یہاں تمہارا غصہ دیکھنے نہیں آیا۔ مانا بہت حسین لگتی ہو غصے میں لیکن...... اتنی بھی نہیں کہ میں اپنی ڈیوٹی چھوڑ کر تمہارا پیچھا کرتے ہوئے یہاں پہنچ جاؤں۔" وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

وہ پاؤں پٹخ کر مڑی۔ خوامخواہ سر پر سوار ہورہا تھا۔ وہ پھر اس کے سامنے آ گیا۔ کچھ دیر خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ اسٹریٹ لائٹ درختوں سے چھن کر آتی اور چودھویں کے چاند کی روشنی اس کے حسین چہرے کو اور بھی خوب صورت بنا رہی تھی۔

"تم جانتی ہو بہت خوب صورت ہو تم۔" وہ گھمبیرتا سے بولا۔

"لیکن...... یہ ہماری پہلی ملاقات ہے۔" (اس نے پہلی پر خاصا زور دیا تھا)۔

"باضابطہ...... دوبار تو اتفاقاً ملے ناں...... تو کیا اس کو یونہی ضائع کرو گی۔ لڑ کر' غصہ ہو کر...... ہوں؟" اس کے لہجے میں کچھ تھا وہ پگھلنے لگی۔ وہ دونوں بازو سینے پر باندھے اسے انہماک سے دیکھ رہا تھا جس کے صبیح چہرے پر چھائی غصے کی لالی اب شرم کی سرخی میں ڈھلنے لگی تھی وہ لب کاٹنے لگی۔ شربتی آنکھیں پانیوں سے بھرنے لگیں وہ نہیں سمجھ پارہی تھی اسے کس طرح ری ایکٹ کرنا چاہیے۔ وہ اس کے سامنے تھا جسے اس نے گزشتہ دنوں دن رات سوچا تھا جس سے کئی بار دل ہی دل میں وہ روٹھی مانی تھی کئی بار ارادہ کیا تھا وہ اس سے تعلق نہیں رکھے گی آج وہ سامنے آیا تھا تو جیسے سب کچھ ریت کی طرح مٹھی سے پھسلتا جارہا تھا اس سے کچھ کہنے کی سکت ہی نہ پارہی تھی خود میں۔

"کم آن زیمل......" تم تو ستر کی دہائی کی فلمی ہیروئنوں کی طرح ری ایکٹ کررہی ہو جہاں تک میں جانتا ہوں تم ایک ماڈرن فیملی سے بی لونگ کرتی ہو اور......"

"ماڈرن فیملیز میں کیا شرم وحیا نہیں ہوتی؟" وہ بھڑکی۔

"مجھے جانا ہے۔" وہ سائیڈ سے ہوکر نکل گئی وہ اس کے پیچھے چلنے لگا۔ پھر دو لمبے قدم لے کر اس کے برابر آ گیا۔ وہ غصے میں تھی۔

"میں آیا تھا تم سے ملنے تم سے بات کرنے انسان کو اتنا انا

پرست بھی نہیں ہونا چاہیے۔ محبت بار بار دستک نہیں دیتی...... دروازہ بند ملے تو مڑ بھی جایا کرتی ہے اور پھر خالی دہلیزوں پر صرف آنسو ملتے ہیں۔" وہ اپنی بات مکمل کرکے تیز قدموں سے نکل گیا۔ وہ تھم سی گئی تھی۔

اس نے دیکھا وہ آہستہ آہستہ اس سے دور ہوتا جارہا تھا وہ آواز دے کر اسے روک لینا چاہتی تھی لیکن ایسا نہ کرسکی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا اس کی نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ وہ کھڑی رہی پھر اپنے آنسو اندر اتارتی گاڑی میں آ بیٹھی۔ وہ کیا چاہتی تھی اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ اب وہ عون کا رویہ یکسر بھلا چکی تھی اور ظفریاب کے پرفیوم کی تیز خوشبو ابھی تک محسوس کررہی تھی۔ اسے محبت مطلوب تھی مگر کس سے؟ یہ جاننے کے لیے اس نے اپنے دل کو آزاد کردیا تھا۔

❁......❁......❁......❁
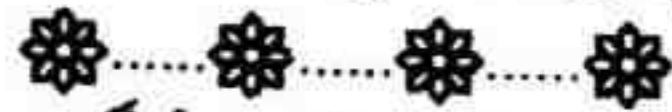
"تمہارا پلان کیا ہے، کیا چھٹیاں یونہی گزارنے کا ارادہ ہے؟" خزینہ مام نے سلائس پر بٹر لگاتے ہوئے اس کے ستے چہرے کو دیکھا۔ وہ شاید نہیں یقیناً رات بھر نہیں سوئی تھی۔

"سوچا نہیں ابھی۔" اس نے جوس کا سپ لیا اور نظریں پھر کسی نادیدہ نقطے پر جمادیں۔ وہ جانتی تھی مام کبھی اس کی پریشانی کا سبب نہیں پوچھیں گی۔ وہ کسی کے بھی پرسنل میٹرز میں دخل اندازی نہیں کرتی تھیں۔

"شام میں کیا پروگرام ہے آپ کا۔ میں آپ کے ساتھ جانا چاہتی ہوں۔" اس نے کہا تو خزینہ نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ وہ کبھی بھی اس کے ساتھ کہیں بھی جانے پر آمادہ نہیں ہوتی تھی۔ اس نے خود خواہش ظاہر کی تھی اس کا مطلب تھا وہ واقعی ڈسٹرب تھی۔

"وائے ناٹ۔" وہ خوش دلی سے بولیں۔

"مسز احتشام کے ہاں گیٹ ٹو گیدر ہے، ڈنر ہے تم ڈیڈ کو نمائندگی کرلینا بہت اہم ڈنر ہے یہ۔ مجھے اپنی وارڈ روب دکھا دینا میں تمہارا ڈریس سلیکٹ کروں گی۔ احتشام صاحب کو تو جانتی ہوناں تم۔ معروف سیاست دان ہیں۔" وہ کچھ زیادہ ہی ایکسائٹڈ ہوگئی تھیں اس کے جانے کا سن کر۔

"جی میں تیار ہوجاؤں گی۔" وہ کرسی کھسکا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ کون تھا، کس کلاس سے تعلق رکھتا تھا اسے جاننے کی ضرورت نہ تھی وہ تو محض اپنا ذہن بٹانے کے لیے وہاں جانا چاہ رہی تھی۔ ساری رات اس کی بے چینی میں کٹی تھی اس نے کئی بار ظفریاب کو میسج کیا تھا لیکن اس کا ریپلائی نہیں آیا۔ وہ اس کو سمجھانا چاہ رہی تھی کہ غیر متوقع طور پر اسے اپنے سامنے پاکر وہ حواس باختہ ہوگئی تھی۔

کوئی ایک دم سے آپ کے سامنے آ کر کھڑا ہو جائے اور اپنی محبت کی داستان سنانے لگے تو ایک لڑکی کیسا ری ایکٹ کرے گی۔ وہ عون سے بھی ڈسکس کرنا چاہتی تھی لیکن عون نے بھی شاید اسے بلیک لسٹ کردیا تھا۔ دن بہت لمبا تھا یا پھر اسے لگ رہا تھا اس کے پاس کرنے کو کچھ بھی نہیں تھا اس نے شبانہ کا نمبر ڈائل کیا۔ سوچا گپ شپ کرے گی۔ اس نے کافی دیر بعد فون ریسیو کیا۔ لگتا تھا کہیں سے بھاگ کر آئی ہو۔

"ہیلو......!" اس کی ہانپتی آواز آئی۔

"خیر تو ہے کہاں ہو؟" اس نے پوچھا۔

"ہیں کمال ہے تمہیں نہیں پتہ؟ ارے یار تمہارے کزن کا رشتہ آیا ہوا ہے میرے لیے باہر ڈرائنگ روم میں تمہارا کزن عون اور اس کی والدہ بیٹھی ہیں۔ میں انہیں چائے سرو کررہی ہوں۔ اوہ میرے اللہ...... میں تم سے بعد میں بات کرتی ہوں بائے۔" اس نے فون بند کردیا اور وہ فون کو تکتی رہ گئی۔

عون اور شبانہ سے رشتہ۔ اس کے دل کو ایک دھچکا لگا تھا یہ کب ہوگیا اور عون نے اسے بتایا تک نہیں اور شبانہ نے بھی کب بتایا کہ اس کا عون سے کوئی چکر چل رہا ہے۔ اتنی جلدی نوبت یہاں تک پہنچ گئی اور وہ بے خبر ہی رہی۔ عون نے اسے بتانا تک مناسب نہ سمجھا۔

"اوہ...... وہ تبھی اس کی کالز اٹینڈ نہیں کررہا تھا اسے نظر انداز کررہا تھا یا شاید اسے بتا رہا تھا کہ اس نے اپنی راہیں الگ کرلی ہیں۔ وہ اپنے لیے کسی دوسرے کا انتخاب کرچکا ہے۔"

زیمل حسان کا دل چاہا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے اور پھر اس نے ایسا ہی کیا۔ وہ خوب روئی کس بات پر اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا اور اس کے بعد کمرہ بند کرکے سوگئی۔

خزینہ کتنی دیر اس کا دروازہ کھٹکھٹاتی رہیں ساتھ لے جانے کے لیے اسے کچھ پتہ نہ تھا اس پر ڈپریشن طاری ہوچکا تھا اور اس کے زیر اثر وہ کتنے گھنٹے رہی کچھ پتہ نہ تھا۔

❁......❁......❁......❁

"آپ کو پسند آگئی شبانہ؟" وہ تائی اماں کے بے حد نزدیک بیٹھی ان سے پوچھ رہی تھی۔ رضیہ ابھی ابھی نگٹس سے بھری پلیٹ اس کے سامنے رکھ گئی تھی اور پسند ہونے کے باوجود

اس نے ان پر نظر بھی نہیں ڈالی تھی وہ چپ چپ تھیں۔
"ہاں ...... جیسی مڈل کلاس لڑکیاں ہوتی ہیں بس ویسی ہی ہے ماں باپ اچھے ہیں۔ ملنسار اور شریف۔ شبانہ سے عون کو تم نے ہی ملوایا تھا ناں؟" ان کا لہجہ مبہم سا تھا وہ کچھ بھی اخذ نہ کر پائی۔
"جی شاید......" وہ ذہن پر زور دینے لگی کہ کب اس نے شبانہ اور عون کی ملاقات کروائی تھی لیکن اسے ایسا کوئی واقعہ یاد نہ آیا وہ سمجھ گئی تھی عون نے اسے جلانے کے لیے شبانہ کا انتخاب کیا تھا۔ لیکن وہ کیوں جلے گی؟ اس نے سر جھٹکا۔
"مجھے عون نے بتادیا تھا کہ تم اس سے شادی نہیں کرنا چاہتی ہو۔" تائی اماں نے اتنے آرام سے یہ بات بتائی تھی کہ وہ سناٹے میں رہ گئی۔ اس سے نظریں نہ اٹھائی گئیں کیونکہ جو کچھ وہ بول رہی تھیں وہ سننے کے بعد اس میں سکت ہی نہ رہی تھی۔
"ساڑھ ستی والی بات من گھڑت تھی ناں میں نے عون سے پوچھا تھا اور اس نے کچھ بھی نہ چھپایا تھا۔ سب کہہ دیا تھا۔ اس کا ایکسیڈنٹ' تمہارا انکار' وہ بہت چاہتا تھا تمہیں زیمل ...... افسوس تم نے قدر نہ کی۔ لیکن چلو خیر اسے عقل آ گئی۔ تم بھی بیٹی ہو اس گھر کی۔ تمہیں کچھ کہہ تو نہیں سکتی میں۔ یہ تو دل کا سودا ہوتا ہے زبردستی نہیں کیا جاسکتا۔ شبانہ ہم سے اسٹیٹس میں کم ضرور ہے لیکن سمجھ دار ہے۔ عون کو سمیٹ لے گی۔ اللہ تمہیں تمہاری خوشیاں مبارک کرے سدا سکھی رہو تم آمین۔" انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور پھر خاموشی سے اٹھ کر اندر چلی گئیں۔
اسے اپنا وجود بے وقعت محسوس ہو رہا تھا۔ عون سے محبت اور وہ تھا بھی نہیں اس کی محبت کے قابل اس نے ہمیشہ کی طرح ہٹ دھرمی سے سوچا اور اٹھ گئی۔ اب وہ بھی عون سے رابطہ نہیں کرے گی۔ اس نے اپنے موبائل سے عون کا نمبر ہی ڈیلیٹ کردیا۔ وہ اتنی ہی انتہا پسند تھی فوراً غصہ کر جانے والی' فوری فیصلہ کرلینے والی۔ چاہے کتنا نقصان ہوجائے۔ گھر آ کر وہ دروازہ بند کرکے لیٹ گئی۔ وہ کیوں فیصلہ نہ کر پا رہی تھی کہ آخر اسے کس کا ساتھ چاہیے تھا۔ عون کا یا ظفریاب کا۔ وہ کس کا غم منا رہی تھی؟ اس نے فون اٹھا کر ان باکس کھولا ظفریاب کے کتنے ہی ان ریڈ میسجز تھے وہ انہیں پڑھنا نہیں چاہ رہی تھی۔ وہ اس پر اعتبار نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔ اس کی پاسبان عقل تھی اور عقل اور محبت دونوں متضاد راستے تھے۔ وہ کشمکش و رنج میں تھی دل محبت کی تال پر دھڑک رہا تھا لیکن دماغ منع کر رہا تھا۔ اس نے ان باکس کھولا۔ تمیں میسجز تھے پچھلے پندرہ دنوں میں اس نے یہی کام کیا تھا شاید۔ وہ یکے بعد دیگرے پڑھنے لگی۔

وقت جیسے تھم جائے
سانس جیسے رک جائے
پل بھر کا روٹھنا اس کا
کیسا عذاب دے۔"

"بولی!
باہر بارش ہے
میں ہنس دیا
بارشوں سے اس کو کچھ
ایسی ہی محبت ہے
اس کو خبر نہیں شاید
میرے اندر برسوں سے
ایسی ہی بارش برستی ہے
وہ جو جان جائے تو
بس مجھ سے پیار کرے"

❀......❀......❀......❀

وہ ایک لڑکی
گلاب چہرے پر مسکراہٹ
چمکتی آنکھوں میں شوخ جذبے
وہ جب بھی کالج کی سیڑھیوں سے
سہیلیوں کو لیے اترتی
تو ایسے لگتا ہے جیسے دل میں اتر رہی ہو
کچھ اس تیقن سے بات کرتی ہے
کہ جیسے دنیا اس کی آنکھوں سے دیکھتی ہو
وہ اپنے رستے پہ دل لبھاتی
ہوئی نگاہوں سے ہنس کر کہتی ہے
تمہارے جیسے بہت سے لڑکوں سے
میں یہ باتیں
بہت سے برسوں سے سن رہی ہوں
میں ساحلوں کی ہوا ہوں
نیلے سمندروں کے لیے بنی ہوں
وہ ساحلوں کی ہوا سی لڑکی
جو راہ چلتی ہے تو ایسا لگتا ہے جیسے دل میں اتر رہی ہو۔
(اس نے امجد اسلام امجد کی نظم میں اپنی مرضی سے ردوبدل

کیا تھا)
اس نے ان باکس بند کیا اور اس کا نمبر ملالیا۔
"میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔ جگہ ڈیسائیڈ کرلو۔" اس کے کال اٹینڈ کرتے ہی اس نے کہا اور پھر مزید کچھ سنے کال ڈسکنیکٹ کردی تھی۔ اس نے اپنے دل کی بات پر اپنے دماغ کو مطمئن کیا اور سکون سے سوگئی تھی جو ہوگا دیکھا جائے گا اور پھر اس نے پلٹ کر عون کے بارے میں سوچا ہی نہ تھا۔ وہ سب کچھ بھول گئی تھی۔ دہی بھلے چنے پکوڑے باٹا پور کے دہی کی چٹنی والے سموسے وہ پلٹ کر وہاں گئی ہی نہیں اور وہ کبھی سمجھ بھی ہی نہیں کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔ اسے تو عون سے محبت نہیں تھی پھر اس نے ایسا رویہ کیوں اختیار کیا؟ ایساری ایکشن کیا معنی رکھتا تھا بس اسے دکھ ہوا تھا اس دوستی کے ٹوٹ جانے کا۔ اسے عون پر اعتبار تھا اور اس شخص نے اس کے اعتبار کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ اس نے شبانہ سے شادی کا فیصلہ محض اسے جلانے کی خاطر کیا تھا اور نہ وہ جانتی تھی شبانہ اور اس کا کوئی مقابلہ نہ تھا۔ وہ دوبارہ کبھی عون کے گھر بھی نہیں گئی تھی۔ تائی اسے شرمندگی خیال کرتی تھی اور مام اور ڈیڈ اس کی ہٹ دھرمی۔ اور جب اس نے احتشام الدین کے بیٹے کے پروپوزل سے بھی انکار کیا تھا تو ڈیڈ غصے میں آگئے تھے۔

"تم کیا کرنا چاہتی ہو؟ کیا تم اپنی ماں کی طرح یہ ثابت کرنا چاہتی ہو کہ تمہیں کسی کی پروانہیں سوائے اپنے آپ کے۔ پہلے تم نے عون کو ریجیکٹ کیا اب رضی کو۔ میرا بڑا بھائی خفا ہوگیا مجھ سے۔ اب احتشام الدین۔ تمہیں اندازہ نہیں تمہارا بگاڑ ہمیں کہاں پہنچادے گا۔ احتشام الدین کوئی معمولی سیاست دان نہیں۔" وہ طیش میں تھے وہ سکون سے سب سنتی رہی۔

"ڈیڈ...... آپ کے سارے رشتے آپ کے بزنس ڈیل پر چلتے ہیں اور میں اس کا حصہ بننے کا ارادہ نہیں رکھتی۔ نہ عون نہ رضی نہ کوئی اور۔ کم از کم آپ کے سرکل کا تو بالکل نہیں...... مجھے نہیں گزارنی جمع تفریق والی زندگی میں جینا چاہتی ہوں ایک نارمل زندگی۔ مجھے کسی کے بنگلے کوٹھیاں شمار نہیں کرنا۔ کسی کا بینک بیلنس اور سوشل اسٹیٹس نہیں چاہیے۔ ایک انسان چاہیے خواہ وہ کسی ہوٹل کا ویٹر ہو یا دیہاڑی مزدور۔" وہ بغاوت پر آمادہ تھی۔

"یہ سب...... یہ ساری باتیں۔" خزینہ مام نے بھی حصہ لیا۔

"فلموں، کہانیوں میں اتنی بار دہرائی جاچکی ہیں کہ اب انتہائی بورنگ لگتی ہیں اور پتہ ہے ڈیئر بیٹا ایسی کہانیوں کے اینڈ زبھی لوگوں کو ازبر ہوچکے ہیں۔ سومائی ڈیئر زیمل حسان۔ اب کی بار کچھ نیا کرو۔ اسٹوری میں کوئی ٹوئسٹ ہونا چاہیے۔ یہ غریب دیہاڑی دار مزدور، ویٹرز ڈاٹ ربش۔ کوئی مزہ نہیں رہا ایسی کہانیوں میں۔ انسان اپنے جیسے لوگوں میں ہی اٹینڈ کرتا ہے اور اچھا لگتا ہے۔ زندگی کی حقیقتیں بہت تلخ ہیں۔ تم سمجھتی ہو غریب لوگوں کی طرح فٹ پاتھوں اور ٹھیلوں پر کھڑے ہوکر کھانا اصل زندگی ہے۔ تمہارے پرس میں موجود ہزاروں نوٹ تمہاری اصلیت بتاتے ہیں۔ ایک دیہاڑی دار تو اس طرح کی سیر وتفریح موج میلہ افورڈ ہی نہیں کرتا۔ وہ یہ سب انجوائے نہیں کرسکتا کیونکہ اس نے انہی پیسوں سے اپنے بچوں کو روٹی کھلانی ہوتی ہے۔ حقیقت پسند بنو اور یہ کہانیوں والی زندگی جینا چھوڑ دو۔"

خزینہ مام نے گویا سارا حساب چکتا کردیا تھا وہ بحث میں نہیں پڑنا چاہتی تھی اس لیے خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی آئی۔ ہاں وہ اپنی مام کی طرح خودغرض تھی اور ہمیشہ اپنے بارے میں سوچتی تھی۔ کوئی اس کے بارے میں جو سوچتا ہے سوچے۔ اب وہ ہر شام ظفریاب کے ساتھ گزارنے لگی تھی۔ اس نے ظفریاب سے اس کے بارے میں ایک بھی سوال نہیں کیا تھا۔ وہ کون تھا کہاں سے آیا تھا، کیا کرتا تھا؟ اسے غرض ہی نہ تھی۔ وہ اس سے محبت کرتی تھی یہی کافی تھا اس کے لیے۔ وہ بہت خوب صورت باتیں کرتا تھا۔ اس کی آواز اس کا لب ولہجہ جیسے کوئی سحر تھا۔ وہ بولتا جاتا اور ایک سحر زیمل حسان کے گرد پھیلتا جاتا۔ وہ چپ چاپ اس کی شکل دیکھتی رہتی۔

اس کی آنکھیں اتنی خوب صورت تھیں کہ زیمل کا دل ڈوب ڈوب جاتا، وہ ہنستا تو زیمل کو کائنات کی ہر شے ہنستی محسوس ہوتی۔ اس کے سیاہ گھنے گھونگریالے بال ایک خاص اسٹائل میں ماتھے پر پڑے رہتے۔ سرخ وسپید رنگت اور مضبوط جسم۔ زیمل صرف اسے دیکھتی تھی، سنتی تھی۔ ان دس دنوں میں ایسا لگتا تھا جیسے زندگی ظفریاب احمد سے شروع ہوکر اسی پر ختم ہوتی تھی۔ اس کے پاس بات کرنے کو ہر روز نیا موضوع ہوتا تھا۔ سیاست سے لے کر موسم تک وہ ہر بات اس قدر تفصیل سے ڈسکس کرتا کہ زیمل اسے انسائیکلوپیڈیا کہنے پر مجبور ہوگئی۔ اس کی معلومات کا خزانہ

وسیع تھا اسے بات کرنے پر عبور حاصل تھا۔ اور شاید دلوں پر حکمرانی کرنے کا فن بھی اسے بخوبی آتا تھا۔ اس شخص نے اس کی ساری عادتیں چھڑوا دی تھیں۔

"انسان کا اسٹینڈرڈ اس کے اٹھنے بیٹھنے حتیٰ کہ بول چال اور کھانے پینے سے ظاہر ہونا چاہیے۔ تم کوئی عام سی امیر لڑکی نہیں ہو۔ زیمل حسان شہریار ہو۔ آدھے شہر کی لڑکیاں تمہارے لائف اسٹائل کی متمنی ہوں گی اور تم اپنا اسٹینڈرڈ ان فٹ پاتھوں پر ضائع کرتی پھر رہی ہو۔ آج کے بعد میں دیکھوں نہیں ان تھرڈ کلاس ٹھیلوں پر خوار ہوتے۔" وہ بول رہا تھا اور وہ اس کی ہر بات پر لبیک کہہ رہی تھی۔ واقعی وہ اپنا اسٹینڈرڈ کیوں خراب کرتی پھر رہی تھی۔ شام کے چار گھنٹے اس کے ساتھ گزارنے کے باوجود وہ رات گئے تک اس سے چیٹنگ کرتی۔ ایس ایم ایس بھیجتی اور جب وہ تھک کر اپنے سونے کا اعلان کرتا تو وہ اس کے سپنے پلکوں کے کنارے پر رکھے جانے کہاں کی سیر کرآتی۔ محبت زندگی کو کتنا اہم کتنا حسین بنادیتی ہے یہ اسے اب سمجھ میں آیا تھا۔ اس روز زرمین کا فون آ گیا۔

"کہاں غائب ہو یار کوئی رابطہ نہیں؟" اس نے شکوہ کیا۔

"بس۔" وہ ہنس پڑی اور زرمین کو اس کی خوب صورت ہنسی دکھائی دی تھی۔ وہ جب ہنستی تھی تو اس کی بڑی بڑی شربتی آنکھوں میں نمی سی تیرنے لگتی تھی۔ اور اس سے وہ اتنی پیاری لگتی تھی کہ زرمین اسے دیکھتی رہ جاتی تھی اب بھی تصور کی آنکھ سے اس نے دیکھا تھا۔

"تم نے بتایا نہیں کہ...... شبانہ اور عون کی منگنی ہوگئی؟" اس نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔ وہ ایک لمحے کو چپ سی ہوگئی۔

"ہاں مجھے بھی دیر سے پتہ چلا۔ وہ بھی بائی چانس۔ اینی وے تم کہو تمہارا ٹیپو سلطان معرکے سے لوٹا کہ نہیں۔ بائی دا وے وہ کیا کرتا ہے کہو تو پتہ کرواؤں؟" اس نے آفر دی۔

"تو...... تو تجھے پتہ ہے کیا کرتا ہے کہاں ہوتا ہے؟ کیا ایکٹویٹیز چل رہی ہیں تمہاری؟ آؤٹنگ کا پروگرام بنالو۔ میرے پاس چلی آؤ۔ ذرا گاؤں کی لائف بھی انجوائے کرو۔ صاف شفاف' خوب صورت زندگی۔ تمہیں اچھا لگے گا بڑے مہمان نواز ہیں ہم گاؤں والے۔" وہ اترائی۔

زیمل نے ہاں میں ہاں ملائی۔ آئیڈیا برا نہیں تھا جایا جاسکتا تھا۔ لیکن مام اور ڈیڈ سے پرمیشن ملنا بے حد مشکل تھا۔ وہ اسے کبھی گاؤں نہ جانے دیتے پھر اکیلی۔

"ہاں چلو سوچتے ہیں۔" زرمین کو اللہ حافظ کہہ کر وہ تیار ہونے لگی۔ اسے کچھ شاپنگ کرنا تھیں۔ آج ظفریاب آؤٹ آف سٹی تھا۔ اس لیے شام کے چار گھنٹے کسی نہ کسی طرح تو بتانے ہی تھے۔ وہ اس کے ساتھ اتنا زیادہ وقت بتاتا تھا کہ اسے شک ہونے لگتا وہ کہیں بے روزگار تو نہیں اس قدر فراغت اور اطمینان تو فارغ مند کو ہی نصیب ہوتا ہے اور پھر اس دوران اس کی کبھی کوئی کال نہیں آئی تھی۔ وہ اسے بھرپور وقت دیتا تھا محبت بھرا وقت...... وہ اس پر...... اس کی محبت پر خود سے زیادہ انحصار کرنے لگی تھی۔ بڑے دنوں بعد اس نے خود سے شاپنگ کی تھی۔ اور زیادہ تر ظفریاب کے لیے۔ اس کی شرٹس' کف لنکس' پرفیومز ایک خوب صورت سا والٹ' ریسٹ واچ وہ خریدتی چلی جارہی تھی۔

کریڈٹ کارڈ سے پے منٹ کرنے کے بعد وہ شاپنگ بیگز سنبھالتی باہر نکلی تبھی اسے لگا ایسکیلیٹر سے اوپر جاتا وہ ظفریاب ہی تھا۔ اسے یقین نہیں آیا اس نے ذرا اور پاس آ کر دیکھا اس کی زیمل کی طرف پشت تھی لیکن اس کا قد کاٹھ' بال حتیٰ کہ شرٹ بھی۔ یہ شرٹ اس کی فیورٹ تھی اور ہفتے میں کم از کم تین بار تو اس نے پہن ہی رکھی ہوتی تھی اوپر پہنچ کر وہ دائیں طرف مڑ گیا اور تبھی زیمل کے شبے کی تصدیق ہوگئی۔ وہ ہنڈرڈ پرسنٹ ظفریاب ہی تھا۔ اس کے معاملے میں وہ دھوکہ کھا ہی نہیں سکتی تھی۔ لیکن کھا گئی تھی۔ ظفریاب نے تو کہا تھا کہ آج وہ آؤٹ آف سٹی جارہا تھا اور اگلے دو دن وہ اسے نہیں مل سکے گا۔ پھر وہ یہاں تھا۔ اسی شہر میں تو اس نے جھوٹ کیوں بولا۔ وہ الجھتی ہوئی گاڑی میں آ بیٹھی اس کا نمبر ملایا جو دوسری بیل پر ریسیو کرلیا گیا۔

"کہاں ہو ظفر؟" اور اس نے ذرا بھی گڑبڑائے بغیر پوچھا۔

"تمہیں بتایا تو تھا آؤٹ آف سٹی۔"

"اور اگر میں کہوں کہ میں نے ابھی تمہیں شاپنگ مال میں دیکھا ہے۔ تم نے اپنی فیورٹ شرٹ پہن رکھی ہے تو؟" وہ زور سے ہنس پڑا۔

"تو یہ کہ...... یہ میری محبت کی معراج ہے۔ میں تمہیں ہر جگہ نظر آنے لگا ہوں۔"

"میں مذاق نہیں کررہی۔"

"میں بھی سیریس ہوں۔ او کے پھر بات کرتے ہیں بزی

ہوں۔" اس نے کال ڈسکنیکٹ کردی۔ زیمل فون کو گھورتی رہ گئی۔ اس نے اس کی کال کاٹ دی تھی۔ زیمل حسان کی۔ ایک تو جھوٹ بول رہا ہے بلکہ مسلسل جھوٹ بول رہا تھا۔ غصے سے اس کی رگیں تن گئیں۔ وہ بڑی مشکل سے گاڑی ڈرائیو کرتی گھر پہنچی تھی۔ ٹی وی لاؤنج میں تائی جان براجمان تھیں۔ خزینہ مام نک سک سے تیار مہمان داری نبھارہی تھیں۔ اس نے سلام بھی نہیں کیا اور سیدھا اپنے کمرے میں گھس گئی اور جیسا کہ وہ امید کررہی تھی تھوڑی دیر بعد مجیداں اس کے سر پر موجود تھی۔

"بڑی بیگم صاحبہ آپ کو بلارہی ہیں۔"

"آرہی ہوں چینج کرکے۔" اس نے ناگواری سے کہا اور واش روم میں گھس گئی۔ منہ پر دیر تک پانی کے چھینٹے مارنے کے بعد اس کا دماغ کچھ ٹھنڈا ہوا۔ وہ ٹاول سے منہ صاف کرتی کمرے سے باہر نکل آئی۔ چائے کا دور چل رہا تھا اس نے مجیداں سے اپنے لیے بھی چائے لانے کو کہا اور سلام کرکے تائی اماں کے ساتھ ہی ٹک گئی۔

سینٹر ٹیبل پر تائی اماں کے بیگ کے ساتھ شادی کا چمکتا دمکتا کارڈ بھی رکھا تھا۔ جو کہ یقیناً عون کی ہی شادی کا تھا۔

"طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟" خزینہ مام نے پوچھا اور اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"عون کی شادی ہورہی ہے۔ تمہاری تائی اماں کارڈ لے کر آئی ہیں۔" بتانے کے ساتھ انہوں نے اپنی نوکیلی نگاہیں اس کے چہرے پر گاڑی تھیں۔ تائی اماں انہیں سب بتا چکی تھیں۔ یہ بھی خیریت تھی کہ ان دونوں نے ابھی تک اس معاملے پر اسے لعن طعن نہیں کی تھی۔

"اچھا مبارک ہو کب ہے شادی......؟" اس نے بظاہر خوش ہوکر پوچھا۔

"اگلے ماہ کی دس تاریخ۔ تیاری کرلو تمہارا کالج کب اسٹارٹ ہورہا ہے؟" تائی اماں نے پوچھا۔

"بس آج کل میں رزلٹ آنے والا ہے۔ کم سے کالج کھل جائیں گے اور پھر سیکنڈ ائیر اسٹارٹ ہوجائے گا۔ تیاری کرلی؟ شاپنگ میں کسی مدد کی ضرورت ہو تو مجھے بتایئے گا اور وہ عون ہے کہاں آج کل مہینوں ہوگئے اس کی شکل دیکھے۔" اب وہ بالکل نارمل انداز میں باتیں کررہی تھی۔ خزینہ معذرت کرکے اٹھ گئی تھی انہیں ہمیشہ کی طرح کسی پارٹی میں پہنچنا تھا۔

"ہاں ہوگئی بس جیولری اور ویسے کا جوڑا رہ گیا ہے وہ بھی عون کے آتے ہی فائنل ہوجائے گا۔ کہہ رہا تھا اپنی پسند کا بنوائے گا۔"

"عون کہیں گیا ہے کیا؟" وہ حیران ہوئی۔

"تمہیں نہیں پتہ وہ بزنس کورس کے سلسلے میں کینیڈا گیا ہوا ہے پچھلے دو ماہ سے۔ دس بارہ دن تک آجائے گا۔"

"اچھا...... اچھا وہ تائی اماں آپ کے لیے کھانا تیار کرواؤں؟ کھانا کھا کر جایئے گا۔" اسے مزید کچھ نہ سوجھ رہا تھا۔

"نہیں ڈرائیور آتا ہی ہوگا۔ مجھے اور بھی بہت سارے گھروں میں کارڈ دینے جانا ہے۔" انہوں نے منع کیا۔ اسی دم اکبر نے بتایا تھا کہ ان کا ڈرائیور آگیا ہے۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ زیمل نے دیکھا آج وہ ساڑھی میں ملبوس تھیں۔ اس نے انہیں پہلی بار اس لباس میں دیکھا تھا۔

"ارے واہ تائی اماں آج تو بڑی اچھی لگ رہی ہیں بلکہ میم لگ رہی ہیں۔" وہ خوش دلی سے ان کی تعریف کرنے لگی۔

"ہاں بیٹا وہ عون ہے ناں اس کی خواہش ہے کہتا ہے خزینہ آنٹی کی طرح بن سنور کر رہا کریں۔ پاگل اب اس عمر میں کیا بننا سنورنا۔" وہ سر جھٹک کر مسکرادیں۔

"ارے کیوں نہیں۔ یہی عمر تو ہوتی ہے زیادہ بننے سنورنے کی۔ جوانی میں تو بندہ ویسے ہی بنا سنوارا لگتا ہے۔ یہ جو بوڑھے ہوتے شوہر ہوتے ہیں ناں۔ اس عمر میں زیادہ بھٹک جاتے ہیں۔" وہ ہنسی تھی۔ تائی اماں نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت رسید کی۔ انہیں اللہ حافظ کہہ کر پلٹی تو ٹیبل پر پڑا ویڈنگ کارڈ نظر آگیا۔ اس نے اٹھا کر کھولا۔

"عون ابرار ود شبانہ معظم سنہرے حروف میں جگمگاتے دو نام۔ کیسے پل لگایا تھا شبانہ نے عون کو اپنے نام کرنے میں۔" محبت کو اتنا ہی فاسٹ ہونا چاہیے یہ سلوموشن محبت' ملاقاتیں' چیٹنگ' انتظار سب پرانی فلموں میں اچھا لگتا تھا آج کل نہیں اب تو وہ دور ہے پسند آیا محبت ہوئی اور فٹافٹ شادی۔ ورنہ کوئی اور اڑا لے جائے گا۔

اس نے جب شبانہ کو کال کرکے یہی بات کہی تو اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ اور وہ نادانستہ طور پر اپنی اور شبانہ کی محبت کا موازنہ کرنے لگی تھی۔ شبانہ بہت خوش تھی اور اس کی کھنکتی ہنسی اس کی جیت کی غماز تھی۔ اس نے چپ چاپ ہی محبت کی بازی

کھیل لی تھی اور جیت بھی گئی تھی۔ فاسٹ لائف کی فاسٹ محبت وہ چیزیں سمیٹتی رہی اور عون اور ظفریاب کے بارے میں سوچتی رہی۔

❀......❀......❀......❀

رزلٹ آ گیا تھا اور وہ بہت ہی اچھے مارکس لے کر پاس ہوگئی تھی۔ نرمین نے بھی اچھے مارکس لیے تھے۔ جب کہ شبانہ مر مر کر پاس ہوئی تھی اور ویسے بھی اب کون سا وہ آگے پڑھنے والی تھی۔ زیمل تو یہ سوچ رہی تھی کہ وہ تو شاید یہاں آئی ہی عون کو حاصل کرنے کے لیے تھی۔

"میں یہی کہہ رہی تھی زیمل۔ میٹرک میں نائنٹی پرسنٹ مارکس لینے کے باوجود تم اس تھکے کالج میں گئیں۔ آرام سے کسی بھی میڈیکل کالج میں ایڈمیشن ہوجانا تھا تمہارا۔ نہ بھی ہوتا تو آخر تمہارے تعلقات کس دن کام آنے تھے۔ اور اب دیکھ لو اتنے اچھے مارکس آئے ہیں میں تو کہتی ہوں ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا۔ اپلائی کردو ہوجائے گا ایڈمیشن۔" خزینہ نے اس کا رزلٹ سنتے ہی اپنا فیورٹ لیکچر دیا تھا۔ اس نے ناک چڑھائی۔

"میں نے میڈیکل میں جانا ہوتا تو پہلے ہی چلی جاتی۔ مجھے فیشن ڈیزائنر بننا ہے۔ اور پلیز بار بار مت کہا کریں مجھے۔"

وہ اٹھ کر اندر آ گئی تھی۔ آج چار دن ہوگئے تھے ظفریاب نے اس سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ غصے میں اس نے بھی کال نہیں کی تھی اور اس سے زیادہ مزاج والا وہ بن گیا تھا۔ اپنے رزلٹ کے بارے میں اس نے اسے ایس ایم ایس کردیا تھا۔ اور جواباً اس نے مبارک باد لکھ بھیجا۔ اسے اور غصہ آیا۔ اب وہ اس سے کبھی بھی بات نہیں کرے گی آیا بڑا شہزادہ کہیں کا۔ اگلے دن اسے کالج جانا تھا۔ ڈیوز جمع کروانے۔ اس نے نرمین کو کال کی وہ نیکسٹ ویک ایک ہی دفعہ کرنے کا کہہ رہی تھی۔ وہ خود ہی کالج چلی آئی۔ ڈیوز جمع کروا کے جب وہ آفس سے باہر نکلی تو اسے شبانہ مل گئی۔ اسے حیرت ہوئی۔

"کالج جوائن کررہی ہو کیا؟"

"ہاں....." اس نے برا سا منہ بنایا۔

"میں نے تو سوچا تھا شادی کرکے جان چھوٹ جائے گی لیکن وہ تمہارا خبطی کزن۔ کہہ رہا ہے مجھے اپنی اسٹڈیز کمپلیٹ کرنا پڑے گی۔" وہ چڑی ہوئی لگ رہی تھی۔

"تو شادی کو کچھ عرصے کے لیے روک دیتے۔" یونہی بے خیالی میں اس کے منہ سے نکل گیا تو شبانہ نے بڑی طنزیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"تاکہ عون میاں کا ارادہ ایک بار پھر بدل جاتا۔ اسے کوئی اور پسند آجاتی۔ محبتیں بدلنے میں تو ماہر ہے ناں تمہارا کزن۔" اس نے "کزن" پر خاصا زور دیا تھا۔ زیمل گڑبڑا گئی۔ لیکن فوراً سنبھل بھی گئی۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں اور اگر ایسی ہی بے اعتباری ہے تمہیں اس پر تو سوچ سمجھ کر انتخاب کرتیں۔ کل کو شادی کے بعد اس نے اپنی عادت دہرائی تو....." اس نے اس کا وار لوٹا دیا تھا۔

"نہیں...... خیر یونہی کھلا نہیں چھوڑوں گی۔" شبانہ نے معنی خیزی سے کہا۔

"اچھا چھوڑو آؤ کینٹین سے کچھ کھاتے ہیں۔" زیمل نے موضوع بدلا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کینٹین کی طرف آ گئی۔ سموسے اور کوک لے کر وہ پیپل کے درخت کے نیچے آ بیٹھیں۔ شبانہ کا انداز عجیب سا تھا۔ وہ نارمل ہوکر اس سے شادی کی تیاری کا پوچھتی رہی۔ عون نے اس کے لیے مہنگی ترین شاپنگ کی تھی۔ (اب جس طبقے سے شبانہ کا تعلق تھا اس کے لیے تو بڑے بڑے شاپنگ مالز میں جانا کسی خواب سے کم نہیں تھا)۔

"ارے ہاں..... زیمل....." شبانہ نے کوک کا آخری سپ لیتے ہوئے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا۔

"تمہارے پاس وہ غزل ہے۔ کمال ضبط کو میں خود بھی آزماؤں گی۔" اور بس یہیں زیمل کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔ وہ کس بات کا جشن منا رہی تھی اور کیا سمجھ رہی تھی کہ عون نے زیمل کو چھوڑ کر اس کا انتخاب کیا ہے۔ اس کا غرور توڑنا ضروری ہوگیا تھا۔

زیمل حسان نے تو کبھی کسی کی ناجائز بات نہیں سنی تھی اور جو اتنی دیر سے چپ تھی تو محض دوستی کی خاطر۔ لیکن مزید چپ رہنے کا مطلب سراسر زیادتی تھا اپنے آپ سے۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی سموسوں کی پلیٹ ٹیبل پر رکھی۔ ایک گہری نظر اس کے فاتحانہ چہرے پر ڈالی اور شروع ہوگئی۔

"شبانہ معظم..... تم کیا سمجھ رہی ہو؟ میرا خیال ہے تمہیں بہت بڑی غلط فہمی ہوگئی ہے اپنے بارے میں بھی اور شاید میرے بارے میں بھی اگر تم سمجھ رہی ہو کہ میرا کزن عون تمہاری محبت میں بلکہ عشق میں مبتلا ہوگیا ہے اور اس کے لیے اس نے مجھے چھوڑ دیا ہے تو تمہاری بہت بڑی بھول ہے۔ عون ابرار مجھ سے محبت نہیں عشق کرتا ہے اور ساری عمر کرے گا یہ

لکھوالو مجھ سے۔ (انتہائی زعم انتہائی یقین) وہ جو تمہاری طرف گیا ہے ناں تو محض اس لیے کہ اسے میں نے ریجیکٹ کیا ہے۔ میں نے منع کیا ہے اس کو شادی سے اور شاید تبھی وہ تمہاری طرف آیا ورنہ تم کتنے پانی میں ہو۔ ہر لحاظ سے تم بہت اچھی طرح جانتی ہو۔ تم غرور کے جس پہاڑ پر کھڑی ہو ناں میری ایک فون کال تمہیں اتنا نیچے گرائے گی کہ اپنا نام ونشان ڈھونڈ نہیں پاؤ گی۔ کسی زعم میں مت رہنا۔ وہ صرف میری ضد میں تمہیں اپنا رہا ہے میں آج اسے کہوں پلٹ کر نہیں دیکھے گا تمہاری طرف۔" اپنے دل کا بوجھ شبانہ کے اوپر انڈیل کر وہ یہ جا وہ جا اور شبانہ یوں بیٹھی تھی کہ کاٹو تو لہو نہیں۔

وہ تو اپنا آپ اس کے سامنے اہم بنانے چلی تھی اور زیمل حسان پل بھر میں اس کو اس کی اوقات یاد دلا گئی تھی۔ واقعی تھا کیا اس کے پاس۔ جو عون اس کی محبت میں یوں دیوانہ وار مبتلا ہو گیا تھا۔ نہ شکل وصورت نہ اسٹیٹس نہ ذہانت کچھ بھی تو نہیں وہ تو زیمل حسان کے مقابلے میں صفر تھی بالکل۔ اس کی خوش فہمی کا بت پاش پاش ہو گیا تھا زیمل بری طرح ڈسٹرب ہو چکی تھی اس کا یہ وطیرہ نہیں تھا لیکن کبھی کبھار کچھ لوگوں کو آسمان سے زمین پر لانا ہی پڑتا ہے ورنہ وہ آپ کا جینا حرام کر دیں شبانہ کا ذہنی معیار اس کے ماحول کا عکاس تھا اور اب اسے عون پر ترس آرہا تھا کہ اس نے اپنے لیے ایک غلط لڑکی کا انتخاب کر لیا تھا لیکن اس سارے میں وہ خود ہی ذمہ دار تھا اور پورے پندرہ دن بعد وہ آ گیا اسی کیفے میں جہاں وہ روز بیٹھا کرتے تھے آج زیمل کا دل بہت اداس تھا اور وہ یہاں چلی آئی تھی کافی کا آرڈر دے کر وہ اس کے پرانے ایس ایم ایس پڑھ رہی تھی جب کہ بے حد آہستگی سے وہ اس کے سامنے والی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا تھا کچھ لمحے وہ جان ہی نہ سکی۔ پھر مخصوص کولون کی خوشبو پر اس نے سر اٹھایا وہ سامنے تھا اسی طرح ہشاش بشاش ریڈ کلر کی ٹی شرٹ میں وہ بہت وجیہہ لگ رہا تھا زیمل کی آنکھوں میں پچھلے پندرہ دن کی جدائی کی اذیت تھی دکھ تھا گلہ تھا اس نے دوبارہ نظریں نہیں اٹھائیں گویا ناراضگی کا تاثر تھا وہ بھی نظروں کا کھلاڑی تھا اپنی پرفسوں آنکھیں اس کے کومل چہرے پر جمائے بیٹھا رہا جب تپش اس کے رخساروں کو گرمانے لگی تو اس نے جھنجھلا کر موبائل ٹیبل پر پٹخ دیا۔

"کیوں کرتے ہو چھچھوری حرکتیں؟" وہ غصے سے بولی۔

اس نے کچھ نہیں کہا اسی طرح بیٹھا رہا گھنی مونچھوں تلے مسکراہٹ دبائے۔

"اب کچھ پھوٹو گے بھی کہاں تھے اتنے دنوں سے۔" اس کا غصہ اس کی خاموشی سے مزید بڑھا تھا۔

"اور پلیز یہ مت کہنا آؤٹ آف سٹی بزی تھا۔" میں اچھی طرح جانتی ہوں تم اسی شہر میں تھے بس مجھ سے چھپ رہے تھے اور میرا تماشہ دیکھ رہے تھے۔" وہ بھری شیرنی لگ رہی تھی۔

"نہیں میں یہاں نہیں تھا غصہ تھوک دو اور اٹھو کسی اچھی جگہ چل کر ڈنر کرتے ہیں۔" وہ اس کے سارے گلے شکوے نظر انداز کر گیا تھا۔

"میں گھر جارہی ہوں کھانا پکا ہوگا کھالوں گی۔" اس نے ٹیبل پر سے اپنا موبائل اور پرس اٹھایا اور کھڑی ہوگئی۔

"بیٹھو کچھ دیر مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنا ہے۔" اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ زیمل نے سرعت سے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے چھڑایا۔

"مجھے کوئی بات نہیں سننی۔" وہ منہ پھلا کر بولی گویا بیٹھنا چاہ رہی تھی لیکن انا۔

بس اک جھوٹی انا کے واسطے برباد ہو جانا
خود کے زعم میں انسان کتنے دکھ اٹھاتا ہے

اس نے اپنی جادو جگاتی آنکھوں کا فائدہ اٹھایا اور ہمیشہ کی طرح زیمل سب کچھ بھلا کر بیٹھ گئی وہ مسکرا دیا۔

"میں اصل میں دیکھنا چاہ رہا تھا تم مجھے کتنا مس کرتی ہو کہیں تمہاری محبت......" اس نے بات ادھوری چھوڑ کر زیمل کو دیکھا جو شکایتی نظروں سے اسے تک رہی تھی۔

"میری محبت کو آزمانا مت ظفریاب۔ جان دے دوں گی اور لے بھی لوں گی تمہاری سمجھے۔" آخری بات کرتے کرتے وہ زور سے ہنس پڑی وہ اس سے خفا رہ ہی نہیں سکتی تھی بس غصہ آتا تھا جو کہ تھوڑی دیر میں ختم بھی ہو جاتا تھا اس شام وہ دیر تک اس کے ساتھ رہی اس نے اسے بہت اچھے ہوٹل میں ڈنر کروایا پھر اسے ایک بہت خوب صورت کرتا گفٹ کیا تب اسے بھی یاد آیا اس نے بھی ظفریاب کے لیے ڈھیروں شاپنگ کی تھی اگلے دن اسے ہاسٹل چلے جانا تھا اور وہ سوچ رہی تھی کہ وہ روز کیسے اس سے مل سکے گی اور شاید اس نے اس کی سوچ پڑھ لی۔

"ویک اینڈ پر جب تم گھر جاؤ گی تو بس ہفتہ اور اتوار۔" اس نے آرام سے کہا۔

"میں گھر مہینوں بعد جاتی ہوں۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تو کوئی بات نہیں مہینوں بعد مل لیا کریں گے۔" وہ بھی شرارت سے ہنسا۔ اگلے دن اس نے اس کے سارے سامان اس تک پہنچائے اور ہاسٹل روانہ ہوگئی سیکنڈ ایئر فرسٹ ایئر کی نسبت بہت ٹف تھا ٹیچر انہیں پہلے ہی بتا چکی تھیں فرسٹ ایئر تو زیادہ تر موج کرتے ہی گزرا تھا اصل پڑھائی تو اب شروع ہونے والی تھی۔ پرابلم والی بات زیمل کے لیے یہ تھی کہ اب اسٹچنگ اور فٹنگ بھی کرنا تھی اور وہ تو ان دونوں کاموں سے نابلد تھی اسے تو سوئی تک پکڑنا نہیں آتی تھی کجا دھاگہ ڈالنا۔ لیکن فیشن ڈیزائنر ان تمام مراحل سے گزرے بنا نہیں بنا جاسکتا تھا سو اب اسے یہ سب سیکھنا ہی تھا۔

عون کی شادی میں دو روز ہی رہ گئے تھے ہمیشہ کی طرح مما اس کی ساری شاپنگ کر چکی تھیں ویسے بھی کپڑوں اور جوتوں کے معاملے میں وہ کانشس نہیں تھی وہ مہندی کے فنکشن میں جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی مہندی کے لیے مما نے اس کے لیے شاکنگ پنک کامدار غرارہ اور سلٹی رنگ کی شرٹ اور دوپٹہ بنوایا تھا خالص مشرقی انداز کے جھمکے اور لمبی چوٹی وہ ایک دم قیامت لگ رہی تھی کمرے سے نکلنے سے پہلے اس نے اسکائپ پر ظفریاب سے بات کی اس ہفتے ملنا مشکل تھا اور بے چینی حد سے سوا۔

"مجھ غریب پر اتنا ظلم مت کرو۔" اس نے سراہتی نظروں سے زیمل کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا...... اچھا زیادہ رومیو بننے کی ضرورت نہیں میں جارہی ہوں۔" وہ ہنس کر بولی۔

"بہت حسین ہو تم زیمل۔" اس کا لہجہ گھمبیر ہوا تھا زیمل نے جلدی سے اللہ حافظ کہہ دیا۔ مجیداں بلانے آ گئی تھی وہ اپنا دوپٹہ سنبھالتی باہر چلی آئی۔ مام اور ڈیڈ اس کا ہی انتظار کر رہے تھے۔ خزینہ مام سلولیس سفید ساڑھی پہنے ہوئے تھیں کانوں اور گردن میں ڈائمنڈ کی جیولری کچھ بھی تھا خزینہ بھی پہن اوڑھ کر کم خوب صورت نہیں لگتی تھی فنکشن کمبائن تھا عون نے ہی ایک بہت بڑے ہال میں فنکشن ارینج کیا تھا اس نے اپنے اسٹینڈرڈ کا بھرپور خیال رکھا تھا ہال میں انٹر ہوتے ہی اس نے دیکھا شبانہ اور اس کی فیملی پہلے ہی موجود تھی شبانہ نے ییلو اور ریڈ کمبی نیشن کا کرتی گھاگھرا پہن رکھا تھا کافی نکھری نکھری لگ رہی تھی اس کا دل تو نہیں چاہ رہا تھا کہ اس سے بات کرے لیکن پھر شبانہ کی ذہنیت کو دیکھتے ہوئے وہ اس کے پاس آ گئی۔

"ہیلو کیسی ہو؟" وہ تمام تر تلخیاں بھلا کر خوشدلی سے بولی۔ شبانہ نے اس سے نظریں چرائی تھیں سامنے ہی لڑکیاں ڈھولک رکھے طبع آزمائی کر رہی تھیں اسی دم شبانہ کی بہنیں اور اسٹیج پر آ گئیں تو وہ ان کا تعارف کروانے لگی۔ زیمل سب سے خوش دلی سے ملی تبھی اس کی نظر عون پر پڑی۔ وہ لوگ اپنی گاڑی میں آئے تھے اور عون تایا تائی کے ساتھ اپنی گاڑی میں تھا۔ باقی مہمان کوسٹر میں تھے اتفاقاً وہ اس سے مل نہیں سکی تھی بلکہ اسے تو مہینوں ہو گئے تھے اس سے ملے اس کی شکل دیکھے۔ وہ اٹھ کر عون کی طرف آ گئی وہ سی گرین راسلک کے کرتے میں ملبوس فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ کافی ہینڈسم لگ رہا تھا وہ تھوڑی دیر اس کے فارغ ہونے کے انتظار میں کھڑی رہی جب کہ وہ اس کو نظر انداز کرتا فون پر ہی بات کرتا ہال سے باہر نکل گیا۔ وہ بجھ سی گئی گویا اس نے دوستی اور رشتہ داری سارے تعلق اس ایک تعلق کی خاطر ختم کر دیئے تھے وہ مایوسی سے پلٹ آئی شبانہ کی بہنیں اور شاید کزنز ڈھولک پیٹ پیٹ کر گا رہی تھیں وہ آرام سے ایک طرف ٹک گئی۔

"بھائی کیا دیکھا آپ نے نہ شکل نہ خاندان میں تو سمجھی تھی عون جانے کس پر مرمٹا ہے دیکھیں ناں ان کا تو رہن سہن ہی بہت مختلف ہے ایک ایک انداز سے لگتا ہے کہ لوئر طبقہ سے بی لونگ کرتے ہیں۔" یہ خزینہ مام تھیں جو تائی جان سے کہہ رہی تھیں۔ تائی اماں نے ایک نظر سامنے بیٹھی شبانہ پر ڈالی اور آہ بھر کر بولیں۔

"ہاں خزینہ سچ کہتی ہو لیکن میرے لیے عون کی زندگی اہم ہے وہ بہت ٹوٹ گیا ہے جانتی ہو۔ زیمل نے جو کچھ اس کے ساتھ کیا اس کے بعد ہی اس نے فیصلہ کیا اچھا ہوا جلد سنبھل گیا۔ ورنہ جانے کیا کر جاتا۔ ویسے بھی جہاں مقدر تھے ہو گیا۔ رہی بات شبانہ کی تو جب ہمارے ساتھ رہے گی تو خود ہی ہمارے جیسی ہو جائے گی آئیے رسم کرتے ہیں۔" وہ خزینہ کو اپنے ساتھ لے گئیں اور زیمل سناٹے میں رہ گئی تھی۔

"سب کچھ اس کے سر پر پڑ رہا تھا۔ عون اس کا ایک راز نہیں رکھ سکا تھا۔ اس کی دوستی اور محبت کے سب دعوے کتنے بودے تھے۔ سب کی نظروں میں اسے گرا کر وہ اپنی انا کی تسکین کر رہا تھا اپنی مردانگی کی تسکین۔ تب ہی تو وہ اس سے بات

کررہا تھا اور نہ ہی نظر ملا رہا تھا۔ رسم کے بعد مایوں کا ہلا گلا ہوتا رہا۔ وہ خاموشی سے ایک طرف بیٹھی رہی۔ حقیقتاً وہ بھی اب غصے میں تھی۔ عون شبانہ کے ساتھ بیٹھا بہت خوش دکھائی دینے کی کوشش کررہا تھا۔ شبانہ کی بہنوں کے ساتھ بہت ہنسی مذاق چل رہا تھا۔ مام اور تائی اماں اپنے مہمانوں کے ساتھ مصروف تھیں۔ وہ ایک بار بھی اٹھ کر شبانہ کے پاس نہیں گئی اب وہ جلد از جلد یہاں سے جانا چاہتی تھی۔ ڈھنگ سے کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ اس نے دیکھا عون شبانہ کو زبردستی کھلا رہا تھا پتہ نہیں کیا ہوا اس نے عون کو میسج کردیا۔

"پانچ منٹ میری بات سن لو آ کر۔" عون نے میسج پڑھ کر اس پر بڑی کاٹ دار نظر ڈالی اور پھر سے شبانہ کے ساتھ مصروف ہوگیا۔

اسے ایک بار پھر گہری شرمندگی نے آ گھیرا تھا۔ اور اس کے بعد اس نے وہی رویہ اپنایا جو عون نے اپنا رکھا تھا۔ بارات ولیمہ اس نے ایسے ہی اٹینڈ کیا جیسے کسی دوسری رشتہ دار لڑکی نے۔ شبانہ رخصت ہوکر عون کے گھر اور زندگی میں آ گئی۔ اور عون پر بشمول اس کے سب کے حقوق پر شبانہ نے مہر لگادی۔ وہ ہاسٹل سے واپس آئی تو نزمین آ چکی تھی۔

"کیسی رہی شبانہ اور تمہارے کزن کی شادی؟" وہ الماری کھولے کھڑی تھی جب نزمین نے پوچھا۔

"ہاں شادی....." وہ پلٹی۔ "ویسی ہی جیسی سب شادیاں ہوتی ہیں۔" شبانہ حد سے زیادہ مغرور لگ رہی تھی اور عون ضرورت سے زیادہ روڈ۔ چلو خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔" اس نے ہنس کر سر جھٹکا۔

"اور تمہارا کینیڈا کا ٹور؟" اب وہ بیڈ شیٹ چینج کررہی تھی۔

"وہ..... وہ بھی ٹھس ہوگیا۔ اچھا یہ لو میں نے خزینہ مام سے منگوائے تھے۔" اس نے تین چار بیگز اور دو جوڑی سینڈلز اس کی طرف بڑھائے۔

"اوہ ریئلی تھینک یو۔" اس نے فوراً تھام لیے۔ بیگز اور سینڈلز بہت خوب صورت تھے اور پھر وہ اور شبانہ تو اس کی انہی چیزوں سے متاثر تھیں۔ وہ دوبارہ سے الماری کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"میرا نکاح ہوگیا زیمل۔" نزمین نے اتنے آرام سے بتایا وہ تو اچھل ہی پڑی۔

"کیا..... کیا کہہ رہی ہو؟" وہ بھاگتی ہوئی اس کے بیڈ تک آئی۔ "سچ یار اتنی بڑی خوشی کی خبر اور تم اب دے رہی ہو۔" وہ سچ میں بہت خوش ہورہی تھی۔

"ہوگیا پچھلے جمعے اسی لیے تو میں آئی نہیں تھی۔" اس نے اب بھی اسی سکون سے بتایا۔

"یار..... تم تو یوں پوز کررہی ہو جیسے کوئی کپڑا کوئی سینڈل خریدی ہو۔ ارے تمہارا نکاح ہوگیا اور وہ بھی اس بندے کے ساتھ جس کے لیے دن رات آہیں بھر بھر کے اس ڈربے کو تم نے سرد خانہ بنا رکھا تھا۔ اور تم ذرا بھی ایکسائیٹڈ نہیں ہو۔"

"یار کیسی ایکسائٹمنٹ۔ اس قدر منتوں کے بعد وہ اس نکاح پر راضی ہوا تھا۔ ماموں نے اس قدر منایا اس شہری بابو کو دھمکی دے ڈالی۔ تب کہیں جا کر قابو آیا لیکن بہرحال یہ بیل منڈھے چڑھ ہی گئی۔" آسودگی اور اطمینان اس کے چہرے کو جگمگا رہا تھا۔

"خوش رہو ہمیشہ....." زیمل نے جھک کر اس کے چہرے پر پیار کیا اور اپنے بیڈ پر آ گئی۔ سوچنے کے لیے بہت کچھ تھا اور بے حد لمبی رات بھی۔ سو وہ آنکھیں موندے خیالوں کی وادی میں اترتی چلی گئی۔

وہ میوزک کی کلاس لے کر نکل رہی تھی رخ گراؤنڈ کی طرف تھا۔ آج وہ ہر حال میں اپنی ادھوری پینٹنگ مکمل کرنا چاہتی تھی۔ اگلے ہفتے کلچرل رنگ کے زیر اہتمام آرٹس کونسل میں ہونے والے ایگزیبیشن میں اسے اپنی پینٹنگز بھیجنا تھیں اس کے ساتھ تھرڈ ایئر کی سرینہ بھی تھی جو ہینڈ میڈ چیزوں کا اسٹال لگا رہی تھی اسی نے اسے اکسایا تھا وہ اپنے کلرز اور بورڈ اٹھائے نسبتاً ویران گوشے میں آ گئی ایک خیالی لینڈ اسکیپ تھا جس پر وہ کئی دنوں سے کام کررہی تھی بیک گراؤنڈ کمپلیٹ تھا لیکن جس اینگل سے وہ لڑکی کو پینٹ کرنا چاہ رہی تھی وہ نہیں ہو پا رہی تھی۔

"ارے تم یہاں ہو میں سارا کالج چھان آئی۔" دور سے آتی نزمین نے ہاتھ ہلایا' وہ بھی ہاتھ ہلا کر دوبارہ مصروف ہوگئی اسی دم بیگ میں رکھے موبائل نے وائبریٹ کیا تھا اس نے نکال کر دیکھا ظفریاب کالنگ آرہا تھا اس نے کاٹ دیا وہ کالج میں اس کا فون اٹینڈ نہیں کرتی تھی اور یہ بات اس نے ظفریاب کو سمجھائی تھی اور اس نے شروع کے ایک دو بار کے علاوہ دوبارہ ایسا بھی نہ کیا تھا آج ایسا کیا ہوگیا تھا جو وہ بار بار کال کررہا تھا۔

"ظفر میں کال اٹینڈ نہیں کرسکتی۔" اس نے میسج کر کے

فون ہی بند کردیا۔ زرمین تب تک پاس پہنچ چکی تھی اور اسے فون پر الجھتا دیکھ رہی تھی اس کے ساتھ ماہ نور بھی تھی وہ ان کی ہاسٹل میٹ تھی اور ان کے سامنے والے کمرے میں رہتی تھی۔

"خیریت کس پر غصہ نکال رہی ہو؟" بلآخر زرمین نے پوچھ ہی لیا۔

"کچھ نہیں وہ ظفر......" وہ بولتے بولتے رک گئی شاید ماہ نور کی موجودگی کا خیال آ گیا ماہ نور دوسری جانب سے آ کر اس کی پینٹنگ دیکھنے لگی۔

"واؤ زیمل کتنے میں سیل کرو گی اسے؟" وہ سراہتی نظروں سے دیکھتی پوچھنے لگی۔

"پچیس سے تیس ہزار میں۔"

"کیا......؟" زرمین اور ماہ نور کے منہ سے بیک وقت نکلا۔

"کم ہے؟" وہ بے نیازی سے پوچھنے لگی۔

"کم نہیں بہت کم لاکھ دو لاکھ تو لگاؤ غضب خدا کا تم کیا صادقین بن گئی ہو یا گل جی؟" زرمین نے کہا تو وہ ہنس دی۔

"نہیں پیلو پکاسو۔ اچھا سناؤ کیا حال ہے تمہارے منگیتر کا۔ اور شبانہ کب واپس آرہی ہے؟" اس نے سامان سمیٹنا شروع کردیا اب تسلسل نہیں بنتا تھا۔

"بات ہوئی تھی شبانہ ہاسٹل چھوڑ رہی ہے سنڈے کو آئے گی اپنا سامان لینے بھئی اب اسے یہاں رہنے کی ضرورت نہیں ہے یہ لمبی گاڑی اور باوردی شوفر۔"

"شوفر یا شوہر؟" ماہ نور بات کاٹ کر ہنسی۔

"ایک ہی بات ہے۔" دونوں نے اس کا ساتھ دیا تھا۔

ہاسٹل آ کر اس کا ارادہ سونے کا تھا لیکن پھر ظفریاب کی کال یاد آ گئی تو اس نے اس کا نمبر ملایا۔

"ہیلو......" کافی دیر بعد اس نے کال ریسو کی موڈ آف تھا۔

"یار وہ میں...... بتایا تو تھا کالج میں فون اٹینڈ نہیں کرسکتی۔" اس نے صفائی پیش کی۔

"فون کیوں کیا ہے یہ بتاؤ؟" وہ رکھائی سے بولا۔

"ہیں...... ہیں...... ہیں۔" وہ چلائی۔

"میں نے کال بیک کی ہے۔ مسٹر آپ کا ہی فون آیا تھا غالباً؟" اس نے یاد دلایا۔

"نہیں آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" اس نے ٹھک سے فون بند کردیا۔ وہ تلملا اٹھی۔

"اس کا دماغ زیادہ ہی خراب ہونے لگا ہے خود ہی کرے گا کال ہونہہ۔" اس نے موبائل پرے پھینکا اور لمبی تان کر سوگئی۔

اگلے دو دن نہ تو ظفریاب کا فون آیا اور نہ ہی ضد میں آ کر اس نے کیا۔ پھر وہ اپنی ایگزیبیشن میں مصروف ہوگئی اس کی شرکت کا انتظام عیمہ مام نے کیا تھا وہ خود اس ایگزیبیشن کی کرتا دھرتا تھیں عیمہ مام بھی جانے کیا کیا کرتی تھیں اس نے کبھی غور کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی بس انہوں نے کالج کے ذریعے زیمل کی شرکت ممکن بنادی تھی اور اس کو خبر تک نہ ہونے دی تھی وہ ابھی تک یہی سمجھ رہی تھی کہ اس کا سلیکشن میڈم عظمیٰ نے اس کی قابلیت کو دیکھ کر کیا ہے وہ ظفریاب سے رابطہ کرنا چاہتی تھی لیکن اس کی خاموشی نے زیمل کو بھی طیش دلایا تھا۔

ایگزیبیشن دیکھنے خرینہ بھی آئی تھیں لیکن تھوڑی دیر کے لیے۔ انہیں اس سب سے ذرا بھر دلچسپی نہیں تھی وہ تو بس اگلے دن کے نیوز پیپر میں اپنی تصویر چھپوانا چاہتی تھی سو وہ کام ہوگیا تھا اس کے اسٹال پر رک کر انہوں نے بیسٹ وشز دی تھیں عفرا کاشی اور زونیرہ نے مل کر ایک ہی اسٹال لگایا تھا اور وہاں گھریلو دستکاری کی چیزیں رکھی تھیں یہ ساری چیزیں انہوں نے ماؤں کے پرانے سامان سے نکالی تھیں کچھ نانی دادی کے پرانے صندوق سے۔ چنگیریں مٹی کے نقش و نگار والے ڈیکوریشن پیسز ہینڈ میڈ اور بہت کچھ ساتھ والے اسٹال پر امیٹیشن جیولری مہنگے داموں فروخت ہو رہی تھی اس کا اندازہ زیمل کو اس نیکلس کو دیکھ کر ہوا جو اس نے پچھلے ماہ صرف پانچ سو روپے میں خریدا تھا اور یہاں وہ پانچ ہزار میں بل رہا تھا۔

ہائی جینٹری بھی جچتی تھی ہزاروں لاکھوں سے ہی تو اسٹینڈرڈ اور اسٹیٹس شو ہوتا تھا وہ عفرا سے کچھ بات کررہی تھی جب اس کی نظر انٹرنس پر پڑی۔ بلو اور گرین چیک دار ہاف سلیو شرٹ اور جینز میں وہ بلاشبہ ظفریاب ہی تھا وہ کئی ثانیے کھڑی رہ گئی اتنے دنوں کی ناراضگی نے کیسی تشنگی پیدا کردی تھی ان کے رشتے میں۔ اور اسے اب احساس ہوا تھا جیسے گزرنے والے دن تو زندگی تھے ہی نہیں اور اتنے دنوں بعد اسے یوں سامنے دیکھ کر دھڑکنیں کچھ دیر کو تھم سی گئی تھیں اور پھر جیسے عفرا کی آواز نے چونکایا۔

"یہ تمہاری پینٹنگ کے بارے میں پوچھ رہے ہیں؟" اس نے پاس کھڑے ایک صاحب کی طرف اشارہ کیا اس نے دیکھا اور پھر عفرا کے ذمہ ڈالتی وہ بھاگ کر اس کی طرف آ گئی

جہاں وہ اسے ابھی دکھا تھا ہجوم تھا وہ کہیں آگے بڑھ گیا تھا یا نہیں وہ بھی اسے ہی ڈھونڈ رہا ہوگا یقیناً وہ اس کے لیے ہی آیا تھا اسے سرپرائز دینے۔ وہ جلدی سے واپس مڑی تاکہ خود جاکر اس کے سامنے کھڑی ہوجائے اتنے دنوں کی خودساختہ ناراضگی ختم کردے وہ ہجوم کو پرے ہٹاتی آگے بڑھتی چلی گئی سارے اسٹالز دیکھ لیے پیچھے تک ہوآئی لیکن وہ تو جیسے غائب ہی ہوگیا تھا وہ واپس اپنے اسٹال پرآئی تاکہ بیگ میں سے اپنا موبائل لے کراسے کال کرسکے وہ صاحب جو پینٹنگ خریدنا چاہ رہے تھے ابھی تک وہیں کھڑے تھے۔

''وسٹنگ فار یو۔'' عفرا نے سرگوشی کی اس نے توجہ نہیں کی جب کہ وہ صاحب اس کی تعریف میں رطب اللسان ہوچکے تھے۔

''محترم آپ شاید میری پینٹنگ۔'' اس نے توجہ دلانا چاہی۔

''آپ کے خوب صورت ہاتھوں سے بنی ہے خوب صورت ہی ہوگی۔'' ان صاحب نے چھچھورپن کی انتہا کردی اس کا پارہ آسمان پرچڑھ گیا۔

''اصل میں......'' وہ تھوڑا سا آگے جھکی۔

''اس وقت میرا جی چاہ رہا ہے کہ میں یہی پینٹنگ آپ کے سر پر مار کر آپ کا سر توڑ دوں مگر وہ کیا ہے کہ مجھے ابھی کسی کو ڈھونڈنے جانا ہے لیکن بے فکر رہیے میں ابھی سیکورٹی کو بھجواتی ہوں آپ کا ٹھرک پن وہی پورا کریں گے۔'' وہ دانت پیستی موبائل پرظفریاب کا نمبر ملاتی وہاں سے ہٹ گئی ان صاحب نے کھسیا کر عفرا کو دیکھا جس کو ہنسی کنٹرول کرنا مشکل ہورہا تھا۔

''کچھ بھی ہے آپ کی دوست واقعی میں قیامت ہیں۔'' اس نے جاتے جاتے بھی دل کے ارمان نکال ہی لیے تھے اور عفرا اور زونیرہ کا ہنس ہنس کر برا حال ہوگیا تھا۔ اس کا تو دماغ ہی الٹ گیا تھا جب ظفریاب نے اس کے فون کے جواب میں کہا تھا وہ اس وقت دوبئی میں ہے کسی کام کی وجہ سے۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا تھا اور بصارت پر شبہ ہوا تھا وہ ظفریاب کے معاملے میں دھوکہ نہیں کھاسکتی تھی وہ لاکھوں ہزاروں کے ہجوم میں بھی سب سے نمایاں ہوتا تھا اور وہ اسے پہچان سکتی تھی۔

''ظفریاب میں نے تمہیں ابھی یہاں ایگزیبیشن میں دیکھا ہے میری نظریں دھوکہ نہیں کھاسکتیں۔ تم ظفریاب تم مجھے بیتار ہے ہو اور میں جانتی ہوں تم ابھی تک اس روز والی بات پر خفا ہو بھی تم مجھ سے کانٹیکٹ بھی نہیں کررہے اتنی بڑی بات تو نہیں ہے پھر کیوں تم مجھ سے اس طرح بی ہیو کرکے دکھی کررہے ہو۔ تم جانتے ہوناں تم میرے لیے کتنے اہم ہو۔ پلیز ظفریاب یوں چیٹ مت کرو مجھے۔'' جانے کیا ہوا اس کی آواز بھرآ گئی وہ اس کے سامنے کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی لیکن اس کی محبت تڑپ اٹھی تھی کیا تھی اس کی غلطی جو وہ یوں بے اعتنائی برت رہا تھا۔

''دیکھو زیمل حسان......'' وہ بولا تو اس قدر بے گانگی لیے کہ اس کا دل بری طرح دھڑک اٹھا۔

''میں تمہارے لیے کیا ہوں یہ تمہارا مسئلہ ہے مجھے کوئی ضرورت نہیں تمہیں چیٹ کرنے کی۔ کیوں کہ تم میرے لیے اتنی اہم ہو ہی نہیں۔ میں جہاں ہوں وہاں لوگوں کا آنا جانا میرے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا میری زندگی کی اپنی ترجیحات ہیں اور ویسے بھی لڑکی' جوتے اور کلون میں تین ماہ بعد بدل لیا کرتا ہوں۔ سو مجبوری ہے بائے۔'' ظفریاب کی باتیں نہیں بلکہ پگھلا ہوا سیسہ تھا اسے لگا اس کی سماعتیں اور بصارتیں حتیٰ کہ اس کا پورا وجود مفلوج ہوگیا تھا ظفریاب نے اسے جیسے کسی گہری کھائی میں دھکا دے دیا تھا او نچائی سے نیچے گرنے کا شور اس قدر تھا کہ وہ کچھ بھی سمجھ نہ پارہی تھی ہرسو اندھیرا تھا اور شور میں لڑکی' جوتے اور کلون تین ماہ بعد بدل لیا کرتا ہوں تین ماہ بعد......اس نے آنکھیں میچے میچے دن گن لیے تھے تین ماہ پورے ہوچکے تھے اور ظفریاب اسے بدل چکا تھا۔

آئینہ تھا کہ میرا پیکر تھا
تیری باتوں سے ابھی بکھرا ہے
آنکھ کس لفظ پر بھرآئی ہے
کون سی بات سے دل ٹوٹا ہے

اسے کتنے دن ہوگئے تھے دنیا و مافیہا سے بے خبر پڑے۔ کھڑکی کے اس پار کتنے دن اور کتنی راتیں بیت گئی تھیں اسے کچھ پتہ نہ تھا اسے تو اپنا سارا وجود ٹکڑوں میں بٹا محسوس ہوتا تھا نارسائی کا جو پتھر اس کے پندار کو لگا تھا وہ اسے اندر تک چکنا چور کرگیا تھا وہ جب بھی آنکھ کھولتی اس کی سماعتوں میں اس ہرجائی کا جملہ گونجنے لگتا۔ لڑکی' جوتے اور کلون......اس نے زیمل حسان کو جوتے برابر جانا تھا وہ جو کسی کو خاطر میں نہ لاتی تھی کتنے لوگ اس کی دوستی کی خواہش میں مرے چلے جاتے تھے وہ زیمل حسان یوں بے وقعت ہوئی تھی کہ اپنے آپ

سے نظریں ملانا مشکل ہوگیا تھا پچھلے تین ماہ کے تین سواڑسٹھ گھنٹے وہ اس سے ملی تھی اور جان نہ پائی تھی کہ وہ اس سے فلرٹ کررہا تھا کھیل رہا تھا دل لگی کررہا تھا اس کے جذبات کے ساتھ کسی ایک پل بھی اسے اس شخص کی نیت پر شبہ نہ ہوا تھا اس کی باتوں میں کوئی ایسا پہلو تھا ہی نہیں کہ اسے محسوس ہوتا وہ رونے لگتی، روئے چلی جاتی۔

اس کا رونا چیخوں میں تبدیل ہوجاتا۔ کمرے کی ہر چیز بے ترتیب ہوجاتی اور تب اسے ٹرینکولائنزر دے دی جاتیں محبت میں دھوکہ اتنا اہم نہیں تھا اس دھوکے کے نتیجے میں جو توڑ پھوڑ اس کے اندر مچ گئی تھی اس نے اسے کہیں کا نہیں رکھا تھا وہ زیمل حسان...... دھوکہ کھا گئی ایک راہ چلتے آدمی سے۔ ارے پاگل محبت کی بھی تو کس سے نہ آتا نہ پتا۔ کہاں ڈھونڈو گی اسے۔ کیسے پکڑو گی گریبان اس کا اور کس سے پوچھو گی اپنی خطا۔ اس کا رونا اس کا دکھ کسی طور کم ہونے میں نہیں آرہا تھا حسان صاحب بے بس تھے اس کے لیے کچھ نہیں کرسکتے تھے لیکن وہ اپنی اکلوتی بیٹی کو یوں لمحہ لمحہ جیتے مرتے بھی نہیں دیکھ سکتے تھے انہوں نے نرمین اور شبانہ سے اس شخص کے بارے میں معلومات لینا چاہی تھیں مگر دونوں نے ہی لاعلمی کا اظہار کردیا تھا۔ اس نے کبھی اپنے دل کی بات ہم سے شیئر نہیں کی تھی دونوں کا ایک ہی بیان تھا انہوں نے اس کا موبائل چیک کیا تھا اس کا کمرہ چھان مارا تھا لیکن انہیں کچھ ہاتھ نہیں لگا تھا زیمل کے پاس اس کے موبائل نمبر کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا اور وہ نمبر بند تھا۔ سم کمپنی سے اپنے تعلقات کے ذریعے انہوں نے اس کا ایڈریس تو نکلوالیا تھا لیکن وہاں اب کوئی بھی نہیں تھا یا پھر وہ ایڈریس بھی غلط تھا وہ اپنی بیٹی کو زندگی کی طرف لانے کی ہر ممکن کوشش کررہے تھے لیکن ہر گزرتا دن ان کی کوشش کو بے کار کرتا چلا جارہا تھا۔

کچی عمر کی بانکی چاہت
روگ لگائے من کو ایسا
آنکھوں میں رہ جاتی ہے
سندو بجن خوابوں کی دھول
لاکھ منتیں مانو تم
لوٹ کر نہیں آتے
گزرے موسم
بچھڑے ساجن

اس نے ظفریاب سے ٹوٹ کر محبت کی تھی اور اب اسی طرح بکھری تھی وہ سنبھلنا چاہتی ہی نہیں تھی وہ اب بھی ایک مدھم سی امید دل میں جگائے بیٹھی تھی شاید اس کا فون آجائے اور وہ ہنس کر کہے۔

"یار میں تو مذاق کررہا تھا ایسا ہوسکتا ہے بھلا؟" اور وہ سب کچھ بھلا کر اس کا ہاتھ تھام لے اور کہیں دور چلی جائے لیکن یہ امید اب دیئے کی ٹمٹماتی لو میں بدلتی جارہی تھی وہ بار بار فون چیک کرتی ان باکس کھولتی اور اس کے گزشتہ تمام ایس ایم ایس پڑھ ڈالتی کہیں کوئی ایسی چیز ایسی بات نظر پڑ جائے جو اس کی بے وفائی کی تصدیق کرتی ہو لیکن اس کا تو ایک ایک حرف محبت میں گندھا ہوا ہوتا تھا وہ اپنی فریز کرتی نگاہوں کو جب اس کے چہرے پر جما کر ہولے ہولے باتیں کرتا تو زیمل حسان کی محبت کو جیسے پنکھ لگ جاتے اور وہ عشق کے جہاں کی سیر کو نکل پڑتی جہاں وفا کے پھوٹتے چشمے ہر چیز کو سیراب کررہے ہوتے اور زندگی پور پور عشق کے سمندر میں غوطہ زن ہوتی ہر طرف چاہتوں کے کھلتے پھول وہ دامن میں بھرتی جاتی اور ظفریاب...... اسے یاد آتا۔ ظفریاب اس وزن میں اسے دکھائی نہ پڑتا تھا ہمیشہ جب وہ محبت بھرا ہاتھ اس کی طرف بڑھا رہی ہوتی وہ اس ٹیبل پر چمچہ بجا کر اسے حقیقی دنیا میں واپس لے آیا کرتا۔

"تم نے میرا طلسم توڑ دیا۔" وہ شکوہ کرتی۔

"جب طلسم گر سامنے ہے تو طلسم کدہ میں جانے کی کیا ضرورت؟" اس کے لہجے کی ملائمت میں عشق ہی عشق ہوتا۔ وہ سوچتی ایسا کیا ہوگیا تھا جو وہ یوں بدل گیا تھا۔ اس روز شبانہ آگئی وہ اوندھے منہ پڑی تھی کمرے میں نیم تاریکی تھی۔

"ارے زیمل تم ابھی تک سوگ منا رہی ہو۔" اس نے لائٹس آن کیں وہ اسی طرح پڑی رہی اس کا دل ہی نہیں کرتا تھا کسی سے ملے بات کرے۔

"ارے زیمل......" اس نے پاس آکر کندھا ہلایا تو اس نے دیکھا وہ تیز بھڑکیلے شاکنگ پنک کلر کے ڈیزائنر جوڑے میں ملبوس تھی دونوں کلائیوں میں بھر بھر چوڑیاں کانوں میں میچنگ آویزے دوپٹہ ایک طرف کندھے پر جھول رہا تھا عجیب مضحکہ خیز سا حلیہ تھا اسے ہنسی آگئی لیکن ساتھ ہی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں وہ اس کے پاس آکر بیٹھ گئی۔

"تم ابھی تک سنبھلی نہیں یار آج کل کے دور میں کون اس

طرح کی لیلیٰ مجنوں والی محبت کرتا ہے تم نے تو کمال ہی کر دیا یوں پڑی ہو جیسے دنیا بس اسی پر ختم ہوگئی ہو۔‘‘

’’ہاں۔‘‘ اس نے آہ بھری۔ زیمل اٹھ بیٹھی اور لب بھینچے اس کی بکواس سن رہی تھی شبانہ نے سلسلہ کلام جاری رکھا۔

’’بس ایسا ہی ہوتا ہے محبت میں، تم بھی اب کیا کرو لیکن وہ کیا ہے ناں مکافات عمل۔ تم نے عون کی محبت کو لات ماری اور ظفریاب نے تمہاری محبت کو...... ہا ہائے بے چاری...... محبت۔‘‘ اس نے چہرے پر افسردگی طاری کرتے ہوئے زیمل کے اوپر طنز کے تیر چلا دیئے وہ اس قدر گھٹیا تھی تو نہیں پھر کیوں عون سے شادی کرتے ہی اس کی ٹون ہی بدل گئی تھی اسے ہر بندہ لوز کیریکٹر نظر آتا تھا اور ہر لڑکی دوسروں کا حق چھین لینے والی۔

’’کہہ لیا اب جاؤ۔‘‘ اس نے منہ پھیرا۔

’’ہاں...... ہاں جارہی تھی...... میں تو تمہیں یہ بتانے آئی تھی کہ میں اور عون اگلے مہینے ورلڈ ٹور پر جارہے ہیں میں تو تمہاری احسان مند ہوں سچ اگر تم عون کو نہ چھوڑتیں تو عون مجھے کبھی نہ ملتا اینی وے چلوں گی۔‘‘ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر ایک دم جیسے کچھ یاد آیا۔

’’اور ہاں وہ اپنی نرمین ہے ناں آج کل فیس بک پر کسی سے دوستی بڑھا رہی ہے اور عین ممکن ہے وہ اپنے اس نام نہاد ہزبینڈ کو بائے بائے کردے۔ پوچھ کر دیکھنا تمہیں بتادے گی بڑی کلوز فرینڈ شپ ہے ناں تمہاری۔‘‘ آخری جملہ اس نے طنزیہ کہا تھا اسے نرمین یا شبانہ دونوں کے افیئر ز سے کوئی دلچسپی نہیں تھی بلکہ گزرے دنوں میں اس نے خود کو کمپوز کرنے کی کوشش شروع کردی تھی سب سچ کہتے تھے ایک بے وفا کی خاطر یہ جنون کب تک سوار رکھتی جو اسے بھلا چکا تھا اسے بھی بھول جانا چاہئے تھا بلکہ دل سے کھرچ دینا چاہئے تھا اور شبانہ کی باتوں نے تو جیسے اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا وہ اٹھی اور کمرے میں لگے دیوار گیر آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی وہ خود سے پہچانی ہی نہ گئی تھی وہ تو سچ مچ اس شخص کے جوگ میں پڑ گئی تھی۔ چہرہ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے اس نے اپنے ہاتھ دیکھے اپنے کپڑوں پر نظر ڈالی۔

’’ماما......‘‘ ایک دم سے اس کے منہ سے نکلا تھا آج اسے عمیمہ مام کی یاد آئی تھی اگر وہ اس کے پاس ہوتیں تو دکھ کی اس گھڑی میں اسے تنہا نہ چھوڑتیں اس کی غمگساری کرتیں اسے پیار سے بہلاتیں لیکن یوں کمرہ نشین نہ ہونے دیتیں۔ خزینہ تو اس کے کمرے تک آئی ہی نہیں تھی۔ ڈیڈ البتہ جب بھی لوٹتے اس کے پاس بیٹھے رہتے اس کو سنبھلنے کی تلقین کرتے رہتے لیکن ماں اور باپ میں فرق تو ہوتا ہے ناں ماں بیٹی کی تکلیف کو خود بخود سمجھتی ہے اس پر اپنے پیار کا سایہ رکھتی ہے جب کہ باپ کو بتانا پڑتا ہے اور بہت کچھ باپ سے شیئر بھی نہیں کیا جاسکتا۔

اس کا دل چاہا ماں سے بات کرے لیکن اس سے پہلے اسے اپنا حلیہ ٹھیک کرنا تھا کچھ سوچ کر وہ باہر لان میں آ گئی اتنے دنوں بعد کمرے سے باہر نکلی تھی سب کچھ عجیب سا لگا۔ وہ تھوڑی دیر کھڑی رہی پھر دونوں پاؤں پھیلا کر کھڑی ہوگئی درمیان میں قریب ڈیڑھ فٹ کا فاصلہ تھا کندھے پیچھے رکھتے ہوئے ٹھوڑی اوپر اٹھا کر آسمان پر نظریں جما کر ایک گہرا سانس لیا پھر سانس کو روک کر پھر دوبارہ ایسا کیا اور بولی۔

’’اے اللہ مجھے طاقت عطا کر بے شک تو مجھے طاقت عطا کرتا ہے اور میں طاقتور ہوں۔‘‘ کہہ کر وہ کچھ ثانیے یونہی کھڑی رہی اور پھر ایک گہرا سانس لے کر خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ اسے اپنا آپ ہلکا پھلکا محسوس ہوا تھا یہ ایک خاص ڈرل تھی جو اسی مقصد کے لیے تھی اور یہ اسے ظفریاب نے ہی بتائی تھی وہ جب بھی ڈپریس ہوتا تھا اسی طرح کرتا تھا جب زیمل نے اسے بتایا تھا کہ وہ ڈپریشن میں سارا کمرہ پھیلا کر سوتی رہتی ہے تو اس نے یہ ڈرل اسے کرکے دکھائی تھی اور کہا تھا کہ آئندہ سونے کی بجائے وہ یہ کرکے دیکھ لے۔ بہت اچھا محسوس ہوگا اور اس کی بات سچ تھی کچھ دیر پہلے کے تمام منفی خیالات اس کے ذہن میں مدہم ہونے لگے تھے وہ زندگی کو جینے کے بارے میں سوچنے لگی تھی۔

❁......❁......❁......❁

عمیمہ اسے یوں اپنے سامنے دیکھ کر خوشی سے گنگ ہی تو ہوگئی تھی۔

’’تم مجھ سے ملنے آئی ہو ڈارلنگ۔‘‘ انہوں نے اس کے گال کو ہولے سے چھوا کمرے میں نیل انیمل کی تازہ تازہ خوشبو رچی تھی اور مام اپنے تراشیدہ خوب صورت ناخنوں پر ہولے ہولے پھونکیں مار رہی تھیں اسے بیٹھنے کا کہہ کر انٹر کام پر ملازمہ کو ہدایت دینے لگیں اس نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے ارد گرد کا جائزہ لیا وہ ایک پرتعیش ٹی وی لاؤنج تھا جس کی ایک ایک چیز امارت کا منہ بولتا ثبوت تھی مام ڈیڈ سے الگ تھیں انہیں اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا وہ شاید الگ رہ کر زیادہ اچھی

زندگی گزار رہی تھیں۔
"شہریار نے تمہیں بھیج کیسے دیا؟" ان کے بولنے سے اس کے خیالات کا تسلسل ٹوٹا۔
"میں نے ان سے کہا میں چند دن آپ کے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں انہوں نے بھیج دیا۔" وہ ہولے سے بولی ملازمہ جوس اور لوازمات لے آئی اور اب سرو کررہی تھی اس نے صرف جوس لیا۔
"گڈ اچھا کیا۔" پھر ملازمہ کی طرف متوجہ ہوئیں۔
"میرے ساتھ والا بیڈ روم صاف کرواکے سیٹ کروادو بی بی کے لیے کسی چیز کی کمی نہیں ہونی چاہئے۔"
"جی بہتر۔" وہ سر ہلاتی چلی گئی پھر وہ اس سے ہلکی پھلکی باتیں کرتی رہیں انہوں نے اپنی آج کی تمام مصروفیات ترک کردی تھیں لنچ پر بہت اہتمام تھا انہوں نے سب کچھ اس کی پسند کا بنوایا تھا وہ تو کبھی مما سے ملی بھی نہیں تھی پھر وہ کیسے اس کی پسند ناپسند جان گئی تھیں بہت چھوٹی تھی وہ جب مام اور ڈیڈ میں علیحدگی ہوئی تھی کیوں ہوئی نہ اس نے جاننے کی کوشش کی نہ کسی نے بتانے کی۔
وہ گورنس کے زیر سایہ پلی تھی خزینہ نے بھی کبھی سوتیلی ماؤں والا سلوک روا نہ رکھا تھا لیکن ماں تو پھر اپنی ہوتی ہے ناں اور اس رات وہ دیر تک عیمہ کی گود میں سر رکھے ان کی باتیں سنتی رہی تھی جس میں ایک یہ بات بھی بتائی تھی انہوں نے کہ ان کی علیحدگی خزینہ کی وجہ سے ہوئی تھی انہوں نے مام کے ہوتے ہوئے اس سیکرٹری خزینہ سے شادی کرلی تھی اور مام یہ سب کسی قیمت پر برداشت نہیں کرسکتی تھیں انہوں نے چپ چاپ علیحدہ ہوجانے کا فیصلہ کرلیا تھا ڈیڈ نے زیمل کو اپنے پاس رکھنا چاہا تو انہوں نے خاموشی سے وہ حق بھی چھوڑ دیا اس کے جی میں آیا پوچھے مام کوئی اپنی اولاد بھی چھوڑتا ہے لیکن پوچھ نہ سکی مام اسے بھرپور وقت دے رہی تھی کبھی شاپنگ پر لے کر جارہی تھیں کبھی ڈنر کبھی لنچ کبھی لانگ ڈرائیو یہ دن اس کی زندگی کو کافی حد تک بدل رہے تھے اس پر جب بھی قنوطیت چھانے لگتی وہ کھلی فضا میں آ کر ظفریاب کا بتایا ہوا ڈرل کرنے لگتی۔ اسے یہاں آئے پندرہ دن ہوگئے تھے ڈیڈ کا دو چار بار فون آچکا تھا لیکن اس نے فی الحال واپس آنے سے منع کردیا تھا اس کا یہاں دل لگ گیا تھا اس گھر واپس جانے کا سوچ کر اسے تنہائی اور وحشت کا خیال ستانے لگتا۔ نرمین کا فون آیا تھا کالج جوائن کرنے کے بارے میں پوچھ رہی تھی اور اس نے فی الحال اسے بھی نہ ہی کی تھی ویسے بھی وہ سوچ رہی تھی کوئی اور کالج جوائن کرلے اور عیمہ نے اسے شہر کے مہنگے ترین کالج کی راہ دکھا بھی دی تھی۔
"شہریار افورڈ کرتا ہے اگر ڈیزائننگ ہی پڑھنا ہے تو اچھے انسٹی ٹیوٹ سے پڑھو۔ ڈگری پر اچھے ادارے کا نام بڑا کاؤنٹ کرتا ہے۔" اور چونکہ آج کل مام کے زیر اثر تھی اس لیے کچھ کچھ ذہن بنا رہی تھی مام کو ایک کام کے سلسلے میں اسلام آباد جانا تھا اور وہ اسے بھی ساتھ لے جانے پر مصر تھیں۔
"نہیں مام۔" اس نے منع کیا۔ "میں گھر میں رہنا چاہتی ہوں پھر ایک دن کی تو بات ہے کل آپ آ ہی جائیں گی۔"
"مائی ڈیئر مجھے ایک دن سے زیادہ بھی لگ سکتا ہے تم اکیلی ادھر کیا کروگی؟" وہ اس کے اکیلے رہ جانے کے خیال سے پریشان تھیں۔
"تو پھر میں واپس چلی جاتی ہوں جب آپ آئیں گی تو میں دوبارہ آجاؤں گی۔" وہ تب بھی مام اس کو اکیلے چھوڑنے پر ہچکچا رہی تھیں۔
"نہیں...... نہیں ٹھیک ہے بس میں نوری کو سمجھا دوں گی تم جیسے ریلیکس فیل کرو۔" وہ جیسے اس کے چلے جانے کا سن کر پریشان سی ہوگئیں۔ اور یہ اس نے مام کے جانے کے بعد سوچا کہ اچھا تھا وہ ان کے ساتھ چلی جاتی اب پہاڑ سا وقت کاٹے نہیں کٹ رہا تھا مام اسے سارا دن اس قدر مصروف رکھتیں کہ وہ اپنے دکھ کے بارے میں زیادہ سوچ ہی نہ سکی۔ کبھی خیال آتا بھی تو سر جھٹک کر مام کی طرف متوجہ ہوجاتی لیکن اب اسے لگا وہ ایک دم فارغ ہوگئی ہے کتنی دیر بیٹھی وہ چینل بدلتی رہی کہیں کچھ بھی اچھا نہیں آرہا تھا سارے ایک سے ڈرامے ایک سی کہانیاں وہ بور ہوکر اٹھ گئی پھر اس نے سوچا باہر لان کا چکر لگا آئے اور ابھی اس نے لاؤنج کا دروازہ پار کیا ہی تھا کہ عبدل آگیا۔
"بی بی اس وقت باہر مت جائیں خطرہ ہوتا ہے۔"
"ہیں خطرہ؟" اس نے حیرت سے عبدل کی شکل دیکھی۔
"کس بات کا خطرہ چاچا۔"
"بیگم صاحب نے منع فرمایا ہے جی۔ سو جن سو دشمن اور خیر سے اب تو وہ گھر پر موجود بھی نہیں سختی سے تاکید کی ہے جی انہوں نے کہ جو مرضی ہو آپ گھر سے باہر قدم نہ نکالیں۔"
"مطلب میں نے اگر گھر سے باہر مارکیٹ وغیرہ جانا ہو تو

بھی نہیں؟"

"جی حکم ہے بی بی جی کا ہم مجبور ہیں۔" وہ دونوں ہاتھ باندھے سر کو جھکائے کھڑا تھا اسے غصہ تو بہت آیا مگر پی گئی دوسرے لفظوں میں ماما اسے قید کرکے گئی تھیں لیکن کیوں...... انہیں کس سے خطرہ تھا؟ وہ ضبط کرتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی لیکن پھر کچھ سوچ کر وہ ماما کی لائبریری کی طرف آ گئی ان کے پاس وسیع کلیکشن تھی اردو انگریزی ادب کی اس نے چند کتابیں سلیکٹ کیں اور باہر نکلنے کو تھی کہ ٹھٹک کر رک گئی اسے اپنی بصارت پر شبہ ہوا تھا وہ دھیمے دھیمے چلتے کھڑکی کے پاس آ گئی اور پھر کارنر ریک پر رکھے اس فریم کو اٹھالیا جس میں لگی تصویر نے نہ صرف اسے شدید حیرت میں مبتلا کیا تھا بلکہ اس کے زخموں کے بخیے بھی ادھیڑ ڈالے تھے تصویر میں ماما اور ظفریاب تھے وہ تصویر اٹھا کر کمرے میں لے آئی تھی اور اب بے یقینی سے بیٹھی اس تصویر کو دیکھے جا رہی تھی ماما اور ظفریاب جس طرح کھڑے تھے اس سے لگتا تھا وہ دونوں ایک دوسرے سے اجنبی نہیں بلکہ کسی تعلق میں بندھے ہیں شاید کسی فنکشن کی تصویر تھی ماما اور ظفریاب کے پیچھے کچھ اور لوگ بھی تھے جو نمایاں نہیں تھے دونوں ایک طرف دیکھ کر ہنس رہے تھے اور زیمل نے دیکھا ہنستے ہوئے اس کی آنکھیں بھی ہنس رہی تھیں اتنی شفاف آنکھوں والا شخص دھوکے باز کیسے ہوسکتا تھا اس کی ذہنی رو پھر بھٹکی اس نے سر جھٹک دیا ماما سے اس شخص کا کیا تعلق تھا یہ تو ماما ہی بتا سکتی تھیں لیکن یہ تھا کہ اس تصویر نے اس کے ضبط کے سارے بندھن توڑ دیئے تھے وہ چھ فٹ کا ظالم شخص تن کر اس کے سامنے کھڑا ہوا تھا اور پوچھ رہا تھا۔

"کب بھولی ہو تم مجھے؟ اپنی آنکھوں میں دیکھو‘ جھانکو اپنے دل میں‘ ہر جگہ میں ہوں اور تم بھول بھی کیسے سکتی ہو‘ میں تو لہو بن کر تمہارے اندر دوڑتا ہوں ناں یہی کہا تھا ناں تم نے۔" وہ بے اختیاری میں سر ہلاتی رہی اس کی آنکھوں سے ساون بھادوں جاری ہوگیا تھا۔

"تم نے بہت غلط کیا ظفر...... بہت غلط...... میری محبت کے ساتھ میرے دل کے ساتھ۔ میرے جذبات کے ساتھ۔" وہ رونے لگی۔ روتی رہی یہاں تک کہ اس کی آنکھ لگ گئی تھی یوں کہ وہ تصویر اس کے سینے پر اوندھی پڑی تھی۔

❀ ❀ ❀
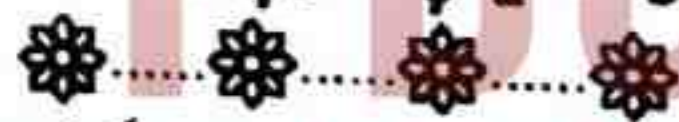
ٹیپو جب گاؤں سے شہر پڑھنے آیا تو اس کی مسیں بھی نہیں بھیگی تھیں ان کے گاؤں سے ابھی تک بنیادی سہولتیں کوسوں دور تھیں لڑکیوں کا اسکول مڈل تک اور لڑکوں کا اسکول دسویں جماعت تک تھا چوہدری صداقت کا خواب تھا کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو پڑھا لکھا کر بہت بڑا افسر بنائیں اور ان کے دن بدلیں میٹرک کے بعد اس نے کالج کا رخ کیا چوہدری صداقت کے دوست کے توسط سے ایک اچھے کالج میں داخل ہوگیا اور یوں ٹیپو شہری بابو بننے کی پہلی سیڑھی چڑھ گیا گاؤں میں باپ جو کہ اب صرف نام کا چوہدری تھا‘ ساری زمین رہن رکھوا چکا تھا ایک پھوپی جو کہ اپنے چچازاد سے بیاہی تھی اور اس کے جیٹھ کی بیٹی سے دو سال پہلے اس کی منگنی کردی گئی تھی وہ بچپن کے طے کیے رشتے سے خائف تھا زندگی گزارنے کے لیے اس نے بہت کچھ سوچ رکھا تھا اور اس میں وہ بچپن کی منگنی کہیں فٹ نہیں آتی تھی اس نے کبھی اس لڑکی کو رسپانس دیا تھا نہ ہی کبھی گھر والوں کو کہ وہ اس رشتے سے خوش ہے۔

شہر کی زندگی اس سیدھے سادے ٹیپو کے لیے قطعاً مختلف تھی لیکن وہ جلد ہی شہری ماحول میں رنگ گیا تھا اس کے دوستوں نے بہت جلد اسے اٹھنے بیٹھنے کا سلیقہ سکھا دیا تھا اب وہ شلوار قمیص کے بجائے جینز‘ شرٹ پہننے لگا تھا تیل میں چپڑے بال جدید ہیئر اسٹائل میں بدل گئے تھے یہی وجہ تھی جب وہ تین ماہ بعد واپس گاؤں گیا تو سب کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

"ہائے ہائے پتر......" نذیراں نے اپنی ڈھلکتی چادر دوبارہ سر پر جماتے ہوئے اسے دیکھا۔

"تیرے تے بڑی چھیتی شہر دا رنگ چڑھ گیا توں تے پورے دا پورا ای بدل گیوں۔" (تم پر بہت جلدی شہر کا رنگ چڑھ گیا مکمل بدل گئے ہو)

"بس اماں جیسا دیس ویسا بھیس۔" وہ ہنستا ہوا ماں سے لپٹ گیا پھر پھوپی بشریٰ ملنے آئی تو وہ الگ حیران بلکہ پریشان زیادہ ہوئی اسے فکر لاحق ہوئی کہ یہ شہری بابو اس کی سیدھی سادی بھتیجی سے وباہ بھی کرے گا کہ نہیں۔ پر بھرجائی اور بھرا نے بڑی تسلی دی لیکن ایک ڈر جو اس کے دل میں سانپ کی طرح کنڈلی مار کے بیٹھ گیا تھا جانتی تھی ضرور ڈنک مارے گا اور سب کچھ زہریلا کردے گا۔ اور اپنے اندر پھن اٹھاتے اس ناگ کو دبانے کے لیے وہ جب بھی شہر سے آتا وہ ایک ہی بات لیے آ موجود ہوتی۔

"چل فیئر، ٹیپو سن تیراویاہ کریے۔" (چلو ٹیپو تمہاری شادی کرادیتے ہیں) اور وہ کانوں کو ہاتھ لگاتا۔

"نہ نہ پھوپی۔ میں نے دس سال ویاہ دے بارے سوچنا وی نئیں۔ میرے سنہنے سیرے ویرے دی گل نہ کر۔" (نہیں پھوپو میں تو دس سال شادی کے بارے میں نہیں سوچوں گا میرے خواب توڑنے کی بات نہ کریں) اور بشریٰ دل پر ہاتھ رکھ لیتی اسے سب سے پہلے اپنا گھر ٹوٹتا نظر آتا دوٹے سٹے کی شادیوں میں ایسا ہی ہوتا ہے وہ پہلے دبے لفظوں میں اور پھر علی الاعلان شادی کے لیے اصرار کرنے لگی تھی لیکن ٹیپو ہاتھ آ کے نہ دیتا تھا وہ وکالت کے بعد سی ایس ایس کر کے جوڈیشری کا امتحان دینا چاہتا تھا اور اس کے لیے اسے ابھی بہت سال اور محنت و پیسہ بھی درکار تھا شادی کی زنجیر تو ویسے بھی وہ پاؤں میں ڈالنے کو تیار نہیں تھا اور اس پینڈو لڑکی کو تو وہ پسند بھی نہیں کرتا تھا وہ فائنل ایئر میں تھا جب پھوپی کے توسط سے ہی اسے پتہ چلا کہ اس کی منگیتر المعروف نمو میٹرک کرنے کی تیاری کر رہی ہے۔ اس نے کندھے اچکا دیئے ہو سکتا تھا زندگی میں آگے چل کر اس کا ذہن بدل جائے اور اس لڑکی سے شادی کرنے کو تیار ہو جائے سو اس نے اپنی زبان بند ہی رکھی۔

ایل ایل بی پارٹ ون میں ایڈمیشن ہو گیا تو اس نے سوچا پارٹ ٹائم جاب کر لے کیونکہ ابا جو پیسے بھجواتے تھے اس میں اب خرچہ پورا نہیں ہوتا تھا فیس ہاسٹل کا کرایہ کھانے پینے کا خرچہ بائیک کا پیٹرول۔ وہ بہت محدود ہو کر پیسوں کا استعمال کرتا لیکن معزز دکھنے کے لیے بھی تو کچھ لوازمات کی ضرورت پڑتی تھی اچھا کپڑا آپ کے تن پر ہو تو لوگ حقیقت کا اندازہ لگاتے ہیں اور اسی حساب سے عزت کے معیار کا تعین کرتے ہیں اس نے اپنے دوستوں سے کہہ رکھا تھا کوئی ایسی جاب ان کی نظر میں ہو جس میں زیادہ وقت نہ لگے اور اسے معقول معاوضہ مل جائے اور پڑھائی پر بھی اثر انداز نہ ہو تو اسے ضرور بتائیں اور جلد ہی اس کا دوست غضنفر اس کے لیے ایسی جاب ڈھونڈ لایا تھا اس دن کالج سے واپسی پر وہ اسے اپنے ساتھ بائیک پر بیٹھا کر اس پوش علاقہ میں لے گیا تھا جہاں بڑے بڑے محل نما خوب صورت گھر تھے لیکن حد سے زیادہ سناٹا بھی تھا صرف سڑک پر رواں دواں گاڑیوں کا شور سنائی دیتا تھا ایک بہت بڑے سیاہ گیٹ کے باہر اس نے بائیک روکی تھی وہ تو گھر کو دیکھ کر ہی مبہوت رہ گیا تھا ایسے گھر اس نے صرف فلموں میں دیکھے تھے۔

"یار تو مجھے یہاں چوکیدار لگوانے تو نہیں لے آیا؟" اس نے غضنفر سے کہا تھا جواب انٹر کام پر اپنا تعارف کروا رہا تھا چند لمحوں میں وہ آہنی گیٹ کھل گیا وہ اندر داخل ہوئے تو گارڈ نے سامنے کی طرف اشارہ کر دیا غضنفر اسے لیے ادھر بڑھ گیا۔ ٹیپو کی ساری توجہ بڑے سے بے حد خوب صورت لان کی طرف تھی جہاں رنگ برنگے پھول اور ایسے ایسے پودے تھے جو اس نے آج تک دیکھے بھی نہیں تھے لان عبور کر کے جب وہ وسیع راہداری میں پہنچے تب وہ رہ نہ سکا اور غضنفر سے پوچھ لیا۔

"یار سچ بتا کس کے گھر لے آیا ہے کسی وزیر کا گھر لگ رہا ہے یہ مجھے تو۔ عام انسان کہاں رہ سکتا ہے ایسے محلوں میں۔"

"صبر تو کر کسی غلط جگہ نہیں لایا ابا کی کزن ہیں انہیں اپنے لیے ایک ہیلپر چاہیے پڑھا لکھا سمجھ دار اور......" غضنفر نے اسے سر تا پا دیکھا۔

"اور کیا؟" اس کے یوں دیکھنے پر وہ چونکا۔

"اور تمہارے جیسا خوب صورت مرد۔" غضنفر نے بات مکمل کی تو ٹیپو کے بڑھتے قدم رک گئے۔

"کک...... کیا مطلب؟ چل واپس چلتے ہیں تم مجھے کیا سمجھ رہے ہو فوراً نکلو یہاں سے۔" وہ اس کا بازو پکڑے واپس کھینچنے لگا دل ہی دل میں لاحول کا ورد جاری تھا۔

"یار صبر تو کر غلط سمجھ رہے ہو تم خود بات کر لو ایسی ویسی کوئی بات نہیں آنٹی بے حد نفیس لیڈی ہیں اپنا بزنس ہے ان کا سوشل ورک بھی کرتی ہیں ایک این جی او بھی بنا رکھی ہے اور بڑے اچھے خاندان سے ہیں انہیں صرف چند گھنٹوں کے لیے ایک ایمان دار بندہ چاہیے جوان کے آفس کا کام دیکھ سکے مطلب گھر میں اور وہ بھی تھوڑے عرصے کے لیے۔ لیکن اس کے لیے وہ تنخواہ بہت اچھی دیں گی تم ضرورت مند ہو آنٹی نے ابا سے ذکر کیا تھا ابا نے مجھ سے پوچھا تو مجھے تمہارا خیال آ گیا بس اتنی سی بات ہے اور تم پتہ نہیں کیا سمجھ کر میری نیکی دریا میں ڈال رہے ہو۔" غضنفر اس کے رویے پر خفا سا ہو گیا تھا ٹیپو کو شرمندگی نے آن گھیرا۔ اسی وقت دروازہ کھلا اور اسے اندر بلا لیا گیا وہ تھوڑا نروس سا اندر داخل ہوا غضنفر پیچھے نہیں آیا تھا وہ ایک وسیع ہال تھا جہاں کی ہر چیز وائٹ تھی بیٹھنے والے صوفے سے لے کر دیوار پر لگے کلاک تک۔ اے سی کی ٹھنڈک میں ملی کسی مہنگے کولون کی خوشبو ماحول کو بڑا پرفسوں سا بنا رہی تھی وہ ادھر ادھر دیکھتا بڑی سی

راؤنڈ ٹیبل کے گرد پڑی ایک چیئر پر ٹک گیا کمرے میں کوئی تھا مگر اس کی نظر سے اوجھل تھی دوسری طرف پڑی ریوالونگ چیئر گھومی اور ایک چہرہ سامنے آ گیا ایک جدید تراش خراش کی عورت عمر شاید چالیس بیالیس ہوگی اس کے سامنے بیٹھی بڑی ناقدرانہ نظروں سے اس کا جائزہ لے رہی تھی اس کے چہرے پر گولڈن فریم کا چشمہ تھا آدھے سنہرے آدھے کالے بال شانوں پر بکھرے تھے بائیں ہاتھ میں ایک قیمتی پین تھا جسے وہ بار بار نہایت دھیمے سے ٹیبل پر مار رہی تھی جائزہ تو ٹیپو نے بھی پورا لے لیا تھا۔

"نام؟" آواز گونجی۔

"ظفریاب احمد۔" اس نے اعتماد سے جواب دیا۔

"کہاں سے ہو؟" اگلا سوال ہوا۔

"بہاولنگر سے۔"

"یہاں کب سے ہو اور کس سلسلے میں؟"

"تقریباً پانچ سال اور پڑھائی کے سلسلے میں ایل ایل بی پارٹ ون کا اسٹوڈنٹ ہوں۔"

"جاب کیوں کرنا چاہتے ہو؟"

"ظاہر ہے ضرورت مند ہوں شہر میں رہتا ہوں پڑھائی کرتا ہوں۔"

"اوکے تمہیں شام چار بجے سے لے کر رات 9 بجے تک ڈیوٹی دینا ہوگی ان پانچ گھنٹوں میں تم میرے پابند ہوگے کام کوئی بھی نہیں ہوگا میں اپنی مرضی سے ان پانچ گھنٹوں میں کوئی بھی کام تم سے کروالوں کی کوئی بھی قانونی کام۔" ساتھ ہی وضاحت کردی گئی تھی شاید اس کی اور غضنفر کی باہر کوریڈور میں ہونے والی تمام گفتگو سن لی گئی تھی وہ قدرے نادم سا ہوا۔

تنخواہ کی مد میں جو رقم بتائی گئی وہ بہت زیادہ پرکشش تھی جس نے اسے اور کچھ سوچنے ہی نہ دیا اتنی رقم سے وہ نہ صرف خود بلکہ پیچھے ماں باپ کو بھی آسائش دے سکتا تھا۔ یہ تھی اس کی عمیمہ رحمن سے پہلی ملاقات اور جاب پر جانے کے بعد اسے غضنفر کی باتوں پر یقین آ گیا تھا وہ حقیقتاً نائس عورت تھی وہ کالج سے آف کرنے کے بعد سیدھا ادھر آ جاتا پون گھنٹہ کا رستہ تھا ابتدا میں تو میڈم نے بس اس سے تھوڑا بہت حساب کتاب کروایا تھا لیکن رفتہ رفتہ اس کی ڈیوٹیز چینج ہوتی گئیں وہ ان کے ساتھ باہر بھی نکلنے لگا بطور باڈی گارڈ اسے تو ایسا ہی لگا تھا فنکشنز میں بھی وہ اسے اپنے ساتھ رکھا کرتیں لیکن ٹائم کے معاملے میں وہ بڑی پابند تھیں پانچ گھنٹوں سے ایک منٹ اوپر نہیں لیتی تھیں کبھی کبھار وہ اسے اپنے این جی او والے آفس میں بلالیتیں اسے ان کے ساتھ کام کرتے ڈیڑھ سال کا عرصہ گزر گیا۔

پارٹ ون اچھے نمبروں سے کلیئر ہوگیا تھا اور اب پارٹ ٹو کے فائنل ہونے والے تھے اس نے میڈم سے کچھ دنوں کی چھٹی لے لی تھی ایک تو اماں کی دائیں آنکھ کا آپریشن کروانا تھا سفید موتیا اتر آیا تھا دوسرا وہ یکسوئی سے پڑھائی کرنا چاہ رہا تھا میڈم عمیمہ نے بنا کسی اعتراض کے اسے چھٹی دے دی تھی ویسے بھی وہ پندرہ دن کے لیے کینیڈا جا رہی تھیں اماں کا آپریشن ہوگیا پھوپی بشریٰ ساتھ آئی تھی خوب ہی سر کھایا اور دھمکی بھی دے دی کہ اب کے وہ گھر آیا تو نکاح کر کے بھیجے گی وہ مسکراتا رہا فی الحال انکار کر کے وہ کوئی ٹینشن نہیں ڈالنا چاہتا تھا اماں اور پھوپی واپس گئیں تو وہ تندہی سے پڑھائی میں جت گیا اس کے خواب بہت اونچے تھے اور اس کی تکمیل کے لیے اسے سر توڑ محنت کرنا تھی لاسٹ پیپر والے دن وہ آیا تو لمبی تان کر سویا دو دن بعد اسے واپس ڈیوٹی بھی جوائن کرنا تھی وہ چاہتا تھا ڈیوٹی پر جانے سے پہلے وہ ایک چکر گاؤں کا لگا آئے لیکن پھر پھوپی بشریٰ کی دھمکی یاد آ گئی تو اس نے ارادہ ملتوی کردیا اگلے دن دوستوں نے آؤٹنگ کا پروگرام بنالیا غضنفر اپنے ابا کی گاڑی لے آیا تھا وہ پانچوں ٹھنس ٹھنسا کر بیٹھ گئے جلو پارک جانے کا پروگرام بنا تھا سارا دن ہنگامہ مستی کرنے کے بعد واپسی ہوئی۔ راستے میں شبیر نے انہیں مشہور دہی بھلے کھلانے کی آفر کی جسے بخوشی قبول کرلیا گیا غضنفر نے گاڑی روکی اسی وقت میڈم عمیمہ کی کال آ گئی وہ واپس آ چکی تھیں اور پوچھ رہی تھیں کہ وہ کب آئے گا اس نے اگلے دن کا کہا تو وہ بپھر گئیں۔

"نہیں ابھی پہنچو۔" وہ فون کی ٹوں ٹوں سنتا رہ گیا۔ شبیر آرڈر دے چکا تھا وہ بھی انتظار کرنے لگا اور تبھی اس کی نظر سامنے ٹیبل پر بیٹھی اس لڑکی پر پڑی جو مٹی کا پیالہ ہاتھ میں تھامے دہی بھلے کھا نہیں رہی تھی بلکہ انجوائے کر رہی تھی اس کے چہرے سے یہی لگ رہا تھا جیسے دہی بھلے کھانے میں اسے بہت مزہ آ رہا تھا وہ بے اختیار اس کو دیکھتا گیا۔ وہ اتنی خوب صورت لگ رہی تھی کہ وہ نظریں ہٹانا بھول گیا تھا اور یہ بھی کہ اس کے ساتھ ایک اور لڑکا بھی تھا جو اس کے ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے پر قہر آلود نگاہوں سے اسے گھور رہا تھا۔ فون بجا تو اس کی محویت

ٹوٹی۔ میڈم عمیمہ کی کال تھی۔
"یہ آج ان کو کیا ہو گیا تھا۔" وہ اٹھ گیا۔ میڈم کو ناراض کرنے کا خطرہ وہ ہرگز نہ مول لے سکتا تھا۔ اس نے معذرت کی اور سڑک پر ایک آٹو میں بیٹھ کر یہ جا وہ جا۔ راستے میں اسے یاد آیا کہ وہ اس لڑکی کو ایک بار پہلے بھی گول گپے کھاتے دیکھ چکا تھا۔
میڈم عمیمہ لاؤنج میں ہی ٹہل رہی تھیں۔ چہرے پر وہ ہمیشہ رہنے والی سرخی غائب تھی۔ اس نے سلام کیا اور ساتھ ہی معذرت بھی۔
"ٹھیک.....ٹھیک۔" وہ اسی طرح ٹہلتی رہیں۔
وہ ایک طرف کھڑا انہیں دیکھتا رہا۔ کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں تھی وہ خود ہی کچھ کہتیں تو کہتیں۔ ٹہلتے ٹہلتے رک کر انہوں نے اسے دیکھا اور پھر دیکھتی ہی رہیں۔ جانے ان کی نظروں میں کیا تھا کہ ظفریاب کی ہتھیلیاں بھیگنے لگیں۔ کہیں وہ وقت آ تو نہیں گیا جس کا اسے ہمیشہ خدشہ لگا رہتا تھا۔ اس نے ایسی مادام ٹائپ عورتوں کے بارے میں بہت سی باتیں سن رکھی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی اس کے پاس آ گئیں۔ وہ اس سے صرف ایک قدم کے فاصلے پر تھیں۔ ظفریاب کے تو مساموں سے پسینہ پھوٹ نکلا۔ اسے لگا اگر میڈم دو قدم بھی اور آگے بڑھیں تو وہ یا تو گر جائے گا یا باہر کی طرف دوڑ لگا دے گا۔ اس میں نگاہیں اٹھانے کی سکت نہیں رہی تھی۔
"تمہیں پتہ ہے تم کس قدر وجیہہ ہو.....؟" بالآخر میڈم نے آغاز کر ہی دیا تھا۔ خطرہ کا الارم بج چکا تھا۔ وہ خاموشی سے کھڑا رہا۔ سوچ رہا تھا کس طرح بھاگے کہ دوبارہ ان کی گرفت میں نہ آ سکے۔
"اکیس.....بائیس یہی عمر ہے ناں تمہاری؟"
"جی ساڑھے چوبیس۔" اس نے تھوک نگل کر بمشکل بتایا۔
وہ اس کے گرد چکر لگانے لگیں۔ پھر اس کے مقابل آ گئیں۔ فاصلہ سمٹ کر دو قدم ہی رہ گیا تھا۔ اس نے آنکھیں زور سے میچیں اور بھاگنے کی تیاری کرنے لگا۔ ساتھ ہی میڈم کو گالیوں سے بھی نوازنے لگا دل ہی دل میں۔
"قد چھ فٹ، سرخ و سپید رنگت، براؤن گھونگھریالے بال، شربتی آنکھیں۔ ابھی تک کوئی لڑکی نہیں مری تم پر؟" اس نے قل شریف کا ورد شروع کر دیا۔ اور ساتھ ہی غیر محسوس طریقے سے قدم پیچھے ہٹائے۔
"بھاگو مت....." انہوں نے لپک کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ایک کرنٹ ظفریاب کے پورے وجود میں دوڑ گیا اس نے فوراً آنکھیں کھول کر اپنا ہاتھ کھینچا تھا۔
"کیا کر رہی ہیں آپ؟" لہجہ اپنے آپ ہی کرخت ہو گیا تھا۔
"دیکھ رہی ہوں کتنی مضبوطی ہے تمہارے اندر؟" وہ ہنسی ذرا بھی شرمندہ ہوئے بغیر۔ اب یہاں رکنا محال تھا اس نے بنا کچھ کہے قدم باہر کی طرف بڑھا دیے۔ یکا یک ہی وہ ہر سود وزیاں سے ماورا ہو گیا تھا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ میڈم اپنے مقام سے اس حد تک بھی گر سکتی ہیں۔ اور اسے اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کر سکتی ہیں۔ بظاہر پروقار رکھنے والی عورت اندر سے اتنی بودی اور کمزور بھی وہ جان ہی نہیں پایا تھا۔
"رکو ظفریاب....." عمیمہ کی آواز گونجی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے قدم رک گئے۔ وہ اس کے پاس آ گئیں۔
"تم رائے قائم کرنے میں بہت جلدی کرتے ہو۔" انہوں نے سر تا پا اسے دیکھا۔ ان کا رویہ اب بھی ناقابل فہم ہی تھا۔
"میڈم آپ نے بھی میرے بارے میں غلط اندازہ لگایا۔ میں ویسا نہیں ہوں۔ مجھے اپنے کردار سے بڑھ کر کچھ عزیز نہیں۔ جاب میری ضرورت ضرور ہے لیکن اتنی بھی نہیں کہ میں ہر غلط بات پر سمجھوتہ کرلوں۔ میرے ماں باپ نے مجھے شرم و حیا کی گھٹی دی ہے..... مجھے آپ کی جاب نہیں کرنا۔ کل صبح میں ریزائن بھجوا دوں گا۔" اس نے بات مکمل کی اب وہ ایک مکمل پر اعتماد شخص تھا۔ عمیمہ کے چہرے پر ایک مسکراہٹ دوڑ گئی۔ وہ جا کر صوفے پر بیٹھ گئیں۔
"ظفریاب احمد.....تمہاری اور میری عمر میں آدھا فرق تو ہوگا۔ تم نے سوچ لیا کہ میں تم سے ناجائز تعلقات بنانا چاہتی ہوں۔ ہر مرد یہی سوچ لیتا ہے۔" وہ ہنسیں۔ (جب ایسی حرکتیں کرتی پھریں گی تو مرد تو ایسا ہی سوچیں گے ناں) اس نے جل کر سوچا۔
"تم نے بھی سوچا ظفریاب میں نے تم پر اتنا اعتماد کیوں کرنا شروع کر دیا؟ ہوتو تم ایک معمولی ورکر ہی۔ پھر کیوں میں نے تمہیں اپنی زندگی کے ہر راز سے آگاہ کیا۔ یہ ڈیڑھ دو سال جو تم نے میرے ساتھ گزارے تمہیں کب لگا کہ میں ایک گھٹیا

عورت ہوں۔ میرے لیے میرا کردار' میری عزت سب کچھ ہے۔ اٹھارہ برس ہوگئے مجھے اپنے شوہر سے علیحدہ رہتے۔ آج تک کسی مرد سے دوستی نہیں کی میں نے۔ کسی باہر کے فرد کو میرے گھر میں گھسنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ بوڑھا عبدل اور تم بس۔ ظفریاب جب میں نے تمہیں اپوائنٹ کیا تھا تب ہی میرے ذہن نے وہ کام ترتیب دے دیا تھا جو میں نے تم سے کروانا تھا۔ مجھے تم سے تمہارے وجیہہ مرد ہونے سے کوئی غرض نہیں۔ میں تمہارے کردار کی مضبوطی چیک کررہی تھی کیونکہ جو کام میں تم سے کروانے جارہی ہوں اس کے لیے تمہارا مضبوط ہونا بہت ضروری ہے۔" انہوں نے بولتے بولتے ایک بار پھر اس کا سرتا پیر جائزہ لیا تھا۔ وہ سر جھکائے خاموش کھڑا تھا۔ پتہ نہیں اب وہ اس سے کیا کام کروانے جارہی تھیں جو اس کا کردار داؤ پر لگ گیا تھا۔

❁......❁......❁......❁

وہ کب سے ماما کا نمبر ٹرائی کررہی تھی لیکن وہ لگ ہی نہیں رہا تھا اور یہی بات اس کی بے چینی سوا کررہی تھی۔ اسے پوچھنا تھا ظفریاب سے ان کا تعلق کیا تھا' اسے پوچھنا تھا اسے یوں محبت میں پھنسا کر وہ خود کیوں بھاگ گیا تھا؟ اتنا تو وہ جانتی تھی وہ دوبئی نہیں گیا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو اس کا نمبر بند ہوچکا ہوتا۔ جب کہ اسی لوکل نمبر پر وہ بات کررہا تھا۔ اس نے دیگر بہت سارے جھوٹوں کے علاوہ یہ بھی جھوٹ بولا تھا۔ وہ تصویر پکڑے باہر آگئی۔ عبدل چاچا سوئپر سے صفائی کروا رہے تھے۔ اس نے آواز دے کر پاس بلایا اور تصویر آگے کردی۔

"کون ہے یہ چاچا...... ماما کے ساتھ کیوں کھڑا ہے؟"

"یہ تو بی بی جی ظفر صاحب ہیں۔ میڈم جی کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ ان کے بہت سارے کام کرتے ہیں۔" عبدل چاچا نے جو بولا اس کے کان کھڑے ہوگئے۔

"کب سے ادھر ہیں؟"

"دو ڈھائی سال ہوگئے بی بی جی۔" عبدل نے سوچ کر جواب دیا۔

"ادھر ہی رہتے ہیں؟"

"نہیں جی...... ادھر کسی ہاسٹل میں وکالت پڑھ رہے ہیں ناں یہ۔ ادھر تو شام کے چار بجے آتے ہیں اور رات کے نو بجے چلے جاتے ہیں۔" وہ بھی پوری معلومات رکھتا تھا۔

"آج کل کہاں ہیں۔ جب سے میں آئی ہوں میں نے تو کبھی نہیں دیکھا۔" اس کا دل یوں دھڑک رہا تھا جیسے سینہ توڑ کر باہر آجائے گا۔

"وہ جی......" عبدل ہچکچایا۔

"کیا جی؟" اس نے جلدی سے پوچھا۔

"میڈم صاحبہ نے منع کردیا تھا جی آنے سے۔ جب سے آپ آئی ہیں تب سے...... پر جی فون تو ان کا روز صبح سویرے آتا ہے۔" عبدل تو بڑے کام کا بندہ تھا۔ کھٹا کھٹ معلومات دے رہا تھا۔

"کتنے بجے؟" اور عبدل نے بتایا تھا کہ اس کا فون نو سے ساڑھے نو بجے کے درمیان آتا ہے۔ وہ واپس کمرے میں آگئی۔

ذہن عجیب سی سوچوں کی آماجگاہ تھا۔ ماما سے اس کا کیا رشتہ ہے۔ وہ روز صبح کس کے لیے فون کرتا ہے اور ماما نے اسے یہاں آنے سے کیوں منع کیا؟ کیا وہ جانتا تھا کہ میں عمیمہ کی بیٹی ہوں۔ لیکن اس نے تو کبھی ظفریاب کو نہیں بتایا تھا۔

وہ اس کی تصویر کو بار بار دیکھ رہی تھی اور ہر بار نئے سرے سے محبت جوش مارتی تھی۔ کیا وہ اس شخص سے نفرت کرسکے گی۔ اس نے خود سے پوچھا تھا اور جواب نفی میں تھا۔ ماما نے آج رات کسی بھی وقت واپس آجانا تھا۔ اور وہ چاہتی تھی کہ ماما کے آنے سے پہلے اس سے مل لے۔ اس کی بے وفائی کا سبب پوچھے۔ اس نے ابھی تک ماما کو ظفریاب اور اس سے اپنی محبت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا اور وہ چاہتی بھی نہیں تھی کہ ماما کو اس کی ناکام محبت کا پتہ چلے۔ لیکن ایک بار وہ اس سے مل کر تمام باتیں کلیئر کرنا چاہتی تھی۔ وہ دوبارہ عبدل کے پاس آگئی۔

"چاچا آپ کے پاس ظفریاب صاحب کا نمبر ہے؟"

"نہیں بی بی جی ہمارے پاس کہاں سے آئے گا نمبر۔ ہاں ادھر فون کے نیچے جو ڈائری رکھی ہے اس میں سارے نمبر لکھے ہوتے ہیں آپ چیک کرلو جی۔ ویسے بی بی جی سب خیر ہے ناں کوئی مسئلہ تو نہیں۔ میرا مطلب ہے کہ اگر کوئی بات ہے تو بیگم صاحبہ کو فون کرکے بلالیں انہوں نے کہا تھا۔" عبدل نے سر جھکائے کہا تو وہ فوراً بول اٹھی۔

"نن...... نہیں۔ بس مجھے بازار سے کچھ منگوانا تھا کچھ بکس۔ آپ ماما کو کچھ مت بتانا۔ وہ پریشان ہوجائیں گی۔" عبدل سر ہلاتا وہاں سے چلا گیا۔ وہ فوراً نیچے آئی۔ ڈائریکٹری اٹھائی لیکن اس میں خاص نمبر نہیں تھے۔ پلمبرز' الیکٹریشن' سوئپر

ٹیلر، مکینک سب کے نمبرز تھے کہیں ظفریاب کا نمبر نہیں تھا وہ افسردہ سی ہوگئی۔ اس سے ملنے، بات کرنے کی جو موہوم سی امید بندھی تھی وہ دم توڑنے لگی۔ اب اسے صبح کا انتظار کرنا تھا۔ دفعتاً ایک خیال اس کے دماغ میں بجلی کی طرح کوندا۔ سی ایل آئی میں ضرور ہوگا نمبر۔ خیال آتے ہی وہ پھرتی سے نیچے بھاگی۔ سی ایل آئی میں آج کی تین ان کمنگ کالز تھیں ایک ساڑھے نو، دوسری بارہ اور تیسری شام پانچ بجے۔ دو نمبرز تو وہ پہچان گئی تھی نام کے تھے اور تیسرا نمبر اسی کا ہوسکتا تھا۔ اس نے جلدی سے نمبر ہتھیلی پر لکھا۔ اور پھر کچھ سوچ کر ڈائل کرلیا۔ بیل جارہی تھی۔ اس کا دل جیسے مٹھی میں آ گیا تھا۔ وہ اس کی آواز سننے والی تھی.....ایک دو تین.....اور پھر کال ریسیو کرلی گئی۔

''ہیلو.....'' ادھر سے آواز آئی تھی۔ زیمل سے بولنا محال ہوگیا۔ اس کے حلق میں آنسوؤں کے پھندے پڑنے لگے۔

''ہیلو.....ہیلو عبدل چاچا آپ ہیں؟'' وہ پوچھ رہا تھا لیکن ادھر خاموشی تھی۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ ''تو یہ تم ہو زیمل؟'' وہ پہچان گیا تھا۔ زیمل کی آنکھوں سے آنسو بہہ بہہ کر اس کے رخسار بھگونے لگے۔ وہ لب کاٹتی ریسیور سے آنے والی آواز کو دل میں اتارتی رہی۔ یہ آواز اس کی زندگی تھی۔ ادھر ایک ٹھنڈی آہ بھری گئی تھی۔

''زیمل بولو.....سب خیریت ہے کیوں رو رہی ہو؟'' اس کا لہجہ نارمل تھا۔ خالصتاً کاروباری۔ دکھ کے کسی بھی احساس سے ماورا۔

''تم چاہتے ہو میں رووں بھی ناں۔'' وہ پھٹ پڑی۔ اگر وہ اب بھی نہ بولتی تو شدت ضبط سے اس کا دل پھٹ جاتا۔

''تم ظفریاب احمد.....کیا سوچ کر تم نے مجھے دھوکا دیا۔ کس حساب میں تم میرے جذبات سے کھیلتے رہے۔ کیوں ظفریاب کیوں تم نے میری محبت چھین لی مجھ سے۔ کیوں ظفریاب بولو؟'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ ظفریاب نے کچھ دیر ریسیور کو گھورا۔ پھر فون بند کردیا۔ وہ روتی چیختی رہ گئی۔ بادل زور سے گرجے تھے اور چھما چھم مینہ برسنے لگا تھا۔

''تمہارا ملنا، تمہارا بچھڑنا ہمیشہ بارشوں سے کیوں موسوم رہا ہے ظفریاب احمد؟'' اس نے آگے بڑھ کر بیرونی دروازہ کھولا۔ باہر طوفانی بارش تھی۔ شام تک تو ایسے کوئی آثار نہیں تھے۔ اسے وہ بارش یاد آگئی جب ظفریاب اس پر چھاتا تانے بحفاظت عون کی گاڑی تک پہنچانے آیا تھا۔ اور اس کے بعد جب بھی بارش ہوئی تھی وہ اس کے ہمراہ تھی۔ اسے بارش بہت پسند تھی۔

''بارش سب کچھ دھو دیتی ہے۔ اندرونی بیرونی ساری گرد میل اور پھر سب کچھ نکھر جاتا ہے۔'' وہ کہتا تھا۔

''ہاں سب کچھ دھل جاتا ہے۔ زخم پھر سے ہرے ہوجاتے ہیں۔'' اس نے دونوں ہتھیلیاں پھیلائیں۔ تیز بوچھاڑ اس کی ہتھیلیوں کو کاٹنے لگی تھی۔ وہ اسے بہت تھوڑے عرصے کے لیے ملا تھا لیکن گہرے نقوش چھوڑ گیا تھا، اس نے لاکھ سمجھانا چاہا تھا دل کو، خود کو، لیکن کوئی بھی سمجھنے کو تیار نہیں تھا۔ وہ کب تک بھیگتی رہی یاد نہیں اور جب اس کی آنکھ کھلی وہ تیز بخار میں پھنک رہی تھی۔

''کیسے ٹوٹ کے برسے رات
بادل، دل اور آنکھیں''

❁.....❁.....❁.....❁

وہ لڑکی ظفریاب احمد کو بہت اچھی لگی تھی۔ اتنی اچھی کہ اس روز کے بعد وہ بار بار وہاں گیا تھا۔ شاید وہ اسے دکھ جائے۔ وہ اس کا نام جان لے اس سے بات کرسکے۔ لیکن کافی دن گزر گئے وہ اسے دوبارہ نظر نہیں آئی۔ لیکن اس نے وہاں جانا نہیں چھوڑا تھا۔ پھر پندرہ دن بعد وہ اسے دوبارہ دکھی تھی۔ وہ اسی لڑکے کے ساتھ تھی اور اسی طرح مزے لے کر دہی بھلے کھا رہی تھی۔ تیز مصالحے کے باعث اس کی آنکھوں اور ناک سے پانی بہہ رہا تھا اور ٹشو سے صاف کرتی ہنستی چلی جارہی تھی۔ وہ بے خود سا بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔ اس لڑکے کے ساتھ اس کی بہت زیادہ فرینک نیس لگتی تھی۔ شاید اس کا دوست تھا۔ (بوائے فرینڈ کا لفظ اسے مناسب نہیں لگا) وہ اس کو سوچنے لگا تھا۔ چاہنے لگا تھا۔

چپ چاپ من ہی من میں پھر وہ اسے الحمرا میں ملی تھی بارش میں بھیگی، اس لڑکے کے ساتھ اور وہ ان سے اگلی رو میں بیٹھا تھا اور اس کی آواز پر ہی وہ پیچھے پلٹا تھا۔ (آج کل تو اسے ہر آواز، ہر ہنسی پر اس چہرے کا گمان ہوتا تھا) ملگجے اندھیرے میں بھی وہ اسے پہچان گیا تھا۔ وہ اس لڑکے سے کہہ رہی تھی کہ اسے سردی لگ رہی ہے اور وہ اسے اٹھا کرلے گیا تھا۔ اور ظفریاب بھی ان کے پیچھے ہی باہر آیا تھا۔ وہ لڑکی اسے سیڑھیوں پر اکیلی بیٹھی نظر آگئی تھی وہ بالکل غیر محسوس طریقے سے اس کے کندھوں پر اپنا کوٹ ڈال کر واپس سیڑھیاں چڑھ گیا تھا۔ اور جب طوفانی بارش میں وہ گاڑی تک پہنچنے کے لیے

تنگ و دو کر رہی تھی تو تب اس نے اپنا چھاتا اس پر تان کر اسے بحفاظت گاڑی تک پہنچایا تھا اور جب اس نے کوٹ واپس کیا تھا تو ساتھ ہی جیب میں دھرا موبائل بھی اس کے پاس آ گیا تھا۔ لیکن یہ اس کی قسمت تھی کہ بارش میں بھیگ کر وہ بیمار پڑ گیا تھا اور کئی دن تک وہ کوٹ سوکھنے کے لیے کھونٹی پر ہی لٹکا رہا۔

کافی دنوں بعد جب وہ کوٹ پہن کر کالج گیا تب اسے پاکٹ سے موبائل ملا۔ اس نے کانٹیکس نکال کر کوئی ایسا نمبر ڈھونڈنا چاہا جو اس کے کسی قریبی بندے کا ہو۔ مام‘ ڈیڈ‘ عون‘ شبانہ‘ زمین اور دو چار اور لڑکیوں کے نام ہی تھے۔ اسے سمجھ نہ آئی کہ وہ کس کو کال کر کے بتائے کہ فون اس کے پاس ہے۔ دو چار دن اسی طرح گزر گئے۔ پھر اس نے سوچا شبانہ کو کال کر کے دیکھتے ہیں لیکن اس سے پہلے اس نے ایس ایم ایس چھوڑے۔ کوئی جواب نہ آیا تو اس نے کال کر لی اور شبانہ نے ہی بتایا کہ اس وقت زیمل کہاں ہے؟ (زیمل..... وہ زیر لب مسکرایا تھا)

پھر وہ اسے فون پہنچانے گیا اور اسے قریب سے دیکھ بھی آیا۔ لیکن ایک اور بات بھی ہوگئی۔ زیمل کے ساتھ ساتھ سامنے بیٹھی لڑکی اسے دیکھی دیکھی لگی۔ گھر آ کر بھی اسے محسوس ہوتا رہا کہ اس نے اس لڑکی کو کہیں دیکھا ہے۔ اور جب اسے یاد آیا کہ یہ تو زمین ہے بہت پہلے کی جھلک اس کی یادوں میں محفوظ تھی۔ کیونکہ منگنی کے بعد تو وہ اس کے سامنے آئی ہی نہ تھی۔ اور بذات خود اس نے کبھی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ معاملہ پیچیدہ تھا لیکن اس نے سر جھٹک دیا اور پہچان تو زمین بھی گئی تھی کیونکہ بھلے وہ اس کے سامنے نہیں آتی تھی لیکن چاچی بشریٰ کے پاس اس کی تازہ ترین فوٹو ہر وقت موجود رہتی تھی۔ اور بہانے بہانے سے بارہا وہ چاچی کے کمرے میں جا کر دیکھ آتی تھی بلکہ جب اسے بڑے بھائی نے موبائل خرید کر دیا تو اس نے سب سے پہلے ظفر کی فوٹو ہی اس میں سیو کی تھی بے شک دھندلی تھی لیکن دل میں گہرا نقش تھا۔ ظفریاب محض اس رشتے سے بچنے کے لیے گاؤں بھی کم جاتا تھا کیونکہ جب وہ جاتا چاچی بشریٰ کا شادی کا ڈھول بجنے لگتا۔

اس نے زیمل کا نمبر نوٹ کر لیا تھا اور اب اسے ایس ایم ایس کرنے لگا۔ پہلے پہل تو وہ چڑ گئی پھر نارمل ہوتی گئی۔ وہ اس کا اعتماد جیتنے میں کامیاب ہوتا جا رہا تھا۔ کبھی کبھی اسے لگتا وہ اس لڑکی سے بے انتہا محبت کرنے لگا ہے لیکن کبھی کبھی وہ بالکل بلینک ہو جاتا۔ دنوں اسے کال نہ کرتا۔ کبھی اس سے بالکل انجان بن جاتا اور کبھی یوں محبت لٹاتا کہ وہ گھبرا جاتی‘ پریشان ہو اٹھتی۔ وہ خود نہیں جان پا رہا تھا کہ وہ زیمل سے تعلقات کس حد تک رکھنا چاہتا ہے۔ کیونکہ وہ نہیں جانتا تھا کہ زیمل سے اس کا رشتہ کتنی دیر نبھے گا۔ جلد اسے پتا چل ہی جاتا کہ زمین سے اس کا کیا رشتہ ہے اور پھر وہ کیا ری ایکٹ کرتی۔ انجان وہ تھی لیکن وہ خود تو بہت کچھ جانتا تھا۔ جانتے بوجھتے اسے دھوکہ دے رہا تھا۔ آج نہیں تو کل اسے زمین سے شادی کرنا پڑتی کیونکہ اس کی مسلسل آنا کانی کو بھانپتے ہوئے پھوپو بشریٰ نے اسے بتا دیا تھا کہ اگر وہ اس رشتہ کو توڑنے کی کوشش کرے گا تو پپا زبیر پہلی فرصت میں پھوپو کو طلاق دے کر گھر بھجوا دے گا۔ تو اس کے ایسا سوچنے پر بھی سخت پابندی عائد کر دی گئی تھی۔

اس روز میڈم عمیمہ نے اسے بلایا۔ وہ آفس میں بیٹھا منتقلی رپورٹ بنا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ ان کے کیبن میں آیا تو انہوں نے اپنی ٹیبل پر کچھ پھیلا رکھا تھا۔ وہ سامنے رکھی چیئر پر بیٹھ گیا۔

”آؤ ظفریاب احمد۔“ انہوں نے اپنے اسٹریٹ کیے بال پیچھے کو جھٹکے۔ اس دن کے بعد سے وہ ان کے بلانے سے خوف زدہ ہو جایا کرتا تھا۔

”میں نے سوچا تمہیں تمہارا ٹاسک دے ہی دوں۔“ انہوں نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ ظفریاب کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

”یہ دیکھو.....“ انہوں نے ٹیبل پر بکھری تصاویر اس کے سامنے رکھ دیں۔ وہ حیرت سے انہیں دیکھتا رہ گیا تو کیا میڈم کو پتہ چل گیا وہ گھبرا سا گیا۔ میڈم نے اس کی گھبراہٹ کو نوٹ کیا تھا۔

”بہت خوب صورت ہے ناں یہ؟“ وہ مسکراہٹ دبا کر بولیں۔ وہ کچھ نہیں بولا۔

”تمہیں ظفریاب اس لڑکی سے محبت کرنا ہے۔“

”جی......!“ وہ پلکیں جھپکنا بھول گیا۔ کیا کہہ رہی تھیں وہ۔

”دھیان سے میری بات سنو۔“ وہ آہستہ آہستہ اسے اپنا پلان سمجھانے لگیں۔ جیسے جیسے وہ بول رہی تھیں ظفریاب کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ میڈم عمیمہ کی سگی اولاد تھی اور وہ محض اپنے سابقہ شوہر کو نیچا دکھانے کے لیے یہ سب کروا رہی تھیں۔

”نہیں میڈم.....“ وہ ان کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی

اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔ وہ آپ کی بیٹی ہے۔ میں یہ کیسے کر سکتا ہوں۔ یہ غلط ہے۔"

"کچھ غلط نہیں ہے۔" اس کے انکار پر وہ سیخ پا ہوگئیں۔

"تم اس سے محبت کا صرف ڈرامہ کرو گے اور ملو گے۔ اس سے محبت کی باتیں کرو گے اس کو اپنا عادی کرلو گے اور پھر اس کو چھوڑ دو گے۔ بس یہی کام کرنا ہے تمہیں۔ اگر مشکل لگتا ہے تو اس کے لیے تمہیں الگ سے رقم مل جائے گی لیکن انکار نہیں سنوں گی میں کلیئر۔" انہوں نے حکم صادر کیا اور ظفریاب کو اپنے اندر دھواں بھرتا محسوس ہو رہا تھا۔ اگر وہ تھوڑی دیر بھی اور کھڑا رہتا تو شاید اپنے حواس کھو بیٹھتا۔

"مجھے سوچنے کے لیے وقت چاہیے۔" وہ ان کو ٹالنے کے لیے بہانہ بناتا باہر نکل آیا۔ لیکن اس کا بہانہ زیادہ دیر نہیں چلنے والا تھا۔ یہ وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ اس نے اماں کی بیماری کا بہانہ کر کے چھٹی لی اور گاؤں آ گیا۔ لیکن یہاں بھی کہاں سکون تھا۔ ابا کا شادی کے لیے اصرار بڑھتا جا رہا تھا۔ ادھر میڈم کے فون پر فون آ رہے تھے وہ پھر واپس بھاگ آیا۔ لیکن ابا نے واضح طور پر کہہ دیا تھا اگلی بار وہ اس کی ایک نہیں سننے والے۔ شادی نہیں تو نکاح تو اس کا کر ہی دیں گے اور ابھی وہ راستے میں ہی تھا جب زیمل کا ایس ایم ایس ملا۔ وہ ملنا چاہتی تھی۔ میڈم عمیمہ جو کروانا چاہتی تھیں اس کے لیے راہیں خود بخود ہموار ہو رہی تھیں اور پھر وہ میڈم کی تمام پلاننگ بھلائے اس سے ملنے لگا۔

روز شام چار بجے سے آٹھ بجے تک وہ مکمل اس کا ہوتا۔ میڈم کی نظروں میں وہ ان کا کام کر رہا تھا۔ جب کہ وہ صرف اور صرف اپنے دل کا کہا مان رہا تھا۔ وہ سامنے بیٹھی رہتی اور وہ اس کا روپ دل میں اتارتا رہتا۔ اسے دنیا جہاں کے قصے سناتا۔ وہ بھی اپنی چھوٹی چھوٹی باتیں اسے سناتی۔ پسند ناپسند اسے بتاتی۔ اور پھر دیر تک خود ہی ہنستی رہتی۔ زیمل کی کلاسز اسٹارٹ ہونے والی تھیں اور وہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی کہ اب کیسے ملا کریں گے۔ اب تو ایک پل کی جدائی بھی محال لگنے لگی تھی۔ اس روز وہ اسے عون اور شبانہ کے بارے میں ڈھیروں باتیں سنا رہی تھی اور تبھی اس نے پوچھ لیا۔

"عون تمہارا کزن ہے کیا کبھی تم نے اس کے بارے میں نہیں سوچا۔ کسی ایک پل ایک لمحہ۔ تم دونوں کو میں نے جب بھی دیکھا اکٹھے ہی دیکھا۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کبھی تمہارے دل میں اس کے لیے جذبات نہ جاگے ہوں؟"

"شک کر رہے ہو؟" وہ ہنسنے لگی۔

"یہی سمجھ لو۔" اس نے بے نیازی سے کہا۔ زیمل نے اسے گھورا اور پھر بتانے لگی۔

"عون مجھ سے محبت کرتا تھا' کب سے' میں نہیں جانتی۔ لیکن جب اس نے مجھ سے اظہار کیا تو میں نے اسے سختی سے ڈانٹ دیا۔ مجھے اس سے کبھی بھی ویسی محبت نہیں تھی جیسی وہ چاہتا تھا۔ وہ میرا اچھا دوست تھا اور بس۔ لیکن جب اس نے مجھے جلانے کے لیے شبانہ سے شادی کا فیصلہ کیا تو مجھے غصہ آیا تھا۔ دکھ بھی محسوس ہوا تھا۔ لیکن تمہاری محبت اس افسوس اور دکھ پر بھاری تھی سو......" اس نے بات ادھوری چھوڑ کر کندھے اچکائے۔ ظفریاب بڑی گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"زیمل...... اگر کبھی میں تمہیں چھوڑ جاؤں۔ تم سے ساتھ نہ نبھا سکوں تو......؟"

"ایسا سوچنا بھی مت...... میں تمہیں جان سے مار ڈالوں گی۔" وہ اس کی بات کاٹ کر چلائی اور ظفریاب کے اندر دکھ کا گہرا سمندر اترتا چلا گیا تھا۔ وہ کیا کرتا جو اس لڑکی کا دل نہ ٹوٹتا۔ وہ کیا کرتا کہ اس سے دور اس کے انتظار میں بیٹھی لڑکی خود ہی راستہ بدل لیتی۔ وہ کیا کرتا کہ میڈم عمیمہ اسے اپنا آلہ کار نہ بنا سکتی۔ اصل میں تھا ہی کم ہمت۔ اس میں جرأت نہیں تھی' حوصلہ نہیں تھا اور زندگی کبھی بزدلوں کا ساتھ نہیں دیا کرتی۔

❀ ❀ ❀ ❀

وہ اس کے سامنے مجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑا تھا اور زیمل حسان ڈبڈبائی آنکھوں سے اس دشمن جان کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے بارے میں کسی نے بھی نہیں سوچا تھا اس کی سگی ماں نے اور نہ ہی اس شخص نے جس سے ان چند دنوں میں وہ ٹوٹ کر محبت کرنے لگی تھی۔ کس صفائی سے اس نے اسے اپنی زندگی سے نکال پھینکا تھا۔ جیسے بیچ میں وہ کوئی جوتا یا کولون ہی تو تھی۔ اس پر زندگی کی یہ تلخ حقیقت کبھی آشکار نہیں ہوتی اگر وہ اس روز صبح مام سے ملنے نہ آیا ہوتا۔ وہ تو ابھی تک اس تصویر کی گتھی نہ سلجھا پائی تھی۔ شدید پیاس کے باعث اس کی آنکھ کھلی تھی۔ وہ پانی لینے روم ریفریجریٹر کی طرف آئی تبھی ہوا کے دوش پر آتی کھلی کھڑکی سے مما کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ وہ اس لہجے میں تو کسی سے بات نہیں کرتی تھیں۔ وہ بہت نرم خو

تھیں۔ اس نے یونہی گلاس لبوں سے لگائے لگائے کھڑکی سے باہر جھانکا۔ لان میں گلاب کی کیاری کے پاس وہ کھڑی تھیں اور ان کے سامنے...... ہاں وہ ظفریاب ہی تھا۔ وہ اسے پہچاننے میں کبھی دھوکہ نہیں کھا سکتی تھی۔ تبھی مام کی چنگھاڑتی آواز دوبارہ آئی تھی۔

''مت بھولو ظفریاب احمد میرے ایک اشارے پر تمہاری حیثیت اس چیونٹی کے برابر بھی نہیں رہ جائے گی اور تم نے سوچا بھی کیسے، معمولی تنخواہ پانے والے ایک ادنیٰ ملازم۔ اب تم مجھے بلیک میل کرو گے۔'' وہ بہت بپھری ہوئی لگ رہی تھیں لیکن اسے تو ظفریاب کی کشش نیچے کھینچ لائی تھی۔ اس نے نہ اپنے حلیے پر غور کیا اور نہ اس بات پر سوچا تھا کہ مام اس کو وہاں پاکر آگ بگولہ ہوجائیں گی۔ دل صرف اس کی ایک جھلک دیکھنے کو بے تاب تھا اور پھر دل کے سامنے تو کئی سلطنتیں ہیچ ہوتی ہیں۔ وہ اسی طرح بھاگتی ہوئی لان میں پہنچی تھی۔ مام کی اس کی طرف پشت تھی۔ ظفریاب ان سے چند قدموں کے فاصلے پر سر جھکائے چپ چاپ کھڑا ان کو سن رہا تھا۔

''اوقات مت بھولو اپنی۔'' وہ چبا چبا کر بولی تھیں۔

ظفریاب نے سر اٹھایا۔

''کیا اوقات ہے میری میڈم جی؟ جب آپ اپنی بیٹی سے عشق کا ڈرامہ کرنے کے لیے کہہ رہی تھیں اس وقت میری اوقات بھول گئی تھیں آپ کو کیا پتہ میں نے کتنی بار آپ کی بیٹی کا ہاتھ پکڑا ہو۔ کتنی بار ہوس کے ناگ نے میرے اندر پھن پھیلا ہو۔ لیکن آپ کو اس سے فرق نہیں پڑتا یہ سب چیزیں تو آپ اونچے طبقے میں ماڈرن ازم اور فیشن ہیں۔ میں آپ کو پہلے ہی کہہ چکا ہوں آپ نے اپنی بیٹی سے جھوٹے عشق کا ڈرامہ ضرور رچایا ہوگا۔ لیکن میں زیمل حسان سے بہت پہلے سے عشق کرتا ہوں اور آپ مجھے ایسا کرنے سے روک نہیں سکتیں۔ باقی آپ کے لکھے ڈرامے کا ڈراپ سین ہوچکا ہے اور میں نے اس میں اپنا کردار بخوبی نبھایا ہے۔ اب مجھے اجازت دیں۔ میں آپ کی یہ نوکری چھوڑ رہا ہوں۔ مجھے ایسی جاب نہیں کرنا جو ہوس سے شروع ہوکر ہوس پر ہی ختم ہوتی ہے اور میڈم جی ہوس صرف پیسے اور جسم کی ہی نہیں ہوتی۔ دوسروں کو تباہ کرنے کی خواہش بھی ہوس میں ہی شمار ہوتی ہے اور......''

''اف فوہ...... بکواس بند کرو جب پیسے جیب میں آگئے تو اخلاقیات یاد آنے لگے چلتے پھرتے نظر آؤ اور آئندہ مجھے بھی اس گھر اور زیمل کے پاس بھٹکتے بھی نظر نہ آؤ۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر چلائیں اور پاؤں پٹخ کر واپس مڑیں تو سامنے زیمل کو کھڑا دیکھ کر ان کے پیروں تلے سے زمین سرک گئی۔

''زیمل...... بیٹا تم یہاں کیا کررہی ہو؟'' انہوں نے چند لمحے لیے تھے خود کو سنبھالنے میں لگائے۔

''کچھ نہیں مام...... مجھے بس ظفریاب سے کچھ پوچھنا ہے۔ آپ پلیز تھوڑی دیر کے لیے مجھے تنہا چھوڑ دیں گی۔'' اس نے یہی پوز کیا کہ اس نے کچھ بھی نہیں سنا۔ عمیمہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ حقیقت کھل جانے کا خوف دونوں کے چہروں سے ہویدا تھا۔ عمیمہ اندر کی طرف بڑھ گئیں۔ وہ تھوڑا سا چل کر اس کے مقابل آن کھڑی ہوئی۔ دھندلائی آنکھوں سے اس کو دیکھے گئی۔ وہ سر جھکائے کھڑا تھا۔

وہ اس کی شبیہہ آخری بار جی بھر کر دیکھنا چاہتی تھی۔ اس کے بعد وہ کبھی اس کی شکل بھی دیکھنے کی خواہش نہیں رکھتی تھی۔ وہ منہ سے ایک لفظ نہیں بولی۔ اسے دیکھتی رہی۔ لمحے سرکتے رہے، آنکھ میں آنسو اترا پھر دوسرا اور پھر جیسے سب نے ایک دوسرے کی تقلید کرنے کی ٹھان لی۔ پھسل پھسل کر گالوں سے ہوتے گریبان میں جذب ہوتے رہے وہ کھڑی رہی اس کے پاؤں سن ہوگئے اور جسم بے جان۔ لیکن اسے اس کے سامنے کمزور نہیں پڑنا تھا جب کھڑے رہنا دو بھر ہوگیا تو وہ پلٹ آئی۔ اسے اپنا جسم جلتا محسوس ہورہا تھا۔ جل بجھنے سے پہلے کی کیفیت۔ اسے اب یہاں نہیں رہنا تھا۔

اسے یہاں کبھی پلٹ کر نہیں آنا تھا۔ اس نے خزینہ ممی کو فون کیا کہ ڈرائیور بھیج دیں۔ وہ اپنی پیکنگ کررہی تھی۔ عمیمہ اس کو منا کررہی تھیں اپنی صفائیاں دے رہی تھیں۔ انہوں نے صرف عون کو نیچا دکھانے کے لیے یہ سب کیا تھا وہ نہیں چاہتی تھیں کہ زیمل عون کی دلہن بن کر ہمیشہ کے لیے اس گھر کی ہوکر رہ جائے۔ اصل بات وہ اب بھی چھپا گئی تھی۔ انہیں حسان شہریار سے بدلہ لینا تھا۔

حسان شہریار نے انہیں طعنہ مارا تھا کہ ان جیسے طبقے سے تعلق رکھنے والی عورتیں محبت کے پیچھے اپنا سب کچھ قربان کر ڈالتی ہیں۔ حسان نے انہیں ان کی غربت کا طعنہ دیا تھا اور وہ ثابت کرنا چاہتی تھیں کہ محبت غریب عورت کرے یا امیر۔ ایک بار تو خود کو داؤ پر لگا ہی دیتی ہے۔ آج جیسی زندگی وہ گزار رہی تھیں وہ حسان شہریار کی مرہون منت نہیں تھیں۔ انہوں نے

خود اپنی محنت سے یہ مقام حاصل کیا تھا۔ لیکن اندر ہی اندر وہ بات انہی کی طرح انہیں چھیدتی رہتی تھی۔ وہ دیکھنا چاہتی تھیں کہ جب زیمل اپنی محبت کے لیے اپنے باپ کے سامنے سر اٹھا کر کھڑی ہوگی تو کیسے اس بت میں دراڑ پڑے گی۔ لیکن ظفریاب نے یہ کھیل ادھورا چھوڑ کر سب کچھ بگاڑ دیا تھا اور زیمل پر یہ حقیقت کھل جانے کے بعد تو انہیں شرمندگی ہی محسوس ہورہی تھی۔ زیمل چلی گئی۔ ظفریاب بھی چھوڑ گیا اور وہ پھر سے اپنی دنیا میں بھٹکنے کے لیے تنہا رہ گئی تھیں۔

❀......❀......❀

زندگی میں پلٹ کر دیکھنا اس نے چھوڑ دیا تھا۔ تین سال ہوگئے تھے اس نے دوبارہ نہ تو اپنی ماں سے رابطہ کیا اور نہ ہی کبھی ظفریاب سے ملنے کی خواہش کو خود پر حاوی ہونے دیا تھا۔ وہ اس کالج میں واپس لوٹ آئی تھی۔ اب زمین کے علاوہ ان کی ایک اور روم میٹ آ گئی تھی حفیظہ۔ موٹی سی گول گپو سی۔ زمین پہلے سے کچھ زیادہ سنجیدہ ہوگئی تھی۔ ہر وقت نیٹ پر بزی رہتی۔ اس سے بھی کم ہی بات کرتی اور وہ خود بھی تو بہت کم گو ہوگئی تھی۔

فائنل ایئر کا لاسٹ سمسٹر چل رہا تھا۔ ان کا ریزیڈینس شروع ہوگیا تھا۔ حفیظہ کی ایک کزن یہاں سے پڑھ کر گئی تھی۔ وہ ریزیڈینس کے بارے میں بڑے مزے مزے کے واقعات سنائی رہتی ان سب کو ایک گھر میں ایک ماہ کے لیے رہنا تھا۔ چار چار لڑکیوں کے گروپس بنا کر ایک ایک کمرہ دے دیا گیا تھا۔ ایک مقررہ رقم دی گئی تھی جس میں انہیں پورے مہینے کے لیے گروسری خریدنا اور پورا مہینہ اسی بجٹ میں گزارنا تھا۔ ہر روز صفائی کرنا ہوتی۔ حتیٰ کہ باتھ روم بھی صاف کرنا ہوتا۔ ناشتے میں کیا ہوگا' لنچ اور ڈنر میں کیا' شام کی چائے اور ہر روز ایک ایک کے ذمے الگ الگ کام لگادیئے جاتے' رات کو جب سارے کاموں سے تھکی ہاری وہ بستر پر پڑتیں تو جوڑ جوڑ دکھ رہا ہوتا۔ زیمل کی عادت کہاں تھی لیکن زمین نے اس کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔ یہاں تو ہر بار کے مارکس لگتے تھے۔ لاسٹ ویک اینڈ پر سب پیرنٹس کی ہائی ٹی کی گئی تھی اور سب کی الگ الگ ڈشز سے ٹیبل بھر گئی تھی۔ اس نے خزینہ کو بلایا تھا اور خلاف توقع وہ آ بھی گئی تھی۔ اس کا طریقہ' سلیقہ' نفاست دیکھ کر وہ حیران بھی ہوئی تھیں اور خوش بھی اور جاتے ہوئے انہوں نے اسے بہت سا پیار کیا تھا۔

''بھلے میں نے تمہیں جنم نہیں دیا زیمل۔ لیکن میری مامتا کو تسکین تم نے ہی دی ہے تم مجھے عزیز ہو زیمل۔ میں محبتوں میں اظہار نہیں کرسکتی یہی میری خامی ہے لیکن حقیقت یہ ہے میں تم سے بے پناہ محبت کرتی ہوں کبھی میرے خلوص پر شک نہیں کرنا۔'' وہ اس کے ماتھے پر بوسہ دیتی رخصت ہوگئی تھیں۔ اور وہ حیران سی انہیں دیکھتی رہ گئی تھی۔ کبھی کبھی ہمیں محبت وہاں سے مل جاتی ہے جہاں سے ہم توقع نہیں کررہے ہوتے یا ہم سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ ان کے پاس ہمارے لیے کچھ نہیں۔

ریزیڈنس کے بعد وہ فری تھی پھر فائنل ایگزمز پر ہی ملنا ہوتا وہ اپنی پیکنگ کررہی تھیں۔

''زندگی پتہ نہیں کہاں لے جائے گی ہمیں......'' حفیظہ نے کہا۔

''ظاہر ہے اگر صحیح گاڑی میں بیٹھو گی تو سیدھی گھر۔'' زمین نے اپنی الماری کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''میں پریکٹیکل لائف کی بات کررہی ہوں۔ تمہاری تو جاتے ہی رخصتی ہوجائے گی۔ زیمل کا بھی رشتہ ہونے میں کون سی رکاوٹ ہے کوئی۔ ایک ہم ہی ہیں۔'' اس نے ٹھنڈی آہ بھری۔

''میری رخصتی نہیں ہوگی۔'' زمین نے کن اکھیوں سے زیمل کو دیکھا جو خاموشی سے اپنی کتابیں سمیٹ رہی تھی۔

''کیوں؟'' وہ چونکی۔

''میں نے ٹیپو سے طلاق لینے کا فیصلہ کرلیا ہے۔'' اس نے لاپروائی سے کہا۔

''تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا؟'' وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس کے پاس آئی اور اب حیرت وغصے سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''نہیں بابا اب ہی تو دماغ ٹھکانے پر آیا ہے۔'' اس نے الماری بند کرکے سوٹ کیس کو بند کرنا شروع کردیا۔

''اصل میں صائمہ بھابی کا بھائی امریکہ سے آیا ہے اور میں اس کو بے تحاشہ پسند آ گئی ہوں۔ مجھے بھی وہ کچھ کچھ اچھا لگنے لگا ہے۔ اپنے ٹیپو صاحب تو مجھے کچھ گردانتے ہی نہیں۔ جانے کن چکروں میں ہیں۔ تو اماں اور ابا بلکہ ابرار بھائی سب نے مل کر فیصلہ کیا ہے کہ اس نام نہاد رشتے پر لعنت بھیجی جائے اور مجھے امریکہ بھجوانے کا انتظام کیا جائے۔ تو مائی ڈیئر اچھی اور پرتعیش زندگی کسے بری لگتی ہے۔ سو میں نے دن رات سوچنے کے بعد علیحدگی کا فیصلہ کرلیا ہے۔''

وہ سوٹ کیس بند کرچکی تھی اور اب دوسری طرف منہ کیے جانے کیا ڈھونڈنے لگی تھی۔ جانے کیوں زیمل کو لگا وہ آنسو چھپانے کی کوشش کررہی تھی۔ حفیصہ ان کی طرف متوجہ نہیں تھی اور زیمل کا بھی حوصلہ نہیں ہوا کہ زرمین کا بھرم توڑے۔ ہاں یہ مرد نہیں سوچتے۔ ان کی محبت دل کے کیسے ٹکڑے کرتی ہے۔ ایک وہ ٹیپو تھا جس نے کبھی زرمین سے محبت کی تھی نہ اس کے جذبات کو سمجھنے کی کوشش۔ اور ایک وہ ظفریاب تھا جس نے محبت تو کی تھی لیکن سودے کے تحت۔ اب محبت اور پیسہ ضرورت کے ترازو میں رکھ کر تولا جائے تو ظاہر ہے پیسہ کا پلڑا ہی جھکے گا۔ وہ نہیں جانتی تھی زندگی میں کبھی ان کا آمنا سامنا بھی ہوگا یا نہیں۔ لیکن یہ چھ سال ان کی زندگی کا بہترین حصہ تھے بہت کچھ کھویا تھا' بہت کچھ پایا تھا لیکن یہ تھا کہ اس کھونے پانے میں انہیں زندگی گزارنے کا سلیقہ آ گیا تھا۔

❀......❀......❀......❀

وہ آخری پیپر دے کر گھر لوٹی تو مجیداں نے بتایا کہ کوئی وکیل صاحب اس سے ملنے آئے ہیں۔ وہ فریش ہونے اپنے کمرے میں چلی آئی اور سوچتی رہی کہ کون ہوگا وہ تو کسی وکیل کو نہیں جانتی تھی۔ منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارتے ہوئے اس نے اپنا ستا ہوا چہرہ دیکھا' نیند سے آنکھیں بوجھل تھیں۔ اتنے دنوں کی بے آرامی سے اس کے وجود پر کاہلی دستی طاری ہورہی تھی۔ جی میں آیا انکار کردے۔ پھر کچھ سوچ کر چلی آئی۔ خزینہ سامنے ہی بیٹھی تھی اور وکیل صاحب سے خوش گپیوں میں مشغول تھیں۔ یقیناً انہی کا کوئی ملنے والا تھا اسے دیکھ کر خزینہ اٹھ گئی۔

"آؤ زیمل تمہارے مہمان آئے ہیں۔ میں انہیں کمپنی دینے بیٹھ گئی تھی۔ اب تم جوائن کرلو۔" وہ مہمان سے معذرت کرتی چلی گئیں۔ وکیل صاحب اب اٹھ کر اس کے سامنے کھڑے ہوگئے اور وہ آج بھی اسی طرح ساکت نظروں سے اس سامنے کھڑے شخص کو تک رہی تھی جسے چار سال پہلے آخری بار دیکھا تھا۔ اس کا دبلا پتلا جسم اب بھر گیا تھا۔ چہرے پر کچھ سنجیدگی سی بھی آ گئی تھی۔ آنکھیں البتہ ویسی ہی تھیں۔ جادو بھری شربتی آنکھیں اور گھنی مونچھوں تلے مسکراہٹ دبائے لب۔ وہ دیکھ رہی تھی دیکھے جارہی تھی۔ اس سے نہ ملنے کا عہد اپنے آپ بھربھری مٹی میں تبدیل ہوتا جارہا تھا۔ بے گانگی کا جو خول اس نے اپنے آپ اوپر چڑھایا تھا وہ تڑخ رہا تھا اس کی نظروں میں تھا ہی ایسا جادو۔ وہ دونوں بازو سینے پر باندھے سیدھا کھڑا تھا۔ اس آخری ملاقات کی طرح۔ زیمل کی دائیں آنکھ سے ایک قطرہ گرا پھر دوسرا اور پھر سارے آنسوؤں نے کمر باندھ لی۔ آج انہیں بہہ جانا تھا ہر دیوار توڑ کر وہ کھڑا رہا۔ وہ روتی رہی۔ بیتے لمحوں کی اذیت کا ایک ایک لمحہ اس نے بہہ جانے دیا۔ دل پر چھایا غبار چھٹ رہا تھا اور پھر وہ تھک گئی۔ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی اور دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ محبت بڑی ظالم ہوتی ہے کیا سے کیا بنا دیتی ہے اور کیا کیا سکھا دیتی ہے وہ اس کے سامنے بیٹھ گیا اور بولنے لگا۔

"ناراضگی محبت کو دیمک کی طرح کھا جاتی ہے کھوکھلا کردیتی ہے میری اور تمہاری محبت میں اعتماد کا فقدان تھا میں نے تمہیں وہ اعتماد نہیں دیا تھا کیونکہ میں خود اپنی ذات سے بے خبر تھا میں ایک طرف زرمین کا ہونے والا شوہر تھا تو دوسری طرف ایک امیر عورت کے ہاتھوں زرخرید۔" زرمین کے نام پر اس نے چونک کر سر اٹھایا۔

"ٹیپو......ظفریاب؟"

"ہاں۔" اس نے سر ہلایا۔

"پتہ ہے زرمین کو بھلے تم نے کبھی نہیں بتایا تھا لیکن وہ جانتی تھی کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو جب میں نے تمہیں چھوڑا تھا تو اس کی ایک وجہ میڈم کی پلاننگ تھی تو دوسری وجہ میرا اور زرمین کا نکاح بھی تھا میں فیصلہ نہیں کرپارہا تھا کہ مجھے تمہارے یا اس میں سے کس کا انتخاب کرنا ہے ایک طرف محبت تھی اور دوسری طرف مجبوری لیکن تمہیں پتہ ہے زرمین نے تمہاری محبت کے لیے اپنی محبت چھوڑی ہے مجھے آزاد کردیا ہے شاید وہ نہ چھوڑتی لیکن اس نے تمہارا میرے لیے تڑپنا دیکھا تھا اور میری آنکھوں میں تمہاری محبت۔ سو اس نے ایک فرضی رشتے کے لیے مجھے ٹھکرا دیا گھر میں کس قدر دنگا فساد مچا ہے وہ الگ بات ہے۔" وہ چپ ہوا۔

"اتنی دیر کردی ظفریاب پلٹ کر دیکھنے میں۔" وہ بولی تو صرف اتنا وہ ہنس دیا۔

"میں خود کو تمہارے قابل تو بنا لیتا۔ تمہارے ڈیڈ سے تمہارا ہاتھ مانگنے کے لیے میرا کوئی اسٹیٹس تو ہوتا اور پھر زرمین...... میں کلیئر ہوکر تمہارے پاس آنا چاہتا تھا تاکہ اب کی بار مجھے تم سے کوئی جدا نہ کرسکے۔" وہ اس کی روئی روئی آنکھوں میں

جھانکتا سحر پھونک رہا تھا وہ اٹھ کھڑی ہوئی دونوں ہتھیلیوں سے اپنا چہرہ صاف کیا اور اپنے کمرے میں چلی گئی پانچ منٹ کے بعد اس کی واپسی ہوئی تو ہاتھ میں ایک کاغذ تھا لاکر ظفریاب کو تھمادیا اس نے نظر دوڑائی اور پھر استفہامیہ نظروں سے زیمل کو دیکھا۔

"کل رات میں نے یہ نظم لکھی تھی اور اگر آج تم پلٹ کر نہ آتے تو میں حقیقتاً ایسا کرنے والی تھی۔" وہ اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی اور پڑھ کر سنانے لگی۔

تو سوچا ہم یہ جانم
تو سوچا ہم نے یہ جانم
اٹھائیں خواب سب اور انہیں کانوں میں رکھ آئیں
وہ بیتے پل وہ سب یادیں
کہیں دریا برد کردیں

وہ سب پہچان وہ سب وعدے
اٹھائیں اور اسے جا کر واپس کر آئیں
اسے احساس ہو شاید
کہ بیتا کچھ بھی ہو یک دم بھلایا جانہیں سکتا
وہ سارا غم فقط اشکوں میں بہایا جانہیں سکتا
راستے کیسے بھی ہوں
لوٹنا ممکن نہیں ہوتا
فقط وعدے لوٹانے سے
وہ شدت کم نہیں ہوتی
فقط دل سے بھلانے سے
اذیت کم نہیں ہوتی
اسے یہ علم نہیں شاید
سو اس کو سب بتا آئیں
اٹھائیں خواب سب اور انہیں
طاقوں میں رکھ آئیں
تو سوچا ہم نے یہ جانم
بنا اس کے جینے کا تصور بھی کر دیکھیں
بہت دن جی لیے کچھ لمحوں کو مر کر دیکھیں

وہ چپ ہوئی تو ظفریاب نے بے اختیار اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"اتنی اجازت تو دو۔" اس کے گھورنے کے جواب میں اس نے کہا تھا۔

"اور میں نہیں بتاؤں ان چار سالوں میں اسی جھوٹ کو نبھا رہا ہوں میں کہ بیتا کچھ بھی ہو یک دم بھلایا جانہیں سکتا۔ مجھ پر زمین کا بہت بڑا احسان ہے اس نے میری محبت کی خاطر سب اذیت اپنے اوپر جھیل لی۔ اسے میری محبت پر ایک فیصد بھی یقین ہوتا تو وہ کبھی مجھ سے دست بردار نہ ہوتی۔ میں جانتا ہوں وہ بہت اذیت کاٹے گی جبر کرے گی لیکن کاش میں اس کے لیے کچھ کرسکتا محبوب کے بغیر جینا کوئی جینا نہیں ہوتا۔ سو بھولے سے بھی خیال دل میں مت لانا ہمیں اکٹھے جینا ہے۔" وہ جذب کے عالم میں کہہ رہا تھا اور زیمل کی نگاہیں جھکتی چلی گئی تھیں۔

کچھ ظفریاب کے لیے اور کچھ اپنی اس دوست کے لیے جس نے اس کی دوستی پر اپنی محبت قربان کی تھی اور وہ شبانہ بھی جو عون کو چھوڑ کر چلی گئی تھی اور عون نے ایک بار پھر اس سے امید لگائی تھی زندگی میں سب کچھ ہمارے لیے قابل فہم نہیں ہوتا بہت کچھ توقع کے برعکس ہوتا ہے اور ہمیں وہ قبول کرنا پڑتا ہے ایڈجسٹ کرنا پڑتا ہے محبت میں ہمیشہ ایک کا دامن بھرتا ہے ایک کا خالی رہ جاتا ہے وہ زمین کے بارے میں سوچ رہی تھی ظفریاب اس کے بارے میں اور اندر آتی خزینہ ان دونوں کی خوشیوں کے بارے میں۔ انہوں نے ہمیشہ زیمل کی بھلائی کے لیے سوچا تھا ابھی کل ہی عون نے زیمل کا ہاتھ دوبارہ مانگا تھا اور خزینہ نے منع کردیا تھا اور تب ہی انہوں نے زیمل کو بتائے بغیر اس کے موبائل سے ظفریاب کا نمبر لے کر اسے گھر بلالیا تھا جھوٹی انا کا کھیل ختم ہی ہوجاتا تو اچھا تھا آج وہ سرخرو ہوئی تھیں رشتے تو رشتے ہوتے ہیں سگے، سوتیلے کیا؟ وہ ان کی بیٹی تھی اولاد تھی اور اس کی خوشیوں کے لیے وہ کوئی بھی اسٹیپ لے سکتی تھیں رہ گئے شہریار تو انہیں منانا اتنا مشکل نہیں تھا وہ کچھ سوچ کر واپس پلٹ آئیں حسان شہریار کو فون کرنے کے لیے۔

✡

تیری زلف کے سر ہونے تک

اقراء صغیر احمد

قسط نمبر 8

مرحلہ زیست میں ایسا بھی آجاتا ہے
دل جو دُکھتا ہے تو دُکھتا ہی چلا جاتا ہے
جو نا اہل ہیں، مغرور وہ ہوجاتے ہیں
جس میں ہو حوصلہ دانش وہی چھا جاتا ہے

گزشتہ قسط کا خلاصہ

زید عمرانہ کے کہنے پر عروہ کو ڈنر پر لے آتا ہے لیکن اس دوران اس پر طنز کرنے سے باز نہیں آتا' عروہ زید کی سودہ میں پسندیدگی بھانپ لیتی ہے جبکہ زید سودہ کو باہر دیکھ کر اس کی خراب طبیعت کے متعلق جان کر بھی اگنور کردیتا ہے' صوفیہ کو بھتیجے کی یہ لاتعلقی قطعاً پسند نہیں آتی۔ نوفل شادی کے موقع پر انشراح کی ذات کو تضحیک کا نشانہ بناتا ہے جبکہ نانی کے احسان لینے کی وجہ سے وہ خود کو نوفل کے سامنے مجبور و بے بس تصور کرتی ہے۔ مائدہ میں اپنی کزنز سے میل جول کے بعد بہت سی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں' جب ہی وہ موبائل فون نہ صرف چھپ کر استعمال کرنا شروع کردیتی ہے بلکہ سودہ اور اس کی دوستی میں بھی دوریاں آنے لگتی ہیں۔ ایسے میں وہ شاپنگ کا بہانہ بنا کر سودہ کو اپنے ہمراہ لے آتی ہے اور وہاں سے کہیں اور فرار ہوجاتی ہے جبکہ سودہ اس کی گمشدگی پر بوکھلا جاتی ہے اور تمام صورت حال سے زید کو آگاہ کرتی ہے۔ زید وہاں پہنچ کر اس کی تلاش میں ناکام رہتا ہے اور شام ڈھلے گھر لوٹ آتا ہے جبکہ مائدہ مقررہ ٹائم پر از خود گھر پہنچ کر سارا الزام سودہ پر عائد کردیتی ہے کہ وہ اسے وہاں چھوڑ آئی تھی لیکن مائدہ کے لہجے کی لڑکھڑاہٹ زید کو بہت کچھ سمجھا دیتی ہے جب ہی وہ اس پر ہاتھ اٹھاتے نہایت مشتعل ہوجاتا ہے۔ مائدہ ایسی صورت حال سے گھبرا کر خود کو کمرے میں مقید کرلیتی ہے عمرانہ کے آنے پر وہ تمام باتیں اس کے گوش گزار کرتا ہے مگر عمرانہ بیٹی کا بچاؤ کرتے ہوئے سودہ کو ہی ملزم قرار دیتی ہیں اور زید بھی عمرانہ کی باتوں میں الجھ جاتا ہے۔ یونیورسٹی میں انشراح اور نوفل کا جھگڑا بہت بڑھ جاتا ہے جب ہی وہ اس کے کردار پر انگلی اٹھاتا ہے' اپنی توہین انشراح کو سلگا دیتی ہے جب ہی وہ نوفل کی ماں کی تربیت کو موردِ الزام ٹھہراتی ہے۔ ماں کے ذکر پر نوفل مزید بھڑک اٹھتا ہے بے شک یہ اس کی زندگی کا تلخ باب تھا جسے وہ بہت پہلے بند کرچکا تھا مگر جیسے جیسے ماں کی برسی کے دن قریب آتے ہیں تمام تلخیاں پھر سے اس کے وجود کا احاطہ کرلیتی ہیں۔ نوفل باتوں کے دوران یوسف صاحب کو زرقا بیگم کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کا احساس دلاتا ہے جب ہی وہ حمرہ بیگم سے اس بات کا تذکرہ کرتے افسوس کا اظہار کرتے ہیں۔ زرقا بیگم عمر میں ان سے بڑی تھیں اور انہوں نے اس بات کے پیش نظر کبھی انہیں اپنی محبت و توجہ کے قابل نہ سمجھا تھا۔

اب آگے پڑھیے

❀……❀……❀

کال بیل بار بار بج رہی تھی۔ انشراح نے میگزین ٹیبل پر رکھ کر بالی کے روم کی طرف دیکھا جس کا دروازہ ابھی تک بند تھا۔ بالی کی موجودگی میں اسے گیٹ کھولنے کی نوبت نہیں آئی تھی اور اب وہ کئی بار بیل بجنے کے باوجود کمرے سے باہر نہیں آئی تھی اس کا مطلب تھا وہ یقیناً باتھ لینے میں مصروف ہوگی' یہ واحد کام تھا جس کو کرتے وقت وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوجاتی تھی۔ وہ لاؤنج و کاسن عبور کرکے باہر آئی جہاں چھوٹا سا لان دائیں بائیں دو حصوں میں بٹا ہوا تھا اور درمیان میں محرابی صورت میں ماربل کا فرش تھا جو داخلی گیٹ تک جارہا تھا۔ وہ جانتی تھی نانو واک سے واپس آگئی ہیں کیونکہ یہ ٹائم ان کی واپسی کا ہی تھا۔ وہ روز شام ڈھلے

واک سے واپس آتی تھیں۔اس نے گیٹ کھولا اور سامنے کھڑے اس شخص کی سلگتی نگاہوں میں کچھ ایسی بات تھی کہ وہ بے اختیار الٹے قدم پیچھے ہوئی تھی۔

"آداب عرض کرتا ہوں۔" وہ مسکراتا ہوا آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

"کیا ہوا انشی پہچانا نہیں؟ یہ اپنے لاریب صاحب ہیں وہ ہی بد دماغ و مغرور نوفل صاحب کے کزن...... ہسپتال میں بھی آتے تھے ہم سے ملنے کے لیے آج اتفاقاً ہی ملاقات ہوگئی۔" ان کے پیچھے جہاں آرا نے آتے ہوئے خوشگوار موڈ میں کہا۔ جواباً اس نے خاموشی سے گیٹ بند کیا اور آگے بڑھ گئی تھی وہ اس وقت ڈھیلی ڈھالی ٹی شرٹ اور ٹائٹس میں ملبوس تھی۔ سنہری سرخی مائل بال خوب صورت آبشار کی مانند پھیلے ہوئے اس کے بے پروا حسن کو دوآتشہ کررہے تھے جہاں آرا لاریب کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے اندر کی طرف بڑھ رہی تھی اور لاریب کی نگاہیں بے صبری سے آگے جاتی انشراح کے سراپے سے چپکی ہوئی تھیں۔ اس کے ہاتھ تو گویا دنیا کا سب سے قیمتی ہیرا لگ گیا تھا وہ چاہ کر بھی اس سے نگاہیں نہیں ہٹا پا رہا تھا۔

انشراح نے تعارف سننے کے بعد بھی کوئی لفظ نہ کہا تھا یہ اس کی کھلی بے عزتی تھی کوئی اور ایسی جرأت کرتا تو وہ حشر کردیتا مگر یہاں معاملہ ہی دوسرا تھا۔ وہ ہسپتال میں بھی اس کی باتوں کا جواب دینا در کنار اس کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہ کرتی تھی۔ اس کا یہی گریز و ادا ؤں بھرا غرور اس کو دیوانہ کیے ہوئے تھا۔ وہ گھاگ شکاری تھا اور جانتا تھا جو شکار جتنی مشکل سے ہاتھ آتا ہے وہ بے حد اشتہاء انگیز ثابت ہوتا ہے۔

"انشی...... پہچانا نہیں تم نے لاریب......"

"پہچان لیا ہے نانی جان...... نہ پہچاننے والی کیا بات ہے؟"

"ونڈر فل...... بہت اچھے آپ مجھے پہچانتی ہیں یہ میرے لیے بڑے اونر کی بات ہے۔ آیئے نا بیٹھیں کھڑی کیوں ہیں آپ۔" لاریب پر شادیٔ مرگ کی کیفیت طاری تھی۔

"جی نہیں...... میں اپنے روم میں جارہی ہوں۔" اس کے محبت بھرے اصرار پر وہ کھردرے لہجے میں کہہ کر اپنے روم کی طرف بڑھ گئی معاً جہاں آرا جو لاریب کی وارفتگی و دلچسپی کو گہری نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں اس کی بدتمیزی و بدتہذیبی پر گھور کر سخت لہجے میں بولیں۔

"انشراح...... مہمان سے اس طرح بات کی جاتی ہے؟ چلو جا کر چائے اور کچھ اسنیکس بنا کر لے آؤ جلدی سے۔"

"ارے...... ارے آنٹی آپ پلیز ان سے اس طرح بات نہ کریں میرے دل کو تکلیف ہورہی ہے میں چائے نہیں پیوں گا۔" جہاں آرا کا سخت لہجے میں بولنا سچ مچ اس کے دل کو ناگوار گزرا تھا۔

"اگر تکلیف ہورہی ہے تو جاؤ یہاں سے کیوں بیٹھے ہو؟" اس کی آنکھوں میں گویا جہنم سا جل رہا تھا اور اس کی تپش اسے بے کل و بے چین کیے ہوئے تھی اور ہسپتال میں بھی وہ اس کی ایسی ہی غلیظ نگاہوں سے محفوظ رہنے کے لیے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا کرتی تھی۔

"انشی...... تم گھر آئے مہمان کی توہین کررہی ہو چلو سوری کرو۔"

"سو کول آنٹی...... میں نے کہا نہ مجھے انشراح کی بات انسلٹ فیل نہیں ہوتی...... ویسے بھی میں اب جاؤں گا۔" اس بار اس کے لہجے میں عامیانہ پن کی جگہ وقار و تمکنت نے لے لی تھی اور لہجے کے ساتھ نگاہوں کے زاویے بھی بدل گئے تھے۔

"یہ کیسے ہوسکتا ہے میرا کوئی مہمان آئے اور سوکھے منہ واپس چلا جائے۔" انہوں نے شش و پنج میں کھڑی انشراح کو تنبیہی نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا اور وہ گہری سانس لے کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔

"آپ مجھے مہمان سمجھتی ہیں...... بہت دکھ ہوا یہ سن کر آنٹی۔" اس کے لہجے میں بڑی آزردگی تھی۔

"آتے ہی جانے کی باتیں کرنے والے مہمان ہی ہوتے ہیں بیٹا۔" وہ بھی ایک کائیاں عورت تھیں چرب زبانی و مکاری کے فن میں ماہر تب ہی پنک اور بلیک کلر کے سوٹ میں فریش سی بالی باہر آئی تھی۔

"او ہو آپ......" اس نے خوشدلی سے لاریب سے ہاتھ ملایا۔

"بالی...... فٹافٹ جائے اور اسنیکس لے کر آ وَانشی کی ہیلپ کرواؤ جا کر۔"

"آپ نے سرونٹ نہیں رکھے؟" بالی کے جانے کے بعد وہ حیرانی سے بولا۔

"سرونٹ ہیں صرف دن میں ہی ہوتے ہیں شام میں کام نمٹا کر چلے جاتے ہیں پھر جو ہلکے پھلکے کام ہوتے ہیں وہ بالی کر لیتی ہے۔ دراصل مجھے باہر کے لوگوں سے الجھن ہوتی ہے اس لیے میں ہر وقت ملازموں کو گھر پر نہیں رکھتی۔"

❁......❁......❁

"زید...... اس گھٹیا لڑکی کی باتوں میں آ کر آپ اپنی معصوم بہن سے بدگمان ہو گئے ہیں' ہے نا وہ جادوگرنی جو بہن کے خلاف آپ کے کان بھرنے میں کامیاب ہو گئی ہے۔ کل وہ مجھ کو بھی آپ سے دور کر دے گی۔" عمرانہ بیٹے کے بگڑے تیوروں اور جنونی انداز سے خائف ہو کر اس کے پیچھے آ گئیں۔

"مما...... آپ کو یقین ہے کہ میں کسی کی باتوں میں آ کر بدگمان ہو سکتا ہوں؟" اس کا ذہن بھڑکتا ہوا الاؤ بنا ہوا تھا۔

کمرے میں آ کر وہ بے قرار روح کی مانند اِدھر اُدھر چکراتا پھر رہا تھا۔ ایک پل' ایک لمحہ وہ بھول نہیں پا رہا تھا کہ کس شدید پریشانی میں وہ سودہ کے ساتھ مل کر اسے جگہ جگہ ڈھونڈ رہا تھا سودہ کی حالت وہ دیکھ رہا تھا فکر و پریشانی سے اس کا شادابی رنگ سفید پڑ گیا تھا۔ خوف سے کانپتے اس کے بدن کی لرزش اس کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ تھی۔ جو اس کے دل کی حالت تھی وہی سودہ کے دل وجان کی حالت تھی۔ وہ بے آواز رو رہی تھی اور اس کی آنسو خشک تھے لیکن کہیں اندر گہرائی میں اس کے بھی جل تھل تھی لاڈلی و عزیز از جان' بہن کا اس طرح پراسرار طریقے سے غائب ہو جانا اس کی غیرت و حمیت پر تازیانہ برسا رہا تھا اور گھر آ کر جس طرح اس نے اپنی غیر موجودگی کا جواز پیش کیا تھا وہ اسے جواز سے زیادہ جھوٹ محسوس ہوا تھا اور جھوٹ و بے حیائی اس کے لیے قطعی طور پر ناقابل برداشت تھی تب ہی پہلی بار ماں کی باتوں پر بھی یقین نہیں آیا تھا نہ مائدہ کو معاف کر سکا تھا۔ ان کی بات پر وہ بڑے تحمل بھرے انداز میں گویا ہوا۔

"پہلے میں کسی قیمت پر یقین نہیں کر سکتی تھی۔"

"اور اب...... یقین آ گیا ہے آپ کو؟"

"آف کورس...... یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ ہی باقی نہیں رہی جس بہن کو کبھی اف تک نہیں کہا۔ اس کو آج شک و بے اعتمادی کی آگ میں جلتا چھوڑ کر آ گئے ہیں۔" پھر قریب آ کر نرمی سے کہنے لگیں۔ "ہری اپ' میرے ساتھ چلیں۔ منا لیں مائدہ کو آپ کے سوا کون ہے اس کا؟ مدثر تو ہوتے ہوئے بھی نہیں ہیں آئیں ضدمت کریں۔"

"سوری مما...... میں نہیں جاؤں گا۔" پہلی بار ماں کی بات ماننے سے انکار کیا۔

"کیا مطلب ہوا اس بات کا؟" وہ تیوری چڑھا کر گویا ہوئیں۔

"پہلے اس سے معلوم کریں وہ کہاں گئی تھی اور کس کے ساتھ کون تھا وہ؟" یہ لفظ نہیں انگارے تھے جن کی ادائیگی بڑی کربناک و اذیت آمیز تھی۔

"کون تھا وہ......؟" وہ اسے گھورتے ہوئے لفظ لفظ استعجابیہ انداز میں جما جما کر کہتی اس کے قریب آئیں۔

"بس یہی سننا رہ گیا تھا' بھائی ہو کر بہن پر الزام تراشی کرنا کوئی تم سے سیکھے واہ کیا صلہ دیا ہے۔"

"مما...... بات آپ سمجھنے کی کوشش کریں' میں دشمن نہیں اس کا بھائی ہوں۔" ماں کو غصے سے بپھرے ہوئے دیکھ کر وہ نرمی سے بولا۔

"ارے جب بھائی آپ جیسے ہوں گے تو دشمنوں کی ضرورت ہی کیا ہے' آج آپ نے ثابت کر دیا۔ باپ پہلے ہی اس کا ہوتے ہوئے بھی نہیں تھا اور آج...... آج بھائی بھی بدل گیا ہے۔"

"مما...... مما...... ہرٹ نہ ہوں' میری بات سمجھنے کی سعی کریں۔"

"کیا خاک سعی کروں؟ ہاں میرے سامنے میری بیٹی پر بدچلنی کا الزام لگا رہے ہو' مجھ سے کہہ رہے ہو میں اس سے پوچھوں وہ کہاں گئی تھی' کس کے ساتھ گئی تھی' کون تھا وہ؟" اس نے تاسف بھری نگاہوں سے ماں کا بدگمان چہرہ دیکھا۔

''بہت اچھا ہوا ہمارے ساتھ ایسا ہی سلوک ہونا چاہیے تھا' بہت ناز تھا ہم ماں بیٹی کو آپ پر کہ آپ کے ہوتے ہوئے ہم پر کوئی انگلی نہیں اٹھائے گا۔ کوئی میلی نگاہوں سے نہیں دیکھے گا لیکن آج ساری خوش فہمی ہوا ہوگئی' سارا فخر و غرور مٹی بن کر جھڑ گیا۔ اب ہمارا کوئی اپنا نہیں...... کوئی محافظ نہیں...... ہم ماں بیٹی تنہا ہو گئے ہیں۔'' ان کی حالت غیر ہو گئی تھی ہذیانی انداز میں بولتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھنے لگی تھیں' وہ پریشان سا ان کے پیچھے بھاگا۔

''پلیز مما میری بات سنیں۔'' انہوں نے ابھی چند قدم ہی اٹھائے تھے کہ وہ ہیں تیورا کر گر گئیں۔

❀......❀......❀

بڑا ویران موسم ہے کبھی ملنے چلے آؤ
ہر اک جانب تیرا غم ہے کبھی ملنے چلے آؤ
ہمارا دل کسی گہری جدائی کے بھنور میں ہے
ہماری آنکھ بھی نم ہے کبھی ملنے چلے آؤ
میرے ہم راہ اگرچہ دور تک لوگوں کی رونق ہے
مگر جیسے کوئی کم ہے کبھی ملنے چلے آؤ
تمہیں تو علم ہے میرے دل وحشی کے زخموں کا
تمہارا وصل مرہم ہے کبھی ملنے چلے آؤ
اندھیری رات کی گہری خموشی اور تنہا دل
دیے کی لو بھی مدھم ہے کبھی ملنے چلے آؤ
تمہارے روٹھ جانے سے ہم کو ایسا لگتا ہے
مقدر ہم سے برہم ہے کبھی ملنے چلے آؤ
ہواؤں اور پھولوں کی خوشبو بتاتی ہے
تیرے ملنے کا موسم ہے کبھی ملنے چلے آؤ

تازہ گلاب کی مہک اگربتیوں کی خوشبوؤں کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر شہر خاموشاں کی اداس فضاؤں میں پھیل کر ماحول میں سوگواری پیدا کر رہی تھیں۔ عکرمہ کی لحد کے پاس یوسف صاحب اور نوفل فاتحہ خوانی کے بعد خاموش بیٹھے تھے' وائٹ کاٹن کے کرتا سوٹ میں ان کے سرخ و سپید چہروں پر اداسی و حزن پھیلا ہوا تھا۔ ماضی کی ریت سے ان کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں' یوسف صاحب کو وہ دن آج بھی اچھی طرح یاد تھا۔ اس وقت وہ وزارت کے منصب پر فائز تھے اور بے حد معروفیات کے باعث گھر والوں کو ذرا بھی ٹائم نہیں دے پا رہے تھے۔ کئی کئی ہفتوں میں آتے جاتے سب سے صرف سلام دعا ہوتی پھر ایک عرصے بعد ان کو وہ دن گھر میں گزارنے کا موسم کی خرابی کی وجہ سے مل گیا تھا۔ کھانے سے فارغ ہو کر وہ اپنے کمرے میں آ گئے تھے کہ موقع سے فائدہ اٹھا کر لمبی نیند سونے کا ارادہ کرتے ہوئے باتھ روم کی طرف بڑھے تھے۔ نائٹ سوٹ میں ملبوس ہو کر باہر آئے تو ان کو خیال آیا آج نوفل کو اپنے ساتھ سلائیں بزی روٹین نے اس کو بھی ان سے دور کر دیا تھا۔

ملازم دودھ کا گلاس لے کر وہاں آیا تو انہوں نے اسے نوفل کو لانے کا کہا۔ چند لمحے کھڑے ہو کر کھڑکی سے باہر آتے طوفان کو دیکھ رہے تھے' طوفانی بارش پوری شدت سے برس رہی تھی۔ دروازے پر ہونے والی دستک کی آواز سن کر کھڑکی کے پردے برابر کرتے ہوئے وہ پلٹے تو اندر آتے عکرمہ کو دیکھ کر شفقت سے مسکراتے ہوئے آگے بڑھ کر کاندھے سے لگے سوئے ہوئے نوفل کو لے کر سینے سے لگا کر بولے۔

''میں نے ملازم کو بھیجا تھا آپ نے کیوں تکلیف کی؟''

''میں نے سوچا اسی بہانے کچھ آپ سے گپ شپ بھی ہو جائے گی' ایک عرصہ ہو گیا ہے آپ سے دل کی بات کہے ہوئے۔'' وہ وہاں رکھے صوفے پر بیٹھتا ہوا خاصے بے تکلف انداز میں گویا ہوا تھا۔

"شیور وائے ناٹ۔" انہوں نے نوفل کو بہت احتیاط سے بیڈ پر لٹایا تھا پھر اس کی پیشانی چوم کر کمبل ڈال کر عکرمہ کے روبرو آ کر بیٹھ گئے۔

"بھائی صاحب...... کیسا لگ رہا ہے آپ کو منسٹری کی کرسی پر بیٹھ کر؟"

"میں فیل کر رہا ہوں کانٹوں بھرا راستہ ہے۔ ایک ذرا سی لغزش تمام خوشیوں کو ختم کرنے کو ہر پل تیار رہتی ہے۔" وہ مسکرا کر گویا ہوئے تھے۔

"پھر کیوں اس دشت خار میں سرگرداں ہیں؟ چھوڑ دیں خیرآباد کہہ دیں بابا ہمارے لیے ایک وسیع جائیداد چھوڑ کر گئے ہیں۔"

"پیسہ میرا ایشو نہیں یار...... میں لوگوں کے لیے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ یہاں لوگوں کو جب میں بنیادی حقوق سے محروم دیکھتا ہوں تو میرے دل پر ضربیں لگتی ہیں۔ ظالم حکمرانوں کی بے حسی و بے ضمیری کے باعث عوام کیڑے مکوڑوں کی مانند زندگی گزارنے پر مجبور ہوگئے ہیں اور اس کٹھن وقت میں میری زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ہر ممکن سہولیات دینے کی کوشش ہوتی ہے۔" ان کے لہجے میں حالات کے ستائے لوگوں کا درد تھا۔

"سوری بھائی صاحب...... یہ مجھے یاد ہی نہ رہا کہ آج آپ کو ریسٹ کرنے کا ٹائم ملا ہے آپ ریسٹ کریں میں جا رہا ہوں۔" اس خیال کے آتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا' وہ بھی اٹھتے ہوئے استفسار کرنے لگے۔

"اٹس اوکے میں ریسٹ کرلوں گا آپ کوئی بات شیئر کرنے آئے تھے وہ کیا بات تھی؟" انہوں نے بھائی کے وجیہہ چہرے پر نگاہیں ڈالتے ہوئے کہا اور ان کو وہ پہلے سے کمزور اور پژمردہ دکھائی دیا تھا۔

"عکرمہ...... کوئی سیریس معاملہ ہے آپ اتنے ویک ہورہے ہیں' کیا بیمار رہے ہیں؟" وہ خاصے پریشان ہوگئے تھے۔

"ارے نہیں بھائی صاحب...... میں ٹھیک ہوں۔" مسکرا کر تسلی دی۔

"میری آنکھیں دھوکا نہیں کھا سکتیں...... سچ سچ بتائیں بات کیا ہے؟"

"آپ بلاوجہ فکرمند ہوں' میں بالکل تندرست و توانا ہوں۔ صرف ایک ٹینشن تھی کہ میرے جانے کے بعد نوفل کا کیا ہوگا۔"

"آپ کے جانے کے بعد...... کہاں جارہے ہیں آپ؟" عکرمہ کا لہجہ بے حد عجیب سا تھا یوسف صاحب کو لگا جیسے کسی نے ان کا دل مٹھی میں جکڑ لیا ہو جو زندگی سے خالی محسوس ہوا تھا۔

"یہ کہاں جانے کی باتیں کررہے ہیں؟ میرے دل کی حالت بڑی دگرگوں ہورہی ہے پلیز...... عکرمہ میرے دل کو گھائل نہیں کرو جو سچ ہے وہ بتادیں۔" انہوں نے آگے بڑھ کر اسے لپٹاتے ہوئے کہا تھا۔

"کسی ایسی سرزمین پر جانے کا ارادہ کررہا ہوں جہاں سکون ہی سکون ہو۔" انہیں محسوس ہوا اس کی آواز بھیگی ہوئی ہے کسی دکھ سے بوجھل بھی۔

"یہ سوچ کر پریشان تھا نوفل کس کے پاس رہے گا لیکن آپ کی محبت دیکھ کر یقین ہوگیا ہے نوفل کو کبھی میری کمی محسوس نہیں ہوگی۔"

"آپ جہاں جانا چاہتے ہیں چلے جائیں اس وعدے کے ساتھ کہ جلد لوٹ کر آئیں گے اور نوفل کی فکر ہرگز کرنے کی ضرورت نہیں...... نوفل میرے سینے میں دھڑکتے دل کی طرح قریب رہے گا ویسے بھی وہ میری جان ہے۔" انہوں نے بیڈ پر سوئے ہوئے نوفل پر پیار بھری نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"تھینکس بھائی صاحب......" وہ پوری شدت سے ان سے لپٹ گیا تھا۔

"آپ تو میری امیدوں سے بڑھ کر مہربان ثابت ہوئے ہیں اب مجھے کوئی فکر نہیں ہے بہت سکون سے جاسکوں گا۔"

"مجھے نہیں بتائیں گے کہاں جارہے ہیں؟" وہ علیحدہ ہوتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

"بتاؤں گا بہت جلد معلوم ہوجائے گا آپ کو۔"

"شہوانہ بھی ساتھ جائیں گی آپ کے؟"

''نہیں، شعوانہ کی دنیا الگ ہے اور میری الگ...... مجھے تنہا ہی جانا ہوگا۔'' وہ بڑبڑا کر رہ گیا تھا۔
''نوفل کی پیدائش نے آپ دونوں کے درمیان فاصلے کھڑے کردیے ہیں۔''
''وہ اس کو دنیا میں لانے کے حق میں کہاں تھی؟ اس خود پرست عورت کو اپنے فگر اور اسمارٹنس کا خیال تھا مگر میری خواہش کے آگے وہ اپنی من مانی نہیں کرسکی۔ نوفل کو اس نے جنم دے دیا لیکن ماں بن کر بھی وہ ماں نہیں بن سکی۔ وہ اس کو اپنا دشمن سمجھتی ہے اور اس کی خود پسندی کا یہ عالم ہے کہ باہر کسی کو یہ بتانا پسند نہیں کرتی کہ وہ بیٹے کی ماں ہے۔''
''کبھی نہ کبھی اس کی ممتا جاگ جائے گی۔''
''نہیں جاگے گی، وہ نوفل کو اس بات پر مارتی ہے کہ وہ کسی کے سامنے اس کو مما کیوں بولتا ہے۔ مجھے اب احساس ہورہا ہے میں نے جذبات میں آکر ایک غلط عورت کا انتخاب کیا ہے۔''
''آپ نے محبت کی ہے اور جن سے محبت کرتے ہیں اُن سے بدگمان نہیں ہوتے یار اور آپ تو بہت بہادر ہے۔'' انہوں نے تسلی دی۔
''اوکے، شعوانہ کی کال آرہی ہے وہ ایک پارٹی میں گئی تھی اب اسے پک کرنے جارہا ہوں۔'' وہ موبائل پر آنے والی کال سن کر جانے کے لیے فوراً تیار ہوگیا تھا انہوں نے منع بھی کیا وہ بارش ٹھہرنے کا انتظار کرے مگر شعوانہ کی مسلسل آتی کالز نے اسے جانے پر مجبور کردیا تھا اور وہ سفر اس کا آخری سفر ثابت ہوا تھا۔
عکرمہ کی جدائی آج بھی زخم بن کر اس کے دل میں موجود تھی۔

❁......❁......❁

گھر میں اداسی و خاموشی نے ڈیرے ڈال دیے تھے، عمرانہ کی خرابی طبیعت نے سب گھر والوں کو پریشان کردیا تھا۔ دو دن ہسپتال میں رہنے کے بعد وہ گھر آئیں تو بے حد خاموش تھیں۔ ڈرگز کا استعمال کثرت سے کرنے کی وجہ سے ان کے اعصاب اتنے ناتواں ہوچکے تھے کہ وہ خلاف مزاج کسی کی بات برداشت کرنے کی اہل نہ رہی تھیں کہ شدید ڈپریشن کا شکار ہوجاتی تھیں اس دوران کبھی جنونی کیفیت کا شکار ہوکر چیخنے چلانے لگتی تھیں یا بے ہوش ہوکر گر جایا کرتی تھیں اور ایسا مائدہ کے معاملے میں ہوا تھا۔ مائدہ کی حرکت کا کسی کو علم نہ ہوسکا تھا کہ سودہ کی عادت تھی وہ راز کو راز ہی رکھتی تھی اور اس حد تک راز داری نبھانے والی تھی جو ہر بات زمرد سے شیئر کرتی تھی وہ ان سے بھی چھپا گئی تھی۔
''میں دیکھ رہی ہوں، عمرانہ بہو کے مزاج کچھ زیادہ ہی بگڑے ہوئے لگ رہے ہیں۔ مجھے ایسا محسوس ہورہا ہے جیسے ان کی آپس میں کوئی بات ہوئی ہے۔ عمرانہ زید سے بات نہیں کررہی...... جب بھی اس کو دیکھتی ہیں منہ پھیر لیتی ہیں اور مائدہ الگ چپ چپ رہتی ہے۔'' بوا کی باتوں پر سلاد بناتی سودہ بری طرح چونکی تھی۔
''یہ کیسی باتیں کررہی ہیں بوا آپ؟ بھلا اس طرح کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ ان میں کوئی اختلاف پیدا ہوا ایک عرصے سے آپ اس گھر میں موجود ہیں اور اس گھر کے اصولوں سے واقف ہیں آپ۔'' زمرد کباب فرائی کرتے ہوئے تنبیہہ لہجے میں گویا ہوئیں۔
''بڑی بہو...... سیاہ سے سفید بال میرے سر کے اس گھر میں ہی ہوئے ہیں، یہاں کا ماحول مجھ سے زیادہ کون جان سکتا ہے۔''
''پھر ایسی بات آپ کیوں کررہی ہیں آپ جانتی ہیں زید عمرانہ بھی ایک دوسرے سے دور نہیں رہ سکتے۔ زید عمرانہ پر زندگی نچھاور کرتا ہے، ان کا پیار مثالی ہے شاید ہی کسی ماں اور بیٹے میں ایسی محبت ہو اس دور میں۔''
''بھابی جان...... کوئی نہ کوئی بات ضرور ہوئی ہے زید اور عمرانہ بھابی کی محبت کی مثال ملنا بہت مشکل ہے لیکن عمرانہ بھابی کو جو چپ لگی ہے اس کے پیچھے کوئی راز ہے ضرور۔''
''بوا کی بات میں دم ہے۔'' صوفیہ چھلکے بناتی ہوئی گویا ہوئیں۔
''بلاوجہ کی قیاس آرائیوں سے بہتر ہے جاکر عمرانہ یا زید سے معلوم کرلو۔''
''جیسے وہ بتا ہی دیں گے آپ بھی عجیب باتیں کررہی ہیں۔''
''سودہ بیٹی...... عمرانہ کو کھانا دے آؤ بوا اتنے میں کھانا لگا رہی ہیں۔'' زمرد ان کی باتوں کو ان سنی کرکے ٹرے میں پرہیزی کھانا

رکھتے ہوئے اس سے مخاطب ہوئیں۔ سلاد کے بعد رائتہ بناتی ہوئی سودہ کو گویا چیونٹیاں سی چمٹ گئی تھیں‘ اس کا سامنا دو تین مرتبہ عمرانہ اور مائدہ سے ہوا تھا اور جس سرد مہری اور نفرت بھرے انداز میں وہ اس کو اگنور کرتی رہی تھیں ان حرکتوں سے اس کا دل چھلنی ہوگیا تھا۔ گھر میں کسی نے بھی ان ماں بیٹی کے رویے محسوس نہیں کیے تھے۔

”ہری اپ‘ فٹافٹ دے آؤ‘ مائدہ کو بھی کہہ دینا ڈنر کا۔“ وہ ٹرے اس کی طرف بڑھاتی ہوئی گویا ہوئیں تو مجبوراً اسے ٹرے تھامنی پڑی تھی۔ بے جان قدموں سے سیڑھیاں چڑھتی وہ اوپر آئی تھی۔ کتنا مشکل ہوتا ہے ایسے لوگوں کا سامنا کرنا جو آپ کو ناپسند کرتے ہوں‘ وہ بھی دستک دیتی ہوئی سہمے ہوئے انداز میں اندر داخل ہوئی۔

”تمہاری جرأت کیسے ہوئی یہاں قدم رکھنے کی واپس لے جاؤ۔“ اس کو دیکھتے ہی عمرانہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھیں‘ قریب بیٹھی مائدہ نے بھی حقارت آمیز نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

”بڑی ممانی نے ڈنر بھیجا ہے پلیز آپ ڈنر کرلیں آپ کو میڈیسن بھی لینی ہیں۔“ اس نے فطری سادگی سے کہا۔

”بس......بس......میرے سامنے تمہاری یہ مکاری نہیں چلے گی‘ تم نے جو مائدہ کے لیے آگ بھڑکائی ہے یاد رکھو اس آگ میں ایک دن تم کو بھی جلاؤں گی میں‘ اپنے لیے قبر تم نے خود ہی کھودی ہے لڑکی۔“ نفرت و سنگ دلی کی انتہا انسان کو انسانیت سے گرادیتی ہے۔

”واپس لے کر جاؤ یہ کھانا‘ تمہارا کیا بھروسہ تم نے اس میں زہر ملادیا ہو تو تم ویسے بھی ہماری دشمن ہو۔“ مائدہ منہ بنا کر بولی۔

”چلو پہلے ان ڈشوں میں سے ایک ایک چمچ کھاؤ ہمارے سامنے۔“ عمرانہ بیٹی کی بات پر معنی خیزی سے گردن ہلا کر گویا ہوئیں‘ سودہ نے تینوں ڈشوں سے ایک ایک چمچ کھایا تھا۔ دونوں ماں بیٹی نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔

”دفع ہوجاؤ یہاں سے۔“ عمرانہ نے انگلی سے دروازے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا اور وہ ہوا کی مانند تیزی سے وہاں سے نکلی تھی۔ زید سرعت سے دروازے سے دور ہوا تھا۔

وہ ادھر اُدھر دیکھے بنا سیڑھیاں اتر رہی تھی آنکھوں میں آنے والے پانیوں کو ہتھیلیوں سے رگڑ رہی تھی۔ زید نے بوجھل نگاہوں سے اس کی پشت پر لہراتی لمبی سیاہ چوٹی کو اس وقت تک دیکھا تھا‘ جب تک وہ نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوگئی تھی۔ پھر اس سے وہاں ٹھہرا ہی نہیں گیا وہ مما کے پاس آیا اس سے بے خبر کہ چند لمحے قبل سودہ اندر گئی ہے اور پہلے ہی قدم پر مما کی اندر سے آتی آوازوں نے اس کے قدم ساکت کردیئے تھے اور وہ ہونٹ بھینچے ماں اور بہن کے نفرت آمیز لفظوں کو سن کر شرمسار ہوتا رہا تھا‘ ایک پردہ تھا جو اس کی آنکھوں سے ہٹ گیا تھا۔ اعتماد و یقین کی بلندی سے گرایا گیا تھا۔ کل تک ماں اور بہن کل کائنات تھیں اور اب ساری کائنات دبیز اندھیرے کے سوا کچھ بھی نہیں تھی‘ وہ تنہا رہ گیا تھا۔

الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے والی مثال سامنے تھی‘ مما نے اس کی نہیں مائدہ کی بات پر اعتماد کیا تھا اور اصرار کررہی تھیں کہ وہ مائدہ سے اپنے رویے اور تھپڑ مارنے کی معافی مانگے ان کی بیماری کا لحاظ کرتے ہوئے اس نے مائدہ کے سر پر دست شفقت رکھ دیا مگر دل سے معاف نہ کرسکا تھا۔ یہی انداز عمرانہ کو پسند نہیں آیا تھا اور وہ اس سے بات نہیں کررہی تھیں‘ زمرد سے فرمائش کرکے اس نے یخنی پلاؤ اور اسٹیم روسٹ کروایا تھا مگر ماں اور بہن کے بدصورت و کریہہ رویوں نے بھوک ایک دم سے اڑادی تھی وہ کار لے کر نکل گیا تھا۔ اس کا دل سودہ کا حمایتی نہ تھا لیکن عمرانہ اور مائدہ کا اس کی عزت نفس کو اپنی جھوٹی انا و بے جا ضد کے آگے کچلنا اسے پسند نہیں آیا تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا اس واقعے کے بعد سے عمرانہ کے ساتھ مائدہ بھی سودہ کی تذلیل و اہانت کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھی۔

❁......❁......❁

پروفیسر غازی کی کلاس اٹینڈ کرکے وہ عاکفہ کے ساتھ باہر نکلی تھی‘ ساتھ نرگس اور ماہین بھی تھیں۔ نرگس کی منگنی اس کے کزن کے ساتھ کل ہوئی تھی‘ منگنی کی مبارک باد دینے کے ساتھ وہ دونوں اس سے نہ بلانے کا شکوہ کررہی تھیں۔ انشراح خاموشی سے بنچ پر بیٹھی ہوئی تھی اس کو ان کی باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس کا ذہن لاریب کی ذات کے گرد گھوم رہا تھا وہ خوامخواہ اس سے فری ہونے کی کوشش میں سرگرداں تھا۔ کل شام وہ نانی کے ساتھ گھر آیا تھا اور بہت ڈھٹائی سے وہ اسے اپنی دہکتی نگاہوں کے حصار میں

جکڑے رہا تھا گو کہ اس نے اسے لفٹ نہ دی تھی مگر وہ ذرا بھی پیچھے نہیں ہٹا تھا۔ نانی سے باتیں کرتے ہوئے وہ اسے ہی تاڑتا رہا تھا۔ دل تو کر رہا تھا اس کی خبیث آنکھیں نوچ کر پھینک دے مگر اس کو دیکھ کر نانی خوشی سے ایسے نہال تھیں گویا اس سے بڑھ کر ان کو کوئی عزیز نہیں ہے اور ان کے مہمان کے ساتھ گستاخی کرنے کا مقصد ان کو اپنا دشمن بنانا تھا اور ان دونوں کے درمیان صلح ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا سو وہ ان کی حکم پر کافی بنانے چلی گئی تھی اور بالی کے آ جانے پر وہ کچن سے نکل کر بیرونی راستے سے جو لان کی طرف سے ہو کر اس کے کمرے میں آتا تھی پھر رات کو کھانے پر نانی سے خوب ڈانٹ پڑی تھی اور وہ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکالتی رہی تھی۔

''ارے تم کہاں گم ہو؟'' عاکفہ نے سب سے پہلے اس کی بے خبری محسوس کی۔

''ہم نرگس سے لڑائی کر رہے ہیں اور تم نہ جانے کن خیالوں میں گم ہو؟''

''کیوں لڑائی کر رہی ہو اس نے نہیں بلایا تو کوئی مجبوری ہوگی۔'' اس نے بڑے خلوص سے نرگس کی سائیڈ لی۔

''تم نے ثابت کیا کہ تم میری بیسٹ فرینڈ ہو یہ میری بات نہیں سمجھ رہیں' میں کہہ رہی ہوں رضوان کی بہن کو جرمنی جانا تھا اور وہ کل ہی پرپوزل لے کر آئی تھیں جو سب گھر والوں کی رضامندی سے منظور کر لیا گیا تھا اور انہوں نے رنگ میری انگلی میں پہنا دی تھی۔''

''اچھا اچھا بس کرو' زیادہ مظلوم بننے کی ضرورت نہیں' شرافت سے بتاؤ ٹریٹ کب دو گی اور کہاں؟'' ماہین نے ندیدے پن سے کہا۔

''جب اور جہاں تم لوگ کہو۔'' وہ مسکرائی۔

''یہ فاؤل ہے' جب تک اس کی منگنی کا فنکشن نہیں ہوتا تب تک نرگس کسی کو ٹریٹ نہیں دے گی۔''

''اوہو بڑی حمایت لے رہی ہو یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔''

''ٹھیک بات ہے' انشراح ٹھیک کہہ رہی ہے ابھی ہم ٹریٹ نہیں لیں گے۔'' عاکفہ نے ہنستے ہوئے کہہ کر بات ختم کر دی تھی معاً اس کی نگاہ کچھ دور سے اس طرف آتے نوفل پر پڑی وہ بھی ان کے ساتھ موجود انشراح کو دیکھ چکا تھا اور سرعت سے ناپسندیدگی واشتعال انگیزی اس کے چہرے پر سرخی بن کر چھاتی چلی گئی تھی۔ وہ دونوں ہی اس دن کی جھڑپ کے بعد ایک دوسرے کے سامنے اب آئے تھے' انشراح بھی اس کو دیکھ چکی تھی اور اس کے چہرے پر بھی ناگواری و غصہ ابھر آیا تھا وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کہاں جا رہی ہو؟'' وہ تینوں بھی ان دونوں کے بگڑے تیور دیکھ کر بوکھلا سی گئی تھیں۔ ان کے درمیان ہونے والی جنگ وہ خود دیکھ چکی تھی۔

''تم اپنے 'بھائی' سے ملو وہ تم سے ملنے ادھر آ رہا ہے' میں لائبریری جا رہی ہوں ایسے کمینے شخص کی پرچھائی سے بھی نفرت ہے مجھے۔''

''چھوڑو نہ' جو ہوا سو ہوا' ایکسکیوز کر لو۔''

''تم کر لو ایکسکیوز' تمہیں شوق ہے میں کیوں کروں؟''

''جامعہ میں تماشہ کرنا اچھا تو نہیں ہے پھر سب لوگ جانتے ہیں جو اس دن تم لوگوں نے سب کو تماشہ دکھایا تھا اور دیکھو کس طرح سے لوگ ادھر متوجہ ہونے لگے ہیں۔'' عاکفہ اِدھر اُدھر دیکھتی ہوئی بولی۔

''مجھے کسی کی پروا نہیں اور نہ ہی میں اس بددماغ انسان سے معافی مانگوں گی۔'' وہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی۔

''کیسی ہیں سسٹرز؟'' انشراح کے کچھ دور جانے کے بعد ہی وہ خلاف عادت وہاں آ کر مسکرا کر گویا ہوا۔ مسکراہٹ اس کے وجیہہ چہرے کو منور کر رہی تھی' چند لمحوں قبل کی کرختگی و تلخی کا شائبہ تک نہ تھا۔

''وی آر فائن نوفل بھائی...... آپ کیسے ہیں؟'' نرگس اور ماہین کو یقین نہیں آ رہا تھا' دنیا جہاں کا مغرور و خشک مزاج نوفل جو وہاں کئی لڑکیوں کی نگاہوں کا محور تھا' جس کی محض ایک نگاہ عنایت کے لیے ڈھیروں لڑکیاں ترستی تھیں۔ وہ ان سے مخاطب تھا۔

''خیریت تو تھی نہ...... آپ تین دن سے یونیورسٹی نہیں آ رہے تھے؟'' عاکفہ نے دور جاتی انشراح کو دیکھتے ہوئے

استفسار کیا۔

"میرے فادر کی برسی تھی میں اس وجہ سے نہیں آسکا تھا۔"

"اوہ...... آپ کے فادر کی ڈیتھ ہوچکی ہے، بہت افسوس ہوا سن کر۔" ماہین نے دلی ہمدردی کا اظہار کیا۔

"اور آپ کی مدر؟" عائزہ کا لہجہ بھی ہمدردانہ تھا۔

"ان کا بھی افسوس ہی کرلیجیے۔" اچانک اس کا موڈ بگڑا تھا وہ پہلے دیکھ چکا تھا انشراح کے بگڑے موڈ کی برہمی عائزہ اس کو کچھ سمجھانے کی سعی کررہی تھی اور وہ غصے سے بولنے کے ساتھ گردن بھی نفی میں ہلا رہی تھی اور اسی انداز میں وہاں سے چلی گئی تھی۔

اس کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ عائزہ یقیناً اس کی حمایت میں کچھ کہہ رہی تھی جوابا وہ غصے میں بڑبڑاتی ہوئی چلی گئی تھی۔

"اوہ......سو سیڈ نوفل بھائی۔" آواز میں حقیقی دکھ تھا۔

"یہ سب اللہ کی رضا ہے اور میں رب کائنات کی رضا میں راضی ہوں اور مانتا ہوں جب وہ کچھ لیتا ہے تو بدلے میں بہت کچھ اور بہت عمدہ دیتا ہے میں اب جن کا بیٹا ہوں انہوں نے مجھے اتنی محبت دی ہے کہ شاید میرے والدین بھی مجھے نہ دے پاتے۔" وہ بمشکل اپنی طبیعت پر ضبط کرتا ان سے مخاطب تھا انشراح نے اس دن اس کی دکھتی رگ کو چھیڑا تھا وہ اسے معاف کرنے کو تیار نہ تھا۔

❁......❁......❁

"مائدہ......اب کیا اپنی مما کو بھی نہیں بتاؤ گی؟" عمرانہ رات کو سونے کے لیے لیٹیں تو رازدارانہ انداز میں قریب بیٹھی مائدہ سے بولیں۔

"کیا پوچھ رہی ہیں آپ؟" وہ ہراساں ہوکر رہ گئی۔

"وہ راز جو زید نہ جانتے ہوئے بھی جان گیا تھا۔ کون ہے وہ لڑکا جس کے ساتھ تم گئی تھیں؟" ان کی نگاہیں بیٹی کے رنگ بدلتے چہرے پر تھیں جو پریشانی و گھبراہٹ کا شکار ہورہی تھی۔

"دیکھو......مجھ سے بالکل بھی جھوٹ نہ بولنا زید سے میں نے تم کو بچالیا ہے مگر مجھ سے تمہیں کوئی بچا نہیں پائے گا۔"

"مما......مما وہ......عفرا کا فرینڈ کے فرینڈ ہے۔ میری اس سے فرینڈشپ عفرا نے کروائی تھی زبردستی۔" وہ زور و شور سے رونے لگی۔

"زبردستی......ہونہہ کیا نام ہے اس کا؟"

"کاشف۔" وہ سخت خوف زدہ تھی۔

"کہاں گئی تھیں تم اس کے ساتھ؟" وہ گرجیں۔ مائدہ نے بتانے کے بجائے رونا شروع کردیا تھا زید کا تھپڑ اور آگ بگولہ ہونا پھر اب یہ مما کا غصہ اور تفتیشی انداز وہ برداشت نہ کرپائی۔

"کب سے چل رہا ہے یہ سلسلہ؟ تم اتنی بڑی ہوگئی ہو کہ مجھ کو بھی بتانا گوارا نہ کیا اور آنکھیں بند کرکے اس سے ملنے پہنچ گئیں۔"

"پلیز مما......آپ خفا مت ہوں۔" اس نے ماں کو مضبوط ڈھال جان کر پیچھے چھپنا چاہا تھا مگر وہ ڈھال وقتی ثابت ہوئی تھی شاید اس کو زید کی نگاہوں سے گرنے سے بچانے کے لیے انہوں نے اس کی ایک نہ سنی تھی اور سچ جان کر بھی زید کی سچائیوں کو جھٹلاتی رہی تھیں اور تنہائی میں صرف سچ سننے کی متمنی تھیں پھر وہ بھی بتاتی چلی گئی تھی۔ کاشف کے علاوہ بھی اس کی دوستی نوید شان اور مزمل ناموں کے لڑکوں سے رہی تھی۔ کاشف سے دوستی حال ہی میں ہوئی تھی اور کل اس نے اس سے ملاقات کے لیے پلان بنایا اور پلاننگ کامیاب بھی رہی تھی۔ سودے سے بھیڑ میں وہ ہاتھ چھڑا کر تیزی سے وہاں سے نکل گئی تھی باہر سے کاشف نے پک کرلیا تھا اور وہ پارک میں گھومتے رہے تھے۔

❁......❁......❁

اس کے باپ کی برسی گزر گئی تھی لیکن ہر سال کی طرح وہ مضطرب بے سکون تھا کہ اس دوران ماضی کے زخم تازہ ہو جاتے تھے اور ایسے میں بڑے پاپا اور ماما اس کا خیال اس طرح رکھتے گویا وہ کوئی کمسن بچہ ہو۔ ان کی پُرخلوص محبتیں و شفقتیں اس کے اندر کی تکلیف کو وقتی طور پر تسکین ضرور دیا کرتی تھیں مگر مداوا نہیں بن سکتی تھیں کہ جن باتوں کو وہ بھلانا چاہتا تھا وہ اور شدت سے یاد آتی تھیں۔ وہ بھی ایک رات تھی' مما اور پاپا کی تیز آوازوں سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔

''شعوانہ...... یہ ٹائم ہے تمہارے گھر آنے کا؟ نہ تمہیں بچے کی فکر ہے اور نہ میری عزت کا خیال آدھی آدھی رات تک باہر رہتی ہو تم؟''

''تم کو کوئی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے ڈیئر...... میرے ساتھ راجو ہوتا ہے وہ اچھا شوفر بھی ہے اور بہترین باڈی گارڈ بھی۔''

''راجو؟ میں نے کہا نہ تم اس سے دور رہا کرو' اس کو تمہارے ساتھ میں دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا ایک آنکھ نہیں بھاتا مجھے وہ۔''

''تم راجو کو دیکھنا نہیں چاہتے تو آنکھیں بند کر لو' وہ میرے ساتھ ہی رہے گا۔'' اس نے صاف صاف کہا تھا۔

پاپا نائٹ سوٹ میں پریشان کھڑے تھے جبکہ مما خوب بجی سنوری گردن اکڑ کر ان کے مدمقابل کھڑی تھیں' بے خوف انداز میں۔

''وہ دو کوڑی کا ملازم تمہیں اتنا بھا گیا کہ تم کو میری بھی پروا نہیں رہی؟ شیم ان یو شعوانہ...... مجھے نہیں معلوم تھا تم اتنا گر جاؤ گی۔''

''میں ایسی اسٹوپڈ باتوں سے ہرٹ نہیں ہوتی' تم اپنے بیٹے کی خاطر لائف کی ساری ایکٹیوٹیز سے بے گانہ ہو گئے ہو' کلب' پارٹیز' فرینڈز سب کو چھوڑ بیٹھے ہو۔ میں نہیں چھوڑ سکتی یہ سب زندگی ایک بار ہی ملتی ہے اور اس کو بھی انجوائے نہ کیا جائے تو زندہ کیوں رہیں؟''

''تمہاری اسی بے راہ روی کی وجہ سے نوفل دس سال کی عمر میں ذہنی طور پر بیس سال کا ہو گیا ہے وہ از حد حساس و ذہین بچہ ہے۔''

''اپنے باپ پر گیا ہے ذہانت و حساسیت میں ہونہہ۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گئی تھیں۔

پاپا نے دوسرے دن صبح ہی راجو کو نوکری سے نکال دیا تھا' جس پر دونوں کے درمیان زبردست لڑائی ہوئی تھی اور وہ روٹھ کر میکے چلی گئی تھیں پھر خلاف توقع خود ہی واپس آ گئی تھیں اور اس بار انہوں نے مردوں سے دوستی کرنا شروع کر دی تھی۔ پاپا کی غیر موجودگی میں کوئی نہ کوئی دوست ان کے ساتھ ہوتا اور وہ اسے آیا کے سپرد کر کے بیڈروم میں بند ہو جاتی تھیں کسی ملازم و ملازمہ کی ہمت نہ تھی کہ ان کی حرکتوں کی خبر پاپا کو کر دیتے ان سے سب ڈرتے تھے۔ گہری سانس لے کر وہ ماضی کی روشنیوں و اندھیروں سے بھری وادی سے واپس آیا تھا' البم میں لگی ان کی فوٹو کو عقیدت سے چوما تھا۔

''پاپا...... آپ بے حد شریف النفس' تحمل پسند و اعلیٰ قوت برداشت کے مالک تھے آپ کو اس عورت کی تمام ذلیل حرکتوں کا علم تھا۔ آپ اس کی بے حیائی و بے وفائی سے اچھی طرح واقف ہو گئے تھے آپ سے آپ کے دوست شجاع نے کہا تھا۔

''عکرمہ...... بھابی کی رسوائی سب لوگوں میں ہو رہی ہے بہتر یہی ہے تم ان کو فوراً طلاق دے دو۔''

''یہ نا ممکن ہے کہ اس کو طلاق دے دوں۔'' لہجہ دو ٹوک تھا۔

''ابھی بھی تم ان کو چھوڑنے کو تیار نہیں ہو؟ اب بھی محبت ہے وہ تمہاری۔'' وہ غصے و تاسف سے کہہ رہے تھے۔

''وہ صرف میرے بچے کی ماں ہے اور میں نہیں چاہتا میرا بیٹا طلاق یافتہ ماں کا بیٹا کہلائے اور کمپلیکس کا شکار ہو۔''

''طلاق یافتہ...... کیا ان کے کردار کی وجہ سے آوارہ و بدچلن ماں کا بیٹا ہونے کے طعنوں سے بچ پائے گا نوفل...... لوگ بھول جائیں گے؟''

''ہاں وقت کے گزرتے گرداب میں ایسی باتیں دب جایا کرتی ہیں۔''

''ٹھیک کہا تھا پاپا آپ نے' وقت کی گرد میں وہ رسوائیاں تحلیل ہو کر رہ گئی تھیں لیکن میرے دل میں آج تک یہ گرد غبار بن کر

چھپی ہوئی ہے وہ سب مجھے ابھی تک ازبر ہے آپ کی بے بسی اور اس عورت کی بے حیائی آپ کی خاموشی و اس کی زبان درازی' آپ کی ڈھیل اس کی چھوٹ' آپ کی وفا اور اس کی بے وفائی......'' اس کے وجیہہ چہرے پر سرخی تھی آنکھوں میں نمی جم گئی تھی وہ باپ کی فوٹوز کو چومے جا رہا تھا۔ اس کا باپ ایک مظلوم و شریف آدمی تھا' شرافت' تحمل و درگزر کا مکمل پیکر' ان جیسے لوگ کم ہوتے ہیں عموماً مرد کسی بھی کیٹیگری سے تعلق رکھتا ہو بنگلے میں رہتا ہو یا جھونپڑی میں وہ عورت کو پاؤں کی جوتی سمجھنا اپنی شان سمجھتا ہے۔ موقع بے موقع اس کی تذلیل و اہانت کرکے مردانگی کے زعم میں مبتلا رہتے ہیں لیکن اس کا باپ ایک فاحشہ عورت کو بیوی کے روپ میں پاکر بھی صبر و برداشت کا حامل رہا تھا۔ اس کا کردار و اخلاق اعلیٰ بلندیوں کو چھوتا تھا اس نے البم سرہانے رکھا اور آنکھیں بند کرکے لیٹ گیا۔

''عورت کی عزت وہ مرد نہیں کرتے جو عورت کے قابل نہیں ہوتے ہیں۔'' آنکھ بند کرتے ہی وہ حسین چہرہ شعلوں میں لپٹا دکھائی دیا تھا۔

''تم عورت کی انسلٹ کرکے ظاہر کرتے ہو کہ تمہاری ماں اچھی عورت نہیں تھی۔'' وہ مسکراتا چہرہ پوری شدت سے اپنا مذاق اڑاتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

''شٹ یور ماؤتھ ڈیم اٹ آئی کانٹ لیو یو......'' وہ تصور میں طنز سے مسکراتی انشراح سے مخاطب ہوا تھا۔

❁......❁......❁

مائدہ کی وہ معیوب حرکت ان تینوں کے درمیان ہی دب کر رہ گئی تھی۔ بہاری بوا کی جہاندیدہ نگاہوں نے ان کے درمیان جاری خاموش رسہ کشی محسوس کی تھی مگر سن گن لینے کے باوجود بھی کچھ معلوم نہ کرسکیں تو اپنی دنیا میں مگن ہوگئیں ویسے بھی عمرانہ اور مائدہ کی گھر والوں سے دور دور رہنے کی عادت نے ان کا بھرم رکھ لیا تھا اور کسی کو کانوں کان پتہ نہ چل سکا تھا۔ چند دنوں میں عمرانہ بیگم کی طبیعت سنبھلی تو مائدہ اپنے اور سودہ کے مشترکہ کمرے میں چلی آئی تھی۔ نماز ادا کرکے کھڑی ہوئی سودہ کو دیکھ کر نفرت سے منہ پھیر لیا تھا جبکہ وہ سب بھلا کر مسکراتے ہوئے گویا ہوئی۔

''کیسی ہو مائدہ...... ممانی جان کی طبیعت کیسی ہے؟''

''تم سے مطلب' تم ہوتی کون ہو مجھ سے پوچھنے والی؟'' اس کے مسکراتے لب ساکت رہ گئے' وہ حیرانی سے گویا ہوئی۔

''مائدہ...... تم کس لہجے میں بات کررہی ہو' کیا ہوا ہے؟''

''اس لہجے میں بات کررہی ہوں جس لہجے میں کرنی چاہیے۔ میں نے تمہیں بہن' دوست سمجھا کس قدر محبت و اعتماد کرتی تھی پر تم نے ثابت کردیا کہ دوست ہوتا نہیں ہر کوئی ہاتھ ملانے والا۔ بہن وہی ہوتی ہے جو ماں کی کوکھ سے جنم لے' ہاں تم جیسے لوگ آستین کے سانپ ضرور ہوتے ہیں جو موقع ملتے ہی ڈس لیتے ہیں۔'' اس کا لہجہ' اس کا انداز اس کے لفظوں کی کاٹ گھائل کرتی گئی۔

''کچھ عرصے سے میں محسوس کررہی ہوں' تم بدل رہی ہو' تم بدل رہی ہو مجھ سے دور ہورہی ہو مگر تم اتنی بدل جاؤ گی' اتنا دور ہوجاؤ گی میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا' شکوہ کرنا میرا حق تھا' شکایت مجھے کرنا چاہیے تھی کہ سراسر زیادتیوں و غلط بیانیوں کی تلوار سے تم مجھے ہی زخمی کررہی ہو۔''

''ہونہہ...... میں نے جو کیا وہ ٹھیک کیا تم سمجھتی ہو زید بھائی کو ورغلا کر ہم سے چھین لوگی؟ اپنا بنا لوگی لیکن ایسا کبھی نہیں ہوگا۔''

''تم فضول مت بولو پلیز' اگر مجھے معلوم ہوتا کہ وہ سب ہوگا تو میں کبھی بھی زید بھائی کو کال نہ کرتی۔ اللہ گواہ ہے جب تم کئی گھنٹے ڈھونڈنے کے بعد نہیں ملی تو میں نے گھبراہٹ و خوف سے زید بھائی کو کال کی تھی۔'' وہ روہانسی ہورہی تھی۔

''میں کوئی دودھ پیتی بچی ہوں جو گم ہونے کا خدشہ تھا یا میں ایسی ناسمجھ و نادان تھی کہ جس کا دل چاہتا کڈنیپ کرلیتا مجھے۔'' وہ دھپ سے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے ٹانگیں اوپر کرکے نخوت سے بولی۔

''مائدہ...... مائدہ تم یہ سمجھتی ہو سب میری وجہ سے ہوا ہے تو پلیز مجھے مارو اور اس وقت تک مارو جب تک تمہارے اندر کی نفرت و غصہ صاف نہ ہوجائے' تمہارے یہ انداز' یہ اجنبی لہجہ مجھے مار ڈالے گا۔'' وہ رو پڑی تھی۔

"ہاں تو مر جاؤ، تم جیسے لوگوں کا مر جانا ہی دوسروں کے حق میں اچھا ہے۔"
چھری سے ہی نہیں لفظوں سے بھی ذبح کیا جاتا ہے۔ گولی ہی صرف ہلاک نہیں کرتی رویے بھی مار دیتے ہیں۔ گولی اور چھری دنیا سے تعلق ختم کرا دیتی ہے لیکن لفظوں کی کاٹ اور رویوں کی مار حلق کا پھندا بن کر نہ جینے دیتی ہے اور نہ مرنے۔
"مت دیکھو مجھے اس طرح میں اب تمہاری باتوں میں آنے والی نہیں ہوں۔" اس نے رضائی اوپر کھینچتے ہوئے سائیڈ ٹیبل پر رکھا لیمپ آف کیا تھا پھر لیٹ کر رضائی میں چہرہ چھپا لیا تھا۔ اندھیرے میں وہ اس کی بیگانگی پر رونے کے سوا کیا کر سکتی تھی۔

❀.....❀.....❀

یہ موسم سبز پتوں کا
سنہری دھوپ کرنوں کا
گلابوں کے مہکنے کا ہمیں کب راس آیا ہے
ہماری زرد آنکھوں نے تو بنجر خواب ہی دیکھے
کہ اپنی بستی میں
کوئی خوشبو نہ آنچل ہے
کوئی جھونکا نہ بادل ہے

دل پر عجیب سی کیفیت طاری تھی، بے زاری کے عالم میں کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کیا اور وہاں سے اٹھ کر وہ کھڑکی میں آن کھڑا ہوا تھا۔ سامنے لان میں مالی پودوں کو پانی دے رہا تھا، خوب صورت دائرے میں لگے سورج مکھی کے زرد پھول سبز پتوں کے درمیان میں دلفریب لگ رہے تھے اور اسے لگا ان زرد پھولوں میں یاسیت ہے ایک پرسوز سا حسن ان زرد پھولوں میں پنہاں ہے وہ کھڑکی سے ہٹ کر چیئر پر آ کر بیٹھ گیا۔ اسے لگا اس کے اندر کی اداسی ہر شے پر غالب آ رہی ہے یہ اداسی و بے چینی پریشانی کئی دنوں سے بے کل کیے ہوئے تھی، مما کی خاطر وہ مائدہ کو معاف کر چکا تھا لیکن اس کی حمیت و غیرت اضطراب و کرب میں مبتلا کیے ہوئے تھی۔ بے چینی سے فرار حاصل نہ ہوا تھا، بے یقینی رفع نہ ہوئی تھی مستزاد اس پر مما کا سودہ کے خلاف نازیبا الفاظ استعمال کرنا وہ مسلسل سودہ کو اس کے ساتھ انوالو کرتی رہی تھیں اور وہ الجھنوں کا شکار ہو رہا تھا اور اس کے لیے یہ بات زیادہ مشکل ترین و پریشان تھی کہ اس کو مما کا سودہ کے متعلق وہ سب کہنا اچھا نہیں لگا تھا۔ یہ بے حد حیران کن و تحیر آمیز احساسات تھے۔
ایسا کیوں ہو رہا تھا، اب برا محسوس کیوں ہوا تھا؟ مما بچپن سے اس کی برائیاں کرتی رہی تھیں اور اس کو کبھی محسوس نہیں ہوا کہ مما غلط کہہ رہی ہیں یا مما کو ایسا نہیں کہنا چاہیے؟ اب ایک مدت بعد وہ کیوں باغی سا ہونے لگا تھا شاید اس دن مائدہ کی گمشدگی کے باعث اس کی دگرگوں حالت و بے تحاشہ بہتے آنسو اس کی سرد مہری و بے گانگی کو زائل کر گئے تھے یا اس سے بھی قبل برسات کی ایک رات اس کے جلتے نیناں ہر اس سے بھری انکھیاں کسی انجان و مضبوط جذبوں سے مربوط کر گئے تھے؟ معاً انٹرکام پر پیون نے جنید کے آنے کی اطلاع دی تھی۔
"خیریت تو ہے میاں...... پیون بتا رہا تھا آج کل بہت تنہائی پسند ہو گئے ہو، کسی سے ملنا پسند نہیں کرتے، ہر وقت کھوئے کھوئے بے زار سے رہتے ہو؟" سامنے بیٹھتے ہی وہ ایک سانس میں کہہ گیا۔
"یہ سب بکواس پیون نے کی ہے تم سے؟" اس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔
"ارے...... اس کی کہاں مجال جو ایسا ویسا کہہ جائے یہ تو میں کہہ رہا ہوں، اینی ویز غلط بھی نہیں کہہ رہا تمہارا چہرہ بتا رہا ہے تم ڈپریسڈ ہو، کیا بات ہے کیوں اس قدر اپ سیٹ دکھائی دے رہے ہو؟" اس کی شوخی سنجیدگی و تفکر میں بدل گئی تھی۔
"دھتنگ اسپیشل آج کل ہارڈ ورکنگ کی وجہ سے نیند پوری نہیں ہو پا رہی اس لیے لیزی لگ رہا ہوں۔" وہ دھیمے سے مسکرایا۔
"کبھی دل کا بھید بھی شیئر کر لیا کرو، ہمیشہ چھپا جاتے ہو غیروں کی طرح۔"
"ایم فائن، تم اس طرح پرفارم نہیں کیا کرو، تجھے دادی اماں یاد آنے لگتی ہیں۔" وہ دونوں آرام سے صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔
"ہاؤ فنی، سب تمہیں یاد آتے ہیں فقط میرے۔" وہ غصہ ہوا۔

ماریہ محبوب

میرا نام ماریہ محبوب ہے اور سرگودھا کے ایک چک 29 کی رہنے والی ہوں' میں اس خوب صورت گاؤں اور اپنے گھر کو رونق بخشنے کے لیے 28 اگست 1995ء کو اس دنیا میں جلوہ افروز ہوئی۔ ہم چار بھائی بہن ہیں ایک بہن (مابدولت خود) اور تین بھائی جو کہ مجھ سے چھوٹے ہیں۔ میں ایف ایس سی کی طالبہ ہوں اور رزلٹ کا انتظار ہے' مجھ سے چھوٹا بھائی 9th میں پڑھ رہا ہے اور چھوٹے دونوں بھی 5th اور 3rd میں پڑھتے ہیں۔ میرے ابو کو اس دنیا سے گئے ہوئے اور ہم سے بچھڑے ہوئے 4 سال ہوگئے ہیں' ان کی مغفرت اور میری امی کی صحت کے لیے دعا کیجیے گا۔ عادتوں میں بہت ضدی ہوں' مجھے کھانے میں بریانی' مٹر قیمہ اور گوبھی پسند ہے' سویٹ میں برنی پسند ہے۔ کلرز میں بلیک اور لائٹ بلیو پسند ہے' میں حقیقت پر مبنی اصولوں کی پابند ہوں۔ مجھے سادگی بہت پسند ہے خاص طور پر لڑکیوں میں' آرمی جوائن کرنے اور یونیورسٹی میں پڑھنے کا بے حد شوق ہے' گھر کے کاموں میں تھوڑی سی کام چور تو نہیں ہوں مگر دل جلدی اکتا جاتا ہے' بس کوکنگ کا شوق ہے وہ بھی حد تک زیادہ نہیں۔ زیادہ بورمت ہوں اور نہ ہی گھوریں جارہی ہوں' چھوڑ کے یہ محفل۔ اللہ حافظ۔

''میں محبت میں دکھاوے کا قائل نہیں ہوں۔''

''اچھا' ابھی آج تک مجھے بھی معلوم نہ ہوسکا کہ تم کس سے محبت کرتے ہو۔ چلو اب تو بتاؤ' کون ہے وہ خوش نصیب؟'' اس کی رگ شرارت پھڑک اٹھی تھی۔

''تم سے کتنی بار کہا ہے میں ان خرافات کا قائل نہیں ہوں۔'' وہ سخت لہجے میں جھڑک کر گویا ہوا۔

''محبت خود قائل کرلیتی ہے' تم کو مشقت کی ضرورت نہیں۔''

''چائے' کافی سوفٹ ڈرنک کیا لوگے؟'' وہ غلط وقت پر آیا تھا' وہ آج کل عجیب طوفانوں کی زد پر تھا اور وہ اگر اس کی آنکھوں میں جھانک لیتا تو پھر سب کچھ عیاں ہونے میں وقت نہیں لگتا' دل راز چھپالیتا ہے۔ آنکھیں ایسا ظرف کہاں رکھتی ہیں اور یہ وہ راز تھے جن کو ماننے کے لیے وہ بھی ابہام کا شکار تھا۔

''فریش لائم جوس منگوالو۔'' وہ اس کی طرف شکایتی انداز میں دیکھتا ہوا بولا۔

❀ ❀ ❀

وقت جب خلاف ہوتا ہے تو سایہ بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے' نامعلوم وقت سے اس کی کیوں ٹھن گئی تھی جو گھر میں بھی وہ تنہا ہوگئی تھی اور یونیورسٹی میں بھی اس کی دوستیں زیادہ تر ٹائم نوفل کے ساتھ گزارنے لگی تھیں۔ کل تک جو شخص لڑکیوں کی پرچھائیوں سے بھی گریزاں تھا وہ اب اکثر ان کے ساتھ رہتا تھا اور اس کی نظر صرف عاکفہ' نرگس اور ماہین کے لیے تھی۔ یونیورسٹی کی دوسری لڑکیوں کے لیے اس کا رویہ بے لچک تھا۔ اب بھی یہی ہوا تھا وہ گھر جانے کے لیے عاکفہ کے آنے کا انتظار کررہی تھی۔ عاکفہ نوفل کے بلانے پر کار کی چابی اسے تھما کر اس کی طرف چلی گئی تھی اور اب ایک گھنٹے سے زائد وقت گزرنے کے باوجود بھی ان کی باتیں ختم نہیں ہورہی تھیں۔ پہلے اس نے پروانہ کی اور رخ موڑ کر گزرتے ہوئے اسٹوڈنٹس اور اساتذہ کو جاتے دیکھتی رہی لیکن کب تک دس منٹ' تیس منٹ' چالیس منٹ' ایک گھنٹہ' مزید دس منٹ اس کی قوت برداشت جواب دے گئی اس نے گھوم کر ان کی طرف دیکھا تھا غیر ارادی نگاہ نوفل پر ہی پڑی تھی۔ وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا مگر مغرور آنکھوں کی مسکراہٹ بتارہی تھی وہ اس کی طرف نہ دیکھ کر بھی پوری طرح سے اس کی طرف متوجہ ہے اس کی جھنجلاہٹ' جلنے کڑھنے سے پوری طرح حظ اٹھا رہا ہے' چڑا رہا ہے۔

''میں جارہی ہوں۔'' وہ غصے سے بھری عاکفہ سے وہاں آکر مخاطب ہوئی اور کی رنگ اسے تھما کر سیڑھیاں اترتی چلی گئی۔

''او مائی گاڈ' انشی...... انشی میں آرہی ہوں' میری بات تو سنو؟'' عاکفہ نوفل اور بابر کو بائے کہتی ہوئی اس کے پیچھے بھاگی نرگس اور ماہین بھی اس کے ساتھ ہولیں تھیں۔

"یہ تم کون سا کھیل کھیل رہے ہو؟ جب سے تمہارے اور انشراح کے درمیان تلخ کلامی ہوئی ہے اس دن سے ہی تم نے اس لڑکی کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کردیا ہے۔ اب بھی اس کو ٹیز کرنے کے لیے تم نے خوامخواہ ٹائم ویسٹ کیا تم کیوں کررہے ہو ایسا؟" بابر پریشانی سے بولا۔

"میں نے ایسا کیا کیا ہے؟ تم فضول مجھے الزام دے رہے ہو۔" وہ بے پروائی سے کہتا ہوا سیڑھیاں اتر گیا۔

"مجھے اب تمہارے ساتھ نہیں جانا...... میں کیب ہائیر کرلوں گی۔" وہ تیز تیز چلتی ہوئی پارکنگ سے باہر آ گئی تھی وہ تینوں اس کے پیچھے تھیں اس کی خفگی نے احساس دلایا تھا وہ اس کے ساتھ زیادتی کرتی رہی تھیں' غیر محسوس طریقے سے وہ اس سے دور نوفل سے قریب ہوگئی تھیں۔

"اچھا یار...... غلطی ہوگئی اب معاف کردو پھر ایسا نہیں ہوگا۔" نرگس اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر ملتجی لہجے میں گویا ہوئی۔

"معافی کس بات کی بھئی' جاؤ اس شخص کے پاس جو مجھ سے بدلہ لینے کے لیے تم لوگوں کو منہ لگا رہا ہے اور جس دن اس کا بدلہ پورا ہوجائے گا۔ اس دن وہ تم لوگوں کو ایسی ٹھوکر مارے گا جس طرح راستے میں پڑے پتھروں کو ٹھوکر مار کر دور پھینکا جاتا ہے۔" وہ ان لوگوں کو دیکھتی ہوئی سخت لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"بدلہ...... کس بدلے کی بات کررہی ہو تم؟"

"ارے اتنی جلدی بھول گئیں عاکفہ؟"

"ہاں...... ہاں یاد آ گیا' بٹ وہ جھگڑا وہیں ختم ہوگیا تھا اس قصے کو گزرے کافی دن گزر گئے ہیں اور وہ بدلہ کیوں لیں گے؟ لڑنے میں انہوں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی میرے خیال میں تم سے زیادہ باتیں وہ مار گئے تھے تمہیں۔" ماہین عینک درست کرتی بولی۔

"وہ اونٹ کی طرح کینہ رکھنے والا شخص ہے' تم لوگوں کو مجھ سے دور کرکے کیا سمجھتا ہے وہ مجھ کو شکست دے دے گا امپاسبل۔" وہ اس بات سے بے خبر تھیں کہ نوفل اور بابر اس طرف آتے ہوئے ان کی تمام باتیں سن رہے تھے۔

"تم غلط فہمی میں مبتلا ہو نوفل بھائی ہرگز بدلہ لینے والے نہیں ہیں۔" عاکفہ نے کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کار کی طرف بڑھ آئی۔

"یہ آپ کا بیگ جلدی جلدی میں آپ وہیں بھول آئی تھیں۔" بابر انشراح کو سلام کرنے کے بعد عاکفہ سے مخاطب ہوا تھا انشراح کا موڈ نوفل کو قریب دیکھ کر مزید ترپ گیا تھا۔

نرگس اور ماہین ڈرائیور کے ساتھ چلی گئی تھیں' عاکفہ کچھ فاصلے پر بابر سے بیگ لینے کے بعد نہ جانے کن باتوں میں لگ گئی تھی اور نوفل نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اس کا بلیک چپل میں جکڑا نرم و ملائم پاؤں اس بے دردی سے کچلا تھا کہ پل بھر میں سفید پاؤں خون سے سرخ ہوگیا تھا۔

"میں آپ کی کچھ مدد کرسکتا ہوں؟" عاکفہ اور بابر کو تیزی سے آتے دیکھ کر وہ خاصی شائستگی سے گویا ہوا تھا۔ درد کی شدت سے برا حال تھا وہ بے حد نازک مزاج تھی معمولی سی چوٹ برداشت کرنا اس کے بس کی بات نہ تھی اور اب تو تین آخری انگلیاں بری طرح کچلی گئی تھیں اور خون بہہ رہا تھا وہ جواب کیا دیتی نوفل کی طرف دیکھ بھی نہ سکی۔

"ارے یہ کیا ہوا بہت بری طرح سے چوٹ لگی ہے۔" بابر نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"انہی سے پوچھئے مجھے کیا معلوم؟" وہ اسے روتے دیکھ کر خاصا محظوظ ہوا تھا۔ انشراح تکلیف کے مارے روئے جارہی تھی اسے اس وقت نہ اس کے مضحکہ اڑانے سے سروکار تھا نہ بکواس کرنے سے غرض وہ تو گویا درد کے سمندر میں ڈوبتی جارہی تھی اور اس کی غیر ہوتی حالت دیکھ کر عاکفہ اور بابر کے بھی ہوش خطا ہورہے تھے' عاکفہ نے اپنا رومال اس کے پاؤں پر باندھا اور اسے سہارا دے کر کار میں بٹھایا تھا۔

"انشراح کو ہسپتال لے جارہا ہوں' خون بہت تیزی سے بہہ رہا ہے' تم آرہے ہو نہ؟" بابر نے بے حد عجلت میں دریافت کیا۔

"تم ہی یہ سعادت حاصل کرو ڈیئر' مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔" بابر نے کچھ نہیں کہا محض ملامتی نگاہوں سے دیکھتا آگے بڑھ گیا تھا۔

نمرہ نور

السلام علیکم! آنچل وحجاب اسٹاف اور قارئین کو نمرہ کا محبت بھرا سلام قبول ہو۔ میرا نام نمرہ نور ہے میں 26 نومبر 1999ء کو اس دنیا میں تشریف لائی میرا اسٹار قوس ہے۔ میں اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی ہوں میری پسندیدہ ڈش بریانی ہے میرا پسندیدہ کلر بلیک سی گرین اور لائٹ پنک ہیں۔ مجھے لباس میں ساڑھی اور فراک بہت پسند ہیں۔ فرسٹ ائیر کی طالبہ ہوں میرے پسندیدہ مضمون فزکس اور ریاضی ہیں۔ میری بہت سی فرینڈز ہیں لیکن اقراء میری بیسٹ فرینڈ ہے۔ میری خامی یہ ہے کہ میں ہر کسی پر جلد اعتبار کر لیتی ہوں اور میری خوبی یہ ہے کہ میں ہر ایک کو معاف کر دیتی ہوں۔ میری پسندیدہ رائٹر سمیرا شریف طور اور نازیہ کنول نازی ہیں۔ مجھے اپنی فیملی سے بہت محبت ہے آئی لو مائی آل فیملی ممبر آپ سب کو مجھ سے مل کر کیسا لگا ضرور بتایئے گا اب اجازت دیں اللہ حافظ۔

اس نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے لاتعلقی سے شانے اچکائے اور دونوں کاریں آگے بڑھتے ہی اس کے لبوں پر جاندار مسکراہٹ در آئی تھی۔

''مجھ سے جیتو گی تم؟ مجھے شکست دو گی نوفل عکرمہ کو۔ جو تم جیسی لڑکیوں کے وجود سے اس زمین کو پاک کرنا چاہتا ہے ایک ہلکی سی چوٹ تم برداشت نہیں کر سکی اور بات کرتی ہو مجھ سے مقابلہ کرنے کی؟'' وہ گنگناتا ہوا کار کی طرف بڑھا۔

❀ ❀ ❀

منور صاحب کے اصرار پر زمرد بیگم نے نہاری پکائی تھی جو دم پر تھی زمرد بیگم کے پکائے گئے کچھ کھانے گھر والے بڑے شوق سے کھاتے تھے جن کھانوں میں سرفہرست نہاری بھی تھی ساتھ بیٹھے میں تنجن اور نان کی تیاری ہو رہی تھی۔ تنجن بھی تیار ہونے پر تھا منور صاحب بضد تھے کہ نان کی جگہ پراٹھے بننے چاہیے۔

''نہاری کے ساتھ خستہ وکرارے پراٹھے کھانے کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔''

''کچھ تو اپنی بیماری کا خیال کریں آپ کے اسی چٹورے پن نے آپ کو دل کا روگ لگا دیا ہے اور آپ ہیں کہ پروا ہی نہیں کرتے۔'' وہ فکرمند تھیں۔

''دل کا روگ تو ہمیں اس دن ہی لگ گیا تھا جب آپ کو پہلی بار دیکھا تھا۔'' ان کی برجستگی پر وہ لجا کر رہ گئیں۔

''کچھ تو خیال کریں صوفیہ بیٹھی ہے کیا سوچے گی۔''

''بھائی جان...... آپ یہ سمجھیے میں یہاں ہوں ہی نہیں۔'' وہ بھی شوخی سے بولیں۔

''تم رونگ نمبر تھوڑی ہو جو چھپ چھپ کر بات کروں ارے بھئی اپنے نام تمہارے جملہ حقوق لکھوا کر لایا ہوں کوئی مذاق نہیں کیا۔''

''توبہ ہے بھئی کبھی کبھی آپ حد کر دیتے ہیں۔'' وہ مسکرائیں۔

''محبت ہی اتنی کرتے ہیں کیا کریں اور آپ کی محبت اب ظاہر ہو گی جب آپ بل والے پراٹھے بنا کر کھلائیں گی۔ واہ کیا بل ہوتے ہیں ایسے بل آپ اپنی چٹیا میں بھی نہیں ڈالتی......'' وہ آج موڈ میں تھے۔

''کچھ سمجھیں بھابی جان...... یہ محبت دکھاوا ہے محض پراٹھے کھانے کے لیے آپ کے سکے لگائے جا رہے ہیں۔'' وہ کھلکھلا کر ہنس دی تھیں۔

''آپ لوگ سکے سمجھو یا محبت آج پراٹھوں کا امتحان ہے۔'' وہ کہہ کر وہاں سے چلے گئے تب ہی عمرانہ تیار ہو کر وہاں آئی تھیں۔

''بھابی...... میں مائدہ کو لے کر رضوانہ آپا کے گھر جا رہی ہوں۔'' صوفیہ کو وہاں دیکھ کر ان کے چہرے پر ناگواری پھیل گئی تھی۔

''ٹھہرنے کا ارادہ ہے یا رات تک واپس آجاؤ گی؟''

''کل آؤں گی پھر مائدہ کے کالج کی چھٹیاں ختم ہوجائیں گی۔'' جوابازمرد نے ان کو محبت سے اللہ حافظ کہا اور صوفیہ کو اگنور کرکے مائدہ کو آوازیں دیتی ہوئی چلی گئیں۔

''بھابی جان...... آپ مانیں یا نہ مانیں' ہر دوسرے روز بھاگ بھاگ کر ان دونوں کا وہاں جانا مجھے دال میں کچھ کالا لگتا ہے۔ مائدہ کو دیکھا ہے آپ نے وہ کتنی بدل گئی ہے' تنہائی پسند ہوگئی ہے اور تو اور اب میں اسے آئینہ کے سامنے کھڑا دیکھتی رہتی ہوں۔ لڑکیوں کا زیادہ خود کو آئینے میں دیکھنا ان میں خودسری و بغاوت پیدا کردیتا ہے۔'' عمرانہ اور مائدہ کو جاتے ہی وہ ان سے رازدارانہ انداز میں بولیں۔

''ہاں' کہہ تم ٹھیک ہی رہی ہو۔ مائدہ پہلے والی مائدہ نہیں لگ رہی' تم پہلے سودہ سے معلوم کرو' ان کا ہر وقت کا ساتھ ہے وہ بہتر جانتی ہوگی۔''

''میں نے پوچھا تھا اس سے وہ کہنے لگی' امی وہم ہے آپ کو ایسا کچھ نہیں' آپ ایسی باتیں نہیں کیا کریں۔'' وہ منہ بنا کر گویا ہوئیں۔

''شاید ایسی ہی بات ہو صوفیہ...... تمہاری کسی بھی بات سے مجھے اختلاف نہیں کہ اس عمر میں لڑکیوں کی دیکھ بھال بہت احتیاط و گہری نگاہوں سے کرنی پڑتی ہے پھر ہمارے بچوں کو نگہداشت کی زیادہ ضرورت ہے' خیر سودہ پر اعتماد ہے وہ مائدہ کو کوئی غلط قدم اٹھانے نہیں دے گی۔''

❀......❀......❀

ہسپتال سے ڈریسنگ کروا کر عاکفہ اور بابر اس کو گھر لے آئے تھے۔ نانی گھر میں نہیں تھیں' بالی نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا تھا کیونکہ وہ درد سے تڑپتی رہی تھی اس لیے ڈاکٹر نے خواب آور دوائیوں کے علاوہ اسے پین کلر انجکشن بھی لگایا تھا اور وہ گھر آتے ہی سوگئی تھی۔ بالی کے اصرار کے باوجود بھی وہ دونوں نہیں بیٹھے تھے کہ آج پہلے ہی بہت لیٹ ہوگئے تھے جب بالی نے چوٹ لگنے کا سبب پوچھا تھا انہوں نے ایک دوسرے کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھا تھا عجیب اتفاق تھا دونوں میں سے کسی نے بھی چوٹ لگنے کی وجہ نہیں پوچھی تھی اور اب بالی کے استفسار پر ان دونوں کو احساس ہوا تھا۔

''وہ......وہ پتھر لگ گیا تھا' ٹھوکر سے زخم ہوگیا۔'' عاکفہ کو یاد آیا کہ پارکنگ کی طرف باؤنڈری وال پر پتھر لگے ہوئے ہیں' وہ نوفل کو اپنی طرف آتے دیکھ کر غصے سے آگے بڑھی تھی اور تب ہی پتھر اس کے پاؤں کو گھائل کرگیا ہوگا کیونکہ اور کوئی چیز نہیں تھی وہاں۔ بالی کے ساتھ وہ گویا خود کو بھی مطمئن کرکے چلے گئے تھے۔ نامعلوم کتنے ٹائم تک وہ سوتی رہی تھی' سو کر اٹھی تو پاؤں میں درد قدرے کم محسوس ہوا تھا لیکن دکھن کا احساس جوں کا توں موجود تھا۔ اس کو جاگتے پا کر بالی اور نانی کمرے میں آئی تھیں۔

''اب کیسی طبیعت ہے تمہاری بے بی؟'' بالی اس سے آکر لپٹ گئی تھی۔

''کیسے لگ گیا پتھر؟'' نانی اس کا گال سہلا کر گویا ہوئیں۔

''پتھر؟'' نانی کی بات پر اسے حیرانی ہوئی۔

''عاکفہ بتارہی تھی' تمہارے پاؤں میں پتھر کی ٹھوکر لگی ہے۔''

''پتھر...... ہاں پتھر نے ہی گھائل کیا ہے' وہ ایک پتھر ہی تو ہے۔'' اس کی نگاہوں میں وہ منظر ازسرنو تازہ ہوا تھا۔

''کیا کہہ رہی ہو؟ ذرا زور سے کہو بیٹا۔''

''یہ دواؤں کے زیر اثر شام سے سو رہی ہے' اب رات کے دس بج رہے ہیں' میں کھانا یہیں لے آتی ہوں تم کو بھی بھوک لگ رہی ہوگی۔'' بالی کھانا لینے چلی گئی تھی پھر الٹے قدموں واپس آئی تھی۔

''ماسی...... لاریب صاحب آئے ہیں وہ پوچھ رہے ہیں آپ کا۔''

''جا کر کہہ دو اس سے نانی گھر میں نہیں ہیں واپس چلا جائے وہ۔'' نانی کے بولنے سے قبل ہی وہ منہ بنا کر کہہ گئی۔

''ان سے جا کر کہو آرہی ہوں انشراح کا دماغ خراب ہی رہتا ہے۔''

''دماغ خراب ہی ہوگا نانو...... جب آپ کسی غیر کی خاطر مجھے تنہا چھوڑ دیں گی آپ کو میری نہیں دوسروں کو فکر رہتی ہے۔''

مریم عنایت امیر

السلام علیکم! آنچل وحجاب اسٹاف اور قارئین کو محبت بھرا اسلام قبول ہو۔ میرا نام مریم عنایت ہے' 14 مارچ 2002ء کو اس دنیا میں تشریف لائی' میرا اسٹار پائسز ہے۔ میں اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی ہوں وہ مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں' میری دو دوستیں ہیں ایک ردا رحمان اور دوسری مریم فدا۔ میں نہم (اے) میں پڑھتی ہوں' آنچل وحجاب میں میری جان ہے۔ پسندیدہ ٹیچر سارہ ہیں اور پسندیدہ سنگر راحت فتح علی خان ہے۔ پسندیدہ لباس ساڑھی ہے' پسندیدہ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' پسندیدہ ناولز "ٹوٹا ہوا تارا' خدا اور محبت اور تیرے لوٹ آنے تک" ہیں۔ مستقبل میں ڈاکٹر بننے کی خواہش ہے' رنگوں میں بلیک اور پنک بہت پسند ہے۔ کزنز میں نمرا نور' خدیجہ زہرا اور سمی (عبدالسمیع) اچھے لگتے ہیں۔ میرا پسندیدہ سبجیکٹ "بائیولوجی اور کیمسٹری" ہے۔ پسندیدہ نام انا ہے' اچھا اب اجازت دیں' اللہ حافظ۔

"جب غیر اپنوں سے زیادہ فکر کریں گے تو غیروں کی ہی فکر ہوگی اور تم اپنی مرضی سے تنہا ہوئی ہو ورنہ تمہاری تنہائی بھی دور کرنے کے لیے کسی کی کمی نہیں ہے' ایک بار اپنے خول سے باہر تو نکلو۔"

"جب میرے اپنوں کے پاس ٹائم نہیں ہے میرے لیے پھر میں کیوں غیروں کا سہارا لوں تنہائی دور کرنے کے لیے۔" وہ سر جھٹک کر بولی۔

"ماسی...... کیوں بحث کرتی ہو دیکھ رہی ہو نا یہ کتنی تکلیف میں ہے۔" ہمیشہ کی طرح بالی نے تڑپ کر اس کی حمایت لی۔

"اوہ تکلیف...... عورت تو نام ہی درد و تکلیف کا ہے اس ننھے سے زخم سے کیا ڈرا رہی ہو مجھے۔ عورت کو نا معلوم کیسے کیسے درد و تکلیف کے مراحل سے گزرتے رہنا ہوتا ہے جہاں ایسے زخموں کی کوئی اوقات نہیں ہوتی۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی چلی گئیں۔

"تمہیں کیا ضرورت تھی اس کمینے کو اندر لانے کی باہر سے ہی واپس نہیں بھیج سکتی تھی' جب دیکھو منہ اٹھا کر چلا آتا ہے۔" دل کی ساری بھڑاس بالی پر ہی نکالی۔

"اس نے مجھے بولنے کا موقع ہی کہاں دیا گیٹ کھلتے ہی اندر چلا آیا ویسے بھی ماسی کا بہت سر چڑھا ہے۔" جواباً وہ کچھ کہے بنا آنکھوں پر بازو رکھ کر لیٹ گئی۔

"اچھا تم اب کڑھتی مت رہنا' ماسی کی عادت کا معلوم ہے نہ اگر ان کے مہمانوں کو برا کہہ دیا جائے تو وہ برداشت نہیں کرتیں۔" بڑی بہن کے انداز میں بالی نے پیار سے اس کو سمجھایا۔

"او کے جاؤ تم' مہمان کی مہمان نوازی میں دیر ہوگئی تو پھر نانو چیخنے چلانے لگیں گی۔" وہ آہستگی سے گویا ہوئی اور سوچ لیا تھا وہ نوفل کو تماشہ بنادے گی۔

❀ ❀ ❀

زید کو عمرانہ اور مائدہ کا رضوانہ خالہ کے گھر جانا بالکل پسند نہ تھا مگر ماں کے خیال سے کہ وہ اپنی اکلوتی بہن سے مل کر خوش ہوتی ہیں ورنہ وہ کسی سے ملنا ہی گوارانہ کرتی تھیں۔ ان کی محبت میں وہ سب برداشت کرتا رہا تھا لیکن اب اسے یقین ہوگیا تھا کہ مائدہ کے اصل بگڑنے کی وجہ رضوانہ خالہ کی بیٹیاں ہی تھیں۔ وہ شروع سے سودہ کے ساتھ رہتی آئی تھی اور اس کی طرح ہی سادہ و معصوم تھی اور جب سے اس نے خالہ کے گھر جانا شروع کیا تھا وہ ان کے چلن میں چلنے لگی تھی۔ عروہ کی بولڈنیس کی زد میں وہ رہا تھا' عفرا سے کم کم ملا تھا مگر جب ملا تھا وہ اسے آزاد و بے باک لگی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ وہ سب دیکھ کر اور جان کر بھی اس نے مائدہ کو وارن کیوں نہیں کیا؟ اگر وہ اس کو پہلے ہی اس کی حد سمجھا دیتا تو نہ اس کی معصومیت پر انگلی اٹھتی نہ ہی اس کی حمیت کو تازیانے لگتے اور آج بھی وہ خالہ کے گھر گئی ہوئی تھیں اور اس کے اندر جوار بھاٹا اٹھ رہا تھا۔

شاہ زیب اپنا کورس مکمل کرکے آچکا تھا اور آتے ہی تحفوں کا انبار اٹھائے وہاں چلا آیا تھا سب سے بڑے پرتپاک انداز میں ملا تھا وہ اس سے بھی زبردستی گلے لگا اور کتنی دیر تک لگا ہی رہا تھا۔

"اٹس او کے......" وہ اس سے علیحدہ ہوتا ہوا سنجیدگی سے بولا۔

"بھائی......یہ آپ کے لیے گفٹس ہیں اور......یہ چھوٹی مما اور مائدہ کے لیے۔"
"پلیز ایسی کسی چیز کی قطعی ضرورت نہیں ان کو واپس لے جاؤ۔" اس کے نرم لہجے میں اچانک ہی سختی در آئی تھی۔
"پلیز بھائی......میں بڑی محبت سے لایا ہوں۔"
"تمہاری محبتوں کی یہاں نہ ضرورت ہے اور نہ گنجائش لے جاؤ۔"
"بھائی......میرے اچھے بھائی......میں بڑی محبت سے لایا ہوں۔" وہ اس سے لپٹ گیا' محبت سے اس کی پیشانی کو بوسے دینے لگا۔ خلوص و وفا کی مہک اس کے وجود سے اٹھ رہی تھی اور ایک بہت شناسا سی حدت تھی' جس نے اس کے دل کو نرم کردیا تھا' یہ شاید اس خون کی کشش تھی جو ان کی رگوں میں گردش کررہا تھا۔
"میری بات سمجھو محبت تحفوں کی محتاج نہیں ہوتی۔" وہ اسے علیحدہ کرتا ہوا مسکرا کر گویا ہوا اور اس کے قریب بیٹھ گیا۔
"تحفہ بھی تو محبت ہی ہوتی ہے نہ بھائی۔"
"ہوں......میں یہ لے لیتا ہوں' یہ واپس لے جاؤ۔" اس نے اپنا نام لکھے گفٹس اٹھاتے ہوئے آہستگی سے کہا اور شاہ زیب نے بھی پھر اصرار نہ کیا تھا کہ وہ بھی بخوبی جانتا تھا عمرانہ اور مائدہ وہ تحفے قبول نہیں کریں گی۔ وہ ان کو وہاں کے گزرے وقت کی باتیں سنا رہا تھا کیونکہ گھر کے سب افراد ہی وہاں آکر براجمان ہوگئے تھے۔
پرتکلف شام کی چائے کا اہتمام کیا گیا تھا صوفیہ اور بوا سب کو سرو کررہی تھیں اور وہ دل سے سب کے ساتھ بیٹھا تو کچھ دیر قبل دل پر چھائی اداسی خود بخود ہی دور ہوگئی تھی۔ سودہ چائے لے کر آئی تایا کے بعد اس نے مگ اس کی طرف بڑھایا تو اس نے اس کی طرف دیکھے بنا ٹیبل پر رکھنے کا اشارہ کردیا تھا اور جب اس نے مگ شاہ زیب کی طرف بڑھایا تو اس نے مگ کی بجائے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ سودہ نے بے ساختہ اس کی طرف دیکھا اس کی آنکھیں لال ہونے لگی تھیں۔

❁......❁......❁

"تم سمجھتے کیا ہو خود کو؟" وہ کلاس لینے کے بجائے اس کے پاس چلی آئی تھی' نوفل نے اجنبی انداز میں اس کی طرف دیکھا۔
"ہاں......میں تم سے ہی مخاطب ہوں' دیکھو تم نے میرے پاؤں کا کیا حال کیا ہے؟ یہ بہادری ہے تمہاری؟" وہ چیخ رہی تھی اور اسٹوڈنٹس وہاں جمع ہونے لگے تھے۔
"یہ ایک معمولی سا اشارہ ہے تمہارے لیے تمہاری اوقات بتانے کے لیے کہ میرے سامنے تم ایک چیونٹی سے بھی زیادہ حقیر ہو' میں جب چاہوں جہاں چاہوں تمہیں چیونٹی کی طرح مسل کر پھینک سکتا ہوں۔" وہ درشتگی سے اس کی طرف دیکھ کر دھاڑا۔
"میری اوقات بتانے سے پہلے اپنے گریبان میں جھانکو اور بتاؤ ان لوگوں کو تم کس ماں کے بیٹے ہو؟" وہ اردگرد پھیلے لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے طنز سے مسکرا کر بولی۔
"دکھاؤ اپنی ماں کا آنچل جو گناہوں کے داغوں سے سیاہ ہے۔"
"میں تمہیں جان سے ماردوں گا۔" اس نے چیتے کی مانند چھلانگ لگا کر اس کی گردن دبوچ لی تھی اور ساتھ ہی دبانے لگا تھا۔
(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

❁

مہک

رفاقت جاوید

سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر

اس کے ہونٹوں کا تبسم رہے قائم یا رب
اس کے جیون میں بھی خوشیوں کا بسیرا کردے
تو میرے کرب کی راتوں کو بھلے ختم نہ کر
اس کی ہر شام کے آخر میں سویرا کردے

حمدہ پچھلے ایک ہفتے سے زوروشور اور جذبے وشوق سے تیاری میں مصروف تھی۔ اس نے گھر کے تمام صوفے چادروں سے ڈھک دیئے تھے۔ ڈیکوریشن پیسز بھی الماریوں میں محفوظ کرلیے۔ رگز (قالین) لپیٹ کر ڈائننگ روم کی دیوار کے ساتھ لگانے کے بعد بیگ میں اپنا سامان پیک کرنے لگی۔

ملازمین کے بغیر اپنے گھر کا کام کرتے ہوئے اسے کبھی بھی برا نہ لگا تھا بلکہ مطمئن اور خوش وخرم رہا کرتی تھی کیونکہ خانساماں، خاکروب، مالی اور ڈرائیور کا داخلہ بھرے گھروں میں ہی مناسب رہتا ہے کیونکہ مصروفیت ایسی عبادت ہے جو انسان کے دماغ میں شیطان کے گھروندے کو نیست ونابود کرنے میں کامیاب رہتی ہے۔

حمدہ نے بھلے دنوں میں انہی ملازمین کے بل بوتے پر دنیا بھر کی سیاحت بھی کی اور ہر طرح کے فنکشنز بھی اٹینڈ کیے۔ جب سے یہ بدنصیب بیوہ ہوئی تھی، دو بچوں کی شادی کے بعد اسے اپنے پرانے ملازمین کی اصلیت پرکھنے کا موقع ملا تھا کہ نرم دل مالک کو بے وقوف بنانا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا اور جب دایاں جڑتے تو گھر کا صفایا کرنے میں کمال کا ہنر دکھاتے اس لیے ان تجربات کی تخی میں اس نے ایک دن تمام ملازم کو کان سے پکڑ کر گھر سے باہر کھڑا کردیا حالانکہ وہ اپنے اس فیصلے پر نالاں بھی تھی اور وہ وقت کے پہیے میں دوسروں کے مطابق گھن چکر بننے کی اذیت وکرب سے کوسوں دور رہ کر اپنی زندگی کے ہر پل کو محفوظ بھی کررہی تھی۔ یہی احساس اسے ملازمین کی غیر موجودگی کے باوجود شاداں وفرحاں کردیتا تھا لیکن اولاد کا دکھ تمام اطمینان کو نگل لیتا کیونکہ بچے بھی اسے تنہا چھوڑ کر غیر ملکوں کے باسی بن چکے تھے۔ انہیں بھی ماں کی رتی بھر پروا تھی نہ ہی کبھی اس کی ضرورت محسوس کی تھی۔ اس کرب واذیت نے اسے ذہنی مریضہ بنا ڈالا تھا۔ گھر میں ہر وقت رونا دھونا دیکھ کر ایک ایک کرکے تمام سہیلیاں بھی چھوڑ گئیں کیونکہ انہیں بھی تو ہنستی مسکراتی، خاطر ومدارت کرتی ہوئی سہیلی کی ضرورت تھی۔

حمدہ نے محسوس کیا کہ شوہر کے جانے کے فوراً بعد اس پر جو قیامت ٹوٹی تھی وہ دو طرح کی تھی۔ ایک تو آنا فانا

شوہر کا اس دارفانی سے چلے جانا‘ یہ ایسا دردو غم تھا کہ کسی پل چین نہ لینے دیتا تھا۔

دوسرا رشتہ داروں کا رسم قل کے بعد ایسے منہ پھیر لینا جیسے وہ اسے جانتے ہی نہ تھے۔ یہ ایسا غصہ اور خفگی تھی کہ اس کی ہر پل ہمجولی رہتی تھی۔ اس دکھ نے اسے نڈھال ولاغر کرڈالا تھا اور وہ کسی قسم کا فیصلہ کرنے سے قاصر ہوگئی تھی۔

بیٹی کے رشتے کا فیصلہ کرنا مشکل ہوگیا‘ بیٹے کے لیے جیون ساتھی ڈھونڈنا ناممکن ہوگیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بیٹے اور بیٹی نے اپنی کولیگز سے ہی شادی کرنے کا فیصلہ ماں کو سنایا جبکہ بہو اور داماد ماں کے خوابوں کے بالکل برعکس نکلے لیکن اولاد سے مقابلہ کرنے اور اپنے فیصلے پر ڈٹ جانے کی اس کی قوتِ مدافعت و جرأت ہی جواب دے چکی تھی۔ اس لیے رضا مندی میں ہی مصلحت جانی وہ سوچتی کہ یہ کیسی دنیا ہے کہ جو آپ کے ہر لمحے کے ساتھی تھے وہ بھی مصروفیت کا بہانہ تو کبھی اپنی بیماریوں اور مجبوریوں کا رونا روتے حتیٰ کہ فون کرنا بھی گوارہ نہیں کرتے تھے۔

میاں کی لاڈلی اور پیاری بیگم نے اس کے بعد تجربات سے یہ درس سیکھ لیا تھا کہ ہر رشتہ چاہے خونی ہویا فدائی۔ سب عارضی اور وقتی ہیں یہ رشتے فقط بھلے اور خوش کن حالات میں زندہ رہتے ہیں۔ خوب ذلیل ہونے کے بعد اس نے اپنی زندگی کے شب و روز اور ماہ و سال کو اپنی ہمجولی بنا کر اپنے ضابطے وقوانین بنالیے‘ نہ دنیا کی پروا رہی نہ اولاد کی تو انہی رشتوں نے پلٹا کھایا کیونکہ جب دنیا والوں کی محتاجی اور ضرورت کا پیمانہ خالی ہوجائے تو پھر دنیا ہی اسی خالی پیمانے کو لبریز کرنے کی کوشش کرنے لگتی ہے۔ اپنی محبتوں‘ چاہتوں اور لگاوٹوں سے کچھ ایسا ہی حال حمہ کا بھی ہوا لیکن حمہ نے ان تمام عنایتوں اور نوازشوں کے باوجود اکیلے رہنے اور اپنے وقت کو اپنی مرضی اور پسند کے مطابق گزارنے کو اولیت دی پھر ایسا معجزہ وارد ہوا کہ وہ تنہا رہ کر بھی خوش رہنے لگی خدمت خلق اس کا مشن بن گیا۔

وہ زیارت کے لیے ایران پہنچی تو اسے بی بی فاطمہ معصومہ قم کی زیارت کے بیرونی احاطے میں کالے برقعے میں ملبوس دو خواتین بنچ پر بیٹھی ہوئی نظر آئیں۔ ایک خاتون نے اسے اشارے سے بنچ پر بیٹھنے کے لیے جگہ دی۔ حمہ شکریہ کہہ کر ان کے قریب بیٹھ گئی اور ایک عمر رسیدہ خاتون اس سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگی۔

❁......❁......❁

حمہ حسب معمول خوشی خوشی موسم بہار میں ایران زیارتوں کی حاضری کے لیے سدھار گئی۔ مشہد میں امام رضاؑ کے مزار پر سلام کرنے کے بعد وہ قم روانہ ہوگئی جہاں اس نے نو عدد زیارتوں پر حاضری دی۔ وسیع و عریض میوزیم میں وہ ہمیشہ گھنٹوں گزارتی‘ مسجد بھی قابل دید ہونے کی وجہ سے سب کی نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ وہاں بھی اسے بے پناہ قلبی وذہنی سکون ملا کرتا تھا۔

عمر خیام کے مقبرے پروہ گھنٹوں گزارنے کے بعد بی بی فاطمہ معصومہ قم کے روضہ مبارک کی طرف چل دی‘ ان کا نام فاطمہ تھا اور انہیں قم کی معصومہ کا خطاب دیا گیا تھا جب بھی حمہ ان کے مزار مبارک پر حاضری کے لیے آتی تو خود کو بہت محفوظ محسوس کیا کرتی تھی۔ اس لیے یہاں وہ صبح سے شام تک عبادت گزاری میں مصروف رہتی تھی۔ تہران میں ایک بڑا چیریٹی ادارہ گوشئہ بہشت تھا۔ حمہ ہر سال وہاں اپنی اور بیٹی و بیٹے کی طرف سے زکوۃ خیرات اور صدقہ دینے جایا کرتی تھی۔ اس ادارے کا ہر فرد اسے بخوبی جانتا تھا اور اس کی بے حد عزت واحترام بھی کرتا تھا۔ ہمیشہ کی طرح آخری دن اسی ادارے کے ایک پارک میں گزارنے کے لیے ایک بنچ پر بیٹھ گئی اس کا مقصد ایک ہی تھا کہ اس پارک میں جو بھی غریب اور سفید پوش عورت ور کرا سے نظر آتی تھی وہ اپنی ضرورت کے علاوہ بچی ہوئی رقم ان میں تقسیم کرکے سیدھی ایئرپورٹ روانہ ہو جایا کرتی تھی۔ یہی اس کا دلی اور ذہنی سکون تھا اسی دولت نے اسے ڈپریشن جیسی جان لیوا بیماری سے چھٹکارا دلا کر اسے

کارآمد بناڈالا تھا۔
آج پہلی دفعہ اس ادارے کی مالکہ اسے ملنے اس کے پاس تشریف لائی تو وہ حسرت سے اس انجان عورت کو دیکھ کر پرس کھولنے لگی‘ اس نے پرس بند کرنے کا اشارہ کیا اور بنچ پر اس کے ساتھ بیٹھنے کی ریکوئسٹ کی تو حمدہ ذرا سا مسکرائی اور ذرا سا کھسک کر اس کے بیٹھنے کی جگہ بنائی۔ وہ گہری اپنائیت اور لگاوٹ سے اس کے قریب بیٹھ گئی ایک جوان عبایہ میں لڑکی ان کے قدموں میں بیٹھ گئی۔ حمدہ نے اسے غور سے دیکھا‘ وہ قد میں پست تھی مگر چہرے مہرے سے عورت لگ رہی تھی‘ جیسے اللہ تعالیٰ نے اسے بڑھتے ہوئے یک دم روک کر توجہ اس کے چہرے پر دے ڈالی ہو۔ اس کی آنکھوں میں حسرت و یاس کی پرچھائیاں خاصی نمایاں تھیں۔ بے جان اور بجھی ہوئی آنکھوں کو دیکھ کر اس کی نگاہیں اس کے چہرے پر جم گئیں‘ اس کے گورے اور سرسوں کی مانند پیلے چہرے پر کئی نشانات مرتسم تھے۔ جیسے کسی نے اس کے چہرے کو نوچ کر اس کی شادابی و رعنائی کو ختم کرنے کی کوشش کی ہو۔ وہ لڑکی اس خاتون کی بیٹی کہیں سے نہیں لگ رہی تھی‘ حمدہ شش و پنج میں مبتلا دونوں کو باری باری دیکھنے لگی۔ ادھیڑ عمر خاتون کا عبایہ عین فیشن کے مطابق تھا جبکہ جوان لڑکی کی غربت و کسمپرسی برقعے کے اندر سے بھی جھانک رہی تھی۔
''مسز تم نے جو سوچا ہے‘ درست ہے۔ میں تمہاری بقیہ مشکل آسان کیے دیتی ہوں۔'' وہ ٹوٹی پھوٹی اردو میں ذرا سا مسکرا کر بولی۔
''غزل کے بارے میں اتنی سی التجا ہے تم سے‘ اسے تمہاری اشد ضرورت ہے کیونکہ ایسی لڑکیوں کے لیے بھائی اور باپ کا دعویٰ کرنے والے بے حساب مرد تو مل جاتے ہیں لیکن ماں ایک بھی نہیں ملتی۔''
''میری ضرورت......'' حمدہ حیرت و اضطراری کیفیت میں بولی۔
''پہیلیاں چھوڑو‘ سیدھی سیدھی بات کرو بہن۔''
''بہن...... میں پچھلے دو مہینے سے تمہیں ہر زیارت پر حاضری دیتے ہوئے دیکھ رہی ہوں۔ مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے کہ تم غزل کے لیے بہترین مسیحا ثابت ہوسکتی ہو۔ میں مجبوری کے تحت اس کے لیے کچھ نہ کرسکی کیونکہ میں تو ایک شیشے کے گھر میں رہتی ہوں۔ تم یہاں زیارتوں سے فیض یاب ہونے گھر سے نکلی ہو‘ میں نہیں جانتی کہ تم اکیلی کیوں ہو‘ جیسی بھی ہو مجھے بے حد نیک طبیعت خاتون لگی ہو۔ یہ مت سمجھنا کہ میں تمہاری خوشامد کررہی ہوں یا اس معصوم بے گناہ سے جان چھڑانا چاہ رہی ہوں‘ ایسا ہرگز نہیں۔ غزل مجھے عزیز نہ ہوتی تو یوں سینے سے لگائے ماری ماری نہ پھرتی ایک نیک انسان کے لیے سرگرداں ہوں لیکن بہت ناکامی ہوئی کیونکہ سب اس سے نفرت کرتے ہیں۔ رابعہ بصری کے بارے میں تم نے بھی ضرور سنا ہوگا‘ پڑھا بھی ہوگا کہ وہ بچپن میں ہی یتیم ہوگئیں‘ ایک ظالم نے انہیں پکڑلیا اور اپنی کنیز بنالیا اور پھر قلیل رقم میں بہت جلد فروخت بھی کردیا اور ان پر ظلم کی انتہا کردی۔ ایک مرتبہ وہ کہیں جارہی تھیں کہ نامحرم کو دیکھ کر گر گئیں اور ہاتھ ٹوٹ گیا۔ آپ اسی وقت سجدے میں گرگئیں اور فریاد کرنے لگیں کہ میں تو ایک لاوارث لڑکی ہوں۔ محنت مشقت کرکے بھوک مٹاتی ہوں‘ اب میرا ہاتھ ہی ٹوٹ گیا تو ندا سے آواز آئی ’اے رابعہ...... غمگین مت ہو‘ کل تجھے وہ مرتبہ ملے گا کہ مقرب ملائکہ بھی تجھ پر رشک کریں گے۔‘ یہ سن کر آپ اپنے مالک کے پاس گئیں اور یہ خوش خبری سنائی‘ ایک رات عبادت کے دوران مالک نے آپ کے سر پر معلق نور فروزاں دیکھا۔ وہ اپنے رب سے فریاد کررہی تھیں کہ میں کسی کے قبضے میں ہوں‘ تیری عبادت شب بھر کرنے سے قاصر ہوں۔ یہ سن کر مالک اتنا پریشان ہوا کہ انہیں آزاد کردیا‘ اس کے بعد آپ جنگل میں گوشہ نشین ہوگئیں‘ سچ ہے کہ سکون تو تنہائی کی دولت سے ہی خریدا جاتا ہے لیکن بدقسمتی سے یہ معصوم تو کسی جنگل میں بھی روپوش نہیں ہوسکتی کیونکہ زمانہ بدل گیا ہے۔ جنگل میں بھیڑیوں کی تعداد بڑھ سکتی ہے وہ بھی اسے زندہ نہ چھوڑیں گے اور دنیا کی محفلوں میں بھی غیر محفوظ جہاں انسان نما

درندوں کا بسیرا ہے۔ اسے سولی پر لٹکانا اپنا اولین فرض سمجھیں گے مجرم بھی تو وہ تختہ دار پر لٹکانے والے بھی وہ خود۔" وہ دکھ بھرے لہجے میں بولی۔

"اس بچی کو اپنے سینے سے لگالو۔"

"وہ کیسے...... اور کیوں؟ یہ ناممکن ہے بہن...... تم تو مجھے ایک سمجھ دار اور چنگی بھلی خاتون لگ رہی ہو پھر اس بچی کو میرے سپرد کرنے کا مقصد کیا ہے؟" وہ زچ سی ہو کر بولی۔

"تم غزل کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام سمجھو۔ اس بچی کو اپنے ساتھ گھر لے جاؤ تمہاری خدمت بھی کرے گی اور یہ مظلوم دنیا والوں کی نظروں سے اوجھل بھی رہے گی ورنہ آج اندر کل باہر کا سلسلہ ختم نہیں ہوگا۔" وہ ایک سانس میں بہت کچھ ذو معنی باتیں بول گئی۔ حمہ اس کی اس گول مول بات کا مطلب سمجھ نہ سکی جہاندیدہ خاتون کی نگاہوں نے اس کا جائزہ لیا اور بولی۔

"اندر باہر کا مطلب ہے، جیل کی اسیری اور باہر کا مطلب یہ بے لگام کھلی فضا جہاں یہ معصوم بچی پھر سے شیطان کا نشانہ بنتی رہے گی اور ایک دن پولیس اپنی بھی شیطانیت دکھا کر اسے جیل میں ڈال دے گی۔ خدارا اسے ساتھ لے جاؤ میں نے کس مشکل سے اسے رہائی دلائی ہے تم اندازہ نہیں کرسکتی اس کی بہتری کے لیے دوسرے کونے سے اس کو لے کر یہاں پہنچی ہوں میرا اس سے صرف انسانیت کا رشتہ ہے۔ میں نے یہاں کی مقدس سر زمین کی برکت وکرامت سے یہاں بیسیوں لڑکیوں کی جان عزت کے تحفظ کے لیے آپ جیسی پاک باز خواتین کو پہلی نظر میں پہچانا اور مجھے کبھی ناکامی یا پچھتاوا نہیں ہوا۔ بس میری یہی خدمت خلق ہے۔"

"مولا مشکل کشا قبول فرمائے آپ نہیں جانتی کہ میں پاکستانی ہوں۔ اس بچی کو اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتی یہاں زیارتوں کے لیے ہر سال آتی ہوں۔ اس کے لیے صدقہ وخیرات تو کرسکتی ہوں لیکن ساتھ لے جانا ناممکن ہے۔" حمہ ایک دم بے ساختگی سے بولی۔

"میں تمہارے لباس اور شکل وصورت سے پہچان گئی ہوں کہ تم پاکستانی ہو اس کا انتظام میری ذمہ داری ہے۔ یہ کام مجھ پر چھوڑ دو تم اس کی فکر مت کرو میں پہلے بھی یہ کام کئی بار سرانجام دے چکی ہوں۔" وہ نقاب درست کرتے ہوئے بولی۔ "ناممکن کو ممکن بنانا انسان کے اختیار میں ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن میں اس کے حالات زندگی معلوم کیے بغیر تو فیصلہ نہیں کرسکتی۔ ایک جوان لڑکی کی ذمہ داری اٹھانا آسان نہیں جتنا تم نے سمجھ رکھا ہے۔" حمہ نے مضطربانہ لہجے میں کہا تو وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر خانہ کعبہ کی طرف اپنے ہاتھ اٹھ کر بولی۔

"اس مقدس مقام کی جانب منہ کرکے سچ کے سوا کچھ نہ کہوں گی۔" وہ غزل کے سر پر محبت وشفقت بھرا ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ "وہ لوگ بہت خوش نصیب اور جنتی ہوتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی خدمت کے لیے چن لیتا ہے۔ دوزخ کی آگ ایسے لوگوں پر حرام ہوجاتی ہے، تم ذرا غور سے سننا اس کی دل سوز کہانی...... غزل اس وقت پندرہ سال کی تھی بدقسمتی سے اس کے والدین کی آپس میں بن نہ سکی۔ ہر وقت کی مار کٹائی لڑائی جھگڑا اور گالم گلوچ سے تنگ آ کر اس کی ماں نے دوسری جگہ عشق لڑایا اور پانچ سالہ غزل اور چار بیٹیوں کو باپ کے پاس چھوڑ کر اپنے عاشق کے ساتھ فرار ہوگئی۔ اس سے پہلے کہ قانون اسے سزا دیتا وہ کار کے حادثے میں جاں بحق ہوگئی۔ غزل کے چار بھائی اس سے بڑے تھے ان کا انجام بھی بہت بھیانک نکلا۔ ایک بھائی نے سرحد کراس کرنا چاہا تو گولی کا نشانہ بن گیا۔ دو بھائیوں کی کھیت میں لڑائی ہوگئی ایک نے بھائی کو کلہاڑی سے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالا۔ تیسرا آج تک جیل میں ہے چوتھا باپ کے تشدد سے تنگ آ کر پنکھے سے لٹک گیا۔ جب غزل گھر میں اکیلی رہ گئی تو اس کا ماموں اسے اپنے ساتھ لے گیا۔ اس کے بعد اس بچی پر تشدد تو ختم ہوگیا لیکن ماموں کے ایک دوست نے اس پر نظر رکھ لی اور اس کے سامنے کھلونوں اور ٹافیوں کا

انبار لگا کر اسے خاموش رہنے کی تلقین کی۔ معصوم غریب اور لاوارث غزل نے اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کو ہنس کر برداشت کرلیا جب یہ بارہ سال کی عمر تک پہنچی تو اس وقت تک ماموں کے بے شمار دوستوں کا نشانہ بن چکی تھی جو اسے بُرا اس لیے نہ لگتا تھا کیونکہ ہر چاہنے والا اپنی بساط کے مطابق اسے کپڑے، جیولری اور ہلکا پھلکا میک اپ کا سامان فراہم کرکے اسے خوش رکھتا۔ کھانا بھی کھلاتا اور پارک میں گھمانے پھرانے کا کام بھی خوش اسلوبی سے کرتا تو اسے اور کیا چاہیے تھا۔ ممانی بھی خاموش تماشائی بن کر ہر ایک سے اپنا کمیشن وصول کرتی رہی۔ جب غزل تیرہ سال کی عمر میں حاملہ ہوگئی تو ایرانی قانون کے مطابق اسے جیل میں ڈال دیا گیا اور سزا سو کوڑوں کی صورت میں اسے برداشت کرنی پڑی۔"

"بچے کا کیا ہوا؟" حمہ نے المناک لہجے میں پوچھا۔

"غزل مرتی کیا نہ کرتی۔ قانون کا احترام کرتے ہوئے اس کا حمل گرادیا گیا لیکن جس شادی شدہ مرد سے یہ گناہ کبیرہ سرزد ہوا تھا' غزل کے بتانے کے باوجود وہ آزاد دندناتا پھرتا رہا جبکہ قانون کہتا ہے کہ اگر کوئی عورت یا مرد شادی کے بعد زناکاری میں ملوث ہوتا ہے تو ان کی سزا رجم ہے جبکہ سزا صرف اسے ہی سہنی پڑی۔ ایک بار کوڑوں کی سزا بھگتنے کے بعد اسے رہا کردیا گیا' بہت جلد ہی سیکنڈ ٹرائل ہوا۔ میرا ادارہ ایسی معصوم بچیوں کی مدد کے لیے ہر وقت کوشاں رہتا ہے۔ ایرانی قانون کے مطابق ایک بدکار و بدچلن عورت کو تین بار کوڑوں کی سزا بھگتنے کے بعد چوتھی بار پھانسی پر لٹکا دیا جاتا ہے' افسوس ہے کہ مرد کی پکڑ نہیں ہوتی۔ اس نے دو بار ظلم برداشت کیا' اس سے پہلے اسے تختہ دار پر لٹکا دیا جاتا میں اسے اپنے ادارے "گوشۂ بہشت" میں لے آئی کیونکہ میں ایسی بچیوں کو قصوروار نہیں ٹھہراتی۔ یہاں کی زیارتوں اور حاضریوں و ریاضتوں سے یہ معصوم لاوارث اور بے گناہ بچیاں جب پاک صاف ہوجاتی ہیں تو میں حاجت مندوں سے ان کے نکاح کردیتی ہوں۔ جس کا نکاح نہیں ہو پاتا انہیں آپ جیسی پاک باز اور نیک دل خواتین کے حوالے کردیتی ہوں تاکہ یہ گھر کی چار دیواری میں محفوظ رہ کر زندگی گزار سکیں۔ میں بے حد افسوس سے کہتی ہوں کہ ایسی بچیوں کے لیے اس ملک کی سرزمین تنگ کردی گئی ہے انہیں یہ معاشرہ قبول کرتا ہے نہ ہی ان کے اپنے خونی رشتے' مجھے زیادہ تر ایسا ہی تجربہ ہوا ہے کہ یہاں کی خواتین اپنے جنت کے گہوارہ گھر کو ایک لاوارث اور ایسے کردار کی لڑکی کو جگہ دے کر دوزخ میں تبدیل کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتی ان کی بے حسی کی لاتعداد داستانیں آپ کو سنا سکتی ہوں۔" وہ تاسف بھرے لہجے میں بولی۔

"وہ بھی تو مجبور ہیں لیکن میں حیران ہوں اس سوچ پر کہ آپ مجھ جیسی عورتوں پر اعتماد کیسے کرسکتی ہیں جبکہ نہ جان نہ پہچان اور میں ہوں بھی پاکستانی۔" حمہ نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں بھی تو اس سے ناجائز اور غلط کام کرواسکتی ہوں۔"

"یہ میرا تجربہ ہے کہ پاکستان کی پاک سرزمین پر رہنے والے لوگ وسیع النظر ہیں' ان کے ذہن اس دھرتی کی طرح وسیع وعریض اور دل سمندر کی مانند گہرے ہیں۔ وہ جسے اپنے گھر میں جگہ دے دیتے ہیں ان کی ہر طرح کی ذمہ داری اٹھا لیتے ہیں۔ میں بیسیوں بار تمہارے ملک کی سیر و سیاحت کے لیے جاچکی ہوں اگر وہ کسی مجبوری کے تحت سہارا دینے سے قاصر ہوں تو وہاں ان لاوارثوں کا باپ ایدھی موجود ہے جو انہیں اپنے زیر سایہ بھی رکھتا ہے اور ان کی روٹھی ہوئی خوشیاں بھی واپس دلاتا ہے۔ تمہارے ایدھی کی مسحور کن خوشبو دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہے۔" وہ عقیدت مندانہ لہجے میں بولی تو حمہ بھی ذرا کھرو پندار سے اکڑ کر بولی۔

"اس میں کوئی شک نہیں' آپ ٹھیک فرماتی ہیں ایدھی صاحب اس دنیا سے رخصت ہوگئے لیکن آج بھی ان کے ادارے میں یتیموں' بیواؤں اور لاوارثوں کی جگہ موجود ہے۔ وہاں آج بھی گناہ کی غلاظت کی پردہ پوشی کا سلسلہ جاری و ساری ہے اور رہتی دنیا تک ان کا مسکن بے سہارا

لوگوں کی پناہ رہے گا۔ پاکستانی قوم کو ان پر بہت فخر ہے' جہاں تک معاشرے اور مرد کا تعلق ہے ان کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اس کے گناہ بھی وہاں نہ صرف معاف کردیئے جاتے ہیں بلکہ اس سے چشم پوشی کی جاتی ہے اس کا بھی ایک مقصد ہے کہ وہاں بدکاری زنا کاری اور زیادتی کو شہہ نہیں دی جاتی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جب گناہ سب کے سامنے آجاتا ہے تو اسے تقویت ملتی ہے اور وہ نیکو کاروں کے لیے بدبودار اور بدچلن لوگوں کے لیے خوشبودار ہوجاتا ہے اس لیے تو ہمارے مذہب نے عیب و گناہ کی پردہ داری کا حکم دیا ہے۔"

"میں سب جانتی ہوں جی' میں نے خدمت خلق کسی طمع و ذاتی مفاد کے بغیر کرنے کا درس ایدھی صاحب سے ہی سیکھا ہے۔ وہ میرے ہیرو ہیں' آپ کے ملک میں ایسا رول ماڈل' واہ واہ کیا کہنے کہ وہ ہر لاوارث اور یتیم بچوں کا بھی باپ اور بلقیس ایدھی ان کی ماں بن جاتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں اپنی شریک حیات کے لیے ہیں کہ' جب ایک فقیر کو فقیرنی مل گئی تو میں دولت مند اور شہنشاہ بن گیا' میں بن شادی کے ان بچیوں کی ماں کی جگہ ہوں' یہ ماں ایسی بے شمار بچیوں کو ایدھی جیسے باپ کی پناہ گاہ کی زینت بنا چکی ہے۔ آپ کو بھی اجازت ہے اگر غزل آپ کے مطابق نہ نکلی تو اسے اس کے روحانی باپ کے سپرد کردیجیے گا۔" وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"جزاک اللہ...... غزل میرے ساتھ پاکستان چلوگی' میرا پاکستان بہت خوب صورت بھی ہے اور اس کے مکین نرم دل' مسیحا اور ہمدرد بھی۔" حمرہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "وہاں تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا' میں بھی اکیلی ہوں دونوں ماں بیٹی ایک دوسرے کا سہارا بن کر زندگی گزاریں گی۔" غزل نے جواب نہ دیا سر جھکائے بیٹھی رہی جیسے اسے اس کی باتوں پر یقین ہی نہ آیا ہو۔

"مائی سسٹر...... ہماری سوسائٹی ایک تازہ سیب کی مانند ہے' دور سے دیکھنے والوں کو ہماری سوسائٹی پر رشک آتا ہے لیکن یہ سیب اندر سے کیڑوں سے بھرا ہوا ہے۔" وہ پژمردگی سے بولی۔ "جب اسے کھانے کے لیے کاٹا جاتا ہے تو یہ پیٹ کے بجائے کوڑے میں چلا جاتا ہے۔" حمرہ یہ سن کر دہل گئی' وہ اپنے معاشرے میں جھانکتے ہوئی بولی۔

"ہماری سوسائٹی میں ابھی تک عورت کے عیبوں کی پردہ داری کی جاتی ہے۔ اس کے تحفظ کا سامان کیا جاتا ہے نہ کہ اسے بیچ چوراہے میں کوڑے اور پھر پھانسی پر لٹکا دیا جائے' وہ چاہے گناہوں کی گٹھڑی ہی کیوں نہ ہو؟ اسے دنیا کے سامنے ذلیل و رسوا نہیں کیا جاتا بلکہ رازداری میں ہی سمجھا بجھا کر مزید گناہ کو پھیلانے سے روکا جاتا ہے۔ ان آنکھوں نے نجانے کتنے ہی بھٹکے ہوئے نوجوانوں اور دوشیزاؤں کو صراط مستقیم کی طرف گامزن ہوتے دیکھا ہے۔ میں ہرگز یہاں کے خودساختہ قانون کی حمایت نہیں کروں گی۔ یہ کیسا قانون ہے کہ سزا کے لیے عمر کی قید نہیں جبکہ انٹرنیشنل لاء ہے کہ اٹھارہ سال کے بعد مجرم کو سزا سنائی جاتی ہے یہاں ایک معصوم کمسن بچی کو ورغلانے والا مرد سرعام گناہ کرتا ہے اور کوڑے اور پھانسی کی سزا بھی اس بے قصور معصوم کو وہ بھی سرعام اور جو ابھی تک قانون کے مطابق قابل سزا بھی نہیں ہوتی۔ یہ بے انصافی کیوں ہے۔"

"مسز تم درست فرمارہی ہو۔ اس کو جیلر سے میں نے کیسے حاصل کیا ہے یہ بھی ایک لمبی کہانی ہے۔ یہ دنیا صرف بدمعاشی و عیاشی کا اڈا ہے' یہاں ہمارا تو کوئی کام نہ تھا کاش ہم پیدا ہوتے ہی مرگئی ہوتیں۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی تو غزل آہستگی سے بولی۔

"اللہ تعالیٰ ایسی باتوں پر جب خفا ہوتا ہے تو پھر عذاب انسان پر نازل ہوجاتا ہے۔ صبر کرنا سیکھو ماں...... ایسے مت بولو ہماری ماں کو زندہ رہنا ہے ہم جیسی اولاد کے لیے۔ یہ دنیا بہت حسین اور اس میں قائم کیے گئے تمام رشتے بے حد مقدس ہیں غربت اور حالت تمام پاکیزگی اور حسن کو نگل جاتی ہے۔"

"آج سے میں تمہاری ماں ہوں غزل۔" حمرہ نے اسے گلے لگا کر محبت آگیں لہجے میں کہا۔ "تم تو بہت سمجھ دار بچی ہو۔ اتنی بڑی بڑی باتیں کہاں سے سیکھی ہیں؟"
اس نے شرما کر سر جھکالیا۔

"یقیناً جیسے نیکی مہک بن کر چار سو پھیلتی ہے۔ اسی طرح بدی بدبو بن کر معاشرے کو پراگندہ کرنے میں کمال کا کام کرتی ہے لیکن ہمارا مرد جو معاشرے کا ذمہ دار ہے یہ سمجھنے سے قاصر ہے کیونکہ ہر داغ اس کی شخصیت میں چھپ جاتا ہے پھر بھی تمہیں ناامید نہیں ہونا چاہیے۔"

"سبحان اللہ...... میرے رب تُو نے شیطان کی موجودگی کے باوجود اس دنیا میں انسان کو نیکیاں کمانے کی توفیق دی۔ اس میں شک نہیں وہ بہت عظیم ذات ہے۔ وہ اپنی مخلوق سے بے انتہا پیار کرتا ہے اور اس کی مخلوق سے جو محبت کرتا ہے وہ پالنہار اسی کا ہاتھ زبان اور قلب و ذہن بن کر اس سے اپنی مرضی کے مطابق کام لینے لگتا ہے۔" خاتون نے عقیدت مندانہ لہجے میں کہا۔ تینوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر پارک سے باہر نکل کر ٹیکسی کی طرف چل پڑیں غزل کے دل نے سرگوشی کی۔

"اس ملک میں میری رسوائی کے ہمراہ شہرت کافی دہشت ناک رہی۔ میڈیا نے ابھی تک میرا پیچھا نہیں چھوڑا اب تو یہ قیاس آرائی کرنا ذرا مشکل ہوگئی ہے کہ میں کس شے سے خوف زدہ ہوں پھانسی یا مزید جگ ہنسائی سے اگرچہ اب میں آنٹی کے زیر سایہ تحفظ میں ہوں لیکن اس وقت میرا دماغ پھر جاتا ہے جب گوشۂ بہشت میں کام کرنے والے مرد مجھے چالو کہہ کر پکارتے ہیں۔ میں ذہنی طور پر منتشر ہو جاتی ہوں اور پھر آپے سے باہر ہو کر انہیں گالیاں دینے لگتی ہوں ایسا اس لیے ہونے لگا ہے کہ میں نے اس عمر میں سینکڑوں تجربوں کے بعد یہ درس سیکھ لیا ہے کہ جو مرد مجھے پیار کا جھانسہ دے کر میری عصمت دری کرتا ہے وہ میرا عاشق نہیں میری حرمت کا قاتل اور میرا جانی دشمن ہے۔" اس نے افسردگی سے اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو دیکھا جو بے بسی کی حالت میں ایش ٹرے کا کام کیا کرتی تھیں۔ "میں خود سے نفرت محسوس کرتے اپنا چہرہ ناخنوں سے کھرچ ڈالتی تھی۔ ٹانگوں اور بازوؤں پر بلیڈ سے کٹ لگا کر ضمیر کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتی۔ گھٹنوں اور ٹخنوں پر گھٹنوں جوتے مارا کرتی تھی۔ مجھے جتنی تکلیف محسوس ہوتی تھی میرا ذہن اتنا ہی پُرتسکین اور پُرسکون ہو جاتا تھا۔ اب میں ایک مکروہ علت سے نکل آئی ہوں افسوس کہ پھر بھی مجھے یہ معاشرہ سولی پر لٹکانے کے لیے کیوں تیار ہے؟ سوچتی ہوں جیسا سنا ہے کہ ماں کے ناجائز مراسم باپ کا ظلم و تشدد خاندان کی عزت و ناموس کو آناً فاناً ہضم کر گیا دونوں نے اجتماعی منصوبے کے تحت پانچ بچوں کو آلہ کار کے طور پر استعمال کیا۔ میرا باپ جانتا ہے کہ میں زندہ ہوں اور سولی اور مجھ میں چند فٹ کا فاصلہ باقی ہے لیکن وہ مجھے اپنی بیٹی قبول کرنے سے انکار کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ایسی لڑکیاں ہمارے معاشرے کا سرطان ہے۔ انہیں پہلی بار کوڑے مارنے کے بجائے پھانسی دے دینی چاہیے ورنہ سرطان پھیلتا چلا جائے گا کیونکہ یہ لاعلاج مرض ہے۔"

"کیسی عجیب باتیں کرتا ہے۔" یہ سوچتے ہوئے وہ چکرانے لگی۔

"سرطان تو وہ ہے کاش تمہیں اس کا احساس ہو جائے۔" اس نے فوراً حمرہ کا سہارا لیا اور دیوار کے ساتھ سر ٹکا کر خود کو سنبھالنے لگی۔ "کیا میں اپنا المناک اور تکلیف دہ ماضی بھول پاؤں گی۔" وہ خود کلامی کر رہی تھی۔

"غزل کیا طبیعت ٹھیک نہیں۔" حمرہ نے اس کے سر پر نرماہٹ سے ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

"پلیز غزل.....خوش رہو تم میری بچی ہو جان۔" اس قدر لہجے کی شیرینی پر وہ بے چارگی و بے بسی سے اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

"مجھے معاف فرمائیے گا۔ مجھے آپ کے ساتھ جاتے ہوئے ڈر لگنے لگا ہے جس شخص نے اپنے جسم کے ٹکڑے کو پہچاننے سے بیسیوں بار انکار کیا ہے۔ آپ ایک بے کار اور غیر ضروری جسم کے اس عضو اپنڈکس کو اہمیت کیونکر دیں

گے۔" وہ پھر سے سمجھ داری سے بولی تو حمرہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"بات تو تم نے سو فیصد درست کہی ہے لیکن اس کا علم تمہیں کیسے ہوا۔ کیا تم گوشۂ بہشت میں تعلیم حاصل کررہی ہو؟ بہت خوش کیا ہے تم نے' میں تمہیں مزید ایک حقیقت سے روشناس کرنا چاہتی ہوں۔ ہمارے جسم کے ہر عضو کی اہمیت ہے کیونکہ باری تعالیٰ نے کسی عضو کو کسی مقصد کے بغیر تخلیق نہیں کیا۔ یہ تو سائنس کی اختراع ہے جس پر میں یقین نہیں کرتی حالانکہ میرا جسم بھی اپنڈکس سے عاری ہے۔ میرے بدن میں جس عضو کی کمی ہوچکی ہے' وہ تم پوری کروگی تم میرے جسم کا بہت اہم اور معصوم سادہ حصہ ہو جس کی لوگوں کی نظر میں کوئی وقعت نہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ ہوسکتا ہے اس عضو کے نکل جانے کے بعد ہم پر کتنی ہی بیماریاں حملہ آور ہونے کے لیے آزاد ہوجاتی ہوں گی۔" دل سے آواز ابھری۔

"جلد بازی مت کرو' تم نہیں جانتی کہ اس درد بھری کہانی کے پس پردہ کیا حقیقت پوشیدہ ہے۔ دھوکہ دہی' فریب کاری اور دروغ گوئی تو ہمارے خون میں شامل ہوچکی ہے۔ ذرا سوچ سمجھ کر یہ ذمہ داری اٹھاؤ ورنہ ماری جاؤ گی۔"

"غزل تم تو بہت خوش بخت ہو' جسے اتنے سالوں بعد ایک ماں نے اپنی آغوش میں چھپالیا۔ اب تم دنیا کی نظروں سے ہمیشہ کے لیے اوجھل ہوجاؤ گی۔ یہ ماں ہی تو عظیم ہستی ہے جس کی مشابہت اس رب سے ہے' جو ستر ماؤں جیسا پیار رکھتا ہے' ان شاء اللہ تم بہت جلد خود اعتماد' ناقابل شکست اور اپنے ارادے کی اتنی مضبوط ہستی بن جاؤ گی جتنی ایک بیٹی اپنے ماں کے ٹھنڈے اور معطر سائے کے نیچے خود کو دنیا کے تمام جھمیلوں سے محفوظ رہ کر محسوس کرتی ہے۔ میری دعا ہے کہ تم ایک فرماں بردار و تابعدار بیٹی' وفادار اور مخلص بیوی اور حمرہ جیسی بے لوث محبتیں لٹانے والی ماں بنوگی اور کبھی پلٹ کر نہ دیکھو۔"

"بہن..... میں ایک بار پھر سے نشیب و فراز کے بارے میں سوچ کر فیصلہ کرنا چاہتی ہوں کہ کیا میں اتنی بڑی ذمہ داری اٹھانے کے قابل بھی ہوں کہ نہیں۔ دنیا کے ہر حصے میں ہر طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں' پاکستان بھی تو اسی دنیا کا ایک معمولی سا حصہ ہے' ایسا نہ ہو کہ ہم تمہاری توقعات پر پورے نہ اتر سکیں۔ یہ شرمندگی و ندامت مجھ سے برداشت نہیں ہوگی۔" وہ یہ کہہ کر گہری سوچ میں کھوگئی اور طویل خاموشی چھاگئی تھی۔

"اُف...... تمہیں کیا بتاؤں کہ پاکستانی قوم کس قدر بدبخت ہے کہ اپنے ہیروز کو بھی بُرا بھلا کہنے سے باز نہیں آتی۔ نیکوکاروں کو بدکار ثابت کرنا ان کا شیوہ ہے۔ یہ کیا جانے کہ پاکستان بھی اچھے اور بُروں کی آماجگاہ ہے' جہاں ناانصافی بھی ہے اور محبت و عقیدت بھی ہے۔ جہاں درندگی بھی ہے اور مسیحائی بھی ہے۔ دنیا نیک بندوں سے ہی قائم و دائم ہے۔" سوچتے ہوئے اس نے غزل کو اپنے زیر سایہ رکھنے کا مستحکم فیصلہ اس کے گوش گزار کیا تو اس کی آنکھوں میں بجلی کی روشنی کوندگئی' یک دم لبوں پر مسکان پھیلی اور چہرے پر طمانیت و مسرت جذبات کی پرچھائیاں ہویدا ہوگئیں۔

فرشتہ خصائل خاتون نے اسے سینے سے بھینچ لیا اور اس کا ہاتھ حمرہ کے ہاتھ میں دے کر عقیدت مندانہ لہجے میں بولی۔

"میں بہت جلد آپ کی امانت سمیت پاکستان پہنچنے کی کوشش کروں گی۔ میں سلیوٹ کرتی ہوں آپ جیسی نرم دل عورتوں کو اور اس پاک ملک کو جس کی سرزمین نے نجانے کتنی ہی بلقیس اور ایدھی کو جنم دیا ہے۔"

شب ہجر کی پہلی بارش

نازیہ کنول نازی

وہ جو آتے تھے آنکھوں میں ستارے لے کر
جانے کس دیس گئے خواب ہمارے لے کر
کتنی ہی دور چلے جائیں وہ ہم سے، لیکن
وقت آئے گا انہیں پاس ہمارے لے کر

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

شہزاد حویلی سے فرار ہونے کی کوشش کرتی ہے لیکن ناکام ہوجاتی ہے اسے اغوا ہوئے تین روز ہوچکے ہوتے ہیں حویلی کی کچھ ملازمائیں ملک فیاض کے کہنے پر اسے نکاح کے لیے تیار کرنے آتی ہیں اور اس کے اشتعال کا شکار ہوتی ہے۔ ملک فیاض خود اس سے بات کرنے آتا ہے اور اس پر اپنی جاگیرداری کی رعب جھاڑتا ہے جس پر شہزاد عمر عباس کی دھمکی دیتی نکاح سے انکاری ہوجاتی ہے۔ دوسری طرف عبدالہادی کو ہوش آجاتا ہے جبکہ ملک فیاض کو کسی ضروری کام کے سلسلے میں ملک سے باہر جانا پڑتا ہے تب وہ اپنے کارندوں کو شہزاد پر نظر رکھنے کا کہتا ہے شیر دل حویلی واپس آجاتا ہے اور شہزاد تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ عمر عباس مسلسل در مکنون کو کال کرتا شہزاد اور مریرہ کا پوچھتا ہے تب در مکنون پریشان ہوتی ہے اور اسے حقائق سے آگاہ کرتی ہے عمر عباس پریشان ہوجاتا ہے اور قریبی تھانے میں مریرہ اور شہزاد کی گمشدگی کی رپورٹ درج کروادیتا ہے۔ صیام شگفتہ کی شادی کے بعد در مکنون کا دیا ہوا گھر خالی کرتا نئے گھر میں شفٹ ہوجاتا ہے خالی گھر کی چابی در مکنون کو تھما کر حیران کردیتا ہے در مکنون کی نظر میں صیام نے یہ سب اس لیے کیا ہوتا ہے کہ وہ اس کی محبت کو ٹھکرا چکی تھی۔ ہوزان کی ملاقات عمر عباس سے ہوتی ہے تب وہ پریہان کو فون کرتی عمر عباس کا بتاتی ہے تب پریہان پاکستان آنے کا بتاتی اسے عمر عباس سے رابطے میں رہنے کا کہتی ہے۔ عمر عباس مریرہ رحمان کو پنڈی سے اسلام آباد شفٹ کراتا ہے وہ در مکنون سے مریرہ کی حالت کو پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے لیکن در مکنون مریرہ سے ملنے کی ضد کرتی ہے مریرہ کومے میں ہوتی ہے۔ صمید حسن گھر نہیں آئے تھے جس کی وجہ سے سارا بیگم نے رو رو کر برا حال کیا ہوتا ہے تب زاویار سارا الزام عائلہ پر رکھ کر اسے گھر سے نکال دیتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❀......❀......❀

محبت یہ نہیں کہ چاند کو تم توڑ کر لاؤ
محبت یہ نہیں کہ تم ستارے مانگ میں بھر دو
محبت یہ نہیں کہ وعدے کرلو سات جنموں کے
محبت یہ نہیں کہ پھول راہوں میں بچھادو تم
محبت ہے کہ تم جو ہاتھ تھامو چھوڑ نہ دینا
محبت ہے کہ تم محبوب سے منہ موڑ نہ لینا
محبت ہے کہ تم جھگڑو لڑو اور روٹھ بھی جاؤ
ستا کر مسکرا کر پھر منالینا بھی آتا ہو
کسی کے عارض ورخسار

جب شرم وحیا سے سرخ ہو جائیں
تو اپنے لب جبیں ناز پر تم رکھ کے یہ کہہ دو
میں یہ سب کر نہیں سکتا کہ جو ممکن نہیں لیکن
میں تم سے وعدہ کرتا ہوں
کہ جب تک سانس باقی ہے
تمہاری زندگی میں الفتوں کا سایہ کر دوں گا
تمہارے لاڈ، ناز و نخرے سب کچھ میں اٹھاؤں گا
زمانے بھر کی نفرت سے تمہیں ہر پل چھپاؤں گا
مجھے تم سے محبت ہے کہوں یا نہ کہوں لیکن
مجھے تم سے محبت ہے یہ میں کر کے دکھاؤں گا

❁......❁......❁

زاویار کی نگاہ آنے والی خوب صورت خاتون پر ٹھہری تھی۔ اس کے لیے وہ چہرہ اجنبی تھا مگر مقابل کھڑی شخصیت کی نگاہوں میں اس کے لیے جو خشونت اور حقارت تھی وہ نظر انداز کیے جانے کے قابل نہیں تھی تبھی وہ خالص پروفیشنل لہجے میں بولا۔

"تشریف رکھیے۔"

"میں یہاں تشریف رکھنے نہیں آئی۔" خاتون کے لہجے میں کرختگی تھی وہ چونک اٹھا۔

"تو پھر؟"

"پھر کچھ نہیں صمید حسن کے سپوت کو دیکھنے آئی تھی کتنا بڑا بدمعاش بن گیا ہے۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا...... کون ہیں آپ؟"

"میں کون ہوں یہ جاننا ضروری نہیں ہے تمہارے لیے مگر تم کون اور کیا ہو یہ ضرور میں جاننا چاہوں گی۔ تمہیں دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ تم جیسے شخص نے واقعی مریم رحمن جیسی پیاری پاک باز عورت کے بطن سے جنم لیا ہوگا۔" دونوں بازو سینے پر باندھے وہ اسے نفرت سے دیکھ رہی تھی زاویار ٹپٹا کر رہ گیا۔

"وہاٹ ربش...... کہنا کیا چاہتی ہیں آپ؟" اب کے اخلاق کے تمام تقاضے ایک طرف پر رکھتے ہوئے وہ بھی خفا ہوا تھا مگر سامنے کھڑی شہر بانو پر اس کے غصے کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

"تم جیسے بدتمیز خود سر لڑکے سے بھلا کیا کہنا چاہوں گی میں میں تو صرف یہ جاننے آئی ہوں کہ تم نے عمر بھائی پر گولی کیوں چلائی ان کی کیا دشمنی ہے تمہارے ساتھ؟" بلی تھیلے سے باہر آگئی تھی زاویار کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

"اوہ تو عمر عباس کے خاندان سے ہیں آپ؟"

"میں کس خاندان سے ہوں یہ جاننے میں تمہیں کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہیے۔ تم صرف میرے سوال کا جواب دو عمر بھائی پر گولی کیوں چلائی تم نے؟"

"آپ سے کس نے کہا کہ میں نے عمر عباس پر گولی چلائی؟"

"اسی نے جسے تم بے دردی سے گھائل کر کے چھوڑ آئے تھے۔"

"بکواس کرتا ہے وہ سٹھیا گیا ہوگا شاید۔"

"جسٹ شٹ اپ عمر بھائی کے بارے میں اس طرح سے بات نہیں کر سکتے تم۔"

"کیوں؟ کیا ہے عمر عباس ہوں......" اب کے اس کے لہجے میں تمسخر تھا شہر بانو نے بے حد ملامتی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"دوبارہ ایسی گھٹیا حرکت کر کے دیکھنا کبھی زندگی میں تمہیں پتا چل جائے گا عمر عباس کس چیز کا نام ہے جو گھٹیا حرکت تم نے کی

ہے اگر تم مریم رحمٰن کے بیٹے نہ ہوتے تو اب تک تمہیں پتا چل چکا ہوتا کہ عمر عباس کیا ہے۔ بہر حال انسانیت کے ناطے سمجھانے آئی ہوں زندگی میں دوبارہ کبھی ایسی حماقت مت کرنا نہیں تو عمر بھائی تمہارا وہ حشر کریں گے کہ خود تمہارا باپ بھی تمہاری شکل نہیں پہچان سکے گا۔" زاویار کے تمسخر پر انگلی اٹھا کر وارن کرتی شہر بانو کا چہرہ اس وقت غصے سے سرخ ہو چکا تھا زاویار کے اندر جیسے کسی نے شرارے بھر دیئے تھے۔

"اچھا تو پھر عباس کی پیغامبر بن کر آئی ہیں آپ؟ کیا لگتا ہے آپ کو میں ڈر جاؤں گا آپ کی ان دھمکیوں سے؟"

"تمہیں ڈرنا چاہیے کیونکہ جس مریم رحمٰن کے لیے اس نے پہلی بار تمہاری خطا معاف کی ہے وہ مریم اب زندگی اور موت کے درمیان لٹکی ہے۔ اب وہ تمہارا لحاظ نہیں کریں گے سمجھے تم؟" تنفر سے کہتے ہوئے وہ پلٹ کر تیز قدموں سے چلتی اس کے آفس سے نکل گئی تھیں۔ زاویار چپ کھڑا انہیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

"مریم رحمٰن زندگی اور موت کے درمیان...... کیوں؟ ابھی کچھ روز پہلے ہی تو وہ اسے دھول چٹا کر آیا تھا تب تو وہ بالکل ٹھیک تھی پھر اب کیا ہو گیا تھا؟" اسے لگا جیسے اس کے اندر گہری چپ اتر گئی ہو۔

یہ سچ تھا کہ اسے اپنی سگی ماں کے وجود پر شرمندگی تھی وہ اس سے بدگمان تھا۔ نفرت کرتا تھا مگر شہر بانو کے الفاظ نے اس کے اندر سناٹے کیوں بکھیر دیئے تھے یہ وہ نہیں جان سکا تھا۔ اس کا دل چاہا وہ اس عورت کے پیچھے بھاگ کر جائے اور اسے بتائے کہ اسے مریم رحمٰن کے زندہ یا مردہ رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا مگر چاہنے کے باوجود وہ اس کے پیچھے نہ جا سکا۔ جانے کیوں اس کے پورے وجود پر ہلکی سی کپکپی طاری ہو گئی تھی۔ پیشانی پر ابھرنے والے پسینے کے قطروں کو صاف کرنے کا ہوش بھی نہ رہا اسے دماغ جیسے فریز ہو گیا تھا وہ چپ چاپ آفس سے نکل کر گھر کے لیے روانہ ہو گیا۔

❀......❀......❀

شام کے دھندلکے گہرے ہو رہے تھے سارا بیگم لان سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئیں۔ سناٹوں کے بیچ گھر کے در و دیوار کے اندر ان کا وجود کسی زندہ لاش سے کم نہیں تھا۔ یہ وہی گھر تھا جس میں ہمیشہ رہنے کے لیے انہوں نے صرف دو زندگیاں ہی نہیں کسی کا محبت بھرا دل بھی اجاڑ اتھا۔ زاویار اس راز سے واقف نہیں تھا واقف ہوتا تو شاید کب کا اس محل سے در بدر ہو چکا ہوتا۔

وقت کا پہیہ گھومتا رہتا ہے کبھی کسی ایک ہی جگہ پر رکتا نہیں ہے اگر کوئی انسان یہ سمجھ لے کہ اس نے وقت کو اپنا تابع کر لیا ہے تو یہ اس کی بے وقوفی ہے وقت کی نہیں۔ انہوں نے اللہ کے خوف کو دل سے نکال کر مریم رحمٰن سے اس کی جنت چھین لی تھی۔ عائلہ علوی کو بھی وہاں سے نکلتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا مگر پھر بھی ان کے اندر سکون نہیں تھا سب کچھ پا کر بھی وہ بے سکون تھیں۔

صمید حسن کا رویہ ان کے لیے مسلسل دل آزاری کا باعث بن رہا تھا وہ اب اس کے وجود سے بیزار ہونے لگے تھے کھلم کھلا ان سے اپنی نفرت کا اظہار کرنے لگے تھے شاید وہ یہ ذلت بھی برداشت کرتی رہتیں کہ اب تک صمید حسن کی نگاہوں میں اپنے لیے ناپسندیدگی اور بے زاری بھی تو برداشت کر ہی رہی تھیں مگر صمید حسن کا چپ چاپ یوں گھر سے نکل جانا بہت بڑا طمانچہ تھا ان پر۔ انہیں گھر چاہیے تھا وہ شخص "گھر" ان کے منہ پر مار کر چلا گیا تھا۔

پریہان صمید عائلہ سب چلے گئے تھے یوں جیسے وہ گھر نہیں کوئی سرائے تھا۔ انہیں یکلخت اس گھر کے در و دیوار سے خوف آنے لگا وہاں ہر چیز جیسے ان پر ہنس رہی تھی۔ زاویار پاگلوں کی طرح صمید حسن کو ڈھونڈ رہا تھا مگر ان کا کہیں کوئی پتا ٹھکانہ نہیں مل رہا تھا۔ نجانے وہ شخص کہاں روپوش ہو گیا تھا نجانے مریم رحمان کہاں روپوش ہو گئی تھی اپنے ہی اندر سر اٹھاتی وحشت سے گھبرا کر وہ لان سے اٹھ آئی تھیں۔ جس وقت وہ کمرے میں داخل ہوئیں انہیں اپنے پیچھے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی فوراً سے پیشتر انہوں نے پلٹ کر دیکھا مگر وہاں کوئی نہیں تھا ان کا دل بے ساختہ دھڑکا تھا۔

در و دیوار جیسے ان کا گلا گھونٹ دینا چاہتے تھے وہ بے حد گھبرا کر تیز قدموں سے چلتی اپنے کمرے میں آ کر بستر میں دبک گئیں۔ آج کام والی بھی چھٹی پر تھی ورنہ اس کی موجودگی سے تھوڑی سی ڈھارس بندھ جاتی۔ گھڑی کی ٹک ٹک بھی انہیں وحشت زدہ کر رہی تھی وہ کسے پکارتیں کہاں جاتیں؟ ایک عائلہ کا سہارا تھا اسے بھی زاویار وہاں سے بے دخل کر چکا تھا۔ پریہان کی دوست ہوزان بھی

پچھلے تین چار روز سے نہیں آئی تھی سب نے انہیں اکیلا کردیا تھا بلکہ نہیں سب نے نہیں وقت نے انہیں اکیلا کردیا تھا۔
گھڑی کی ٹک ٹک سے وحشت زدہ ہوکر ابھی وہ چوکیدار کو آواز دینے ہی لگی تھیں جب آہستہ سے ان کے کمرے کا دروازہ وا ہوا اور اگلے ہی پل پر ہیان ان کے مقابل چلی آئی۔ سارا بیگم اپنی بیٹی کو نگاہوں کے سامنے دیکھ کر بے حد گھبراہٹ کے باوجود رو پڑیں۔ کیا یہ بھی ان کا الوژن تھا یا حقیقت میں وہ چلی آئی تھی۔
''پری......'' جانے کیسے اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے انہوں نے اسے پکارا تھا جواب میں پر ہیان صوفے پر ٹک گئی۔ وہ بے حد تھکی ہوئی نڈھال لگ رہی تھی سارا بیگم سہمی سہمی سی نگاہوں سے اسے دیکھے گئیں۔
''کیسی ہیں آپ؟'' اپنے حلیے کی طرح تھکے تھکے سے لہجے میں انہوں نے اس کی آواز سنی تھی تبھی دل کو کچھ ڈھارس بندھی تو وہ بستر سے نکل کر اس کے قریب ہی چلی آئیں۔
''تم کیسی ہو کہاں چلی گئی تھیں تم اپنی ماں کو چھوڑ کر؟'' نم آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھتے ہوئے وہ وہیں اس کے پاس نیچے قالین پر بیٹھ گئی تھیں پر ہیان نے کرب سے آنکھیں میچ لیں۔
''اب اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا مما کہ میں کیسی ہوں کاش آپ نے وہ سب نہ کیا ہوتا مما تو آج میں بھی عزت اور فخر سے سر اٹھا کر جی سکتی۔''
''کیا......کیا ہے میں نے؟'' آنسو ٹوٹ کر گر رہے تھے مگر سارا بیگم کو اب کسی بات کی کوئی پروا نہیں تھی ان کے لیے یہی بہت تھا کہ ان کی بیٹی ان کے پاس واپس لوٹ آئی تھی۔ پر ہیان نے ان کے سوال پر بے حد دکھ سے ان کی طرف دیکھا۔
''کیا آپ نہیں جانتیں کہ آپ نے کیا کیا ہے؟ میرے وجود کو گالی بنادیا ہے آپ نے مما......'' وہ بھی رو رہی تھی سارا بیگم کے دل پر جیسے گھونسا پڑا تھا۔
''میں نے ایسا کچھ نہیں کیا تمہارے والد عذیر سے میرا باقاعدہ نکاح ہوا تھا۔ فرسٹ کزن تھا وہ میرا مگر اس کے طور طریقے ٹھیک نہیں تھے اسی لیے میرے بابا نے اس سے خلع کا مطالبہ کردیا۔ یہ بات اسے گوارا نہیں تھی تبھی اس نے مجھے سزا دینے کی خاطر اپنا حق استعمال کیا اور طلاق دے دی۔'' برسوں بعد دل کے زخم ادھڑ رہے تھے پر ہیان کے آنسو اس کی پلکوں پر اٹک گئے۔
''میں یہ کیسے مان لوں مما کہ آپ سچ کہہ رہی ہیں۔ میری نگاہوں میں آپ اپنا اعتبار کھوچکی ہیں۔''
''جانتی ہوں اسی لیے اس روز میں نے اپنی صفائی میں ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا جب تم مجھے اپنے لفظوں سے زندہ درگور کرکے گئی تھیں مگر میری کہانی صمید حسن کے ساتھ حمنہ حسین بھی بہت اچھی طرح سے جانتی ہیں تم ان سے تصدیق کرلینا۔'' سارا بیگم کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا عین اسی لمحے زاویار کے قدم ان کے کمرے کی دہلیز کے باہر رکے تھے وہ کہہ رہی تھیں۔
''میرا اللہ جانتا ہے پری...... میں بدکردار نہیں ہوں تم میری جائز اولاد ہو۔ میری کل زندگی کا حاصل ہو صرف تمہارے لیے تمہاری زندگی اور تمہاری خوشیوں کے لیے میں نے صمید حسن کا دل اجاڑ دیا۔ مریرہ رحمن کے لبوں کی ہنسی چھین لی صرف تمہارے لیے پری میں نے اتنا کچھ غلط کیا کہ شاید میرا اللہ بھی مجھے اس سب کے لیے معاف نہ کرے۔'' وہ رو رہی تھیں زاویار صمید کو لگا جیسے کسی نے اسے اونچی عمارت سے نیچے دھکیل دیا ہو۔ اس کا دل چاہا وہ بھاگ کر جائے اور سارا بیگم کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دے مگر اس میں تو ہلنے کی سکت بھی نہیں رہی تھی۔ تھکن سے چور چور جسم مزید بوجھل اور نڈھال ہوگیا تھا اندر وہ پھر کہہ رہی تھیں۔
''میں نے مریرہ اور صمید کا دل دکھایا ہے پری...... دھوکہ کیا ہے ان کے ساتھ صرف تمہارے لیے میں نے ایک عورت کی زندگی اجاڑ دی اس کا دل اور گھر اجاڑ دیا کیسے معافی ملے گی مجھے کیسے؟'' وہ اب خود کو کوس رہی تھیں۔
زاویار پاتال کی اتھاہ میں گرتا چلا گیا اسے یاد آیا صمید حسن جیسے اس کے کان میں کہہ رہے تھے۔
''میں نے اسے نہیں چھوڑا وہ خود مجھے چھوڑ کر چلی گئی کیونکہ وہ کسی اور کو پسند کرتی تھی۔'' تبھی اس کے اپنے لہجے کی چنگھاڑ اس کی سماعتوں میں گونجی تھی۔
''نفرت ہے مجھے عورت کے کردار سے آپ سے آپ کے تصور سے...... کتنا بدنصیب ہوں میں کہ جس نے آپ جیسی بدچلن عورت کی کوکھ سے جنم لیا۔ کاش میں اتنا بہادر ہوتا کہ آپ کو اپنے ہاتھوں سے موت کی آغوش میں سلاسکتا تاکہ دنیا کی ساری

عورتیں غلط راہ پر چلنے سے پہلے ایک بار آپ کا انجام دیکھ کر عبرت پکڑ لیتیں۔ کوئی حق نہیں ہے آپ جیسی گری ہوئی عورت کو عزت سے جینے کا' سمجھی آپ؟'' اس کی چنگھاڑ پر برستی نگاہوں کے ساتھ مریہ نے جذباتی لہجے میں اپنی صفائی پیش کی تھی۔

''میں نہیں گئی تھی اپنی سگی اولاد کو چھوڑ کر وہ آئی تھی میرے گھر میں ڈاکہ ڈالنے جسے تم معتبر کہہ رہے ہو جا کر پوچھو اس سے۔ کیا؟ کیا اس نے میرے ساتھ صمید حسن کے ساتھ مل کر اپنے باپ سے پوچھو جا کر میں تمہیں چھوڑ کر گئی تھی یا اس نے تمہیں مجھ سے چھینا تھا؟'' مگر زاویار نے اس وقت اس کے لفظوں کا اعتبار نہیں کیا تھا نتیجتاً اب یہی الفاظ گونج کی صورت اس کے کان پھاڑ رہے تھے وہ پلٹ رہا تھا جب اس نے پرہیان کی آواز سنی۔

''آپ نے صرف اپنے مفاد کے لیے کسی کی زندگی اجاڑ دی مما...... جائیں جا کر دیکھیں وہ عورت اب آپ کو معاف کرنے کے قابل بھی نہیں رہی...... خوش ہو جائیں آپ وہ اب کبھی پلٹ کر اس گھر میں نہیں آسکے گی۔ آپ جیت گئیں مما...... بہت بہت مبارک ہو آپ کو یہ گھر' یہ عیش و آرام' یہ دولت' اس کا شوہر اور بچے سب آپ کے ہوئے۔ وہ دنیا سے جا رہی ہے اپنا سب کچھ آپ کو سونپ کر' بنا شکایت کا ایک لفظ کہے' وہ مر رہی ہے۔'' اپنی بات مکمل کرتے ہی پرہیان ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کے بچوں کی طرح بلک بلک کے بلند آواز میں رونے لگی۔

زاویار کو زور کا چکر آیا اگر وہ فوری طور پر دیوار کو نہ تھام لیتا تو کچھ بعید نہیں تھا کہ اوندھے منہ زمین پر گر پڑتا۔ اندر کمرے میں سارا بیگم کی آنکھیں جیسے پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

''ک...... کیا مطلب ہے تمہارا...... ! کیا ہوا ہے اسے؟''

''روڈ ایکسیڈنٹ ہوا تھا ان کا' جس کے بعد وہ کومے میں چلی گئیں۔ ڈاکٹرز کے مطابق وہ بس اپنی سانسیں پوری کر رہی ہیں ورنہ زندگی کی طرف دوبارہ پلٹنے کے چانسز ان کے نہ ہونے کے برابر ہیں۔'' پرہیان کے لہجے میں شکستگی تھی۔ زاویار کو لگا جیسے وہ اپنی بینائی گنوا چکا ہو' اسے یکایک ہر چیز تاریک نظر آنے لگی تھی۔

یہ کیا ہو گیا تھا؟

''ایک لمحے کے لیے آپ بھول جائیں کہ میں آپ کا بیٹا ہوں پھر منہ نوچیں میرا تا کہ اس کے بعد میں آپ کو بتا سکوں کہ میری نظر میں آپ جیسی سفاک' بے حس و بدکردار عورت کی کیا حیثیت ہے۔'' اس کے اپنے ہی الفاظ طمانچے کی طرح اس کے منہ پر آ کر لگے تھے زاویار نے دونوں ہاتھوں سے چکراتا سر تھام لیا۔

''میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی زاویار صمید حسن...... یہ یاد رکھنا تم' اللہ بڑا منصف ہے آج نہیں تو کل میرے کردار کی سچائی تمہارے سامنے آ جائے گی۔ جان جاؤ گے تم کہ تمہارے باپ نے سارا منیر حسین کے ساتھ مل کر برسوں پہلے مجھ پر کیسے قہر توڑے تھے۔ مجھے اپنے اللہ پر بھروسہ ہے' وہ میری قربانیوں کو رائیگاں نہیں جانے دے گا مگر میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی' یہ یاد رکھنا۔'' چکراتے سر کے ساتھ اس نے مریہ کو چلاتے ہوئے سنا تھا۔ اسے لگا جیسے وہ کسی پہاڑ تلے دب کر رہ گیا ہو' سانس بھی کھینچ کر لینا پڑ رہی تھی۔

یہ کیسی حقیقت تھی' جس سے آج اس کا سامنا ہوا تھا؟ یہ کیسی کہانی تھی جس سے وہ اب تک بے خبر رہا تھا۔ یہ وقت کا کیسا وار' کیسی سزا تھی' جس نے اس کے اعصاب کو مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔ صمید حسن نے اس سے غلط بیانی کیوں کی' صرف اپنا اور سارا منیر حسن کا جرم چھپانے کے لیے' وہ کبھی لوٹ کر اپنی ماں کے پاس نہ چلا جائے اس لیے' اب تک اسے ہر سچائی سے بے خبر اندھیرے میں رکھا گیا تھا تو کیوں' قطعی بے خبری میں اپنا جو نقصان وہ خود اپنے ہاتھوں کر چکا تھا اب اس کا تاوان کس نے بھرنا تھا' کون ذمہ دار تھا اس کا' کیا زندگی رہی تھی اس کی؟

کیا باقی رہ گیا تھا اس کے پاس؟ اس کا دل چاہا وہ زور زور سے چلائے مگر چلانے کی خواہش دل میں دبائے وہ پلٹا اور بھاگتے ہوئے گھر سے باہر نکل گیا۔ مریہ رحمن کی آواز اب بھی اس کے ساتھ تھی۔

''آج مجھے اس بچے کو کھونے کا کوئی دکھ نہیں رہا' جسے صمید حسن نے زبردستی مجھ سے چھین لیا تھا۔ پچیس سال جو آنسو میں نے اس وجود کے لیے بہائے' آج ان تمام آنسوؤں پر ندامت ہے۔ اب جاؤ یہاں سے آج کے بعد میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں۔''

''نہیں...... آپ ایسا نہیں کرسکتیں مما...... آپ ایسا نہیں کرسکتیں میرے ساتھ۔'' نم آنکھوں کے ساتھ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے وہ چلایا مگر وہاں اب اس کے درد کا نظارہ کرنے والا کوئی نہیں تھا۔

❁......❁......❁

نکاح ہوگیا تھا' مارے خوشی اور تشکر کے ملک فیاض کے پاؤں جیسے زمین پر ہی نہیں ٹک رہے تھے۔ آج اس نے زمین کا کوئی ٹکڑا نہیں بلکہ ایک جیتی جاگتی لڑکی پر قبضہ کیا تھا اور لڑکی بھی کون اس کے دشمنوں کی بیٹی...... وہ چاہتا تو اس کی عزت برباد کرکے اسے کسی نہر' کسی کھیت میں بھی پھنکوا سکتا تھا جیسا کہ وہ ہمیشہ کرتا آیا تھا مگر اس بار اس میں مزہ نہیں تھا۔ دشمن کی بیٹی کو ایک ہی بار مار کر کہیں پھینک دینے میں اس کی جیت نہیں تھی وہ لڑکی اس کے لیے تڑپ کا ایسا پتہ تھی کہ جس کے ذریعے وہ عمر عباس سے اپنے سارے حساب بے باک کرسکتا تھا۔ جیسے چاہتا اسے اپنی انگلیوں پر نچا سکتا تھا۔ نکاح کے بعد اس نے باقاعدہ حویلی کے تمام خاص ملازمین کو بلا کر شہرزاد کا تعارف اپنی بیوی اور حویلی کی نئی مالکن کی حیثیت سے کروایا تھا۔ حویلی سے باہر ابھی کوئی اس کے اس ''عظیم'' کارنامے سے باخبر نہیں ہوسکا تھا نہ ہی اس کی اجازت تھی۔

عائشہ بیگم عبدالہادی کو یخنی پلا رہی تھیں جب وہ بڑی شان کے ساتھ شہرزاد کو اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لیے ان کے کمرے میں چلا آیا۔

''سلام بھرجائی! اب کیسی طبیعت ہے ہمارے پتر کی۔'' اس کا چہرہ بچی خوشی سے دمک رہا تھا۔ عائشہ بیگم کے ساتھ ساتھ عبدالہادی بھی اس کے پہلو میں کھڑی' نئی نویلی دلہن کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

''وعلیکم السلام! اب پہلے سے بہتر ہے الحمدللہ یہ کون ہے؟'' عبدالہادی کی طرح عائشہ بیگم کی نگاہیں بھی ملک فیاض کے پہلو میں کھڑی گھونگھٹ گرائے کھڑی لڑکی پر تھیں' ملک فیاض کا سینہ ان کے سوال پر فخر سے پھول گیا۔

''یہ حویلی کی نئی مالکن ہے بھرجائی تیرے بھرا فیاض کی دوجی جنانی۔'' کیسی سرخوشی تھی اس کے لہجے میں' عائشہ بیگم بھونچکاں رہ گئیں۔

''کیا؟''

''آہو جی...... ابھی تھوڑے دیر پہلے نکاح ہوا ہے ہمارا' مبارک باد کا حق تو بنتا ہے ناں؟'' وہ ضرورت سے زیادہ پھیل رہا تھا۔ عائشہ بیگم کے ساتھ ساتھ عبدالہادی کی آنکھوں میں بھی از حد حیرانی تھی بھلا اس عمر میں اسے دوسری شادی کی ضرورت کیونکر پیش آگئی تھی؟

''مبارک ہو بھرا' اللہ آپ دونوں کا رشتہ سلامت رکھے۔'' جانے کس دل سے انہوں نے دعا دی تھی' عبدالہادی نے پلکیں موند لیں۔

''آمین ثم آمین' آج سے آپ نے اس کا پورا پورا خیال رکھنا ہے۔ کسی چیز کی کمی محسوس نہ ہو اسے یہاں اور ہاں ابھی میرب اور اس کے بھائی اس معاملے سے بے خبر ہی رہیں تو اچھا ہے۔ میں نہیں چاہتا حویلی میں بے کار میں ٹُو ٹُو میں میں ہو' سمجھ گئی ناں آپ؟''

''جی ہاں۔'' ملک فیاض کی ہدایت پر خاموشی سے سر جھکاتے ہوئے انہوں نے آہستہ سے حامی بھری تھی' ملک فیاض کے اندر اطمینان اتر گیا تھا۔

''چلو ٹھیک ہے پھر آپ سیوا کرو بیٹے کی میں چلتا ہوں اب۔'' شہرزاد کو بازو کے گھیرے میں لے کر وہ ابھی پلٹا ہی تھا کہ شیر دل سامنے سے آگیا۔

''بہت بہت مبارک ہو چاچا...... میدان مار ہی لیا آخر آپ نے؟'' وہ اس وقت نشے میں تھا' ملک فیاض نے قدرے برہمی سے اس کی طرف دیکھا۔

''خیر مبارک' ذرا ہوش میں آکر بات کرنا مجھ سے' ابھی میں فارغ نہیں ہوں۔''

''اوہ کوئی گل نہیں جناب...... ہو جائیں گے آپ فارغ بھی آخر کو اتنا لمبا ہاتھ مارا ہے۔'' شیر دل کے لبوں پر طنزیہ مسکان تھی۔

ملک فیاض کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے دو تھپڑ لگا کر چپ کروا دیتا۔ گھونگھٹ کے اندر خاموش کھڑی شہرزاد کے لب آہستہ سے مسکرا اٹھے۔ ملک فیاض کی الجھن اسے مزہ دے رہی تھی۔

"بک بک بند کرو اور بھی کام ہیں مجھے۔" غصے سے شیر دل کو ڈپٹ کر وہ آگے بڑھ گیا تھا۔ شہرزاد نے ذرا سا گھونگھٹ اٹھا کر شیر دل کو دیکھا' وہ سر پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

شہرزاد کے ہاتھوں سے لکھا گیا خط مکمل محفوظ طریقے سے اس تک نہ صرف پہنچ چکا تھا بلکہ اس نے پڑھ بھی لیا تھا اب اس کا رزلٹ کیا نکلنا تھا یہ دیکھنا باقی تھا۔

❁ ❁ ❁

شہر بانو مریرہ رحمٰن کے کمرے سے ہو آئی تھیں۔ اس وقت عمر عباس کے کمرے میں بیٹھی' وہ شہرزاد اور مریرہ دونوں کے لیے بے حد پریشان تھیں۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ان کی اکلوتی بیٹی' عہد و پیمان کے باوجود ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر یوں دشمنوں کی دشمنی کی بھینٹ چڑھ جائے گی۔

جو خوف انہیں راتوں میں گہری نیند سے اٹھ کر بیٹھنے پر مجبور کر دیتا تھا بالآخر پورا ہو گیا تھا' اب وہ پچھتا رہی تھیں کہ انہیں شہرزاد کو پاکستان آنے اور اکیلے یہاں رہنے کی اجازت ہی نہیں دینی چاہیے تھی۔ جانے ابھی آگے کیا ہونا تھا عمر عباس بھی یہی سوچ رہا تھا۔ ملک فیاض اور اس کے کارندوں سے کسی بھی قسم کی انسانیت کی امید رکھنا بے کار تھا' بھی وہ سر پکڑ کر بیٹھا تھا۔ ابھی دونوں اسی مسئلے میں سوچ و بچار کر رہے تھے کہ محکمہ ڈاک کا نمائندہ ڈاک لے کر آ گیا' خط عمر عباس کے نام تھا لہٰذا فوراً سے پیشتر اس نے سائن کر کے وہ خط وصول کر لیا۔ شہر بانو بھی متفکری اس کی جانب متوجہ ہو گئی تھیں۔ عمر نے عجلت بھرے انداز میں لفافہ چاک کر کے خط باہر نکالا اور پڑھنا شروع کر دیا' لکھا تھا۔

"عمر انکل...... میں جانتی ہوں آپ تک میرے اغواء کی خبر پہنچ چکی ہوگی اور آپ اس اطلاع کو لے کر بہت پریشان ہوں گے یقیناً آپ کو مجھ پر بہت غصہ بھی آیا ہوگا کہ میں نے آپ کے حکم کی خلاف ورزی کیوں کی؟ آپ کے سختی سے منع کرنے کے باوجود یہاں اس گاؤں میں کیوں آتی رہی آپ کا مجھ پر غصہ جائز ہے مگر پلیز آپ کو پرانی حویلی میں ابدی نیند سوئے تمام رشتوں کا واسطہ' آپ کسی بھی طور میرے لیے اپنی جان کو خطرے میں مت ڈالنا' میں آپ کی اور مما کی دعاؤں سے یہاں بالکل محفوظ ہوں۔ چاہوں تو ابھی بھاگ کر آپ کے پاس واپس آ سکتی ہوں مگر میں آؤں گی نہیں کیونکہ میں نے پرانی حویلی کے پچھواڑے میں نئی آخری آرام گاہوں کی کہانی جان لی ہے۔ مجھ پر ان کا قرض ہے انکل...... ملک فیاض ابھی زندہ ہے میرے پرکھوں کا مجرم میں اسے کسی ٹھکانے لگا کر ہی یہاں سے نکلوں گی اب۔ کل میرا اس کے ساتھ نکاح ہو رہا ہے' وہ اب میری جان اور عزت کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا لہٰذا ایک مرتبہ پھر کہہ رہی ہوں میرے لیے بالکل بھی پریشان مت ہونا یہاں کچھ لوگ میرے ساتھ بہت اچھے ہیں' مجھے ان کا ہر طرح سے تعاون حاصل ہے۔ میں اب آپ کی ادھوری چھوڑی ہوئی جنگ جیت کر ہی واپس لوٹوں گی' فی الحال مما کو کسی بات کا پتا نہیں چلنا چاہیے۔

آپ کی نیک تمناؤں اور دعاؤں کی طالب شہرزاد!"

خط کیا تھا ایک امتحان تھا۔ عمر عباس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے؟ اس کے زخم ابھی بھرے نہیں تھے' دایاں بازو اور ٹانگ بُری طرح سے متاثر ہوئی تھی' وہ چاہتے ہوئے بھی گاؤں نہیں جا سکتا تھا اگر چلا بھی جاتا تو اب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ شہرزاد نے وہ خط چار دن پہلے لکھ کر ارسال کیا تھا یقیناً اب تک اس کا ملک فیاض سے نکاح ہو چکا ہوگا تو پھر پیچھے کیا رہ گیا۔ انہونی تو ہو چکی تھی' اس کی قیمتی متاع دشمن کے ہاتھ لگ چکی تھی۔ اب آمنے سامنے جنگ کا فائدہ نہیں تھا اب اسے جو بھی کرنا تھا خاموش رہ کر کرنا تھا چھپ کر کرنا تھا۔ اسی سوچ کے زیر اثر اس نے شہرزاد کا خط شہر بانو کی طرف بڑھایا اور خود گہری سانس بھرتے ہوئے اپنے کمرے سے باہر نکل آیا۔

گھٹن صرف فضا میں ہی نہیں تھی اس کی سانسوں میں بھی تھی۔ اسی گھٹن کو کم کرنے کے لیے وہ اپنے کمرے سے نکل کر مریرہ کے کمرے کی طرف بڑھ آیا تھا۔

❁ ❁ ❁

شیر دل اس رات شکار سے بہت لیٹ گھر واپس پہنچا تھا' پچھلے کئی دنوں سے اس کی بندوق کی گولی نے کسی جانور کا بدن نہیں چھوا تھا تبھی آج کل اس کا غصہ اور جھنجلاہٹ عروج پر تھی۔ اسی غصے اور جھنجلاہٹ میں وہ خاصے آف موڈ کے ساتھ اپنے کمرے میں آیا تھا۔ بوٹ اتار کر فریش ہونے کے بعد وہ بستر کی طرف آیا تو وہاں شفاف چادر پر پڑا کاغذ کا سفید ٹکڑا اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کروا گیا۔ کمبل میں گھس کر اس نے خاصی فرصت سے وہ کاغذ کھولا' لکھا تھا۔

"میں شہرزاد ملک قمر عباس کی بیٹی' یقیناً آپ کے لیے اجنبی ہوں مگر آپ میرے لیے اجنبی نہیں ہیں۔ میں نے اس گاؤں میں بہت لوگوں سے آپ کا تذکرہ سنا تو بے ساختہ دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی آپ کو دیکھنے کی اسی خواہش نے مجھے آپ کے چچا ملک فیاض کے کارندوں کی بھینٹ چڑھا دیا آج ایک ہفتہ ہو گیا ہے مجھے یہاں قید ہوئے مگر آپ کی ایک جھلک تک دیکھنی نصیب نہیں ہوئی' کہاں ہیں آپ؟ آپ کے چچا ملک فیاض کے ارادے نیک نہیں ہیں' وہ آپ کے لیے بھی کچھ اچھے جذبات نہیں رکھتے۔ اس سے پہلے کہ میں آپ کو پانے کے قابل نہ رہوں پلیز آجائیں' پلیز......" مگر کہاں آجائیں یہ لکھنا شاید وہ بھول گئی تھی یا اسے اس کی مہلت ہی نہیں ملی تھی۔ شیر دل خط پڑھ کر تڑپ اٹھا۔

شہرزاد ملک قمر عباس کی بیٹی سے ملنے کی اس کی خواہش مزید بڑھ گئی تھی تبھی وہ بے چین ہو اٹھا' خط کو کئی بار پڑھنے کے بعد بھی اسے یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ وہ کہاں قید تھی؟ ملک فیاض کے بارے میں اس کی سوچ غلط ثابت نہیں ہوئی تھی۔

وہ واقعی کمینہ ثابت ہوا تھا لہٰذا پچھلے تین چار روز میں اس نے حویلی کا چپہ چپہ چھان مارا' تمام ملازمین سے بھی پوچھ گچھ کر لی مگر شہرزاد کا پتا چلنا تھا سو نہ چل سکا۔ ملک فیاض اس بارے میں کوئی بات کرنے کو تیار نہیں تھا جس پر شیر دل کا غصہ مزید بڑھ گیا تھا مگر وہاں پروا کسے تھی؟ ملک فیاض نے وہی کیا تھا جو اس کے دل نے کہا نتیجتاً آج شہرزاد اس کی بیوی کے روپ میں سب کے سامنے آچکی تھی۔ شیر دل کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ حویلی میں ہنگامہ کھڑا کر دیتا مگر ہنگامہ کھڑا کرنے کا اب فائدہ بھی کیا تھا' جو ہونا تھا وہ تو ہو ہی چکا تھا۔ وہ اب صرف اپنا دل جلا سکتا تھا سو جلا رہا تھا۔

ملک فیاض شہرزاد کو اپنے کمرے میں لے کر آیا تو خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔ شہرزاد نے خود کو بھاری دوپٹے اور زیورات سے آزاد کیا۔ وہ ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ ملک فیاض کے ساتھ اگلا داؤ کون سا چلے کہ قدرت نے خود ہی اس کی مشکل آسان کر دی۔ اس سے پہلے کہ وہ شخص اس کے قریب آتا اس کا سیل فون چیخ اٹھا' کال ایبروڈ سے نہ ہوتی تو شاید وہ کبھی ریسیو نہ کرتا۔

"ہیلو فیاض انکل؟" جیسے ہی اس نے کال ریسیو کی کسی نوجوان لڑکے کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"آہو فیاض بول رہا ہوں۔ تم کون ہو بابا' میں نے پہچانا نہیں۔"

"انکل میں علی بول رہا ہوں آپ کے بڑے بیٹے لیاز کا دوست' ایک بری خبر ہے آپ کے لیے۔"

"رب سوہنا خیر کرے' کیا ہوا؟" بری خبر پر اس کا دل بے ساختہ زور سے دھڑکا تھا' دوسری طرف علی نامی لڑکے نے اسے بتایا۔

"انکل لیاز نے خود کو شوٹ کر لیا ہے' آپ جلد سے جلد یہاں آجائیں پلیز۔" اطلاع دینے والا لڑکا گھبرایا ہوا تھا' ملک فیاض کو زور کا دھچکا لگا' جس موت کے خوف سے وہ اپنے دونوں بیٹوں کو پاکستان نہیں آنے دیتا تھا۔ دل پر پتھر رکھ کر ان کی جدائی برداشت کر رہا تھا وہ موت ٹلی نہیں تھی' دیار غیر میں بھی آگئی تھی۔

اسے لگا جیسے اس کا وجود ایک دم سے فریز ہو گیا ہو' لیاز میں تو اس کی جان تھی۔ لیاز سے چھوٹا دانیال تو شروع ہی سے خود سر اور اپنی من مانی کرنے والا خاصا بدتمیز لڑکا ثابت ہوا تھا۔ صرف لیاز ہی تھا جو اپنے باپ سے کلوز تھا اور ان کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کرتا تھا۔ کیا ایسا ہوا تھا وہاں جو اس نے اپنے ہاتھوں اپنی زندگی ختم کر ڈالی۔

وہ سوچ رہا تھا مگر دماغ کے سارے پرزے جیسے فیوز ہو چکے تھے' جانے کیسے اس نے کال کاٹی اور بلند آواز میں چنگھاڑ کر شیر دل کو آواز دی۔ شیر دل جو باتھ لینے جا رہا تھا اس چنگھاڑ پر خاصا پریشان ہو کر فوراً اس کے کمرے کی طرف چلا آیا' خود شہرزاد بھی سہم گئی تھی۔

''جی چاچا..... آپ نے بلایا؟''

''آہ! تم ابھی کال کرواور لندن کا ٹکٹ کنفرم کرواؤ میرا فوراً۔''

''خیریت؟'' جیب سے سیل نکالتے ہوئے اس نے پوچھنا ضروری سمجھا ملک فیاض اس گستاخی پر پھر دہاڑ اٹھا۔

''جتنا کہا ہے اتنا کرو ابھی انٹرویو دینے کا ٹائم نہیں ہے میرے پاس۔'' اس کا دماغ کام کرنا چھوڑ رہا تھا' شیر دل نے اس کی ٹکٹ کنفرم کروادی' آناً فاناً وہ ہو گیا تھا جس کا کسی کو وہم و گمان بھی نہیں تھا۔ اس نے اپنے پاک رب سے اس کی نصرت مانگی تھی' شدت دل سے اپنی عزت کی حفاظت کی دعا مانگی تھی اور بے شک اس کے رب نے اس کی دعاؤں کو رد نہیں کیا تھا۔

ملک فیاض اسے تنہائی میں بناء کوئی بات کیے لندن روانہ ہو گیا تھا' شہر دل نے دل ہی دل میں اپنے پیارے رب کا شکر ادا کیا۔ اب وہ سکون سے سوچ سکتی تھی کہ اسے آگے کیا کرنا ہے؟

❁.....❁.....❁
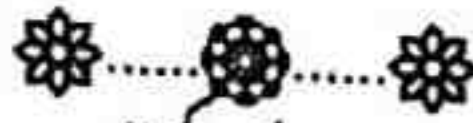
سودائیوں سے حلیے میں لہورنگ نگاہوں کے ساتھ مریرہ رحمان کو دیکھتی وہ دیوار سے چپکی بیٹھی تھی۔ عمر جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا اسے وہاں دیکھ کر چونک گیا۔ اس نے تو اسے اس سانحے سے بے خبر رکھا تھا پھر وہ کیسے وہاں پہنچ گئی۔

کمرے میں آہٹ پر درمکنون نے بھی سر اٹھا کر دیکھا تھا' عمر عباس پر نگاہ پڑتے ہی اس نے نگاہ پھیر لی۔ عمر نے دیکھا اس کی آنکھیں مسلسل رونے سے خوب سرخ ہو رہی تھیں' وہ سست قدموں سے چلتا اس کے قریب چلا آیا۔

''دری.....'' مگر درمکنون نے اس کی پکار کا جواب دینے کی بجائے سر گھٹنوں میں چھپالیا۔

''میں جانتا ہوں تم مجھ سے ناراض ہو' فی الوقت بات نہیں کرنا چاہتی مگر میں مجبور تھا بیٹا' میری حالت ایسی نہیں تھی کہ تمہیں سچ بتا سکتا۔''

''مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں۔'' عمر کی وضاحت پر درمکنون نے گھٹنوں میں منہ چھپائے چھپائے قدرے روکھے لہجے میں کہا تو وہ گہری سانس بھر کر رہ گیا' تبھی ہوزان وہاں چلی آئی۔

''تم گھر نہیں گئیں ابھی تک؟'' کمرے میں آتے ہی اس نے درمکنون سے پوچھا۔ عمر جان گیا کہ وہی درمکنون کو وہاں لے کر آئی ہوگی' تبھی افسردہ سا باہر نکل گیا۔

کوئی اس کے دکھ' اس کے نقصان کو محسوس نہیں کر رہا تھا سب کو بس اپنی اپنی تکلیف نظر آرہی تھی اس کی تکلیف کی جیسے کسی کے نزدیک کوئی وقعت ہی نہیں تھی۔ شہربانو مریرہ کے گھر چلی گئی تھی' وہ بے مقصد سا یونہی روڈ پر پیدل چل پڑا۔ ابھی اس نے بمشکل چند فرلانگ کا فاصلہ ہی طے کیا تھا جب اچانک زاویار کی گاڑی کے ٹائر عین اس کے قدموں کے قریب چرچرائے' وہ بے ساختہ ٹھٹکا تھا۔ زاویار کی نگاہ جیسے ہی اس پر پڑی وہ فوراً گاڑی سے باہر نکل آیا۔

''ایکسکیوز می مسٹر عمر..... مجھے آپ سے بات کرنی ہے پلیز۔'' عمر کے لیے اس کا ملتجی لہجہ حیرانگی کا باعث تھا شاید تبھی وہ اسے نظر انداز نہ کرسکا۔

''مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی' سوری۔''

''میری بات سنیں پلیز' میں اپنی ہر خطاء پر نادم ہوں' بہت شرمسار ہوں۔ پلیز میرے ساتھ ایسے نہ کریں' میں اپنی ہر خطا کے لیے آپ سے معافی کا طلب گار ہوں' پلیز۔'' وہ بہت ڈسٹرب لگ رہا تھا' عمر نے ایک سنجیدہ نظر اس پر ڈالنے کے بعد کہا۔

''کل تک جو شخص اپنی سگی ماں کے ساتھ ساتھ میرے بھی خون کا پیاسا تھا' کتنی حیرانی کی بات ہے کہ آج وہی معافی مانگ رہا ہے۔ یہ معجزہ کیسے ہو گیا؟ میرے زخم ابھی مندمل نہیں ہوئے ہیں مسٹر زاویار صمید۔''

''میں جانتا ہوں اسی لیے ہر سزا کے لیے تیار ہوں' آپ چاہیں تو ابھی میرے وجود میں جتنی چاہیں گولیاں اتار سکتے ہیں' میں اُف تک نہیں کروں گا مگر اس سے پہلے پلیز میرے چند سوالوں کے جواب دے دیں۔ میں آپ کے اور مما کے درمیان رشتے کی حقیقت جاننا چاہتا ہوں پلیز۔'' عمر کے کڑواہٹ بھرے لہجے پر وہ خاصی دلگرفتگی کے ساتھ بولا تو ایک تلخ مسکراہٹ نے عمر کے لبوں کا احاطہ کرلیا۔

”میرے اور میرو کے رشتے کی حقیقت تمہارے والد محترم سے زیادہ کون جان سکتا ہے‘ ان سے پوچھو کیا حقیقت تھی ہمارے رشتے کی اگر وہ سچ نہ بول سکیں تو اس عورت سے ساری کہانی سننا جسے ماں کے روپ میں دیوی بنا کر اپنے گھر میں رکھا ہوا ہے تم نے۔“

”مجھے ان سے جو جاننا تھا میں جان چکا اب میں آپ سے وہ سچ سننا چاہتا ہوں جو خود میرے سگے باپ نے اب تک مجھ سے چھپائے رکھا پلیز مسٹر عمر...... میرے حال پر رحم کریں‘ میں بہت تکلیف میں ہوں پلیز۔“ وہ روہانسا ہو رہا تھا۔ عمر نے بے ساختہ گہری سانس فضا کے سپرد کی۔

”ٹھیک ہے‘ چلو۔“ کچھ سوچ کر وہ گاڑی میں بیٹھا تو زاویار ممنون نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتا فوراً ڈرائیونگ سیٹ کی طرف آ گیا۔

تقریباً پچیس سے تیس منٹ کی ڈرائیو کے بعد گاڑی حمنہ حسین کے خوب صورت مکان کے سامنے رکی تھی۔ زاویار نے قدرے ناسمجھی سے عمر عباس کی طرف دیکھا مگر عمر نے اسے اپنے پیچھے آنے کا حکم دے کر قدم گیٹ کی طرف بڑھا دیئے۔

زاویار جب تک گاڑی لاک کر کے اس کے قریب آیا عمر کی دستک کے جواب میں گیٹ کھل چکا تھا۔ زاویار نے عمر عباس کے بڑھتے قدموں کی پیروی کی۔ گیٹ کے اس پار خاصا بڑا سرسبز لان تھا جہاں اس وقت ایک گریس فل سی خاتون بیٹھی کسی کتاب کا مطالعہ کر رہی تھی۔ عمر سست قدموں سے چلتا اس کے قریب پہنچ گیا۔

”السلام علیکم!“ حمنہ نے اس کے سلام پر بے ساختہ چونک کر اس کی طرف نگاہ کی۔

”وعلیکم السلام! عمر بھائی آپ؟“ وہ فوراً کھڑی ہوئی تھی‘ زاویار الجھن بھری نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھتا رہا۔

”ہوں‘ کچھ ضروری کام آ پڑا تھا آپ سے‘ اس لیے آنا پڑا۔“

”موسٹ ویلکم لیکن ابھی آپ کے زخم پوری طرح سے ٹھیک نہیں ہوئے ہیں آپ کو ابھی اپنا خیال رکھنا چاہیے میں چکر لگانے ہی والی تھی آپ کی طرف۔“ حمنہ کی نگاہ ابھی تک زاویار پر نہیں پڑی تھی۔ عمر نے دونوں ہاتھ پینٹ کی پاکٹس میں اڑس لیے۔

”کوئی بات نہیں‘ یہ زاویار ہے مریرہ رحمٰن کا بیٹا۔“ ذرا سی گردن پیچھے موڑ کر اس نے زاویار کی طرف نگاہ کی تھی جواب میں حمنہ نے قدرے چونک کر خفگی سے اس کی طرف دیکھا۔

”ہوں...... اس کے نین نقش گواہی دے رہے ہیں کہ یہ مریرہ رحمٰن کا ہی بیٹا ہے مگر...... یہ آپ کے ساتھ کیسے؟“

”اسے بھی مجھ سے کچھ ضروری کام تھا۔“

”ہوں...... تشریف رکھیے۔“ اثبات میں سر ہلا کر اس نے عمر اور زاویار دونوں کو بیٹھنے کی پیشکش کی۔

زاویار اب بھی سمجھ نہیں پایا تھا کہ وہ عورت کون تھی اور عمر اسے وہاں کیوں لے آیا تھا تاہم عمر کے بیٹھنے پر اس نے بھی کرسی سنبھال لی۔

”آپ کو پتا ہے عمر بھائی...... صمید حسن کے بعد کسی فرد نے اگر مریرہ کو بے حد تکلیف پہنچائی تو وہ یہی صاحب زادے ہیں‘ زاویار صمید حسن صاحب۔“ شہربانو کے بعد یہ دوسری عورت تھی جس کی آنکھوں میں زاویار کے لیے غصہ اور ناپسندیدگی تھی‘ وہ شرمسار سا سر جھکائے بیٹھا رہا تبھی عمر بولا۔

”جانتا ہوں مگر اس میں اس کا شاید اتنا قصور نہیں ہے جتنا صمید حسن اور سارا منیر حسین کا ہے شاید انہوں نے آج تک کبھی سچ اس کے سامنے آنے ہی نہیں دیا۔“

”صحیح کہا آپ نے‘ مریرہ کو بہت ہرٹ کیا ہے اس لڑکے نے کاش یہ جان سکتا کہ اس کی ماں کتنی صبر والی عظیم عورت تھی۔“ حمنہ حسین نے مریرہ کے لیے ”تھی“ کا لفظ یوں استعمال کیا کہ وہ جو سر جھکائے خاموش بیٹھا تھا ایک دم تڑپ اٹھا۔

”میری ماں ابھی زندہ ہیں آپ ان کے لیے تھی کا لفظ استعمال مت کریں پلیز۔“

”زندہ کہاں چھوڑا ہے تم لوگوں نے اسے‘ صرف دل کے دھڑکنے کا نام زندگی نہیں ہوتا۔“

”آپ کون ہیں‘ میری مما کے ساتھ آپ کا کیا رشتہ ہے؟“ زاویار کے سوال پر حمنہ نے قدرے اچنبھے سے عمر عباس کی طرف

دیکھا جب اس نے وضاحت دی۔
"میں نے اسے ابھی آپ کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا یہ مجھ سے میرے اور مریہ کے درمیان تعلق کی حقیقت پوچھنے آیا تھا۔ میں اسے آپ کے پاس لے آیا کیونکہ صمید حسن اور سارا منیر حسن کے بعد آپ ہی اسے میرے اور مریہ کے بارے میں غیر جانبداری سے سب سچ بتا سکتی ہیں۔"
"ہوں۔" عمر کی وضاحت پر حمنہ حسین نے گہری نگاہوں سے زاویار کا جائزہ لیا۔
"کیا جاننا چاہتے ہو تم عمر بھائی اور مریہ کے بارے میں؟"
"سچ اور سب کچھ اب تک میں صرف اتنا جانتا تھا کہ میری ماں نے بخش عمر عباس نامی شخص کو پانے کے لیے میرے والدین کے گھر اور بچوں کو چھوڑ دیا تھا نہ صرف انہیں بلکہ وہ اپنے سگے چچا کرنل شیر علی سے بھی کنارہ کش ہوگئی تھیں تبھی مجبوراً میرے لیے میرے بابا کو دوسری شادی کرنی پڑی۔ اسی ادھورے سچ یا جھوٹ نے مجھے میری ماں سے متنفر کیا۔ میں جاننا چاہتا ہوں میری ماں کی زندگی کی حقیقت کیا تھی؟ انہوں نے اگر اپنے سارے رشتوں کو چھوڑا تو کیوں؟ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں انہیں دیکھنا چاہتا ہوں پلیز۔" ہلکی ہلکی بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ اس کے چہرے پر زمانے بھر کی اداسی تھی۔ حمنہ کو بے ساختہ اس پر ترس آیا۔
"تم نے حقیقت جاننے میں بہت دیر کردی ہے بیٹا...... اب سچ جان بھی لو تو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔"
"ایسا کیوں کہہ رہی ہو آپ؟" حمنہ حسین کے یاسیت بھرے لہجے پر زاویار نے شکوہ کناں نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ عمر اپنی جگہ سے اٹھ کر سائیڈ میں لگے گلاب کے پودوں کی کیاری کی طرف چلا آیا۔ جانے کیوں اس کے اندر کی گھٹن بڑھتی جارہی تھی، حمنہ نے آہستہ سے نظریں پھیر لیں۔
"مریہ اب اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ تم اس سے معافی مانگ سکو کرنل صاحب کی وفات والے روز پنڈی روڈ پر بہت زبردست ایکسیڈنٹ ہوا تھا اس کا اسی ایکسیڈنٹ کے نتیجے میں وہ کومہ میں چلی گئی۔ ڈاکٹرز کے مطابق اب اس کے زندہ رہنے کے چانسز بہت کم ہیں اب اگر تم سب سچ جان بھی لو تو سوائے پچھتاوؤں کے کچھ ہاتھ آنے والا نہیں۔" جو بات پر ہیان نے کی تھی وہی بات حمنہ حسین اسے بتارہی تھی۔ زاویار کے اعصاب کو ایک اور زبردست دھچکا لگا۔
کرنل صاحب کی وفات والے روز ہی تو اس کا مریہ سے ٹکراؤ ہوا تھا اسی روز تو اس نے اس سے بدتمیزی کی انتہا کی تھی۔ اس کا دل دکھایا تھا تو کیا اسی کی وجہ سے وہ روڈ ایکسیڈنٹ کا شکار ہوئی؟ کیا مریہ کی اس حالت کے پیچھے اسی کا ہاتھ تھا؟ اسے لگا جیسے وہ وہیں بیٹھا بیٹھا کئی فٹ گہرے گڑھے میں گر گیا ہو۔ اس نے کہا۔
"نفرت ہے مجھے عورت کے کردار سے آپ سے آپ کے تصور سے۔ کتنا بدنصیب ہوں میں کہ جس نے آپ جیسی بدچلن عورت کی کوکھ سے جنم لیا۔ کاش میں اتنا بہادر ہوتا کہ آپ کو اپنے ہاتھوں موت کی آغوش میں سلا سکتا تاکہ دنیا کی ساری عورتیں غلط راہ پر چلنے سے پہلے ایک بار آپ کا انجام دیکھ کر عبرت پکڑ لیتیں کوئی حق نہیں ہے آپ جیسی گری ہوئی عورتوں کو عزت سے جینے کا سمجھیں آپ؟" اور اس نے اپنا کہا سچ کر دکھایا تھا۔ اپنے ہاتھوں اپنی ماں کو موت کی آغوش میں سلا دیا تھا۔
معافی تو بہت دور کی بات تھی وہ تو نفرت کے قابل بھی نہیں تھا اس نے نہ صرف اپنی ماں کو موت پر اکسایا تھا بلکہ اتنا مجبور کردیا تھا کہ وہ کسی حادثے کی بھینٹ چڑھ جاتی اپنی ماں کے مقابلے میں اس نے اپنے باپ کی بات کا اعتبار کیا تھا۔
کتنا ناعاقبت اندیش تھا وہ؟ حمنہ حسین نے صحیح کہا تھا اب اگر وہ سچ جان بھی لیتا تو سوائے پچھتاوؤں کے کیا رہ گیا تھا اس کے پاس؟ وہ خود پر جتنا بھی ماتم کرتا کم تھا۔

❀......❀......❀

"مریہ کے ساتھ میری دوستی یوں تو بچپن سے ہی تھی ہم ایک ہی اسکول میں پڑھتے تھے مگر تب ہماری اتنی دعا سلام نہیں تھی جتنی اس وقت ہوئی جب وہ بیاہ کر کرنل صاحب کے مکان سے صمید حسن کے ساتھ میرے محلے میں آباد ہوئی۔ میں نے اسے فطرتاً بے حد حساس اور محبت کرنے والی لڑکی پایا شاید اسی لیے بہت جلد ہم ایک دوسرے کے بہت قریب آگئی تھیں۔ عمر بھائی سے مریہ کا تعلق اس کے بچپن سے تھا کیونکہ عمر بھائی کے والد ملک اظہار عباس اور مریہ کے چچا کرنل شیر علی آپس میں بہت گہرے دوست

تھے۔ لڑکپن سے ہی عمر بھائی اور مریہ کے درمیان گہری دوستی تھی مگر اس دوستی میں عامیانہ پن نہیں تھا' پاکیزگی تھی۔ مریہ کو تو کبھی پتا ہی نہ چل سکا کہ عمر بھائی کے دل میں اس کے لیے کیا جذبات ہیں' وہ ہمیشہ انہیں ایک اچھا' مخلص اور ہمدرد دوست سمجھتی رہی اسی لیے جب صمید حسن کو کرنل صاحب اپنا بیٹا بنا کر گھر لائے تو وہ ان سے متاثر ہو کر دل ہی دل میں اسے چاہنے لگی۔ صمید حسن لاوارث تھے' کرنل صاحب نے ان کے سر پر دست شفقت رکھا' انہیں بہترین تعلیم دلوائی' کاروبار شروع کرنے کے لیے پیسے دیئے۔ بہت احسان تھے ان کے اور مریہ کے صمید حسن پر یہی نہیں بلکہ کرنل صاحب نے اپنے سگے بیٹے سکندر علوی کا حصہ بھی صمید حسن کے سپرد کر دیا تھا بعد ازاں صمید حسن کی رضامندی کے ساتھ مریہ کا نکاح بھی طے کر دیا ان سے۔ مریہ کی طرح صمید حسن بھی دل ہی دل میں اسے بہت چاہتے تھے یوں ان کی شادی ارینج میرج کم اور لو میرج زیادہ تھی۔"

زاویار صمید حسن پتھر کا بت بنا خاموش بیٹھا تھا جب حمنہ حسین نے گزرے ہوئے وقت کے اوراق پلٹنے شروع کیے۔ حمنہ حسین اسے اس کی ماں کے بیتے ہوئے کل کی کہانی سنا رہی تھی وہ کہانی کہ جس سے وہ آج تک بے خبر رہا تھا۔ حمنہ حسین اب دھیمے لہجے میں بتا رہی تھی۔

"مریہ اور صمید حسن کی محبت کی کہانی میں عمر عباس کبھی نہیں آیا' ہاں سارا منیر حسین آ گئی تھی۔ صمید حسین کے بزنس پارٹنر منیر حسین کی شادی' کب اس کا صمید حسن سے آمنا سامنا ہوا۔ کب ان کی دعا سلام شادی کے منصوبے تک پہنچی مریہ رحمٰن سمیت کسی کو کان و کان خبر تک نہ ہو سکی۔ جس روز مریہ رحمٰن نے تمہیں جنم دیا' تمہارا اعظیم باپ اسے بالکل اکیلا چھوڑ کر سارا منیر حسین کے ساتھ وقت گزار رہا تھا' میں اسے ہسپتال لے کر گئی تھی۔ صمید حسن صرف اس کا شوہر نہیں تھا' عشق تھا اس کا یقین تھا مگر جس دن وہ سارا منیر حسین کو اس پر سوتن بنا کر لایا' اس کا یہ یقین ٹوٹ گیا۔ سارا منیر حسین کے لیے تمہارے باپ نے برستی بارش میں اسے تین کپڑوں کے ساتھ گھر سے بے گھر کر دیا تھا' وہ اس وقت حاملہ تھی مگر نہ صمید حسین کو اس پر ترس آیا نہ سارا منیر حسین کو۔ کرنل صاحب اسے اجاڑنا نہیں چاہتے تھے وہ ملک سے باہر تھے۔ مریہ ان کی دہلیز پر آ کر بیٹھی تو وہ بھی اسے مجبور کرنے لگے کہ وہ صمید کے پاس واپس لوٹ جائے' اسی لیے وہ ان کی زندگی سے بھی نکل گئی۔ مجھ سے پوچھو ان دنوں وہ کیسے ساری ساری رات جاگ کر اپنے چھن جانے والے بیٹے کے لیے بچوں کی طرح روتی تھی۔ اسے روتے دیکھ کر در و دیوار کا کلیجہ بھی پھٹتا تھا مگر صمید حسن نے اس پر ترس نہیں کھایا' جس روز اس نے تمہاری بہن درمکنون کو جنم دیا' وہ مرتے مرتے بچی تھی۔ کیسے کیسے دکھ نہیں دیکھے اس نے' فقط چند سو روپے ماہانہ کی نوکری کے لیے میری دوست در در کے دھکے کھاتی رہی۔ آج اگر اس کی عزت ہے تو صرف عمر بھائی کی وجہ سے اگر وہ دولت مند ہے تو صرف عمر بھائی کی وجہ سے کیونکہ جب ساری دنیا نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا' تب عمر بھائی نے اسے سہارا دیا۔ مریہ نے اگر آج تک عمر کو نہیں چھوڑا تو اس کی ایک وجہ ان کے اس پر بے شمار احسانات ہی ہیں ویسے بھی عمر بھائی نے بہت دکھ دیکھے ہیں' ان کے سگے تایا اور ان کے بیٹوں نے مل کر پورا خاندان ختم کر ڈالا' عمر بھائی کا' دنیا میں سوائے ایک بھانجی اور بھتیجی کے ان کا اور کوئی نہیں۔" حمنہ حسین کی آنکھ میں آنسو تھے۔ زاویار کو لگا وہ زمین میں دھنستا جا رہا ہو۔ اس کی قوت سماعت' قوت گویائی جیسے سب سلب ہو گئی تھی۔ حمنہ حسین جانے اور بھی کیا کیا کہہ رہی تھی مگر وہ سن کہاں رہا تھا وہ تو پتھر ہو چکا تھا۔

❁……❁……❁
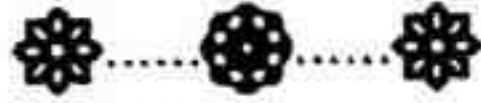
ذرا دیکھو تو دروازے پر دستک کون دیتا ہے
محبت ہو تو کہہ دینا' یہاں اب ہم نہیں رہتے

دروازہ آہستہ سے کھلا تھا صمید حسن نے جیسے ہی کمرے کی دہلیز پر قدم رکھا' وہاں دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی درمکنون کو دیکھ کر ٹھٹک گئے' وہ چہرہ ہو بہو اسی کی کاپی تھا' اس کا ہاتھ جیسے دروازے کے ہینڈل پر جم گیا۔

"میں چلتی ہوں اب شاید عمر عباس کو اس وقت میری ضرورت ہے۔ پری بھی پاکستان پہنچ چکی ہے شاید وہ رات میں چکر لگائے' بہتر ہوگا اگر تم بھی تھوڑا سا آرام کر لو۔" ہوزان نے ساکت بیٹھی درمکنون سے کہا' درمکنون نے آہستہ سے پلکیں موند لیں۔

ہوزان اگلے ہی پل صمید حسن کو یکسر نظر انداز کرتی کمرے سے نکل گئی تھی صمید کی سمجھ میں نہ آیا وہ درمکنون سے کیا کہے…… پچھلے ایک ہفتے میں اس نے دنیا کو پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ کھانا پینا' سونا سب حرام کر لیا تھا' پچھلے ایک ہفتے سے وہ کمرا اس کا مسکن

تھا۔ صرف کسی نہ کسی حاجت کے لیے ہی وہ وہاں سے نکلتا تھا' ابھی بھی وہ اپنی حاجت پوری کرکے کمرے میں واپس آیا تھا جب درمکنون اور ہوازن کو وہاں دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

اپنی جس بیٹی کو دیکھنے اور ملنے کے لیے وہ اب تک ترستا رہا تھا' وہ بیٹی اس کے سامنے تھی مگر وہ کتنا بدنصیب تھا کہ اس بیٹی سے معافی مانگنے اسے پیار کرنے کا حق کھو چکا تھا' آہستہ قدموں سے چلتا' درمکنون سے قدرے فاصلے پر دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ کافی وقت یونہی خاموشی سے آگے سرکا...... جب بلآخر اس نے خاموشی کا قفل توڑا۔

''دری بیٹا......'' مگر درمکنون نے اس کی پکار کا کوئی جواب نہ دیا' وہ بے حس سی گھٹنوں میں منہ چھپائے بیٹھی رہی۔

''میں جانتا ہوں تم مجھ سے بات نہیں کروگی' میں مریرہ کے ساتھ ساتھ تمہارا بھی مجرم ہوں مگر......''

''آپ ہیں کون اور کس سے یہ سب کہہ رہے ہیں؟'' سرخ آنکھوں کے ساتھ اس نے اچانک سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ صمید اپنی جگہ فریز ہوکر رہ گیا تھا۔

''یہاں بستر پر جو عورت بے حس وحرکت پڑی ہے وہ میری ماں ہے' صرف میری ماں۔ اس کا کسی مرد اسپیشلی صمید حسن نامی کسی شخص کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے لہٰذا بہتر ہوگا اگر آپ ابھی اور اسی وقت یہاں سے تشریف لے جائیں۔ میری ماں کا دل ابھی مُردہ نہیں ہوا...... میں نہیں چاہتی آپ کی یہاں موجودگی ان کے لیے اذیت کا باعث بنے' آپ کو اب مزید کوئی ڈرامہ کرنے کی ضرورت نہیں' اپنی ماں کے لیے میں اکیلی کافی ہوں' سمجھے آپ۔'' لفظوں کے دانت اتنے نوکیلے ہوتے ہیں صمید حسن کو اس سے پہلے اندازہ نہیں تھا' وہ بالکل ساکت سا اپنی بیٹی کا غصے سے سرخ چہرہ دیکھتا رہ گیا۔

''آپ جائیں یہاں سے نہیں تو میں ہسپتال کی انتظامیہ سے کہہ کر زبردستی آپ کو یہاں سے نکلوا دوں گی۔'' وہ آنکھیں جو بالکل اسی کی کاپی تھیں ان آنکھوں میں نفرت کے انگارے دہک رہے تھے صمید حسن کو لگا اس کا وجود فنا ہوگیا ہو۔

کیا یہ دن دیکھنے کے لیے اس کا زندہ رہنا ضروری تھا؟ کیا زندگی میں اس سے برا وقت بھی کبھی آسکتا تھا اس پر؟ وہ اٹھا اور خاموشی سے کمرے سے نکل گیا۔ واقعی اسے مریرہ رحمٰن کے پاس ٹھہرنے کا کوئی حق نہیں تھا۔

❀......✿......❀

نئی حویلی میں شہزاد کا تعارف ملک فیاض کی نئی نویلی بیوی کی حیثیت سے ہوچکا تھا' افشین کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ شہزاد کے ساتھ مل کر اس نے جو پلاننگ کی تھی وہ بے حد کامیاب رہی تھی۔ ملک فیاض کے بیٹے ایاز نے دوستوں کے ساتھ معمولی جھگڑے میں خود کو شوٹ کرلیا تھا اور اس وقت اس کی حالت بے حد نازک تھی۔ ملک فیاض کا جلد وطن واپس آنے کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ شہزاد نے اس دوران نئی پلاننگز بنالیں۔

افشین نے اس کی ہدایت پر شہر میں میرب کو ملک فیاض کی دوسری شادی اور ملک سے باہر پرواز کے بارے میں مطلع کردیا۔ میرب کے لیے یہ اطلاع کسی بارود سے کم نہیں تھی وہ اسی روز شہر سے گاؤں حویلی چلی آئی۔ شہزاد اس وقت حویلی کے کشادہ صحن میں بیٹھی' کبوتروں کے لیے روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے نرم کررہی تھی جب وہ تن فن کرتی حویلی میں داخل ہوئی۔

''افشین......'' اس کی پکار میں بجلی کی سی گرج تھی' افشین حویلی سے ملحقہ احاطے سے ہاتھ باندھے فوراً حاضر ہوگئی۔

''حکم بی بی صاحب۔''

''کہاں ہیں حویلی کی نئی دلہن صاحب۔'' اس کا لہجہ جیسے انگارے چبا رہا تھا' افشین نے کن اکھیوں سے شہزاد کی طرف دیکھتے ہوئے ہاتھ سے اشارہ کردیا۔ افشین کے اشارے پر میرب نے بے حد کٹیلی نگاہوں سے شہزاد کی طرف دیکھا۔

''اوہ...... تو اس مہارانی نے میری ماں کی جگہ لینے کی جرأت کی ہے' میں بھی ذرا دیکھوں کس کھیت کی مولی ہے یہ۔'' اس کی صرف نگاہیں ہی شعلہ نہیں بنی تھیں' الفاظ بھی دہک رہے تھے۔ شہزاد نے اس کی تلملاہٹ کا بے حد لطف لیا۔

''تم وہی ہونا' جو اس روز عبدالہادی کے ساتھ گاؤں کی دھول چاٹ رہی تھیں؟'' شہزاد کو دیکھتے ہی اس نے آنکھیں سکیڑ کر کچھ یاد کرنے کی کوشش کی تھی۔ عائشہ بیگم اس کا شور سن کر صحن میں چلی آئیں۔

''کیا بات ہے' کیوں شور مچارہی ہو؟''

"آپ اپنے کام سے کام رکھیں ہر بات میں آپ کا ٹانگ اڑانا ضروری نہیں..... آئی سمجھ" بدتمیزی کی انتہا کرتے ہوئے وہ انہیں کھانے کو دوڑی تھی۔ عائشہ بیگم نے چپ سادھ لی ان کی خاموش نگاہیں بے حد حیرانی سموئے شہزاد کے چہرے کا طواف کررہی تھیں جو سفید اور سیاہ لان کے پرنٹڈ سوٹ میں ملبوس لمبے بالوں کو پشت پر بکھرائے کہیں سے بھی ایک دن کی دلہن نہیں لگ رہی تھی۔ میرب نے عائشہ بیگم کو لتاڑنے کے بعد اپنا چہرہ پھر سے شہزاد کی طرف موڑ لیا۔

"نکلو یہاں سے نہیں تو میں تمہارا وہ حشر کروں گی کہ سارا گاؤں تماشہ دیکھے گا۔" اس بار بے حد جرأت کے ساتھ اس نے شہزاد کا بازو دبوچا تھا اور شہزاد کے ضبط کی حد بس یہیں تک تھی۔ ایک جھٹکے سے میرب کا بازو جھٹکتے ہوئے اس نے اسے پرے دھکیلا تھا۔

"تم ہوتی کون ہو مجھ سے اس لہجے میں بات کرنے والی ہاں؟" میرب کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اسے یوں اینٹ کا جواب پتھر سے ملے گا تبھی وہ شہزاد کی جرأت پر حیران رہ گئی تھی۔

"آج ہاتھ لگایا ہے دوبارہ ایسی گستاخی کی تو منہ توڑ دوں گی میں تمہارا آئی بڑی تھانیدارنی..... تمہارے باپ کی عزت ہوں میں اب ادب کے ساتھ بات کیا کرو مجھ سے ورنہ وہ حشر کروں گی کہ پوری حویلی تماشہ دیکھے گی۔" اس کا جلال بھی کچھ کم نہیں تھا میرب فیاض کے لیے سب کے سامنے ڈوب مرنے کا مقام ہو گیا عبدالہادی کی آنکھ ان کے جھگڑے سے کھلی تھی۔

افشین نے شہزاد کی ہدایت کے عین مطابق بھاگ کر ملک فیاض کو کال کھڑکا دی حویلی کا نمبر دیکھ کر اس نے پریشانی کے باوجود فوراً کال اٹینڈ کرلی تھی۔

"ہیلو۔"

"سلام علیکم سائیں! میں افیشن حویلی سے بول رہی ہوں جی۔"

"آہو پتا ہے مجھے کیوں کی ہے کال؟" وہ بیزار تھا افشین نے آواز دھیمی کرلی۔

"سائیں بڑا غضب ہو گیا ہے میرب بی بی آپ سے ملنے آئیں تو انہیں آپ کی دوسری شادی کا پتا چل گیا۔ توبہ توبہ بڑا ہنگامہ کیا ہے جی انہوں نے چھوٹی بی بی صاحبہ پر ہاتھ بھی اٹھایا ہے اور انہیں دھکے دے کر حویلی سے بھی نکال رہی ہیں۔" افشین نے اس وقت جو بھی کہا تھا ملک فیاض کو اس کا خدشہ تھا تبھی اس کی اطلاع پر بنا ایک بھی لفظ کہے اس نے کال کاٹ دی تھی۔ میرب جو ابھی شہزاد کے وار سے ہی نہیں سنبھلی تھی اپنے سیل پر ملک فیاض کی کال دیکھ کر دوبارہ غصے سے کھول اٹھی۔

"یہ کیا حرکت کی ہے آپ نے بابا..... شرم نہیں آتی اس عمر میں ایسا کام کرتے ہوئے اس چڑیل کو ابھی اور اسی وقت طلاق دے کر یہاں سے دفع کریں نہیں تو میرا غصہ جانتے ہی ہیں آپ۔" کال پک کرتے ہی وہ شروع ہوگئی تھی ملک فیاض کا دماغ گھوم گیا۔

"زیادہ ٹرٹر کرنے کی ضرورت نہیں..... ماں ہے وہ تمہاری خبردار جو اس کے ساتھ کوئی بدتمیزی کی تم نے۔ میں نے شیردل سے بات کرلی ہے ہوسٹل چھوڑ آئے گا تمہیں۔" جس لہجے اور انداز میں ملک فیاض نے اس سے بات کی وہ بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔ جان قربان کرنے والا باپ محض چند لمحوں میں بدل گیا تھا۔

یہ کون سا روپ تھا اس کا..... فقط چند دنوں میں یہ کیا ہو گیا تھا؟ شہزاد جانتی تھی جو ہوا تھا تبھی مسکراہٹ لبوں میں دبائے وہ چلتی اور تیزی سے حویلی کے بڑے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ عبدالہادی دہلیز پر کھڑا تھا شہزاد سر جھکا کر چلنے کے باعث قطعی غیر دانستگی میں اس سے ٹکرا گئی۔ دونوں کی نگاہیں ملیں اور جیسے دونوں ہی اپنی اپنی جگہ ساکت رہ گئے تھے۔

(ان شاء اللہ باقی اگلے شمارے میں)
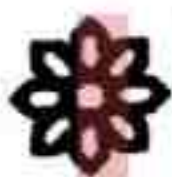
ضرورت

راحت وفا

لفظوں کے رنگ اس نے بکھیرے کچھ اس طرح
تلخی بھی پیار سے میرے دل میں اتر گئی
اس کا بھی حال مجھ سے کوئی مختلف نہ تھا
شیشے کی طرح ٹوٹ کے جب میں بکھر گئی

بل کھاتی سیڑھیاں اتر کر وہ حسب عادت راہداری میں رکا۔ گھڑی دیکھ کر نیچے اترا تھا' پورے آٹھ بج رہے تھے دفتر اور گھر کے درمیان دس منٹ کا فاصلہ تھا۔ پانچ سات منٹ ماسی رشیدہ سے بات چیت میں لگتے تھے۔ ماسی رشیدہ ڈیڑھ ماہ سے اسی وقت سیڑھیوں کے ختم ہونے پر شروع ہونے والی راہداری کے نیم تاریک ماحول میں آتی اور پوچھتی۔

"کھانا کھا کر آئیں گے یا نہیں۔" وہ ساٹھ پینسٹھ سالہ ماسی رشیدہ کے رٹے رٹائے سوال پر پہلے تو جز بز ہوتا تھا مگر اب مسکرائے بنا نہ رہتا۔ کبھی اثبات میں گردن ہلا دیتا اور کبھی نفی میں' وہ کچھ نہ کہتی البتہ وہ اپنا رٹی ٹیپ شدہ جملہ دہرا دیتا۔

"کوئی ضرورت......؟" اس سوال پر وہ تیزی سے جالی والا پرانا سا دروازہ کھول کر اندر جاتی اور پھر اس کے مین گیٹ تک پہنچنے سے پہلے واپس آ کر کہتی۔

"کوئی ضرورت نہیں۔" یہ جملہ وہ گزشتہ ڈیڑھ ماہ سے سن رہا تھا' موٹر سائیکل اسٹارٹ کر کے گیٹ سے باہر نکلتا۔ ماسی رشیدہ اس کی موٹر سائیکل کے ہارن سے اچھی طرح شناسا ہو گئی تھی' پہلے ہارن پر کھٹ سے گیٹ کھل جاتا جونہی وہ موٹر سائیکل سمیت اندر داخل ہوتا تو پہلی بات یہی کرتی۔

"صاحب گاڑھی چائے یا پتلی؟" پہلی مرتبہ تو یہ سن کر اسے ہنسی آئی تھی مگر پھر اپنے دفتر کے کولیگ سے ذکر کیا تو اس کے سمجھانے پر کہ "گاڑھی چائے سے مراد اسٹرونگ اور پتلی سے مراد لائٹ چائے...... تمہیں کیا فرق پڑتا ہے' تم گاڑھی یا پتلی کہہ دیا کرو۔" یوں وقار احمد ہیڈ سپروائزر صاحب نے اچھی طرح سمجھ کر "گاڑھی" کہنا شروع کر دیا' اس کو اسٹرونگ چائے پسند تھی۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ گاڑھی چائے کا کپ اس کے سامنے رکھتے ہوئے پتی کے نقصانات گنوانے لگتی جبکہ وہ چائے کی چسکی لیتے ہوئے چائے کی تعریف کرتا تو رشیدہ کے منہ سے فقط اتنا نکلتا۔

"بی بی کے ہاتھوں میں بہت لذت ہے۔" رشیدہ پتی دودھ کو قطعاً نمبر نہ دیتی سارا کریڈٹ بی بی کے کھاتے میں ڈال دیتی۔ بی بی کے نام پر جواں سال وقار احمد تبسم سی خاموشی اختیار کر لیتا۔

مگر آج دس منٹ سے زیادہ وقت گزرنے کے باوجود دروازے کے پیچھے مکمل خاموشی تھی۔ ماسی رشیدہ کی نا آہٹ

تھی اور نہ آواز اس نے دروازے پر دستک کے لیے سیدھے ہاتھ کی شہادت کی انگلی کو خم دے کر ارادہ ہی کیا تھا کہ مہین سی آواز آئی۔

"کھانا کھا کر آئیں گے یا نہیں۔" وقار احمد پوری طرح گڑبڑا گیا' کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ پھر آواز آئی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔" اب کے وہ متحیر سا ہوگیا' کچھ کہنے نہ کہنے کی کیفیت سے دوچار آگے بڑھ گیا۔ گیٹ کھولا' موٹر سائیکل باہر نکالی' چور نظروں سے پیچھے دیکھا مگر کوئی نہیں تھا۔ گیٹ ویسے ہی باہر سے بند کر کے موٹر سائیکل اسٹارٹ کی تو اندر سے گیٹ بند کرنے کی آواز آئی۔

ایسا اتنے دنوں میں کبھی نہیں ہوا تھا' وہ راستہ بھر یہی سوچتا رہا کہ ماسی رشیدہ کہاں تھی؟ بی بی نے بات کی یا اور بھی کوئی رہتا ہے کیونکہ اسے تو کمرے کی چابی تھماتے ہوئے اسٹیٹ ایجنسی والے نے یہی بتایا تھا کہ ایک مکان مالکن اور ایک ملازمہ ہوتی ہیں۔ بے انگ گیسٹ بن کر وہ ڈیڑھ ماہ قبل شفٹ ہوا تھا بلکہ یوں کہیے کہ پہلی بار بڑے شہر میں آیا تھا' وہ بھی سفارش سے حاصل ہونے والی سرکاری نوکری کی وجہ سے ورنہ جلال پور پیروالا کے کچے پکے گھر میں نئی نویلی دلہن کو چھوڑ کر کب آنے کو دل چاہتا تھا۔ چمکیو جیسی پکی ملائی جیسی نرم ونازک دلہن کو تو آدمی سامنے بٹھا کر تکا کرے' ایک لمحے کو بھی چھوڑ کر کہیں نہ جائے مگر اسے چھوڑ کر وہ دل پر جبراً تالے لگائے جیسے تیسے رات دن بتا رہا تھا۔ شہر آتے ہوئے اسے اپنا عام سا موبائل فون دے آیا تھا' کہا تھا کہ نیا فون اور نئی سم لے کر فون کروں گا مگر دو مرتبہ سے زیادہ فون بھی نہیں کرسکا تھا اس نے خود کبھی کیا نہیں۔ وہ بھی دفتری مصروفیات اور تھکن کے باعث روز ہی بھول جاتا۔

آج بھی دفتر میں غیر معمولی مصروفیت تھی نوکری سفارش سے ضرور حاصل کی تھی لیکن نوکری کے معاملے میں فرض شناس ڈیوٹی فل انسان تھا' یہ دیکھ کر دوسرے ساتھی اس کا مذاق اڑاتے مگر اس نے کبھی پروا نہیں کی۔ ڈیوٹی کے دوران سر اٹھا کر نہ دیکھتا مگر آج کچھ غیر معمولی رویہ تھا اس کے کانوں میں وہی باریک سی آواز بار بار گونج رہی تھی۔

"کیا بات ہے؟" برابر والی کرسی پر بیٹھے کولیگ نے کہنی ماری۔

"آں ہاں...... کچھ نہیں۔" وہ چونکا۔

"بھابی کی یاد آرہی ہے؟"

"ہنہہ...... ہاں ہاں شاید۔" وہ بے ساختہ جھوٹ بول گیا۔

"تو کل چھٹی لے آؤ۔" مشورہ مناسب تھا مگر اس نے قبول نہیں کیا۔

"دیکھوں گا۔"

آج ٹھیک چار بجے وہ گیٹ پر تھا' ہارن دینے کی ضرورت ہی نہیں پڑی گیٹ ماسی رشیدہ نے کھول دیا۔ ماسی رشیدہ کو دیکھ کر یہ تو اندازہ ہوگیا کہ وہ گھر میں موجود ہے مگر اگلا سوال یہ تھا کہ صبح کون تھا؟ اور کس کی آواز تھی؟

"چائے گاڑھی یا پتلی؟" ماسی رشیدہ نے اسے کچھ ذہنی مصروف دیکھا تو اپنا مخصوص جملہ ادا کیا۔

"بہت باریک۔" وہ بے دھیانی میں بڑبڑا کر سیڑھی چڑھنے کو تھا کہ ماسی رشیدہ نے ہنس کر اس کی بات کا مذاق اڑایا۔

"باریک چائے کیسی ہوتی ہے؟"

"باریک چائے...... کیا مطلب؟" وہ دوسری ہی سیڑھی پر جم گیا۔

"آپ بتائیں۔"

"میں...... میں کیسے بتا سکتا ہوں؟" وہ اصل موضوع تو بالکل بھول چکا تھا' اس لیے کچھ بے زاری سے کہہ کر تیسری' چوتھی سیڑھی چڑھ گیا مگر ایک دم ہی جیسے بریک لگ گئی۔

"میری کمر کی بات کی ہوگی یا...... ہی ہی ہی۔" ہنسی کا جلترنگ سا بجا اور اس کے پلٹ کر دیکھنے تک وہ دونوں جالی والے دروازے کے پیچھے گم ہوگئیں۔

"ہنہہ...... احمق' کمر باریک کب ہوتی ہے؟" وہ تمسخر اڑا کر اوپر پہنچ گیا' کپڑے چینج کیے ہی تھے کہ گرما گرم بھاپ اڑاتا چائے کا مگ آ گیا۔

"تمہاری بی بی کی کمر باریک ہے یا پتلی۔" اس نے مگ سے چائے کی چسکی لیتے ہوئے پوچھا۔ ماسی رشیدہ چونکی اور نہ گڑبڑائی بڑے اطمینان سے بولی۔

"بی بی کی باریک رسیلی آواز میں سنیں تو باریک ہی سنائی اور دکھائی دیتی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"جو آواز سن کر محسوس ہو وہی سچ ہوتا ہے۔" ماسی رشیدہ نے ہوشیاری کا مظاہرہ کیا۔

"خیر......" وہ ٹال گیا۔

"کھانا......"

"نہیں، مجھے باہر کھانا ہے۔" اس نے خوامخواہ ہی بہانہ بنالیا۔

"دراصل میں صبح پوچھ نہیں سکی تھی۔"

"وہ پوچھا تو تھا کسی نے۔"

"چلیں آرام کریں۔" ماسی رشیدہ نے کہا اور دھیرے دھیرے سیڑھیاں اتر گئیں۔

وہ بستر پر دراز ہوگیا، میز پر سے اپنا موبائل فون اٹھایا، بے دھیانی میں چھیمو کو فون کرلیا۔ چھیمو شاید فون کان سے لگائے بیٹھی تھی۔

"تم مجھے بھول گئے ہو۔" روتا بسورتا سا لہجہ اسے ناگوار سا لگا حالانکہ بڑا فطری سا لب ولہجہ تھا شکوہ بھی حقیقی تھا۔

"غلطی کرلی ہے، تمہاری بے سری آواز سن لی بس۔" اس نے یہ کہا اور فون بند کردیا پھر چھیمو بار بار فون ملاتی رہی اور وہ کاٹتا رہا۔ اسی کشمکش میں وہ بڑی گہری نیند سوگیا، آنکھ جب کھلی تو بہت شدید بھوک لگ رہی تھی۔ رات کے پونے گیارہ ہورہے تھے وہ کچھ کھانے کے لیے موٹر بائیک کی چابی اٹھا کر سیڑھاں اتر کر پورچ میں پہنچا تو بڑی سی سیاہ ہنڈا سٹی دیکھ کر وہ ٹھٹکا، سوچ بچار میں گھرا اپنی موٹر بائیک تک پہنچا تو پھر پلٹ کر گاڑی کی طرف دیکھا اس سے پہلے اس نے کبھی کوئی گاڑی نہیں دیکھی تھی۔ بہرکیف......اس پر حیرت کی جاسکتی تھی، تشویش نہیں۔ مجھے کیا کوئی آئے اور کوئی جائے اس سوچ نے سب بھلادیا اور وہ سڑک کے اس پار فرائی مچھلی کھانے میں محو ہوگیا۔

مگر واپسی پر گاڑی موجود پا کر ایک بار پھر اس نے کچھ سوچا اور سیڑھیاں چڑھ گیا ویسے بھی کوئی آواز نہیں تھی شاید اندر کوئی تھا ہی نہیں مگر یہ بھی سچ کہ گاڑی کھڑی ہو اور گھر والے غائب ہوں اس نے ذہن جھٹکا اور وہ بستر پر دراز ہوگیا۔

❁ ❁ ❁

آج اس کی آنکھ دیر سے کھلی تھی، دفتر میں آڈیٹ ٹیم آئی ہوئی تھی جلدی پہنچنا تھا مگر خلاف معمول دیر ہوگئی تھی جسے وا جبی سا نہانا کہتے ہیں اس نے وہی نہایا، شرٹ کے بٹن بند کررہا تھا کہ دروازہ ہلکی سی دستک سے کھلا، ماسی رشیدہ ٹرے اٹھائے اندر آ گئیں، اسے تعجب ہوا۔

"میں تو ناشتا نہیں کرتا پھر آج یہ......"

"دراصل ڈھیر سارا سامان بچ گیا، آدمی ایک اور اہتمام سو کا ہو تو ایسا ہی ہوتا ہے۔" ماسی رشیدہ ٹرے میز پر رکھتے ہوئے خود بھی ذرا دیر کو کرسی پر ٹک گئیں۔

"کیا مطلب؟" اسے ناگوار لگا۔

"کچھ نہیں، تم ناشتا کرکے ہی جاؤ۔"

"کیوں میں جھوٹا بچا کھچا ناشتا کیوں کروں؟" وہ منہ پھٹ تھا سو کہہ گیا۔

"اچھا آہستہ بولو، ابھی مہمان گئے نہیں۔" ماسی رشیدہ کچھ فکرمندی سے بولیں۔

"معاف کرنا کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ مہمان کون ہیں؟" نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے پوچھ ہی لیا۔

"مہمان تو مہمان ہی ہوتا ہے۔"

"چلیں خیر، میں چلتا ہوں دیر ہورہی ہے۔" وہ جوتے کے تسمے باندھ کر چابی اور اپنا بٹوہ اٹھاتے ہوئے بولا۔

"مطلب......یہ ناشتا؟"

"اپنے مہمان کی گاڑی میں رکھوا دیں۔" وہ یہ کہہ کر سیڑھیاں اتر گیا۔

"ارے سنو تو......" پیچھے پیچھے ماسی رشیدہ آوازیں لگاتی آئیں تو اپنے قدموں پر رک گئیں۔ گیٹ سے گاڑی جاچکی تھی اور وہ متحیر سا اپنی موٹر سائیکل میں الٹی سیدھی چابی گھمانے کی کوشش کررہا تھا، ماسی رشیدہ نے آگے بڑھ کر مین گیٹ بند کیا اور پوچھا۔

"ملاقات ہوئی کیا؟"

"کالے شیشوں سے ملاقات ہوئی ہے۔" وہ بولا۔

"کھانا کھا کر آئیں گے یا......"

"کھا کر آؤں گا۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔" ماسی رشیدہ نے نہیں جالی دار دروازے کے پیچھے سے بڑی بھاری اور افسردہ سی آواز آئی جس میں کچھ نمی سی تھی۔

"ہممم ہاں..... اچھا۔" وہ کھلا کر موٹر سائیکل نکال لے گیا۔ اس واقعے کے بعد تقریباً دو ہفتے گزر گئے، وہ دو دن کے لیے جلال پور پیر والا گیا وہاں چھیمو کی شدید محبت میں دو دن گزرنے کا پتا بھی نہیں چلا۔ واپسی پر سارا وقت وہ ماسی رشیدہ اور اس کی بی بی کے بارے میں سوچتا رہا جانے کیا حالات ہوں مگر گیٹ کھلتے ہی حالات اس پر عیاں ہو گئے۔ دو گاڑیاں پورچ میں تھیں گیٹ کھلا بند ہوا مگر آج ماسی رشیدہ باہر نہیں آئیں، وہ گاڑیوں پر نگاہ ڈالتا ہوا اپنے چھوٹے سے بیگ کے ہمراہ اوپر آ گیا۔

تھکا ہوا تھا، جونہی لیٹا تو آنکھیں خود بخود بند ہوتی چلی گئیں، سفر بھی تو خاصا طویل تھا۔ عصر کی اذان ہو رہی تھی تب اس کی آنکھ کھلی، بھوک کا احساس جاگا تو بیگ کھولا دیسی گھی کے پراٹھے میں دیسی انڈے کا آملیٹ چھیمو نے رکھا تھا، جلدی سے ہاتھ دھوئے پرانے اخبار میں لپٹا پراٹھا نکالا ہی تھا کہ ماسی رشیدہ دبے قدموں آ گئیں۔

"ارے کب سے آئے ہو، بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا۔"

"وہ بس آ کر سو گیا تھا۔" اس نے کچھ شرمندگی سے کہا۔

"بھلا ہو تمہارے غسل خانے میں رکھی لوہے کی بالٹی کا جسے ذرا سا سرکاؤ تو نیچے میرے کمرے میں آواز آتی ہے۔"

"اوہ اچھا، اس لیے یہ باوا آدم کے زمانے کی بالٹی رکھی گئی ہے۔" اس نے ازراہ تفنن کہا۔

"دو دن تم نہیں تھے تو اداسی ہو گئی تھی۔"

"اچھا، حالانکہ مہمان داری تو ہو گی۔"

"ہممم..... شاید۔" وہ ٹال گئیں۔

"ویسے ماسی مہمان تو اب آنے جانے لگے ہیں۔"

"نہیں، اب مہمان داری میں پائیداری نہیں رہی۔" ماسی رشیدہ کے منہ سے نکلا۔

"کیا مطلب؟"

"چھوڑو میاں پھر سہی۔" ماسی رشیدہ کی آواز بھی کچھ اجنبی سی لگی، پہلی بار بہت ٹوٹ پھوٹ سی سنائی دی۔

"چلتی ہوں۔" وہ کہہ کر اٹھیں اور بہت دھیرے دھیرے جما جما کے قدم اٹھائے۔ جانے کیوں اسے لگا کہ ماسی رشیدہ میں کوئی انقلاب گزر رہا ہے۔ دو دن میں اچھی خاصی ڈھے سی گئی تھیں، وہ جا چکی تھیں مگر اس کے پراٹھے کی چکنائی سے لتھڑے ہاتھ خالی اخبار پر جیسے جم گئے تھے۔

"وقار احمد...... یہ وہ ماسی رشیدہ تو نہیں تھی۔" اس نے خود سے کہا، بات سچ ہی تھی کہ چائے کا بھی نہیں پوچھا۔ یہ خیال تو اسے بہت ہی بے کل کر گیا تھا، بیٹھے سکون نہ آیا تو اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا اور پھر بھی مضطرب ہونے کے احساس نے چٹکیاں کاٹیں تو ایک دم ہی موٹر سائیکل کی چابی اٹھا کر نیچے آ گیا۔ پورچ بالکل خالی تھا، وہ چند ساعت رکا مگر ماسی رشیدہ باہر نہیں آئیں۔ بائیک اسٹارٹ کی جان بوجھ کر سلف لگائی مگر کوئی ہل جل نہیں ہوئی۔

کافی دیر بعد کہیں نا ہیں چھیمو نے پہنچنے کے بعد اطلاع نہ دینے کا شکوہ کیا، اس نے ہوں ہاں کہہ کر جواب دے دیا پھر واپس آ گیا کچھ دیر بستر پر کروٹیں لیں اور سو گیا۔

مگر اگلی صبح بالکل ایک نئی سی صبح تھی، وہ تیار ہوا، دانستہ اپنے قدموں سے فرش پر دھمک پیدا کی کہ شاید نیچے سے کوئی آواز آئے مگر ہو کا سا عالم تھا۔ آخر نیچے اتر آیا جالی والے دروازے پر چند ساعت رک کر کھنکھارا مگر کوئی آواز نہیں تھی اس نے کئی بار ہاتھ اٹھا کر دروازہ کھٹکھٹانا چاہا مگر پھر مناسب نہیں سمجھا۔ لاتعلق سا بن کر اپنی بائیک کی طرف بڑھ گیا، گیٹ کھلا بند ہوا وہ ایک منٹ گیٹ کے باہر بھی رکا پھر مایوس ہو کر چلا گیا۔

سارے راستے وہ متعجب اور متفکر سا تھا، اپنی ورکنگ چیئر پر بیٹھا تو بھی کھویا کھویا اور گم سم سا، ہم منصب ارشد نے جائزہ لینے کے بعد دھیرے سے پوچھا۔

"کیا بات ہے؟" مگر وہ چونکا نہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"میاں وقار صاحب۔" ارشد نے "صاحب" کو طول دیا تو وہ چونکا۔

"یار..... کیا کرتے ہو؟" وہ اردگرد بیٹھے لوگوں کی وجہ سے شرمندہ سا ہوا۔

"مسئلہ کیا ہے کیوں پریشان ہو۔"

"یار..... مسئلہ تو ہے بھی اور نہیں بھی' وہ سارا ماحول ہی بدل سا گیا ہے۔" اس نے ہچکچاہٹ کے ساتھ کہا۔

"جناب نے اس پردہ نشیں کا دیدار تو نہیں کرلیا۔" ارشد نے سرگوشی کی۔

"لاحول ولا..... دیدار کو چھوڑ آواز بھی گئی۔" اسے سچ بولنا پڑا شاید وہ اس کی آواز کا عادی ہوگیا تھا۔

"مطلب.....؟"

"مطلب' وحشت بھرا صحرا ہے۔ میری اپنی آواز لوٹ کر مجھ سے لپٹ جاتی ہے۔" اس نے بہت دھیرے سے کہا۔

"یار..... یہ بڑا شہر ہے' بڑی بڑی کوٹھیوں میں سے شور شرابہ نہیں آتا۔" ارشد نے بڑا ہی غیر منطقی جواز پیش کیا' وقار نے گھور کے دیکھا۔

"جانتا ہوں میں یہ سب' غار کے زمانے سے تعلق نہیں ہے میرا۔"

"اچھا تو مسئلہ کیا ہے؟"

"کچھ تو ہے' ماسی رشیدہ ہی بدل گئی ہے۔" اس نے کہا۔

"تو بدل جانے دو' تمہیں کیا لینا دینا؟"

"کہیں وہ بیمار تو نہیں..... یا پھر؟" سامنے اپنے چیمبر سے باس کو باہر نکلتا دیکھ کر وہ خاموش ہوگیا اور کمپیوٹر کی طرف متوجہ ہوگیا۔

دن تو گزر گیا' اضطراب اور تجسس تو گیٹ پر پہنچ کر پیدا ہوا۔ خود گیٹ کھولا اور موٹر بائیک کھڑی کی' پورچ ویران تھا ماسی رشیدہ ایک دم دروازہ کھول کر باہر آگئیں۔

"میاں..... ایک پچاس روپے ہوں گے کیا؟"

"جہ..... جی..... ہیں۔" اس غیر متوقع سوال پر وہ ہکلایا اور جلدی سے پینٹ کی جیب سے بٹوہ نکال کے پچاس کی جگہ سو کا سرخ نوٹ نکال کر دینا چاہا تو ماسی رشیدہ نے فوراً بھرائی آواز میں کہا اور اپنے خالی ہاتھ دوپٹے کے اندر چھپالیے۔

"حساب کتاب میں' لین دین میں رشیدہ نے کبھی انیس بیس کا فرق بھی نہیں رکھا۔ پچاس کا مطلب پچاس وہ بھی کرائے میں سے کاٹ لینا۔"

"کیسا حساب کتاب؟" وہ ہولے سے ہنسا اور پھر پچاس کا نوٹ ہی نکال کے تھما دیا۔

"چائے پیو گے۔"

"جی۔" وہ یہ کہہ کر سیڑھیاں چڑھ گیا۔

ٹھیک بیس منٹ بعد ماسی رشیدہ نے چھوٹی سی ٹرے میں دو پیپر گلاس چائے سے بھرے اس کے سامنے رکھے تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"پیو یہ چائے۔"

"ہنہہ' جی شکریہ۔" وہ کچھ نہ بولا ہاتھ بڑھا کر ایک کاغذی گلاس اٹھالیا۔ ماسی رشیدہ کسی گہری سوچ میں چائے کی کبھی برق رفتار چسکی بھرتیں اور کبھی چسکی لینے کا گویا طریقہ بھول جاتی' یہ پہلا موقع تھا وہ حیران تھا مگر چپ تھا۔

"تم مرد کتنے گھنے ہوتے ہو' اندر سوال ہی سوال ہوتے ہیں مگر پوچھنے کی ضد نہیں دکھاتے۔" وہ ایک دم ہی تلخ ہوگئی' بچی کچھی چائے کے ساتھ گلاس فرش پر پھینک دیا جو ہوا سے گول گول گھومنے لگا بالکل اس کے ذہن کی مانند۔

"ماسی..... خیر تو ہے۔"

"تمہیں کیا لگتا ہے؟" اس کی آنکھیں بھرآئیں۔

"کچھ پریشانی سی۔"

"میں چلتی ہوں۔" وہ ایک دم ہی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"مگر یہ چائے....." اس نے خالی گلاس کی طرف اشارہ کیا۔

"کل اور اچھی بنوالاؤں گی۔" وہ یہ کہہ کر چلی گئیں مگر اس کا ذہن بھٹک گیا اور بھٹکتے ذہن نے اسے مجبور کیا تو وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آگیا مگر پہلا موقع تھا کہ جالی والے دروازے سے آوازیں آرہی تھیں۔ کچھ آہیں' کچھ آنسو اور بہت سی باتیں' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی دروازے کے ایک طرف رک گیا۔

"تجھے نیلام میں نے نہیں کیا' میں نے بہت کوشش کی کہ تجھے بچا سکوں' چھپا سکوں مگر تقدیر کو کس پتھر پر

چھوڑوں۔“ یہ ماسی رشیدہ کی آواز تھی۔

”خوب بچایا‘ بہتر تو یہ تھا کہ تُو مجھے اسی منڈی میں چھوڑ آتی۔“ دوسری آواز وہی سریلی اور باریک سی تھی۔

”تُو ملک ناصر الماس کی نشانی تھی میں نے ناصر الماس سے سچی محبت کی تھی پھر کیسے حسینہ بائی کے حوالے کر آتی؟“

”واہ...... سچی محبت وہ بھی تماش بین سے اور پھر اگلے تماش بین کے سامنے رکھ دیا جسے میرا باپ کہتی رہی‘ سبق کی طرح رٹاتی رہی وہ میری قیمت تجھے دے گیا۔“

”حرام ہے مجھ پر سیٹھ بدرالدین کا ایک پیسہ بھی‘ یہ سب قبول کرتی تو طلاق کا جھومر ماتھے پر سجاتی؟“ ماسی رشیدہ کی کرب میں لپٹی آواز اپنا مذاق اڑا رہی تھی۔

”اماں...... تجھے تو آزادی مل گئی‘ سیٹھ بدرالدین نے تجھے آزاد کردیا اور مجھے ہاہاہا بڑا کمال کیا تُو نے۔“ وہ ہنستی چلی گئی۔

”ہاں...... پینسٹھ برس کی عمر میں آزادی‘ کہاں سے اسیری کا سفر شروع ہوا؟ پچاس برس رنگ و بو میں گزر گئے صرف ایک ہی طوطا پالا تھا ناصر الماس کی محبت کا اس نے بھی تجھے پہچاننے سے پہلے چھوڑا اور جانے کہاں گیا؟“ ماسی رشیدہ کی آواز آنسوؤں سے تر تھی۔

”تُو نے بہت خسارے کا سودا کیا اماں...... وہ ناصر الماس راہزن تھا تو سیٹھ بدرالدین ڈاکو۔ میرا باپ تو کوئی نہیں تھا‘ وہ تیرا شوہر بن کر آتا تھا اور لفظ باپ سے نفرت تو مجھے کراتا تھا‘ تُو اس کے آنے پر نیند کی گولی کیوں کھا کے سوتی‘ اگر تجھے میری پروا ہوتی۔ تُو شوہر کے نام پر عزت دار زندگی بسر کر رہی تھی‘ تیرے لیے مرد کا نام ضرورت تھا‘ میں نہیں۔“ وہ زارو قطار رونے لگی۔

”ریشم...... میں نے عزت کی زندگی تیرے لیے ہی قبول کی تھی‘ ناصر کی اولاد سمجھ کر بدرالدین کو قبول کیا تھا۔ حسینہ بائی کے شر سے تجھے نکالا تھا‘ تیرا یہ روپ یہ حسن اگر حسینہ بائی کے کوٹھے پر پروان چڑھتا تو وہ تجھے ہر پل مارتی‘ تیرے روپ کا سونا ہی تو شاید سیٹھ بدرالدین کو نظر آ گیا تھا۔“

”مار تو تُو نے بھی ہے میرے روپ کا سودا کر کے تُو نے خود منتخب کیا تھا اب مجھے زہر دے دے کہ میں مر جاؤں یہ احسان کرتی‘ پٹی باندھ کر تُو کیسے جا سکتی ہے؟“

”یہ گھر یہاں کی ہر چیز مجھ پر حرام ہے میں نے جاؤں نہ تو کیا کروں بھلا‘ تُو نے دیکھا نہیں کہ کل سے میں نے منہ نہیں کھولا‘ اس وقار سے چائے کے پیسے لیے تو سر دردکا جرم ہو گیا تھا۔“

”واہ...... واہ...... رشتوں کو حرام کرنے والی رشیدہ بائی حلال چائے پینے والی بن گئی۔ مجھے بھی اس وقار سے حلال کرا دیتی‘ وہ مجھے بھی حلال چائے پلا دیتا مگر ساری زندگی تجھے تو اپنی فکر رہی۔“

”وہ...... وہ کیسے؟ وہ تو ہمیں بہت باعزت سمجھتا ہے‘ تجھے مالکن اور مجھے ماسی رشیدہ سمجھتا ہے۔ وہ نہ ناصر الماس ہے اور نہ سیٹھ بدرالدین‘ اس لیے تُو نے اسے کبھی ملوایا نہیں۔“ ماسی رشیدہ نے کہا تو باہر کھڑے وقار کے وجود میں ارتعاش سا پیدا ہوا اور جیسے سب کچھ جان لینے کے بعد اس کا دل متلایا اور برداشت کرنے کی آخری کوشش کے باوجود ایک لمبی قے اس کے منہ سے نکلی اور ابکائی کی آواز نے راز فاش کردیا۔ دروازہ کھلا اور ماسی رشیدہ اور ریشم باہر آ گئیں‘ وہ دہرا ہوا ابکائیاں لے رہا تھا‘ آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا‘ چہرہ سرخ انگارہ ہو گیا تھا‘ غصہ پیشانی پر چمک رہا تھا۔

”اچھا ہوا وقار میاں...... معدہ صاف ہو گیا‘ ہمارا منہ کے رستے نکل گیا۔ اتنی زیادہ گندگی تم ہضم نہیں کر سکتے تھے۔“ ماسی رشیدہ نے وقار کی پیٹھ تھپتھپائی‘ اس کی نظریں قے زدہ فرش پر جمی تھیں‘ حسین ریشم کو دیکھنے کی ہمت ہی نہیں ہوئی۔ دیکھنے کی تمنا قے میں بدل گئی‘ قدم سیڑھیوں کی طرف بڑھائے وہ آخری سیڑھی پر تھا تب آواز آئی باریک سی آواز۔

”مجھے ضرورت ہے۔“ وہ ٹھٹکا مگر پلٹا نہیں‘ ٹھہرا نہیں۔

پہلی بار ماسی رشیدہ کو راسخ یقین ہوا کہ حلال مرد کے منہ سے حرام اندر نہیں جا سکتا۔

❁

ذرا مسکرا میرے گمشدہ

فاخرہ گل

منسوب تھے جو لوگ میری زندگی کے ساتھ
اکثر وہی ملے ہیں بڑی بے رخی کے ساتھ
یوں تو میں ہنس پڑا ہوں تمہارے لیے مگر
کتنے ستارے ٹوٹ پڑے ایک ہنسی کے ساتھ

گزشتہ قسط کا خلاصہ

اربش کی بات سننے کے بعد حنین کی غلط فہمی دور ہو جاتی ہے اور وہ اپنے رویے کی بدصورتی پر اجیہ سے معافی مانگتی ہے ایسے میں اجیہ بھی کھلے دل سے اسے معاف کر کے اپنے مسائل اس کے سامنے رکھتی ہے اور یہ اعتراف بھی کرلیتی ہے کہ وہ اور اربش ایک دوسرے کے ساتھ اپنی زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ اجیہ اربش کے گھر میں شرمین کو دیکھ کر چونک جاتی ہے اس کے لیے یہ بات بھی باعث حیرت ہوتی ہے کہ وہ اربش کی ممی کے قائم کردہ اسکول میں ہی جاب کررہی تھی۔ شرمین اپنے رویے سے اس پر یہ ثابت کرتی ہے کہ اس کے اربش کے گھرانے سے گہرے تعلقات قائم ہیں جس پر اجیہ الجھ کر رہ جاتی ہے لیکن اسے اربش کی محبت پر پورا یقین ہوتا ہے۔ غزنی اجیہ کو لینے اسکول پہنچتا ہے اور اسے وہاں نہ پاکر اربش کے گھر پہنچ جاتا ہے جبکہ اجیہ کو مجبوری کے عالم میں اس کے ساتھ واپس آنا پڑتا ہے راستے میں غزنی اپنی شکی طبیعت کے زیر اثر اس سے باز پرس کرتا ہے جس پر اجیہ غزنی کے رشتے سے صاف انکاری ہو جاتی ہے کہ وہ اسے پسند نہیں کرتی اس لیے وہ یہ رشتہ از خود ختم کردے لیکن غزنی اس کے انکار کو اپنی انا کا مسئلہ بنالیتا ہے اور اپنے رویے کی بدصورتی پر معذرت کرتے جلد شادی کا خواہش مند ہوتا ہے۔ اجیہ اس بات پر گھبرا جاتی ہے اور سکندر صاحب کے سامنے اس رشتے سے صاف انکار کردیتی ہے۔ سکندر صاحب اجیہ کے اس انکار پر شدید مشتعل ہو جاتے ہیں اور اپنے بھائی سے کل نکاح طے کردینے کی بات کرنے کا ارادہ کرتے ہیں دونوں طرف نکاح کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں جبکہ اجیہ اس صورت حال پر شدید کرب میں مبتلا ہو جاتی ہے ایسے میں وہ تینوں یہی فیصلہ کرتی ہیں کہ اربش کو جلد از جلد اپنے گھر بلا کر تمام معاملات اس کے سامنے رکھے جائیں تاکہ اس نکاح کو روکا جاسکے۔ ادھر اربش کی والدہ اور بوا شرمین کو بطور بہو پسند کرلیتی ہیں ایسے میں اربش کا انکار اور اجیہ کے لیے پسندیدگی انہیں بالکل پسند نہیں آتی اجیہ کی منگنی کے متعلق جان کروہ اس معاملے سے دور رہنا چاہتی ہیں جب وہ اپنی اور اجیہ کی ذات میں سے کسی ایک کو چننے کا اختیار اربش کو سونپ کر اسے امتحان میں ڈال دیتی ہیں جب اربش اجیہ کے گھر پہنچتا ہے تو وہاں گھر کے باہر تالا دیکھ کر ششدر رہ جاتا ہے۔

اب آگے پڑھیے

❁......❁......❁

ہمارے معاشرے میں کرے کوئی بھرے کوئی والا اصول اس قدر عام ہے کہ پولیس اسٹیشن میں بھی اگر اصل مجرم نہ پکڑا جاسکے تو اس کے قریبی رشتے داروں والدین یا بھائی بہن کو پکڑ کر حوالات میں ڈال دیا جاتا ہے اور اس جرم کی سزا دی جاتی ہے جو انہوں نے کبھی کیا ہی نہیں ہوتا۔ بدقسمتی سے یہی کچھ اجیہ کے ساتھ بھی ہو رہا تھا کہ سکندر صاحب اپنی من پسند جگہ پر شادی نہ ہونے کا تاوان اجیہ سے صرف اس لیے لے رہے تھے کہ اس کی مشابہت اپنی خالہ سے تھی اور اسے دیکھتے ہی انہیں اپنے کمرے کی کھڑکی کے اس پار چلتی پھرتی، سنگھار میز کے سامنے بال بناتی، باتیں کرتی یا کتابیں پڑھتی ہوئی اپنی محبت یاد آنے لگتی اور محبت بھی وہ جس نے انہیں رد کردیا تھا اور رد کیے جانے کا ذلت بھرا احساس ان کے ذہن سے ایسا چپٹا تھا کہ انہوں نے اس سے جان چھڑانا چاہی اور نہ اس نے ہی پھر جان چھوڑی۔ اجیہ، حنین اور امی تینوں ہی اس معاملے میں ایک طرف

تھیں اور سکندر صاحب دوسری طرف اکیلے اپنی انا اور خود غرضی کا شامیانہ لیے کھڑے تھے۔ انہیں اپنی ناک کے نیچے کچھ اور نظر ہی نہ آتا تھا ان کے لیے ان کی ذات ہی سب کچھ تھی، اول بھی اور آخر بھی۔ وہ ان خود غرض لوگوں میں سے تھے کہ جن کی ذات کا محور صرف اور صرف ان کی اپنی انا ہوتی ہے جس کی پرستش کرتے اور پوجتے ہوئے وہ صرف اپنے آپ کو ہی ہر معاملے میں درست مانتے ہیں یہی حال سکندر صاحب کا بھی تھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ لوگ ان کو سمجھتے ہی نہیں ہیں اور گھر کے افراد اس قدر نیک نیت ہیں ہی نہیں کہ وہ ان کے خلوص کو سمجھیں حالانکہ معاملہ تو یہ تھا کہ انہوں نے کبھی اپنے گھر کے افراد کو اہمیت دی ہی نہیں تھی۔ اس کے برعکس گھر کی دہلیز سے باہر کے تمام لوگوں کے لیے وہ ایک بہترین انسان ہی تھے جو دوسروں کی مالی مدد بھی کرتے اور اخلاقی تعاون بھی، البتہ اگر اندھیرا تھا تو وہ صرف ان کے اپنے گھر کے چراغ تلے۔

رشتے اور دھاگے میں جہاں اور بہت سی باتیں مشترک ہیں وہاں سب سے بڑھ کر یہ بھی ہے کہ تناؤ اور سختی سے دونوں ہی ٹوٹ جاتے ہیں، دونوں بہت زیادہ بوجھ برداشت نہیں کر پاتے اور دونوں کے برتنے میں نرمی، دھیان اور توجہ نہ ہو تو ایک لمحے میں ٹوٹ جاتے ہیں۔ سکندر صاحب نے اپنی تمام عمر خود ترسی میں گزار دی، ہمیشہ اپنے اندر کے انتقام کو نفرت کی آبیاری کرتے ہوئے زندہ رکھا اور یہی وجہ تھی کہ ہمیشہ بے چینی اور بے سکونی ہی ان کا مقدر بنی رہی۔ اور آج صبح جب وہ دکان کے لیے سبزی و فروٹ خریدنے کی غرض سے منڈی کے لیے نکلنے لگے تو دیکھا کہ اجیہ، امی اور حنین تینوں جاگ رہی تھیں بلکہ انہیں کیا خبر کہ وہ تینوں تو اپنے گھر میں اترنے والے صبح کے سورج سے اس قدر خوف زدہ تھیں کہ رات بھر پلکیں بھی نہ جھپک سکیں تھیں۔

"آج کوئی ضرورت نہیں ہے اسکول جانے کی۔" انہوں نے اجیہ کو براہ راست مخاطب کیا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو یقیناً اجیہ خوش ہوتی اور سوچتی کہ شاید برف پگھل گئی ہے لیکن اس وقت ان کے کہے گئے جملے نے اس کا خون سرد کر دیا تھا۔

"آج شام کو غزنی اور اس کے گھر والے آئیں گے حنین بیٹا! اسے تیار کر دینا۔" آدھی بات اجیہ اور پھر حنین سے کر کے وہ امی کی طرف متوجہ ہوئے۔

"کھانے کا آرڈر میں آتے ہوئے کر آؤں گا ہماری طرف سے تو کوئی بھی مدعو نہیں ہے بعد میں کہہ دیں گے کہ طبیعت خرابی کی وجہ سے جلدی میں شادی کی، اس لیے کسی کو بلا نہیں سکے البتہ زیادہ تر تو ظاہر ہے کہ مشترکہ رشتے دار ہی ہیں جنہیں بھائی صاحب نے بلا رکھا ہے۔" وہ امی کے سامنے کھڑے یوں بات کر رہے تھے جیسے رات کو کوئی بات ہوئی ہی نہیں ہے اور یہ شادی بہت خوشی سے سرانجام پانے جارہی ہے۔ حنین اور اجیہ نے بے چارگی سے امی کے چہرے پر پھیلی بے بسی کو دیکھا۔ ایک تو گھر کے ماحول میں بسی کشیدگی اور تناؤ پھر رات بھر جاگنے کا اثر ان کا چہرہ ستا ہوا تھا اجیہ کو سکندر صاحب پر سخت غصہ آیا اس کا دل چاہا کہ وہ جادو کی کوئی چھڑی گھمائے اور امی کو اپنے گھر کا سکون نصیب ہو جائے لیکن دل تو بہت کچھ چاہتا ہے، اب ہر خواہش پوری تو نہیں ہو سکتی۔

خواہشوں کا بھی کوئی معیار ہوا کرتا ہے
کیسی خواہش ہے کہ مٹھی میں سمندر ہوتا

"اور باقی تفصیل میں ابھی رستے میں فون کر کے پوچھ لوں گا بھائی صاحب سے تاکہ اس حساب سے سارا کام انجام پا جائے۔"

"آپ نے ساری عمر جو چاہا کیا، جیسے چاہا ہمیں رکھا، ہم نے اف تک نہیں کی لیکن عمر بھر کی خاموشی اور برداشت کے بدلے میں آپ سے اجیہ کی خوشیوں کی بھیک مانگتی ہوں، خدارا اس کی تمام عمر کو اپنی ضد کی بھینٹ نہ چڑھائیں، بدل دیں اپنا فیصلہ۔" آخرکار سکندر صاحب کے باہر نکلنے سے پہلے ہی امی نے التجائیہ انداز میں بات کی تو وہ پلٹے اور یوں خونخوار نظروں سے انہیں دیکھا کہ لگتا تھا ابھی انہیں اٹھا کر زمین پر پٹخ دیں گے جبکہ امی جنگی قیدیوں کی طرح مجبور اور بدحال سی محسوس ہو رہی تھیں۔

"سارا قصور ہی تمہارا ہے، تم نے ہی اس کے ذہن میں یہ بات ڈال رکھی ہے کہ بھائی صاحب کا گھرانہ اچھا نہیں ہے، اس کے معیار کے لوگ نہیں ہیں وہ۔ اول روز سے ہی یہ ساری آگ تمہاری بھڑکائی ہوئی ہے اور اب خود کو مظلوم ثابت کرنا چاہتی ہو؟ یہ دکھانا چاہتی ہو انہیں کہ صرف اور صرف تم ہی ان کی خیر خواہ ہو اور میں دشمن...... لیکن تم کچھ بھی کہہ لو مگر میں اپنی زبان سے نہیں پھر سکتا۔ اس کی شادی ہوگی تو غزنی سے ورنہ...... ورنہ میں اس کا گلا دبا دوں گا۔" وہ انتہائی حد کو چھو گئے تھے اور ان کے اس اعلان نے حنین اور امی کو دہلا کر رکھ دیا لیکن

کبھی ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ ٹپہ کھاتی گیند کو جتنی قوت سے زمین پر ماریں وہ اتنی نہیں بلکہ اس سے دگنی قوت کے ساتھ ایک مرتبہ پھر اوپر کو آتی ہے اور یہی حال اس وقت اجیہ کا تھا اور یوں بھی بڑوں کے سامنے بات کرتے ہوئے ایک مرتبہ لحاظ اور خوف کا پردہ اتر جائے تو پھر نہ کوئی جھجک درمیان میں رہتی ہے اور نہ ہی اخلاق۔ اسی لیے یہ ذمہ داری بڑوں پر زیادہ عائد ہوتی ہے کہ وہ کبھی بھی معاملات کو اس نہج تک نہ لائے کہ پھر بچوں کے سامنے ان کی عزت اور لحاظ باقی نہ رہے اور سکندر صاحب یہ حد عبور کر چکے تھے۔

''آپ کو میرا گلہ دبانے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی بابا کیونکہ غزنی سے شادی کی صورت میں میں خود اپنی زندگی کا خاتمہ کرلوں گی۔'' امی نے تڑپ کر اسے دیکھا' آنسو ان کی پلکوں میں سے چمک رہے تھے اور گردن مسلسل نفی میں ہل رہی تھی۔

''اور ویسے بھی آج تک آپ نے ہمارے کون سے حقوق پورے کیے ہیں یا اس گھر میں ہمارے ساتھ خوشیوں بھرا وقت گزارا ہے جس کے دور ہونے کی مجھے تکلیف ہو' اس زندگی سے موت ہی اچھی ہے جو آپ نے ہمیں دی۔''

''بکواس بند کرو ورنہ میں تمہارا حشر بگاڑ دوں گا۔'' وہ چلائے۔

صبح کا وقت تھا اور سکوت کے اس عالم میں ان کی آواز گھر کے صحن سے ہوتی گلی یا گلی میں موجود دوسروں گھروں تک نہ پہنچے حنین نے اسی خوف میں لپک کر کمرے کا دروازہ اور کھڑکیاں بند کیں اور ان کے آگے اپنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

''بابا جانی اللہ کے لیے آہستہ بولیں' لوگ سن لیں گے اور..... اور بابا جانی اگر اجیہ یہاں شادی نہیں کرنا چاہتی تو اللہ کا واسطہ ہے اسے ساری عمر کے لیے اس آزمائش میں نہ ڈالیں۔''

''تم خاموش رہو' تمہارا اس بدبخت کے معاملے میں بولنے کا کوئی مقصد نہیں' اس کی جرأت کیسے ہوئی میرے سامنے زبان چلانے کی۔'' وہ طیش میں آ کر اجیہ کی طرف بڑھے۔

''میں مر جاؤں گی لیکن وہاں شادی نہیں کروں گی جو شخص میری ماں کے آنسوؤں کی قدر نہیں کرسکتا' اس کے جھکے ہوئے سر اور بندھے ہاتھوں کی لاج نہیں رکھ سکتا تو مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ اگر وہ ساری دنیا کے سامنے اپنے الفاظ پر قائم نہ بھی رہے۔ میرے لیے اہمیت میری ماں کی ہے جو میری آنکھوں کو بھیگنے نہیں دیتی' میری خوشیوں کی دعائیں کرتی ہے اور جس کے لیے اپنی زندگی اور سکون سے کہیں بڑھ کر اس کی اولاد کی زندگی اور خوشیاں اہم ہیں۔'' اب جبکہ دونوں باپ بیٹی روبرو ہو ہی گئے تھے تو پھر اجیہ نے بھی خود کو بولنے سے نہیں روکا تھا۔

''ہاں تو اٹھو اور دفع ہو جاؤ اپنی ماں کے ساتھ' میں تو ہوں ہی دشمن تم دونوں کا۔ جلاد ہوں ناں میں تو۔'' انہوں نے آگے بڑھ کر اجیہ کو بازو سے کھینچ کر اٹھایا اور پھر دھکا دے کر امی کی طرف پٹخا۔

انہوں نے اجیہ کو بازوؤں میں بھر کر اس کا ماتھا چوما' آنسوؤں سے تر ان کا چہرہ جیسے ہی اجیہ کے ساتھ لگا اس کا ہاتھ جیسے بجلی کی ننگی تار کو جا لگا ہو' فوراً اٹھی اور امی اور حنین کو روکنے کے باوجود سکندر صاحب کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

''اس گھر میں رہ کر بھی اگر دھکے ہی کھانا میری قسمت ہے تو پھر مجھے باہر سڑکوں پر دھکے کھا لینا منظور ہے۔ کم از کم اتنا تو معلوم ہوگا کہ ان میں کوئی اپنا نہیں ہے' نہیں رہنا ہے مجھے اس گھر میں..... نہیں رہوں گی میں یہاں.....'' وہ ہذیانی کیفیت میں چلائی۔

اسے دیکھ کر ایسا لگتا تھا جیسے وہ کوئی نفسیاتی مریضہ ہو' حنین نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا اور باوجود اس کے کہ وہ خود رو رہی تھی لیکن اجیہ کے بال اپنی انگلیوں سے سہلاتے ہوئے اسے تحمل اور صبر کا کہہ رہی تھی۔ اجیہ کی آنکھیں خشک اور بنجر تھیں' چہرہ زرد تھا اور ہونٹوں پر ضبط کیے ہوئے آنسوؤں کی کپکپاہٹ طاری تھی۔ چہرے پر سکندر صاحب کی بے رخی اور اپنی کم نصیبی کا فسانہ رقم تھا۔ ایک پوری داستان تھی جو اس کے چہرے کے نقوش پر رات کی سیاہی کی طرح حاوی ہو چکی تھی' حنین نے اس کے گرد اپنے بازوؤں کی گرفت مضبوط کر کے تنہا نہ ہونے کا احساس دلایا۔

''تمہیں کوئی اس گھر میں رکھنا بھی نہیں چاہے گا' یہ آج کے آخری چند گھنٹے ہیں اس کے بعد میں تمہارے لیے مر گیا اور تم میرے لیے..... ہونہہ بے شرم اولاد۔'' وہ بکتے جھکتے باہر نکل گئے ان کے جاتے ہی حنین اجیہ کے گلے لگ کر خوب روئی۔ امی کی آنکھوں سے بھی آنسو تواتر کے ساتھ رواں تھے لیکن اس کے چہرے پر سکوت تھا' گہرا سکوت' آدھی رات میں قبرستان جیسا اور عین دوپہر میں ویرانے جنگلوں سا۔

کوئی سایا اچھے سائیں دھوپ بہت ہے
مر جاؤں گا اچھے سائیں دھوپ بہت ہے
اب کے موسم بھی رہے گا تو مر جائے گا
اک اک لمحہ اچھے سائیں دھوپ بہت ہے
کوئی ٹھکانہ بخش اسے جو گھوم رہا ہے
مارا مارا اچھے سائیں دھوپ بہت ہے
اک تو دل کے رستے بھی دشوار بہت ہیں
پھر میں پیاسا اچھے سائیں دھوپ بہت ہے
کون تھا جس سے دل کی حالت کہتا میں
کس سے کہتا اچھے سائیں دھوپ بہت ہے

اور تب اس نے دل میں اس وقت کو سراہا جب اس نے امی اور حسنین کے مشورے سے اربش اور ممی کو گھر بلایا تھا۔ لہٰذا اب اسے شدت سے انتظار تھا کہ اس وقت کا کہ جب اربش اور ممی ان کے گھر آتیں اور ان کے سامنے یہ سارا معاملہ رکھا جاتا البتہ وہ تینوں ہی اس امر سے ناواقف تھیں کہ سکندر صاحب اجیہ کی طرف سے غیر یقینی کا شکار ہو چکے تھے اور جس طرح آج زندگی میں پہلی مرتبہ وہ ان کے سامنے آن کھڑی ہوئی تھی اور ان کی باتوں کا جواب دیتے ہوئے امی کا دفاع کرنے لگی تھی تو طیش میں آ کر وہ سبزی منڈی جاتے ہوئے باہر سے گھر کو تالا لگا گئے تھے کہ اس طرح ان تینوں میں سے ایک کے باہر نکلنے کا چانس ختم ہو گیا تھا لیکن گھر کے اندر موجود وہ تینوں ہی ان کے اس فعل سے بے خبر تھیں۔

یہی وجہ تھی کہ گھر کے گیٹ کے باہر کھڑے اربش نے جب گھر کو تالا لگا دیکھا تو پہلے تو کچھ بھی سمجھ نہ آیا کہ آخر اب اسے کیا کرنا چاہیے پھر اس سے پہلے کہ سست قدموں سے واپس اپنی گاڑی کی طرف بڑھتا اجیہ کا فون نمبر ملایا۔ اس نے آدھی بیل پر ہی فون ریسیو کر لیا تھا اور اس کی آواز سنتے ہی سلام دعا کی فارملیٹیز کو ایک طرف رکھتے ہوئے بولی۔

"اربش تم کہاں ہو؟ امی اور ہم کب سے تم لوگوں کا انتظار کر رہے ہیں؟" اس کی آواز میں بے تابی اس قدر تھی کہ خود اربش کو حیرت ہوئی۔

"پہلے تو یہ بتاؤ کہ تم خود کہاں ہو مجھے گھر بلا کر خود کہاں گئے تم سب؟"

"ہم سب گھر پر ہیں اور شدت سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

"سب خیر تو ہے ناں اجیہ......! کچھ ہوا ہے کیا؟" اس کی آواز میں التجائیہ انداز دیکھ کر وہ چونکا۔

"تم گھر آؤ سب بتاتی ہوں۔"

"لیکن تمہارے گھر کے باہر تو تالا لگا ہوا ہے، میں کہاں آؤں؟ تم خود کہاں ہو؟" اربش کی بات پر وہ بری طرح چونکی۔

"گھر کے باہر تالا لگا ہوا ہے؟" امی اور حسنین کو دیکھتے ہوئے اس نے خود سے سوال کیا تو وہ دونوں بھی حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔

"لیکن ہم تینوں تو گھر پر ہی ہیں۔" اس نے شکست خوردہ لہجے میں کہا پھر کچھ سوچ کر بولی۔

"تم کہاں ہو اس وقت؟" وہ تینوں کمرے سے نکل کر اب صحن کی طرف تیز قدموں سے گئیں اور گیٹ کی جھری سے دیکھا تو اسے سامنے ہی کھڑے ہو کر فون پر باتیں کرتا پایا۔

"میں یہیں ہوں تمہارے گھر کے گیٹ کے سامنے۔" بات کرتے ہوئے اسے گیٹ کے اندر چہل پہل کا احساس ہوا تو لپک کر قریب چلا آیا۔

"لیکن یہ تالا کس نے اور کیوں لگایا ہے اجیہ......! جبکہ تم سب گھر میں موجود ہو؟" وہ حیران ہوا۔

"یہ سب باتیں میں تمہیں بعد میں بتاؤں گی، پہلے تم سوچو کہ یہ تالا کھل کیسے سکتا ہے؟" وہ وقت ضائع نہیں کرنا چاہتی تھی۔ آج کا دن اس کی زندگی کا اہم ترین دن تھا کیونکہ آج کے دن ہی کے بعد اس کی آنے والی زندگی کی سمت کا تعین ہونا تھا اور تب اچانک اربش کے ذہن میں حسن کا خیال آیا، وہ اس طرح کے کاموں کو ڈیل کرتا رہتا تھا یہی وجہ تھی کہ اس نے اجیہ کو پرسکون رہنے کا کہہ کر خود حسن کو فون کر کے صورت حال بتائی اور فوراً پہنچنے کا کہا۔

اس کے آنے تک وہ خود اجیہ کے کہنے پر اپنی گاڑی میں جا بیٹھا تھا اور گاڑی گلی سے نکال کر سڑک پر لے گیا تھا تا کہ گلی میں کوئی دیکھ کر اعتراض نہ کرے لیکن اس کو سخت الجھن ہو رہی تھی کہ آخر ہوا کیا ہے اجیہ کے ساتھ جو گھر کے باہر سے ہی تالا لگا دیا گیا تھا۔

ادھر سکندر صاحب کی گھر واپسی کا قریب آتا وقت ان تینوں کے سروں پر تلوار کی طرح لٹک رہا تھا لہٰذا آپس کے صلاح مشورے کے بعد امی نے اجیہ سے اربش کو فون ملانے کا کہا اور خود بات کرنے کا سوچا۔

"آنٹی اگر آپ کو برا محسوس نہ ہو تو کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ گھر کو تالا کس نے لگایا؟" اربش سے رہا نہ گیا تو اس نے پوچھ لیا اور اس کے جواب میں امی نے کسی بھی بات کو مخفی رکھنے کے بجائے سارے معاملات اس کے سامنے بیان کر دیئے۔ اربش کو بھی سکندر صاحب کے رویے پر سخت حیرت تھی اور شادی کے اول روز سے لے کر اب تک یہ پہلی مرتبہ ایسا ہوا تھا کہ امی نے کسی کے سامنے بھی سکندر صاحب کا رویہ آشکار کیا تھا ورنہ تو آج تک وہ ہمیشہ ہی سب کے سامنے پردہ پوشی سے کام لیتی آئی تھیں لیکن کیا کرتیں کہ اب معاملہ ان کی ذات کا نہیں تھا۔

اب معاملہ اجیہ کا تھا جس نے ہمیشہ سکندر صاحب سے الفت و محبت کی امید رکھی اور جواباً جھڑکیاں کھائیں اور انہیں لگ رہا تھا کہ اگر اس مرتبہ اور اس اہم معاملے پر انہوں نے اجیہ کا ساتھ نہ دیا تو شاید وہ زندہ نہ رہ پائے اور اگر اسے کچھ ہو گیا تو بھلا وہ کس کے سہارے زندگی گزاریں گی۔ یہی وجہ تھی کہ سکندر صاحب کے تمام معاملات اور ان کے اور اجیہ کے تعلقات کے بارے میں سب کچھ اس کے گوش گزار کر دیا۔

"آنٹی آپ ہرگز ہرگز فکر نہ کریں، میں اجیہ کو ہمیشہ خوش رکھوں گا۔" سب کچھ سن کر اس نے برجستہ کہا تو امی نے سامنے بیٹھی اجیہ کو دیکھا جس کے چہرے کا سناٹا انہیں دہلائے دے رہا تھا۔

"اللہ کرے ایسا ہی ہو بیٹا...... لیکن تمہاری ممی ساتھ نہیں آئیں؟" امی نے پوچھا تو اربش کو جھوٹ اور مصلحت کا سہارا لینا پڑا۔

"اچھا ہی ہوا آنٹی کہ وہ نہیں آئیں ورنہ ان کے آنے پر گھر پر تالا لگا ہوتا اور یہ تمام حالات ایک دم سے ان کے سامنے آتے تو شاید کچھ مناسب نہ ہوتا اور وہ دراصل آج گھر پر تھیں بھی نہیں ورنہ میرے ایک مرتبہ کہنے پر ہی چلی آتیں۔"

"وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن اب کرنا کیا ہے؟" اجیہ کے موبائل کا اسپیکر آن تھا لہٰذا ساتھ ہی حنین بھی بولی۔

"بابا جانی کے طے کردہ پروگرام کے مطابق تو آج اجیہ کی رخصتی ہے پتا نہیں وہ سبزی منڈی سے واپسی پر آج گھر آئیں گے یا ہمیشہ کی طرح دکان پر ہی چلے جائیں گے ایسے میں ہمیں کیا کرنا چاہیے۔"

"آنٹی...... چھوٹا منہ ہے اور بڑی بات کرنا چاہتا ہوں اگر آپ ناراض نہ ہوں تو......" اس نے گھڑی میں وقت دیکھا اب

تک حسن نہیں پہنچا تھا اور وہ شدت سے اس کے آنے کے انتظار میں تھا۔

''نہیں بیٹا...... تم بولو کیا بات کرنا چاہتے ہو؟'' انہیں اندازہ تو تھا کہ وہ اس وقت کیا بات کرسکتا ہے لیکن پھر بھی اسے خود اپنی بات مکمل کرنے کا موقع دیا۔

''اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو میں ابھی اور اسی وقت اجیہ سے نکاح کرسکتا ہوں اور صرف نکاح ہی نہیں میں اسے نکاح کے بعد اپنے گھر بھی لے جاؤں گا۔'' بات واقعی بڑی تھی لیکن اربش نے ہمت کرکے ان کے سامنے یہ تجویز پیش کرہی دی کیونکہ اب معاملہ ایسا ہوچکا تھا کہ جس میں تاخیر کی کوئی بھی گنجائش نہیں تھی۔ امی نے حنین کو دیکھا جو مکمل طور پر اس اقدام سے متفق نظر آرہی تھی۔ اجیہ کا جھکا ہوا سر بھی اسی بات کی طرف اشارہ تھا کہ اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔

''اور تمہاری ممی؟ ان کے بغیر اتنا بڑا قدم اٹھانا بھی تو ٹھیک نہیں......'' امی نے خدشہ ظاہر کیا۔

''آپ کی بات درست ہے لیکن یہ بھی تو سوچیں کہ ممی کو تو میں بعد میں سمجھا سکتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ وہ تمام معاملہ سمجھ بھی جائیں گی لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اگر آج ہم نے یہ قدم نہ اٹھایا تو پھر بعد میں پچھتاوے کے سوا کچھ بھی ہاتھ میں نہیں رہے گا۔'' اربش کی بات بھی کسی طور غلط نہ تھی اور اب آر یا پار کوئی قدم تو اٹھانا ہی تھا۔

❀......❀......❀

کب تک آخر ہم سے اپنے دل کا بھید چھپاؤ گی
تمہیں راہ پر آنا ہے اک دن، تم راہ پر آہی جاؤ گی
سب رنگ تمہارے جانتا ہوں میں خوب تمہیں پہچانتا ہوں
کہو کب تک پاس نہ آؤ گی، کہو کب تک آنکھ چراؤ گی
بھلا کب تک اک دوجے کو چھپ چھپ کر دیکھیں اور تڑپیں
ہمیں یار ستائیں گے کب تک؟ تم سکھیوں سے شرماؤ گی
ہم زخم کہاں تک کھائیں گے تم غم کب تک اپناؤ گی
چلو آؤ ہم تم مل بیٹھیں اور نئے سفر کا عہد کریں
ہم کب تک عمر گنوائیں گے تم کب تک بات بڑھاؤ گی
تمہیں راہ پر آنا ہے اک دن، تم راہ پر آہی جاؤ گی

غزنی کا خیال تھا کہ شاید اجیہ کے کہے گئے ان زہر بھری باتوں کے پیچھے صرف اور صرف جذباتیت ہے اور اگر وہ ایسا کہہ رہی ہے تو یقیناً اس کے پس پردہ کوئی ایسی بات ضرور ہے جس کے ردعمل کے طور پر وہ یہ سب کہہ رہی ہے ورنہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ اجیہ جیسی لڑکی کسی بھی قسم کا دباؤ قبول کرتے ہوئے اپنی مرضی اور پسند کے برعکس اس سے کمٹمنٹ کرے۔ اس کا ماننا تھا کہ شادی کے بعد سب ٹھیک ہوجائے گا' یہی وجہ تھی کہ سکندر صاحب کی طرف سے شادی کی معمولی سی بات کو انہوں نے اتنا سنجیدہ لے لیا تھا کہ فوراً سے نکاح کرنے پر تیار ہوگئے گوکہ انہیں نے کسی طور پر بھی امید نہیں تھی کہ سکندر صاحب یوں بیٹھے بٹھائے انہیں فوراً سے ہی نکاح کرلینے کو کہیں گے لیکن جب انہوں نے ایسا کہا تو پھر غزنی سمیت اماں ابا نے یہ موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا اور اب ایک عجیب سی بوکھلاہٹ تھی انہیں سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کون سا کام پہلے کریں اور کون سا بعد میں۔

ابا کے ذمہ تمام اہم رشتے داروں کو فون کرکے مدعو کرنا تھا' جو انہوں نے رات کو ہی کردیا تھا۔ غزنی کے چند دوستوں کے ذمہ اس کے کمرے کی سجاوٹ لگائی گئی تھی یوں بھی شہر میں بازار اور دکانیں تو رات گئے تک کھلے رہتے ہیں اس لیے غزنی نے اماں کے کہنے پر انہیں رات کو ہی فون کردیا تھا اور وہ اسی وقت انتہائی چاؤ اور خوشی سے آرائش کا مختلف سامان لے آئے تھے اور گوکہ اس وقت رات بہت ہوچکی تھی لیکن پھر بھی لاکھ منع کرنے پر بھی وہ مسکراتے رہے اور غزنی کا کمرہ سجاتے رہے۔

''ارے آنٹی...... اتنے انتظار کے بعد تو یہ وقت آیا ہے اور ویسے بھی صبح ہزار کام اور نکل آئیں گے' آپ ہمیں مکمل دھیان اور فرصت سے بس کمرہ سجا لینے دیں اور اللہ کرے ہماری بھابی کو پسند بھی آجائے۔'' ایک دوست نے خوش دلی سے کہا تو اماں نے انہیں اجازت دے ہی دی اور یوں وہ سب لوگ تقریباً رات بھر جاگ کر غزنی کا کمرہ سجاتے رہے۔ چائے کا دور چلا' مذاق مستی قہقہے' واقعی رات کی رات میں گھر کا ماحول ایسا بدلا کہ لگتا تھا واقعی شادی کا گھر ہے۔

محلے میں آس پڑوس کے ساتھ بھی اماں کی اچھی سلام دعا تھی' اماں نے انہیں پہلے ہی بتادیا تھا کہ کل غزنی کی شادی کرنے جانا ہے لیکن معذرت بھی کرلی کہ محلے میں سے کسی کو بھی نہیں بلاسکیں گی۔

''ارے تو آپا خیر ہے ناں کوئی بات نہیں' بس آپ خوشی خوشی بہو لے آئیں۔ ہم نہ بھی گئے تو ہماری طرف سے کوئی شکوہ گلہ نہیں ہوگا بلکہ دعائیں ہی دیں گے ہم اور جہاں تک رہ گئی بہو کی بات تو اسے تو ہم بعد میں دیکھ ہی لیں گے۔'' انہوں نے

معاملہ سمجھ کر کسی بھی قسم کے شکوے شکایات کرنے کی بجائے دانش مندی کا مظاہرہ کیا۔

''بس خوش رہو مجھے امید تھی کہ تم لوگ ساری صورت حال سمجھ جاؤ گی اور ویسے بھی کچھ دن بعد ولیمہ ہوگا ناں تو اس میں تو ظاہر ہے کہ میں سبھی کو بلاؤں گی۔'' اماں ان کی شکر گزار تھیں کہ معاملے کو سمجھنے کے بعد انہیں کوئی اعتراض نہ ہوا تھا۔

''ہاں...... ہاں کیوں نہیں بھئی اور ولیمہ تو ہمارا اپنا فنکشن ہوگا ناں اس میں تو ویسے بھی بلانے کی کوئی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔ ہم خود ہی موجود ہوں گے پہلے سے۔'' وہ ہنسیں۔

''اچھا میں بچیوں کو بھیجتی ہوں ذرا گھر کی صفائی ستھرائی کردیں بس آپا آپ ٹینشن نہ لینا اور نہ ہی مختلف کام کرنے کی کوشش کرنا کہ بیمار پڑ جاؤ۔ سارے محلے کی بہو بیٹیاں آپ کی ہی بیٹیاں ہیں سارے کام کرلیں گی فکر نہیں کرنا آپ میں ابھی انہیں بھیجتی ہوں۔'' اٹھتے ہوئے انہوں نے کہا اور گویا اماں کے کندھوں سے بوجھ سا سرک کر انہیں ہلکا کرگیا تھا۔

اور پھر یوں آناً فاناً سب کام ہوئے کہ اماں کو خود بھی پتا نہ چلا ویسے بھی ان کے محلے والے بہت اچھے تھے شاید اس لیے بھی کہ وہ ان سب کے ساتھ بہت اچھی تھیں ان کا ماننا تھا کہ دور کے رہنے والے رشتے داروں سے پڑوسیوں کے حقوق کہیں زیادہ ہوتے ہیں یوں بھی کسی بھی مشکل یا پریشانی کی صورت میں رشتہ دار کتنے ہی اچھے کیوں ناں ہوں لیکن خبر لینے کے لیے پڑوسیوں کا پہلے پہنچنا ممکن ہوتا ہے بہ نسبت رشتے داروں کے اور پھر اچھے پڑوسی بھی قسمت والوں کو ہی ملتے ہیں اور اماں کا ماننا تھا کہ اس معاملے میں وہ بہت خوش قسمت ہیں جبکہ دوسری طرف تمام محلے والوں کا کہنا تھا کہ وہ سب خوش قسمت ہیں کہ محلے میں اماں جیسی خاتون موجود ہیں جنہوں نے محلے کی تمام خواتین کو یوں موتیوں کی طرح ایک دھاگے میں پرو رکھا ہے کہ کسی ایک گھر میں پریشانی ہو تو سب کے دل بجھ کر رہ جاتے ہیں اور کوئی ایک خاندان خوش ہو تو سارا محلہ چہکتے اور مسکرانے لگتا ہے۔

یہی وجہ تھی کہ محلے کی لڑکیوں نے آناً فاناً سارا گھر دھو کر کرسیوں اور صوفوں کے کشن کور بدلے بیڈ شیٹس تبدیل کیں شوکیس میں سے برتن نکال کر دھوئے اور انہیں خشک کرکے آنے والے مہمانوں کے لیے ڈائننگ ٹیبل پر رکھ دیئے اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ نجانے کہاں سے ڈھولکی بھی منگوالی اور آدھی رات کے اس پہر ان کے گھر سے ڈھولکی اور ڈھولکی کے اوپر بجتی چمچ کے ساتھ لڑکیوں کے خوب صورت گیتوں کی آواز نے اماں کی خوشیوں کو چار چاند لگادیئے تھے اور واقعی لگتا تھا کہ یہ کوئی شادی کا گھر ہے اور جس طرح آن کی آن میں تمام تر امور سرانجام پائے تھے اور جس طرح محبت سے بھی لوگ بلائے اور بغیر بلائے ان کی خوشی میں کھنچے چلے آئے تھے اس عمل نے اماں کی آنکھوں کو کئی بار نم کیا اور انہوں نے خود کو ان سب کی محبتوں کا مقروض پایا۔

اجیہ کے لیے شادی کا جوڑا صبح پر موخر کیا گیا تھا کیونکہ غزنی کے لیے بھی اب کپڑے سلوانے کا وقت تو تھا نہیں اس نے بھی ریڈی میڈ ہی خریدنے تھے اس لیے طے یہ پایا کہ صبح اجیہ اور غزنی کے کپڑے ایک ساتھ خرید لیے جائیں تاکہ دونوں کے لباس کے رنگوں کی بھی مطابقت کی جاسکے۔ جیولر ابا کا پرانا دوست تھا اسے بھی فون کرکے ارجنٹ ہونے والی اس شادی کے بارے میں بتایا گیا اور درخواست کی گئی کہ وہ اپنی دکان معمول سے پہلے کھول لے تاکہ اجیہ کے لیے کچھ جیولری خریدی جاسکے اور دوست ہونے کا فائدہ یہ ہوا کہ رقم یک مشت ادا نہ بھی ہو پاتی تو بھی کوئی مسئلہ نہ تھا سبھی کچھ بہت ہی سہولت اور سکون سے ہوتا چلا جارہا تھا جس طرح اچانک ہی بیٹھے بیٹھے غزنی اور اماں کی خواہش پر انہوں نے فون ملایا اور سکندر صاحب نے ان کے خواہش کا احترام کرتے ہوئے ہفتہ دو ہفتہ کہنے کے بجائے کل ہی نکاح کرلینے کو کہا انہیں اب تک لگ رہا تھا کہ یہ سب خواب ہے۔ باوجود اس کے کہ سکندر صاحب نے اپنی طبیعت خرابی کا بتایا تھا اور وہ بھی چاہ رہے تھے کہ اجیہ کے فرض کی ادائیگی جلدی ممکن ہوسکے لیکن پھر بھی ابا ان کے احسان مند اور مشکور تھے کہ انہوں نے اس معاملے میں کسی بھی قسم کی ٹال مٹول سے کام نہیں لیا اور وہ اللہ کا بھی شکر ادا کررہے تھے کہ وہ خود جو انتہائی بوکھلاہٹ کا شکار تھے کہ ایک ہی رات میں سب کام کیسے ہوں گے تو انہیں پتا بھی نہ چلا اور تمام امور سرانجام پاگئے شاید یہی وجہ تھی کہ وہ انتہائی خوش اور مطمئن بھی تھے اور پرسکون بھی۔

وہ تمام رات تقریباً جاگتے ہوئے ہی گزاری تھی۔ فجر کے بعد کچھ دیر کے لیے سب لیٹے اور غزنی کی آنکھوں میں تو دور دور تک نیند کا کوئی شائبہ تک نہ تھا۔ موسم خوب صورت تھا یا اسے لگ رہا تھا لیکن وہ صحن میں بچھی چارپائی پر لیٹا تھا۔ کمرے کو

جس خوب صورتی سے اس نے اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر سجایا تھا تو ایسے میں اس کا دل ہی نہ مانا کہ وہ رات اپنے کمرے میں گزارے بلکہ وہ چاہتا تھا کہ اس خوب صورت اور سجے سجائے کمرے میں اجیہ کے ساتھ ہی وقت گزرے لہٰذا چشم تصور سے اجیہ کو دلہن کے روپ میں اپنے کمرے میں اپنے ہمراہ داخل ہوتے اور بیڈ پر بیٹھے دیکھتے ہی آسمان کی سیاہی نیلاہٹ میں بدلی چڑیوں کی چہچہاہٹ شروع ہوئی اور اماں ابا کے چلنے پھرنے کی آوازیں آنے لگیں۔

یہ پہلا موقع تھا کہ وہ صحن میں سونے کی غرض سے لیٹا تھا اور پھر جاگتے رہنے کے باعث آسمان کو اپنے سامنے رنگ بدلتے اور چڑیوں کو یہاں وہاں پھدکتے اور چوں چوں کرتے دیکھا لیکن اجیہ کے قرب کا تصور ہی اتنا مسحور کن تھا کہ وہ پھر آنکھیں بند کرکے لیٹا ہی رہا۔ اماں ابا نے اسے دیکھا ضرور لیکن اس کی نیند خراب ہونے کے خدشے کے باعث جگا کر اندر جانے کو نہ کہا۔ ان کی دانست میں وہ سویا ہوا تھا جبکہ نیند تو اب اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی ہی لیکن اس کا تو وقت بھی گزرنے میں نہیں آرہا تھا۔ کبھی دل چاہتا اجیہ کو فون یا میسج کے ذریعے اپنے دل کا حال بتائے لیکن پھر اپنا ارادہ خود ہی رد کردیتا کہ اب جو بات ہوگی وہ روبرو ہوگی اور وہ بھی اس وقت جب اجیہ اس کے سامنے اس کی ہوگی اور اس کے اختیار میں ہوگی لہٰذا بڑی کوشش کے ساتھ خود کو اجیہ سے رابطہ کرنے پر باز رکھا اور اب جبکہ لیٹ کر وقت گزارنا مشکل لگا تو اٹھ بیٹھا۔

آج سارا گھر فریش معلوم ہورہا تھا ایسا لگتا جیسے ہر چیز سے روشنی نکل رہی ہو در و دیوار تک اسے خوب صورت لگ رہے تھے شاید اس لیے کہ آج وہ خود بے انتہا خوش تھا اور ویسے بھی جب بندہ خود خوش ہو تو ہوا میں اڑتے پھرتے تنکے بھی خوب صورت معلوم ہوتے ہیں اور دل اداس اور پریشان ہو تو تازہ کھلے ہوئے پھولوں میں بھی کوئی شگفتگی اور کشش محسوس نہیں ہوتی بس یہی حال غزنی کا بھی تھا۔

❀.....❀.....❀

طے یہ پایا تھا کہ اربش آج اجیہ سے نکاح کرکے اسے اپنے گھر لے جائے گا فیصلہ کٹھن اور دشوار تو تھا لیکن اس کے سوا کوئی بھی اور چارہ نہ تھا لہٰذا احسن جسے گیٹ کا تالا کھولنے کے لیے بلایا گیا تھا نکاح خواہ کا بندوبست کرنا بھی اسی کی ذمہ داری قرار پائی۔ اربش نے سوچا کہ اس کی منت سماجت کرنے پر شاید ممی مان جائیں اور اس کے ساتھ ہی اجیہ کے گھر آنے پر بھی رضامند ہوجائیں اسی امید کے تحت گاڑی بھگاتا گھر پہنچنے کی کوشش کرنے لگا۔ رستے میں کئی مرتبہ ممی کا فون ٹرائی کیا لیکن دوسری طرف سگنل پرابلم کی وجہ سے کال ریسیو نہ ہوسکی۔ اسکول انتظامیہ کو فون کرنے سے معلوم ہوا کہ آج وہ کسی این جی او کے تحت دیہی علاقے میں ایک پرائمری اسکول کے افتتاح کے موقع پر مدعو تھیں اور یقیناً اس دیہی علاقے میں موبائل فون کے سگنل کمزور ہوں گے لہٰذا بوا کے پاس پہنچا وہ اس وقت کچن میں مصروف تھیں۔

”بوا آپ جلدی سے تیار ہوجائیں اور میرے ساتھ چلیں۔“ اربش نے ان کے ہاتھ سے برتن لے کر ٹیبل پر رکھے اور ان کا ہاتھ تھام کر انہیں اٹھایا۔

”ارے کیا ہوا؟ اتنی ایمرجنسی میں کہاں جانے کی ضرورت پڑگئی؟“ وہ بوکھلا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”یہ سب میں آپ کو راستے میں بتاؤں گا لیکن سب سے پہلے آپ جلدی سے تیار ہوں۔“ اربش کو جس طرح بوا اور ممی نے لاڈلے بچے کی طرح پالا اس کا انداز بھی وہی تھا۔ کسی بھی چیز کے لیے اسے آج تک ضد نہیں کرنا پڑی تھی بس خواہش کرتا اور حاصل ہوجاتی۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس کی نظروں کی پسندیدگی سے ہی ممی جان جایا کرتیں کہ آخر وہ اس وقت کیا چاہ رہا ہے۔

”اچھا بابا اچھا، چلتی ہوں لیکن بتاؤ تو سہی کہ جانا کہاں ہے؟“

”بلکہ ایسا کریں کہ آپ ڈریس بھی چینج نہ کریں اتنی گریس فل تو لگ رہی ہیں آپ فیروزی اور پنک کلر میں بس آپ ہاتھ دھولیں۔“ انہیں ہاتھ سے پکڑ کر واش بیسن تک لے گیا اور نل کھول دیا۔

وہ حیران پریشان کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھیں ایک روبوٹ کی طرح انہوں نے ہاتھ دھوکر تولیہ سے خشک کیے ہی تھے کہ اربش نے تولیہ واپس جگہ پر رکھنے کی بھی مہلت نہ دی۔ ان کے ہاتھ سے تولیہ لے کر صوفے پر اچھالتے ہوئے ان کا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے وہ کچن سے کوریڈور اور پھر لاؤنج سے ہوتا ہوا باہر لان تک آگیا۔

”اربش بیٹا مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا کہ تم یہ سب کیا کررہے ہو اور میری ان بوڑھی ہڈیوں کو گھسیٹ کر آخر کہاں لے جانا

چاہتے ہو۔"

"بتاتا ہوں بوا...... سب کچھ بتاتا ہوں' آپ بس ادھر بیٹھیں میرے ساتھ۔" اس نے گاڑی تک پہنچ کر فرنٹ سیٹ کا دروازہ ان کے لیے کھولا اور پھر گاڑی لے کر گھر سے نکل کر روڈ پر آ گیا۔ بیرونی گیٹ خود کار سسٹم کے تحت خود بخود بند ہو کر لاک ہو چکا تھا' اسی دوران حسن کا فون آیا۔

"ہاں بولو حسن...... کیا بنا؟" اربش کے انداز میں عجلت تھی اور بوا سے یوں جلد بازی میں دیکھ کر ہول رہی تھیں۔ ان کا ذہن ہزار انداز سے سوچنے کے باوجود بھی یہ سوچ نہیں پا رہا تھا کہ وہ اس وقت اربش کے نکاح میں شریک ہونے جا رہی ہیں۔

"شاباش یار...... تھینک یو سو مچ' مجھے پتا تھا کہ اس مشکل وقت میں ایک تم ہی ایسے ہو جو میرے کام آ سکتے ہو۔"

"مشکل وقت؟" بوا کو پریشانی سے اپنے ماتھے پر پسینہ آتا محسوس ہوا۔

"اچھا تم ایسا کرو کہ مولوی صاحب کو گاڑی میں ہی بٹھاؤ اور گیٹ کا تالا کھولنے کی کوشش کرو میں بھی بس نزدیک ہی ہوں میرے آنے تک تم تالا کھول کر دوبارہ اپنی گاڑی میں بیٹھ کر میرا انتظار کرنا۔" مختصر ہدایات دے کر اس نے فون بند کیا تو بوا خفگی اور پریشانی کی ملی جلی کیفیت میں بولیں۔

"آخر یہ سب ہو کیا رہا ہے اربش بیٹا......! تم کیا کرنے جا رہے ہو' کچھ بتاؤ گے بھی کہ یونہی میرا خون خشک کیے رکھو گے؟" وہ مکمل اربش کی طرف رخ کیے بیٹھی تھیں اور پھر اس وقت اربش نے مختصراً بوا کو اجیہ کے گھر کے مسائل موجودہ سچوئشن اور ابھی اس کے ساتھ اپنے ہونے والے نکاح کے بارے میں بتایا تو جیسے بوا کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

یہ زندگی انہیں کس دوراہے پر لے آئی تھی۔ اربش ایک طرف بیٹھا تھا جس کی انہوں نے اپنے بچوں کی طرح پرورش کی تھی جسے وہ ہمیشہ خود سے بڑھ کر محسوس کیا کرتیں جس کے ہونے میں انہیں اپنا ہونا نظر آتا تھا تو دوسری طرف ممی تھیں جنہوں نے بوا کو اس وقت سہارا دیا تھا جب ان کے اپنے ان سے منہ موڑ ہوئے تھے۔ اپنی زندگی کے کئی قیمتی سال انہوں نے ممی کے ساتھ گزارے تھے اور ان کے رویے نے کبھی محسوس بھی نہ ہونے دیا کہ یہ گھر ان کا نہیں ہے۔ ہر بات میں ان سے صلاح مشورہ کیا جاتا' ہر موقع پر انہیں اہمیت دی جاتی لیکن اب...... اب اگر وہ اربش کے ساتھ اس کے نکاح میں شریک ہوتیں تو یقینی طور پر ممی کی ناراضگی لازم تھی اور اگر وہ اربش کے ساتھ جانے سے انکار کرتیں تو اس کا دل ٹوٹ جاتا' آخر وہ کریں تو کیا کریں۔

"تم جانتے ہو ناں کہ تمہاری ممی نے تمہارے لیے شرمین کا انتخاب کیا ہے اور اس بارے میں تم ماں بیٹا کی تفصیلی بات چیت بھی ہوئی تھی۔ وہ کبھی بھی شرمین کے انتخاب سے دستبردار ہونے والی نہیں لگتی اور سب کچھ جاننے کے باوجود تم اتنا انتہائی قدم اٹھا رہے ہو' جانتے بھی ہو کہ اس سب کا نتیجہ کیا نکل سکتا ہے؟"

"جانتا ہوں بوا سب کچھ جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اجیہ اس وقت مشکل میں ہے' اسے میری ضرورت ہے اور میں اس کے سوا کسی سے بھی شادی نہیں کر سکتا کیونکہ مجھے اس سے محبت ہے اور مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ ممی اس معاملے میں میری رائے کو اہمیت کیوں نہیں دے رہیں جبکہ زندگی میں نے گزارنی ہے اور اگر شرمین کے ساتھ میں ممی کے کہنے پر شادی کر لیتا ہوں لیکن خوش نہ رہوں تو پھر آپ ہی بتائیں ناں بوا کہ کیا اس صورت میں ممی کو پریشانی نہیں ہوگی؟" بوا اس کی بات کے جواب میں خاموش رہیں' ان کے لیے وہ دونوں ماں بیٹا اہم تھے اور وہ ان دونوں سے محبت کرتی تھیں۔

"آج سے پہلے تک ہمیشہ ہر معاملے میں میری خوشی کا خیال رکھنے والی ممی پتا نہیں میری زندگی کے اتنے بڑے فیصلے میں اپنی مرضی کیوں تھوپ رہی ہیں؟ وہ کیوں نہیں سمجھ رہیں کہ میں اجیہ کے بغیر کسی بھی اور لڑکی کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتا۔" وہ زچ ہو کر بولا۔

"اور پھر میں ممی کو منا ہی لوں گا بلکہ صرف میں ہی نہیں' میں اور اجیہ ہم دونوں مل کر ممی کو منالیں گے' بس آپ میرا ساتھ دیں۔"

"تم جذباتی ہو رہے ہو بیٹا...... یہ سوچو کہ جب تمہاری ممی کو یہ پتا چلے گا کہ میں نے خود تمہارے ساتھ جا کر یہ شادی کروائی ہے تو انہیں کس قدر تکلیف ہوگی اس کا دل کتنا دکھے گا کہ ہم نے اسے ذرا برابر بھی اہمیت نہ دی اور پھر میرے لیے بھلا اس کا دل کیونکر صاف ہوگا جب وہ یہ سوچیں گی کہ میں نے بھی اس کی طرف داری نہ کی باوجود اس کے کہ میری ذات پر اس کے کئی احسانات ہیں۔" انہوں نے اپنی بے چارگی ظاہر کی اور

تب اربش کو احساس ہوا تھا کہ واقعی اس کے اور ممی کے بیچ بوا کی پوزیشن کس قدر حساس ہے اگر وہ اربش کی بات نہ مانیں یا اس کی ہاں میں ہاں ملاتیں تو اس کا دل برا ہوتا اور وہ سوچتا کہ بوا کو میری خوشیوں کی کوئی پروا نہیں ہے اور اگر وہ ممی کو اپنا فیصلہ واپس لینے پر اکساتیں یا ان کے سامنے اربش کی حمایت کرتیں تو وہ ضرور دل میں سوچتیں کہ بوا کو میری قربانیوں اور میری ممتا کا کوئی احساس نہیں ہے۔

"میں بہت مجبور ہوں بیٹا...... میں نہ تمہاری سائیڈ لے سکتی ہوں اور نہ ہی تمہاری ممی کی تم دونوں ماں بیٹا کے بیچ میں پھنس گئی ہوں۔ باوجود اس کے کہ میری محبت تم دونوں کے لیے یکساں ہے اور تم دونوں پر میں اپنی جان بھی قربان کرسکتی ہوں لیکن تم خود سوچو کہ اس طرح میرا تمہارے ساتھ جانا اور تمہارے نکاح میں شامل ہونا کسی بھی لحاظ سے ٹھیک نہیں ہوگا۔" اربش نے سڑک پر چلتی گاڑیوں پر نظر مرکوز رکھتے ہوئے ان کی تائید میں سر ہلایا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ بوا اس کی وجہ سے ممی کے سامنے مشکلات کا شکار ہوسکتی ہیں لیکن اب وہ اجیہ کے گھر کے بالکل نزدیک آچکا تھا اور ایسا ممکن نہیں تھا کہ وہ انہیں دوبارہ گھر چھوڑنے جاتا۔ حسن کی گاڑی اسے دور سے ہی گلی کے باہر کھڑی نظر آگئی تھی۔

"آپ فکر نہ کریں بوا...... میں کبھی بھی ان کو یہ معلوم نہیں ہونے دوں گا کہ آپ اس نکاح میں میرے ساتھ موجود تھیں۔" بوا نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"آپ مجھ پر اعتبار کریں اور میرا یقین رکھیں کہ میری وجہ سے آپ کے اور ممی کے تعلقات میں کبھی بھی کوئی تلخی یا دوری نہیں آئے گی۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ اگر کبھی ممی کو یہ خبر ہوئی تو جو چور کی سزا وہ میری اور ہاں نہ صرف میری بلکہ میں اجیہ اور اس کے گھر والوں کی بھی مکمل ذمہ داری لیتا ہوں کہ ممی کو کبھی کانوں کان خبر بھی نہیں ہوگی کہ آپ آج میرے ساتھ موجود تھیں۔" اربش نے محسوس کیا کہ بوا فکر مند تھیں یقینی طور پر یہ تمام حالات انہوں نے کبھی سوچے بھی نہیں تھے جو اس کو درپیش تھے۔ انہیں اربش پر بھی ترس آرہا تھا کہ وہ کس قدر پریشانی میں مبتلا تھا۔ وہ دن جس کا نوجوان لڑکے لڑکیوں کو ارمان ہوتا ہے اور جسے زندگی کا یادگار ترین دن بنادیا جاتا ہے۔ زندگی کے اپنے اس خاص اور اہم دن میں اربش کا چہرہ کیسا ستا ہوا محسوس ہورہا تھا' اسے لگتا جیسے وہ کسی لمبے سفر میں ہو جس کی منزل تاحال دور ہو اور مسافر کے چہرے پر اس طویل مسافت کی تھکان کے اثرات نمایاں ہوں۔

"پلیز بوا...... آپ ساتھ ہوں گی تو اجیہ کی امی کو بھی کچھ ڈھارس ہوگی انہیں معلوم ہوگا کہ یہ فیصلہ صرف اور صرف میرا نہیں ہے بلکہ اس میں میرے گھر والوں کی بھی مکمل مرضی اور پسند شامل ہے۔ بوا آپ کے ساتھ ہونے سے خود مجھ میں اتنا بڑا فیصلہ کرنے کا اعتماد ہوگا' آپ کی دعائیں ساتھ ہوں گی تو میں خود کو اکیلا محسوس نہیں کروں گا۔" اربش کی گاڑی حسن کی گاڑی کے قریب جارکی تھی اور وہ بوا کے سامنے ہاتھ باندھ کر بیٹھا تھا کہ وہ اس کا ساتھ دیں۔

"اربش میرے بیٹے' اللہ تمہاری زندگی کے اس نئے موڑ کو تمہارے لیے آسان بنادے اور تم دونوں کو اس قدر خوشیاں عطا کرے کہ تم دونوں نے کبھی سوچا بھی نہ ہو آمین۔" اربش چونکا اسے محسوس ہوا کہ جیسے بوا اس کا ساتھ دینے پر راضی ہیں۔

"چلو اترو گاڑی سے' مجھے بتاؤ ان کا گھر کون سا ہے' جلدی سے نکاح کا فرض ادا کرلیں۔ ایسا نہ ہو کہ اس کے ابا آجائیں۔" بوا نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا تو اربش نے ان کا ہاتھ چوم لیا۔

اسے یقین تھا کہ بوا اسے تنہا نہیں چھوڑیں گی اور اسی طرح اسے یہ بھی یقین تھا کہ وہ اپنی ممی کو منالے گا کیونکہ وہ کبھی بھی اس سے ناراض ہو ہی نہیں سکتیں۔ حسب پروگرام حسن اس کے آنے سے پہلے ہی گیٹ کا تالا کھول کر نکاح خواں کے ساتھ اپنی گاڑی میں موجود تھا۔ ساتھ اس کے ایک دو دوست مزید تھے تاکہ گواہان کی شرط بھی پوری ہوجائے۔ طے یہ پایا تھا کہ کسی کو شک وشبہ نہ ہو اس لیے گاڑیاں گلی کے باہر ہی کھڑی کی جائیں۔ پہلے اربش اور بوا اجیہ کے گھر جائیں اور معمولی توقف کے بعد حسن' نکاح خواں اور دیگر کے ساتھ پہنچے گا لہٰذا اربش بوا کے ساتھ پہنچا تو گیٹ کے قریب ہی حنین کو کھڑا دیکھا۔ گیٹ معمولی سا کھلا تھا' یقینی طور پر وہ انہی کے انتظار میں وہاں موجود تھی انہیں دیکھا تو گیٹ کو مزید کھول کر انہیں اندر آنے کا رستہ دیا اور بوا کو سلام کیا۔

"بوا یہ حنین ہے اجیہ کی بہن۔" اربش نے تعارف کروایا۔

"جیتی رہو بیٹا...... خوش رہو۔" بوا اسے دعا دے کر اربش کے ساتھ اندر کی طرف بڑھنے لگیں۔ گھر کے اندر آکر انہیں تو کسی بھی قسم کا کوئی جھٹکا نہیں لگا تھا لیکن ہاں وہ یہ ضرور جانتی

تھیں کہ ملنے جلنے والے اگر اجیہ کا گھر دیکھیں گے تو کم از کم ایک مرتبہ آپس میں چہ گوئیاں ضرور کریں گے کہ آخر ایسی کیا مجبوری تھی جس کے باعث اربش کے لیے اتنے اعلیٰ گھروں کی لڑکیاں چھوڑ کر یہاں سے لڑکی کا انتخاب کیا گیا۔ معاملہ سیدھا سادہ تھا کہ سب ہی جان جائیں گے کہ یہ سب محبت کا کرشمہ ہے اور اس کے بعد جتنے منہ اتنی ہی باتیں لیکن بوا کا ماننا تھا کہ اگر ممی اس معاملے میں مضبوط اسٹیپ لے لیں تو کسی کو بھی اتنی جرأت نہیں ہوگی کہ وہ اجیہ یا اس کے میکے والوں کی معاشی حالت پر تبصرے کر سکیں بہرحال جو کچھ بھی تھا لیکن فرق تو واضح تھا۔

پرانی طرز کے بنے اس گھر میں بوا اربش کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھیں۔ لاؤنج میں قدم رکھتے ہی امی کا ان کا ساتھ سامنا ہوا' بوا اور امی دونوں ایک دوسرے سے گرم جوشی کے ساتھ ملیں اور اس کمرے میں جا پہنچیں جہاں اجیہ موجود تھی۔ وہ ابھی تک مکمل سادے کپڑوں میں تھی اور ویسے بھی جن حالات میں یہ نکاح ہونے جا رہا تھا ایسے میں بھلا کسی کے بھی ذہن میں یہ کیسے آسکتا تھا کہ روایتی دلہنوں والی تیاری کی جائے۔ اجیہ خود اٹھ کر بوا کے پاس آئی انہیں سلام کیا تو وہ بری طرح چونکیں کہ ابھی کل ہی تو انہوں نے اسے اپنے گھر قرآن خوانی میں دیکھا تھا یعنی کہ اجیہ اور اربش کی ممی ایک دوسرے کو پہلے سے ہی جانتی ہیں۔ بوا نے سوچا ضرور لیکن فی الحال خاموشی کو ترجیح دی۔

''بہن' مانا کہ ہمیں ان بچوں کا نکاح ان نامساعد حالات میں کرنا پڑ رہا ہے لیکن اس کے باوجود میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ اجیہ کو اربش کی طرف سے کبھی بھی کوئی تکلیف یا پریشانی نہیں ہوگی' بس آپ ان دونوں کو اپنی دعا میں یاد رکھیے گا۔'' بوا نے امی کا متفکر چہرہ دیکھ کر چند الفاظ کہنا ضروری سمجھے تھے۔

''میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ کوئی فیصلہ کیا ہے' صحیح یا غلط کا فیصلہ تو وقت کرے گا لیکن یہ سب اس طرح سے کرنا حالات کا تقاضا تھا ورنہ شاید میں کبھی بھی خود کو معاف نہ کر پاتی اور پھر اربش ایک نیک اور سلجھا ہوا بچہ ہے جس سے مجھے واقعی امید ہے کہ وہ میرے کیے گئے اس فیصلے کو کبھی بھی غلط ثابت نہیں کرے گا۔'' امی کی آنکھوں میں آنسو تھے جنہیں پونچھتیں تو مزید روانی سے بہنے لگتے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر کمرے کا ماحول انتہائی بوجھل ہو گیا تھا حنین اور اجیہ کے ساتھ ساتھ بوا کی بھی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔

اجیہ انہیں بہت عزیز تھی اور جس طرح آج تک اجیہ نے ان کی ڈھارس بندھائے رکھی تھی اور انہیں سنبھالا ہوا تھا۔ امی کو لگتا جیسے وہ اب بکھرنے والی ہیں' ساری عمر اجیہ نے اگر کوئی سکھ نہیں دیکھا تو یوں خفیہ شادی کرنے کے بعد بھی جانے وہ سکھ پائے گی یا باپ کی حقارت بھری نظریں وہاں بھی اس کا پیچھا کریں گی؟ پتا نہیں اب آج کے بعد ان کے گھر کے کیا حالات ہونے والے ہیں؟ جانے وہ دوبارہ اپنی جان اپنی اجیہ سے مل سکیں گی یا نہیں؟ انہیں یاد آیا کہ آج سے کئی برس پہلے ان کی اپنی بہن کو بھی سکندر صاحب کی ہی وجہ سے راتوں رات بیاہ کر رخصت کرنا پڑا تھا۔ انہیں یاد تھا کہ بیٹی کو خاموشی سے رخصت کرنے کے بعد ان کی والدہ نے کمرے کے کونے میں بیٹھ کر روتے ہوئے کہا تھا۔

''جا سکندر...... میں بھی آج اپنی جھولی پھیلا کر اپنے رب سے دعا کرتی ہوں کہ جس طرح آج میری بچی کو ہمیں یوں چوری چھپے رخصت کرنا پڑا' اسی طرح تجھ پر بھی وہ وقت آئے کہ کل کو تیری بھی کوئی اپنی بیٹی ہو اور اس کی دنیا والوں سے چھپ کر رخصتی ہو تاکہ تجھے پتا چلے کہ بیٹیوں کے شرعی فرائض اگر یوں اس کی سب لوگوں سے چوری چھپے ادا کیے جائیں تو کن باتوں کو سہنا اور کیسے کیسے سوالات کو سننا پڑتا ہے بلکہ میں تو یہاں تک کہتی ہوں کہ تیری بیٹی پر رخصتی کے وقت بھی تیرا سایہ نہ پڑے جس طرح تُو نے ہمیں بے قصور اور بے گناہ ہوتے ہوئے دنیا والوں کے سامنے کٹہرے میں لاکھڑا کیا ہے۔ یہی وقت میں اپنے رب سے تیرے لیے بھی مانگتی ہوں۔'' والدہ روتیں جاتیں اور یہی الفاظ دہراتی جاتیں لیکن انہیں کیا خبر تھی کہ سکندر ان ہی کے گھر کا داماد بنے گا' ایک بیٹی نہ سہی تو دوسری بیٹی سہی اور یقیناً یہ وقت والدہ ہی کی دعا یا بددعا کے پورا ہونے کا تھا۔ سکندر صاحب کے کیے گئے گناہ کی پاداش ان سب کو مل کر بھگتنا تھی اور پھر اجیہ جسے حالات نے وقت سے پہلے ہی اتنا سمجھدار کر دیا تھا کہ اپنی ہر خواہش کو دل میں دبائے آج تک امی اور حنین کو ہی خوش کرنے میں لگی رہی۔

''آنٹی...... آپ اللہ کے بعد مجھ پر یقین رکھیں' اجیہ پر آنے والی کسی بھی مشکل یا پریشانی کو پہلے مجھ پر سے گزرنا ہوگا اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ سب تکالیف خود پر جھیل جاؤں گا لیکن کبھی بھی اجیہ پر آنچ آنے نہیں دوں گا۔'' حنین نے اربش اور اجیہ کو ایک ساتھ دیکھا۔ بلاشبہ دونوں کی چاند سورج کی جوڑی

تھی' حنین اس لحاظ سے خوش تھی کہ شہزادوں کی سی آن بان والا اربش' اجیہ کی قسمت میں لکھا گیا ہے اور واقعی اجیہ جتنی اچھی تھی وہ اسی طرح کے لڑکے کی مستحق بھی تھی۔ اس نے دل سے اجیہ اور اربش کی خوشیوں کے لیے دعا کی۔ اسی دوران اربش کے دیئے گئے مقررہ وقت پر حسن نکاح خواں و دیگر کے ساتھ گیٹ پر دستخط دے کر اندر داخل ہوا اور یوں جس طرح بغیر کسی بھی منصوبہ بندی کے وہ دونوں اچانک ملے دوستی ہوئی اور کسی بھی طرح کا ہیر رانجھے والا گھومنے گھمانے والا عشق کیے بغیر دونوں آپس میں رشتہ ازدواج میں بندھ گئے اور ویسے بھی ان کی زندگی میں سب کچھ اتنا اچانک ہوتا آیا تھا کہ انہیں کبھی اس طرف سوچنے کا موقع ہی نہ ملا اور پھر اربش کا خیال یہی تھا کہ کسی بھی مضبوط رشتے کے قائم ہونے یا دونوں گھرانوں میں آئندہ اس نئے رشتے کے بننے سے متعلق آگاہی کے بغیر پارکس اور ہوٹلوں میں ملنا ایک معیوب بات لگتی ہے' جس سے نہ صرف یہ کہ والدین کے اعتماد کو ٹھیس پہنچتی ہے بلکہ دنیا والوں کے سامنے بھی دامن صاف نہیں رہتا۔

حسن اور دیگر لوگ نکاح ہوتے ہی فوراً گھر سے نکل گئے تھے اور اس سے پہلے کہ سکندر صاحب گھر لوٹتے انہیں بھی یہاں سے نکلنا تھا۔ الوداعی طور پر بوا نے ایک بار پھر امی کو ڈھیر سارے دلاسے' تسلیاں اور امید دلائی مگر آخر ماں تھی ناں کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اربش جیسا لڑکا اجیہ کے لیے ملنے پر خوشی سے نہال ہو جاتیں لیکن اس وقت وہ بغیر آواز کے زاروقطار رو رہی تھیں۔ امی کے کہنے پر حنین نے الماری سے سیاہ شیشوں والی چادر اجیہ کو اوڑھا کر اور ساتھ ہی اس کے گلے لگ کر خوب روئی۔ اپنی زیادتیوں کی معافی مانگی اور اس کی آئندہ زندگی کے لیے دعا بھی دی' امی بھی اس کے گلے لگ کر خوب روئی تھیں اور کبھی نہ رونے والی اجیہ نے بھی آج خود پر کسی بھی قسم کا ضبط رکھنے کے بجائے آنسوؤں کو بہہ جانے دیا۔ یہ پہلا موقع تھا جب حنین اور امی نے اسے یوں روتے دیکھا اور پھر اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو خشک کر کے زندگی کے اس نئے سفر پر روانہ کیا۔

امی اور حنین کی طرف سے دی گئیں لاتعداد دعاؤں کے باوجود اجیہ کو اپنا ایک ایک قدم من بھر کا محسوس ہو رہا تھا۔ امی کی ہدایت کے عین مطابق اس نے چادر کا نقاب کر لیا تھا اور کمرے سے نکل کر لاؤنج کی ایک ایک چیز کو اپنے ذہن میں اتار کر دل میں رکھتی جا رہی تھی' جانے کب دوبارہ اس گھر میں آنا ہو اور دوبارہ اس گھر میں آنا ہوگا بھی کہ نہیں کون جانتا تھا اور اگر آئی تو کن حالات میں اور اب سکندر صاحب کیا دوبارہ اسے اس گھر میں آنے کی اجازت بھی دیں گے؟

حنین نے اس کے سر پر قرآن کریم کا سایہ کر رکھا تھا کہ وہ لاؤنج سے باہر جانے کے بجائے سکندر صاحب کے کمرے کی طرف مڑ گئی۔ ایک ایک چیز کو انتہائی عقیدت کے ساتھ دیکھتی اور روتی جاتی۔ سکندر صاحب کی سائیڈ ٹیبل پر رکھا ان کا چھوٹا سا فوٹو فریم ہاتھ میں لیا' اسے چوم کر آنکھوں سے لگایا اور پھر سینے سے لگا کر رو پڑی۔

"بابا...... آج آپ کی بیٹی اس گھر سے آپ کی دعاؤں کی حسرت لیے رخصت ہو رہی ہے' میں وہ کم نصیب بیٹی ہوں کہ جسے اپنے ہی باپ کا پیار اور دعائیں بھی نصیب نہ ہوئیں۔ بابا میں ہی وہ کرموں جلی ہوں جو ہم آپ کی بے سکونی کا باعث بنتی رہی اور جس کی یادداشت میں کوئی ایک ایسا لمحہ موجود نہیں جس میں کبھی آپ نے مجھے پیار سے اپنے پاس بٹھایا یا مجھ سے بات کی ہو۔ میرے جیسی بھی بیٹی ہوگی کوئی' جسے باپ کے ہوتے ہوئے باپ کا پیار نہ ملا۔" وہ آج رونے پر آئی تو پچھلی ساری کسر نکل گئی' حالات کیسے بھی ہوں لیکن کسی کے سامنے آج تک اس کی آنکھیں نم نہ ہوئی تھیں اور اب صورت حال یہ تھی کہ وہ خاموش ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔

گھر کا صحن چونکہ بغیر چھت کا تھا اسی لیے وہ اندر کمرے سے ہی نقاب کر چکی تھی لیکن آنسوؤں کی شدت اس قدر تھی کہ اس کے چہرے پر کیا نقاب تک بھیگ چکا تھا اور اسے دیکھ کر سب کے ہی آنسو رواں تھے۔ اربش گلی کے سامنے کھڑی گاڑی کو دروازے تک لانے کے لیے نکلا تھا۔ بوا نے اسے سینے سے لگا کر تسلی دی اور خاموش ہونے کا کہا تو وہ امی کی طرف متوجہ ہوئی۔

"بابا کی یہ تصویر مجھے دے دیں' میں اپنے ساتھ لے کر جاؤں گی۔" اور پھر حنین کی طرف دیکھ کر بولی۔

"امی کا بہت خیال رکھنا ہنی...... مجھے معلوم ہے کہ بابا میرے گھر سے جانے کا سارا الزام امی کو ہی دیں گے لیکن تم انہیں بتانا کہ میں خود اپنی مرضی سے اور سب گواہوں کے سامنے نکاح کرنے کے بعد اس گھر سے رخصت ہوئی ہوں۔"

"تم فکر نہ کرو اجیہ...... میں سب سنبھال لوں گی میں بابا

جانی کو بھی سمجھاؤں گی اور ہاں تم ناں...... تم پریشان نہ ہونا ہم تم سے ملنے آیا کریں گے۔" حسنین نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے اسے حوصلہ دیا‘ اس کے تو ویسے ہی آنسو بات بے بات نکل رہے تھے اور آج تو موقع ہی ایسا تھا کہ خود بوا کے بھی آنسو چھلک پڑے انہوں نے اپنائیت کا احساس دلانے کے لیے اجیہ کو اپنے بازو کے گھیر میں لیا‘ اسی وقت ارش گاڑی کو ان کے دروازے پر ہی اسٹارٹ چھوڑ کر اندر داخل ہوا اور امی سے اجازت چاہی۔

"ہاں بیٹا...... جاؤ اس سے پہلے کہ اجیہ کے بابا آ جائیں اور ہاں......" اجیہ کے ساتھ باہر کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے انہوں نے ملتجی نظروں سے ارش کی طرف دیکھا۔ "تم پر بہت بھروسہ کیا ہے بیٹا...... اس بھروسے کو قائم رکھنا اور کبھی میری بیٹی کو اس طرح اپنے میکے سے رخصت ہونے کا طعنہ مت دینا۔"

"آنٹی...... میرا آپ سے وعدہ ہے کہ میری سانسیں تو ختم ہوسکتی ہیں لیکن میں آپ کا اعتبار کبھی ختم نہیں ہونے دوں گا‘ بھروسہ رکھیں اور اپنی دعاؤں میں ہم دونوں کو رخصت کریں۔" امی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا‘ اجیہ کو الوداعی بوسہ دیتے ہوئے گلے سے لگایا اور بوا اور ارش اجیہ کو ساتھ لیے گھر سے نکل گئے۔ اجیہ نے نقاب کر رکھا تھا اور گاڑی بالکل گیٹ کے سامنے اور اسٹارٹ کھڑی تھی۔ ارش نے اس کے لیے گاڑی میں فرنٹ سیٹ کی طرف کا دروازہ کھول کر پہلے ہی قدم پر یہ احساس دلایا تھا کہ زندگی کے ہر قدم پر وہ اسے اپنے قریب اور اپنے ساتھ دیکھنا چاہتا ہے اور یوں اجیہ امی اور حسنین کی دعاؤں کے ساتھ اس گھر سے رخصت ہوئی۔

❀......❀......❀

غزنی نے شرمین کو فون کر کے بتا دیا تھا کہ آج وہ آفس نہ آئے کیونکہ آج آفس بند رہے گا‘ وجہ پوچھنے پر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آفس اس لیے بند رہے گا کیونکہ آج آفس والے کی زندگی کا نیا آغاز ہونے جا رہا ہے۔"

"نیا آغاز کا کیا مطلب؟ شادی تو نہیں کر رہے یونہی چلتے پھرتے‘ موڈ بدلنے کی خاطر۔" شرمین نے اسے چھیڑا تو وہ قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا۔

"موڈ بدلنے کی خاطر نہیں بلکہ اپنی زندگی بدلنے کی خاطر۔"

"لیکن اتنی اچانک کیسے؟ ابھی کل تک تو تم بالکل نارمل انسان تھے۔" شرمین نے شگفتہ مزاجی سے کہا۔

"ہاں شادی تو اچانک ضرور ہو رہی ہے لیکن جس سے شادی ہو رہی ہے اس سے میری محبت بہت پرانی ہے اور میں بہت خوش ہوں کہ آخر کار وہ لڑکی میری زندگی میں آنے والی ہے جس کے ہونے سے مجھے اپنے زندہ ہونے کا احساس ہوتا ہے اور جس کو پانے کے لیے میں نے دن رات دل ہی دل میں جانے کتنی دعائیں کیں تھیں۔" آج جبکہ اس کا خواب حقیقت میں بدلنے والا تھا تو اس نے شرمین کے سامنے اپنی دلی کیفیات بیان کرنے میں بھی کوئی جھجک محسوس نہ کی بلکہ اس کا اپنا بھی دل چاہ رہا تھا کہ کوئی ایسا دوست ہو جسے وہ بتائے کہ آج اس کی زندگی کا سب سے خاص اور اہم دن اس لیے بھی ہے کہ آج وہ ہونے جا رہا تھا جو کبھی اسے ناممکن لگا کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ شرمین نے بات چھیڑی تو وہ بھی اسے سب کچھ بتانے لگا‘ ویسے بھی کوئی ایک دو دن کا تو ساتھ تھا نہیں یونیورسٹی میں ایک ساتھ بہت وقت گزرا تھا دونوں کا۔

"کون ہے وہ خوش قسمت لڑکی جس سے تم اس حد تک محبت کرتے ہو؟" شرمین کے لہجے میں حسرت تھی اور واقعی وہ اس لڑکی کو دیکھنا اور جاننا چاہتی تھی جس سے غزنی کو اتنی محبت ہے کہ اس کے الفاظ سے بھی شرمین کو محبت کی خوشبو آتی محسوس ہو رہی تھی۔

غزنی اس وقت اپنے گھر کے صحن میں موٹر سائیکل کے پاس کھڑا اماں کا انتظار کر رہا تھا‘ وہ دونوں عروسی ملبوسات کی خریداری کے لیے جانے والے تھے کہ اماں کسی کے فون آنے پر دوبارہ کمرے میں گئیں اور اسے بھی خیال آیا کہ بجائے اس کے کہ شرمین آفس آئے اور پھر اسے آفس بند دیکھ کر اسے فون کرنا پڑے تو اس سے کہیں بہتر ہے کہ وہ اسے خود ہی فون پر مطلع کردے تاکہ وہ آرام سے گھر میں ہی بیٹھی رہے اور اسے زحمت نہ کرنی پڑے اور واقعی جس وقت غزنی نے شرمین کو فون کیا تھا وہ آفس جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔

"میری کزن ہے اجیہ...... اجیہ سکندر‘ جس کا نام میں نکاح کے فوراً بعد اجیہ غزنی کروانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

"اجیہ...... اجیہ سکندر؟" شرمین بڑبڑائی۔

"جاب کر رہی ہے آج کل یا پڑھتی ہے؟" شرمین نے اپنے شک کو یقین میں بدلنے کو پوچھا۔

"پڑھتی بھی ہے اور جاب بھی کرتی ہے ایک اسکول میں اور

کل کا دن اس کی اسکول کی جاب کا بھی آخری دن تھا کیونکہ میں اسے پھولوں کی طرح رکھوں گا اسے بھلا میرے ہوتے ہوئے کسی بھی نوکری کی کیا ضرورت؟ اس کی خوشی کے لیے تو میں خود دن رات نوکری کرنے پر تیار ہوں۔" اور تب شرمین کے ذہن میں جیسے ایک جھماکا سا ہوا یعنی غزنی کی شادی آج اجیہ کے ساتھ ہو رہی ہے اور وہ جو اس دن اربش کے گھر اجیہ کو دیکھ کر لمحہ بھر کے لیے ٹھٹکی تھی۔ کچھ غیر یقینی کی کیفیت اس کے سامنے آئی تھی تو اب اسے بھی پرسکون ہو جانا چاہیے تھا کیونکہ اب وہ اس کے اور اربش کے درمیان آنے والی نہیں تھی۔

"ظاہر ہے جب گھر بیٹھے زندگی گزارنے کی ہر سہولت اور اتنا پیار کرنے والا شوہر مل رہا ہو تو بھلا کون بے وقوف لڑکی ہوگی جو اس سب کے باوجود بھی سردی گرمی میں باہر خوار ہونے کی خواہش کرے۔" شرمین نے اپنے دل کی بات کہی۔

"بالکل ٹھیک کہا اور بھئی یہ ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے شوہروں کو جو دی ہے تو انہیں ہی نبھانی بھی چاہیے جب تک کہ کوئی بہت زیادہ معاشی مجبوری نہ ہو۔" غزنی کی بات کے دوران ہی اماں اپنی چادر سنبھالتے صحن میں آ گئیں اور اشارے سے غزنی کو چلنے کا کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے پھر ملتے ہیں آج مصروفیت بہت ہے۔" غزنی نے فون بند کر کے موٹر سائیکل باہر نکال کر اسٹارٹ کی اور آگے ہو کر اماں کے لیے پچھلی سیٹ پر مناسب جگہ بنا کر انہیں بھی ساتھ بیٹھنے کو کہا اب وقت کم اور مقابلہ سخت تھا۔ اجیہ کے لیے خوب صورت ترین عروسی لباس لینے کے لیے غزنی نے ادھر اُدھر کسی دکان پر جانے کے بجائے شہر کے مہنگے اور منفرد بوتیکس میں سے ایک کا انتخاب کیا اور موٹر سائیکل اس کے راستے پر ڈال دی۔

❀......❀......❀

ہم گھوم چکے بستی بن میں
اک آس کی پھانس لیے من میں
کوئی ساجن ہو کوئی پیارا ہو

احمد جہانزیب کی آواز میں انشاء جی کے الفاظ اربش کی گاڑی میں سحر بن کر اتر رہے تھے۔ تینوں مکمل خاموش تھے اجیہ کی ہچکیاں بھی رک چکی تھیں لیکن اب تک وہ سر جھکائے ہوئی تھی اسے معلوم نہیں تھا کہ گاڑی کن راستوں سے ہوتی ہوئی اب اس کے نئے گھر کی طرف گامزن ہے اس نے یہ بھی نہیں دیکھا تھا کہ عین اس کی سیٹ کے سامنے ڈیش بورڈ پر گلاب کے پھولوں کا چھوٹا سا مگر تازہ گلدستہ رکھا تھا۔ یہ گلدستہ اربش نے نہیں بلکہ حسن نے اس کی گاڑی میں رکھا تھا۔ گلاب کے پھولوں کی خوب صورت مہکتی ہوئی خوشبو اے سی کی ٹھنڈک کے ساتھ پوری گاڑی میں یوں پھیلی ہوئی تھی کہ فریشنر کی بھی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔

"بوا اگر آپ کی اجازت ہو تو بوتیک سے اجیہ کے پہننے کے چند جوڑے خرید لوں؟" اربش نے گاڑی کے بیک مرر سے پچھلی سیٹ پر بیٹھی بوا کو دیکھا جو مسلسل کچھ پڑھے جا رہی تھیں۔ اس کی بات کے جواب میں ان کے ہونٹ ہلنا بند ہوئے اور قدرے توقف کے بعد پھر وہ بولیں۔

"ہاں بیٹا کیوں نہیں اس میں بھلا مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے لیکن اگر تم ایسا کرو کہ شاپنگ پر جانے سے پہلے مجھے کسی رکشہ یا ٹیکسی میں گھر بھیج دو تاکہ میں تمہاری ممی کے آنے تک کھانا وغیرہ تیار کرلوں۔" بوا نے تجویز پیش کی تو اربش کو بھی خیال آیا کہ بوا کا ان دونوں کے ساتھ گھر میں داخل ہونا یقینی طور پر بوا کے حق میں بہتر نہ ہوگا اور وہ بھی ایسی صورت میں کہ جب یہ بات ممی سے پوشیدہ رکھنی تھی کہ وہ بھی اربش کے نکاح میں اس کے ساتھ تھیں۔

"وہ تو ٹھیک ہے بوا لیکن...... رکشہ یا ٹیکسی میں کیسے جائیں گی آپ؟" وہ ہچکچایا۔

"ارے واہ بھئی کیسے جاؤں گی کا کیا مطلب؟ بھئی میں بھی ویسے ہی جاؤں گی ناں جیسے کہ باقی سب لوگ جاتے ہیں۔ تم بس میری فکر چھوڑو اور اجیہ کے لیے اچھی سی شاپنگ کرو باقی تو پھر ساتھ ساتھ ہوتی ہی رہے گی۔" انہوں نے مسکرا کر کہا تو اربش ان کے لیے کسی ٹیکسی کے انتظار میں گاڑی پارک کرنے لگا یوں بھی جلدی تھی تو صرف اجیہ کے گھر سے باہر نکلنے کی کہ کہیں سکندر صاحب نہ آ جائیں۔ اب تو چاہے کتنی بھی تاخیر ہو جاتی اس سے کوئی بھی فرق پڑنے والا نہیں تھا۔

"اجیہ بیٹا...... تم تو اپنی پرنسپل کی طبیعت سے واقف ہی ہوگی ناں اور پرنسپل بھی وہ جو اب تمہاری بھی ممی ہے۔ بس بیٹا کوشش کرنا کہ تمہاری جو محبت اپنی ماں کے ساتھ تھی اتنی بلکہ اس سے بڑھ کر محبت تم اس سے بھی کرو کیونکہ نئے بننے والے رشتے ہمیشہ کچھ نہ کچھ زیادہ کی ہی توقعات رکھتے ہیں اور مجھے امید ہے کہ وہ اربش کی پسند پر خوش ہی ہوگی۔" بوا نے اسے اپنی تسلی

نصیحت کی تھی جواباً اجیہ نے ان کی تائید میں سر ہلا دیا۔

"میری پوری کوشش ہوگی بوا کہ میری ذات سے اس گھر میں کسی کو کوئی بھی تکلیف نہ پہنچے اور میری خواہش ہوگی کہ گھر میں میرا اضافہ کسی بھی قسم کی پریشانیوں کے بجائے ایک خوشگوار اضافہ بن کر ثابت ہو۔" اجیہ نے دھیمے لہجے میں کہا تو بوا نے بھی دل سے اس کی خواہش پر آمین کہا۔ اسی دوران اربش ایک ٹیکسی رکوا کر اسے گھر کا پتا سمجھانے کے بعد کرائے کی بھی ادائیگی کر چکا تھا آج ایسا پہلی مرتبہ ہی ہوا تھا کہ کس ٹیکسی میں جانا پڑا ہو اور آج صرف یہی نہیں باقی بھی کتنے ہی کام ایسے تھے جو پہلی مرتبہ ہی ہوئے تھے۔

"بوا...... گھبرایئے گا مت، میں اجیہ کو بھی سمجھا دوں گا لیکن یاد رکھیے گا کہ آپ کے ساتھ جو وعدہ کیا ہے وہ ہمیشہ قائم رہے گا اور ممی کو بھی کبھی کانوں کان خبر نہیں ہوگی کہ آج آپ کسی بھی طرح اس نکاح میں شامل رہی ہیں۔" اربش کے ایک مرتبہ پھر کہنے پر بوا نے سر ہلاتے ہوئے اسے دعائیں دی اور ان کی ٹیکسی اپنی منزل کی طرف چل پڑی۔

"تھینک یو سو مچ اجیہ کہ تم نے مجھ پر اعتبار کیا۔" گاڑی اسٹارٹ کرنے کے بعد اس نے اجیہ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تو اجیہ نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔

"میں کوشش کروں گا کہ تمہاری زندگی میں آج تک جو بھی محرومیاں رہیں میں ان سب کا ازالہ کر سکوں شاید یہ سب اسی طرح ہونا لکھا تھا لیکن تم مجھ پر بھروسہ رکھنا میں ایک نہ ایک دن سکندر صاحب کا دل بھی تمہاری طرف سے اسی طرح صاف کر دوں گا جیسے جنین کا کیا تھا لیکن بس میری ایک شرط ہے......" گاڑی کو گیئر میں ڈالتے ہوئے وہ چند لمحوں کے لیے رکا۔ اجیہ نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"شرط...... کیسی شرط؟"

"بس میری ایک چھوٹی سی شرط ہے اجیہ اور وہ یہ کہ میں جانتا ہوں اپنے میکے سے اس طرح رخصت ہو کر آنا تمہارے لیے ایک بہت بڑا صدمہ ہے اور وہ بھی اس صورت حال میں جبکہ تمہارے بابا بھی سخت مزاج کے ہوں لیکن تم صرف اتنا سوچ لینا کہ پریشان رہنے سے یہ تمام معاملات سدھر نہیں سکتے لیکن ہاں یہ ہماری زندگی کی تمام خوشیوں کو ضرور نگل سکتے ہیں۔ اس لیے میری شرط صرف یہ ہے کہ تم خوش رہو تا کہ تمہیں خوش دیکھ کر میں بھی خوشی محسوس کروں۔"

"تم بہت اچھے ہو اربش اور میں خوش قسمت ہوں کہ میں تمہارے جیسے بہترین انسان کی زندگی کا حصہ بنی ہوں۔ میری کوشش یہی ہوگی کہ میری وجہ سے تمہیں، ممی، بوا کو کوئی تکلیف یا پریشانی نہ ہو اور جہاں تک میرے بابا کی بات ہے تو شاید میری قسمت اسی طرح سے لکھی گئی تھی لیکن خیر اب تو جو ہونا تھا سو ہو چکا ہے۔ اب تو بس یہی دعا ہے کہ ممی مجھے قبول کر لیں اور جس طرح کی ناپسندیدگی کا سامنا مجھے بابا کے سامنے آج تک کرنا پڑا وہی کیفیت دہرائی نہ جائے۔"

"ان شاء اللہ ایسا نہیں ہوگا ممی بہت اچھی ہیں اور میری ہر خواہش کو پورا کرنا تو جیسے اپنا فرض سمجھتی ہیں۔" بات کرتے ہوئے اس کے انداز میں ممی کے لیے پیار واضح طور پر نظر آ رہا تھا۔ "اور جب انہیں یہ پتا چلے گا کہ میں تم سے کس قدر والہانہ محبت کرتا ہوں تب تو دیکھنا خود انہیں بھی تم پر پیار آ جائے گا۔" اربش نے خوشدلی سے کہا تو اجیہ بھی سر جھکا کر ہلکا سا مسکرا دی اور پھر کچھ ہی دیر بعد ان کی گاڑی شہر کے معروف و مشہور بوتیک کے سامنے جا رکی تھی۔ اربش نے خود اتر کر جلدی سے اجیہ کی طرف کا دروازہ بھی کھولا۔

"نہیں اربش...... مجھے اتنی اہمیت نہ دو پلیز کہ پھر مجھے خود اپنا آپ ہی بھول جائے۔" اجیہ نے خود گاڑی کا دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں ناں، یہی تو میں چاہتا ہوں کہ تم آج سے پہلے کی ہر چیز بھول جاؤ، تمہارے ذہن میں ہو تو صرف اور صرف میری محبت اور تمہیں یقین ہو کہ میری محبت تم تک کوئی بھی غم اور پریشانی نہیں آنے دے گی۔" وہ دونوں ساتھ باتیں کرتے ہوئے بوتیک کے قریب پہنچے اور فٹ پاتھ پر بنے دو اسٹیپس چڑھ کر اب بوتیک کے عین سامنے تھے۔ اربش نے آگے بڑھ کر اجیہ کے لیے بوتیک کا دروازہ کھولا تو وہیں کھڑی کھڑی جامد ہو گئی۔ اس کا دل چاہا تھا کہ وہ بس یہاں کھڑی کھڑی ہی پتھر کی ہو جائے اور اس کے احساسات اس قدر منجمد ہو جائیں کہ وہ عروسی لباس ہاتھ میں پکڑے غزنی اور تائی اماں کو سامنے کھڑا دیکھ کر بھی کوئی ردعمل ظاہر نہ کرے اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہاں اس کی غزنی اور تائی اماں سے ملاقات ہو جائے گی اور تب اس نے لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ اس نے امی کے کہنے پر چہرے کو نقاب کر رکھا تھا ورنہ تو یہاں پر پتا نہیں کیا ہو جاتا۔

"یہ میری تائی اماں ہیں۔" اربش جیسے ہی دروازہ بند کر کے اس کے قریب آیا اجیہ نے فوراً اسے سرگوشی میں بتادیا تھا تاکہ وہ ان کے سامنے اسے اجیہ کہہ کر مخاطب نہ کرے اور کسی بھی قسم کے شکوک وشبہات کی کوئی گنجائش ہی پیدا نہ ہو۔

اربش اور اجیہ ان دونوں سے قدرے فاصلے پر جا کر اپنا لباس تلاش کررہے تھے یوں بھی یہ ایک بہت بڑا اور جانا پہچانا بوتیک تھا جس میں عام روزمرہ استعمال کے لباس سے لے کر عروسی ملبوسات اور دیگر تقاریب میں پہنے جانے والے کپڑوں کی ایک وسیع رینج موجود تھی گو کہ یہ شادی روایتی طرز سے مکمل طور پر ہٹ کر تو ہوئی تھی لیکن پھر بھی اس سب کے باوجود اربش کی خواہش تھی کہ وہ اجیہ کو ایک دلہن کی طرح ہی اپنے گھر میں لے کر جائے تاکہ اجیہ کے دل میں دلہن بننے کا کوئی ارمان نہ رہے۔ وہ اس کے دل میں بسی کسی ایک خواہش کو بھی تکمیل کے بغیر نہیں رہنے دینا چاہتا تھا۔ اس دن جس طرح رات کو اجیہ نے اسے اپنی اب تک کی زندگی کے متعلق بتایا تھا اسی دن اربش نے اپنے دل میں عہد کرلیا تھا کہ وہ اجیہ کی زندگی کو ہر اس چیز سے پُر کردے گا جس کی اجیہ کی زندگی میں اب تک کمی رہی تھی اور جس کی خواہش اپنے دل میں دبائے وہ ہمیشہ چھوٹی چھوٹی خواہشات کا بھی گلا گھونٹتی رہی تھی گویا اس نے اجیہ کی زندگی سے ہر قسم کا ملال اور دکھ ختم کرنے کی اسے ہمیشہ اور ہر قیمت پر خوش رکھنا خود پر فرض کرلیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ پہلے تو عروسی ملبوسات کے سیکشن میں جانا چاہتے تھے لیکن غزنی اور تائی اماں کی موجودگی کی وجہ سے اب اربش اسے اپنے ساتھ لے کر روزمرہ پہنے جانے والے کپڑوں کے سیکشن میں آ گیا تھا اس نے اپنی پسند کے چھ جوڑے اجیہ کے لیے سیلز گرل کو تھمائے۔ اجیہ کو یاد آیا کہ کبھی وہ اور حنین جب بازار آتی تھیں تو اس طرح کی بڑی بڑی دکانوں کے سامنے سے اکثر اوقات بس ڈیزائن ہی دیکھ کر گزر جاتی تھیں اور پھر اسی کسی سستے سے کپڑے پر کمال مہارت سے انہیں ویسا ہی ڈیزائن بنا کر لباس تیار کردیتیں۔ اجیہ نے تو حالات کے پیش نظر اپنی خواہشات کو سلا کر محض ضروریات پر دھیان دیا تھا لیکن حنین اکثر میگزین میں اس طرح کے کپڑے حسرت سے دیکھا کرتی۔

"کاش...... میں حنین کے لیے کچھ لے لیتی۔" اس نے سوچا۔ "لیکن اگر لے بھی لوں گی تو اس تک پہنچاؤں گی کیسے؟ اور پھر اربش سے حنین کے کپڑوں کے لیے کہنا بھی برا لگے گا۔"

اس نے اپنی بات کا خود ہی جواب دیا اور سر جھٹکا کیونکہ یہ بات اس کی اپنی عزت نفس کو کبھی بھی گوارا نہ ہوتی کہ وہ اربش سے اپنے گھر والوں کے لیے کوئی چھوٹی سی چیز بھی مانگتی۔

غزنی اور اماں نے ڈارک میرون لہنگا خریدا تھا اور اب غزنی پیسوں کی ادائیگی کررہا تھا۔ اجیہ نے کپڑوں کی اوٹ سے دیکھا تھا تائی اماں کا چہرہ خوشی سے چمکتا دیکھ کر اجیہ کا دل بوجھل ہوگیا۔ اس کا دل تو چاہ رہا تھا کہ تائی اماں کے گلے لگ کر انہیں منگنی سے لے کر اب تک کی تمام صورت حال سے آگاہ کردے اور انہیں بتائے کہ سکندر صاحب کی ضد نے ان کے گھرانے کے ساتھ کیا کیا ہے اور یقینی طور پر وہ ایسا کر بھی گزرتی اگر اس وقت وہ غزنی کے ساتھ نہ ہوتیں کیونکہ غزنی کبھی بھی اور کسی بھی طور یہ بات سمجھنے کو تیار نہ ہوتا اور الٹا یہیں پر دنگا فساد کردیتا۔

تائی اماں اور غزنی ادائیگی کر کے باہر نکلے تو اربش نے اجیہ کے لیے میرون اور وائٹ کے امتزاج سے بنی چوڑی دار پاجامہ اور فراک پسند کی۔ اجیہ کو بھی یہ فراک پہلی ہی نظر میں اچھی لگی تھی اور شاید یہ نیا ڈیزائن ہی آیا تھا اسی لیے بوتیک انتظامیہ نے ڈمی پر وہ فراک پہنا رکھی تھی کہ ہر آنے والے کی پہلی نظر اسی فراک پر پڑے۔ اس کے بعد اجیہ کے لیے ایک چھوٹا سا سوٹ کیس خریدا کر اس میں یہ تمام کپڑے رکھے اور بیوٹی پارلر کے سامنے گاڑی جا روکی۔

"اربش یہاں...... یہاں ہم کس لیے آئے ہیں؟" وہ حیران ہوئی۔

"بھئی شادی ہوئی ہے ناں ہماری اور مجھے پتا ہے کہ ہر لڑکی کے دل میں یہ تجسس ضرور ہوتا ہے کہ وہ دلہن بن کر کیسی لگے گی تو کیا تم نے کبھی نہیں سوچا تھا؟"

"وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن......؟" وہ ہچکچائی۔

"لیکن ویکن...... اگر مگر کچھ نہیں، یہاں تمہیں اسی لیے لایا ہوں کہ تم یہاں سے برائیڈل میک اپ کروالو تو پھر گھر چلتے ہیں تاکہ تمہارے دل میں یہ خواہش نہ رہے کہ کاش میں دیکھ سکتی کہ میں دلہن بن کر کیسی لگ رہی تھی۔" وہ مسکرایا۔

"خیر اب ایسا بھی نہیں ہے اور پھر مجھے اتنا شوق بھی نہیں ہے میک اپ کرنے کا۔" وہ اربش کی بات پر جھینپ گئی تھی۔

"تمہیں شوق نہیں تھا لیکن اب تو تمہیں زیادہ نہیں تو کچھ دن تو بن سنور کر میک اپ میں رہنا ہی پڑے گا بھئی آخر کار تم ایک نئی نویلی دلہن ہو۔" گہری نظروں سے اجیہ کو دیکھتے ہوئے

وہ مسکرایا تو اس کی خوشی کو سامنے رکھتے ہوئے اجیہ نہ صرف پارلر سے تیار ہوکر آئی بلکہ اس کی خواہش کے عین مطابق پارلر میں ہی فراک بھی پہن آئی تھی ہاں لیکن اتنا ضرور تھا کہ اس نے بیوٹیشن کو یہ نہیں بتایا تھا کہ اس کی شادی ہے اس لیے اسے دلہنوں والا میک اپ کرنے کے بجائے اجیہ کی خواہش پر پارٹی میک اپ کیا گیا تھا اور جب وہ مکمل سج دھج کے گاڑی میں آئی تو ارتش اسے یک ٹک دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔

❁......❁......❁

سکندر صاحب صبح سے جو گھر سے نکلے تھے تو اب تک واپس نہیں آپائے تھے سبزی منڈی سے واپسی پر شاذ ہی ایسا ہوتا کہ وہ واپس گھر جاتے ورنہ عام طور پر وہ وہاں سے دکان پر ہی جاتے تو پھر شام کو ہی گھر واپسی ہوتی ملازم دکان پر آجاتا تو اس کے حوالے سب کچھ کرکے خود ایک طرف ہوکر تھوڑی دیر کے لیے نیند پوری بھی کرلیتے اور آج بھی ایسا ہی ہوا تھا کیونکہ سبزی فروٹ کی خریداری کے لیے سبزی منڈی جانے کے لیے وہ بہت جلدی جاگتے تھے اس لیے آج جب عین دوپہر کا وقت ہوا تو وہ دکان ملازم کے حوالے کرکے کچھ دیر ستانے کے لیے لیٹ گئے۔

گھر میں بیٹی کی شادی تھی اور وہ بے فکر تھے یوں بھی اس لیے کہ گھر میں کرنے کو کوئی انتظام تو تھا ہی نہیں لے دے کر صرف اور صرف آنے والے چند لوگوں کو کھانا کھلانا تھا وہ بھی باہر سے پکا ہوا منگوانے کے لیے فون کردیا تھا اور پھر گھر جاتے ہوئے ویسے بھی انہیں کبھی کوئی خاص خوشی نہیں ہوتی تھی کہ بھاگے بھاگے گھر پہنچ جاتے لہٰذا بڑے ہی سکون سے دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد وہ کچھ دیر تک آرام کرنے کے بعد اب پھر جاگ چکے تھے اور آخر کار گھر جانے کی تیاری میں تھے ملازم کو مکمل دھیان سے رات کو جاتے ہوئے دکان بند کرنے کو کہا اب تک کی ہونے والی اپنی آمدنی جیب میں ڈالی اور موٹر سائیکل پر بیٹھ کر گھر کی طرف روانہ ہوگئے۔

❁......❁......❁

کسی بھی واقعے کے ہونے کے خدشات، واہمے، خوف اور تفکرات انسان کے لیے زیادہ جان لیوا ثابت ہوتی ہیں بجائے اس کے کہ کوئی بھی واقعہ بس ظہور پذیر ہوجائے یہی حال اس وقت امی اور حنین کا بھی تھا۔

پتا نہیں اب کیا ہونے والا ہے؟ پتا نہیں اب ہمارا کیا بنے گا؟

سکندر صاحب اتنی بڑی بات پر کس طرح ری ایکٹ کریں گے؟ اور پھر غزنی اور اس کے گھر والے یہی سب کچھ سوچ سوچ کر حنین اور اس کی امی بری طرح ہلکان تھیں جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا انہیں لگتا جیسے کوئی ان کے جسم سے آہستہ آہستہ خون نچوڑ رہا ہو اجیہ کے سامنے امی کا خیال رکھنے کا وعدہ کرنے والی حنین اب خود امی کے کندھے پر سر رکھ کر ایک بازو ان کی کمر سے لپیٹ کر بیٹھی تھی اس کی حالت اس کبوتر جیسی ہورہی تھی جو سامنے بلی دیکھ کر اپنی آنکھیں بند کیے خود کو محفوظ تصور کرتا ہو۔

ذرا سی آہٹ ہوتی یا گلی میں موٹر سائیکل کے چلنے اور رکنے کی آواز پر ان دونوں کا ایسا حال ہوتا کہ جیسے دل اچھل کر حلق میں آگیا ہو امی کے ہاتھ میں پکڑی تسبیح کے دانے اور ان کے ہونٹ مسلسل حرکت میں تھے وہ اس بات پر اپنے ضمیر کے سامنے مطمئن تھیں کہ انہوں نے اپنی بیٹی کو نکاح جیسے مقدس فریضے کے بعد اس کے شوہر کے ساتھ بھیجا ہے اور اس میں کوئی بھی شرعی رکاوٹ تھی نہ قباحت لیکن مسئلہ شریعت کا نہیں تھا بلکہ مسئلہ اس دنیا کا تھا جس کے سامنے خود کو کھڑا کرنا اور وہ بھی اس صورت میں کہ ساتھ کھڑا ہونے کو خود ان کا اپنا شوہر بھی نہ ہو، ایک مشکل امر تھا۔ اور اس سے کہیں زیادہ مشکل یہ بھی تھا کہ ان کا شوہر ہی ان کے سامنے اس معاملے کا سب سے بڑا مخالف بھی تھا اور دنیا والوں سے تو بندہ لڑ ہی لیتا ہے اپنے موقف کی حمایت میں ڈٹ جاتا ہے لیکن اگر خود اپنے گھر والے ہی مخالف ہوں تو انسان اندرونی طور پر تنہا اور کمزور ہوجاتا ہے اور پھر کسی کے بھی سامنے کھڑا ہونے کی اس میں طاقت رہتی ہے اور نہ ہی توانائی۔ یہی حالت امی کی تھی انہیں اس وقت دنیا والوں سے کہیں زیادہ خوف سکندر صاحب کا تھا اور عین اسی وقت باہر ان کی موٹر سائیکل کے رکنے کی آواز کے تھوڑی دیر بعد گیٹ کھلنے کی بھی آواز آئی۔ امی کے ہونٹ پہلے کی نسبت مزید تیزی سے ہلنے لگے تھے۔

لیکن آج حنین پہلے کی طرح بھاگ کر سکندر صاحب کے سامنے بھی جانے کی ہمت نہ کرپائی مگر کب تک؟ آخر یہ سب تو ہونا ہی تھا معاملہ کھلنا تو تھا ہی۔

”حنین..... حنین بیٹا کہاں ہو؟“ ہمیشہ کی طرح سامنے حنین کو نہ پاکر وہ اسے آوازیں دینے لگے حنین نے ہمت جمع کی اور اٹھ کر صحن میں پہنچی۔

"کیا بات ہے آج اپنے بابا کی آواز پر تم باہر ہی نکلیں؟" اس کے ساتھ چلتے چلتے وہ لاؤنج میں داخل ہوئے تو حنین کے اندر بھی توانائی لوٹنے لگی۔

"بس بابا..... ایسے ہی.....'' اس نے فریج سے ٹھنڈا پانی نکال کر انہیں پیش کیا۔

"یہ باہر کا تالا کس نے کھلوایا ہے؟" پانی کا گلاس خالی کر کے واپس کرتے ہوئے اب ان کا لہجہ سرد تھا۔

"باہر تالا لگایا کس نے تھا بابا جانی؟" اس نے ان کے سوال کے جواب میں ایک اور سوال کر ڈالا تھا۔

"میں نے لگایا تھا کیوں؟"

"لیکن بابا جانی ہم تینوں گھر میں ہی تھیں ناں تو پھر آپ نے باہر سے کیوں تالا لگایا؟"

"اس لیے کہ مجھے تم لوگوں پر اعتبار نہیں تھا۔" انہوں نے سخت مگر صاف گو انداز میں کہا۔ "اور پھر اس وقت اجیہ نے جس طرح کی باتیں کیں اور بدتمیزی کی اس کے بعد تو میرا بس چلتا تو وہیں اس کا گلا گھونٹ دیتا۔"

"جی اور اسی لیے آپ نے خود تو اس کا گلا نہ گھونٹا لیکن اسے روزانہ کی بنیاد پر گھٹ گھٹ کر جینے کے لیے اس کی مرضی کے خلاف زبردستی شادی کرنے کا سوچا کیوں بابا جانی کیوں کیا آپ نے ایسا آخر کیوں؟"

"وہ تھی ہی اس قابل لیکن تم اس کی وکالت مت کرو میرے سامنے اور اپنے کام سے کام رکھا کرو جب ایک مرتبہ کہہ دیا کہ ہاں میں نے ہی تالا لگایا تھا اور وہ بھی اس لیے کہ مجھے اعتبار ہی نہیں تھا کسی پر تو اس میں پھر غلط کیا۔" وہ اپنی بات پر ڈٹے ہوئے تھے۔

"کاش بابا جانی..... کاش آپ نے اعتبار کیا ہوتا تو آج آپ کو یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔" حنین نے گردن جھکا کر شکستگی سے کہا۔

"کیا مطلب کیا ہوا ہے.....! صاف صاف بتاؤ مجھے؟"

وہ حنین کے اس انداز پر چونک اٹھے۔

"اس وقت اس گھر میں میرے آپ کے اور امی کے علاوہ کوئی نہیں ہے بابا جانی۔"

"کوئی بھی نہیں ہے کا کیا مطلب کہیں اجیہ نے خودکشی تو نہیں کر لی.....'' انہوں نے پوچھا۔

"اور اگر کر ہی لی ہے تو بہت ہی اچھی بات ہے وہ تھی ہی اس قابل کہ اب اسے اور ایسی ہر اولاد کو مر ہی جانا چاہیے جو ماں باپ کے سامنے کھڑے ہو کر ان سے بحث کریں۔" سکندر صاحب خود غرضی کی انتہا پر تھے۔ حنین نے افسوس کے ساتھ انہیں دیکھا۔

"اجیہ اپنے شوہر کے ساتھ اس گھر سے رخصت ہو گئی ہے بابا جانی۔" انتہائی سوچ سمجھ کر بے حد محتاط الفاظ کے ساتھ حنین نے سکندر صاحب کو بتایا تو وہ حیرت سے گنگ رہ گئے۔

یہ آخر کیا کہہ رہی ہے حنین اور آیا کیا جو کچھ وہ کہہ رہی ہے درست بھی ہے کہ نہیں؟ وہ یوں چونکے کہ ان کی تمام تر حسیات بیدار ہو گئیں۔

"کیا بکواس ہے یہ؟" وہ غرائے۔

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں بابا جانی اجیہ اب اس گھر میں نہیں ہے۔" ڈرتے ڈرتے اس نے اپنی بات دہرائی۔

"کہاں دفعہ ہوئی ہے وہ کس کے ساتھ منہ کالا کیا ہے اس نے۔" وہ فوراً اس کے اور اجیہ کے مشترکہ کمرے میں داخل ہوئے جہاں امی سامنے ہی موجود تھیں۔

"کہاں بھیجا ہے اسے بتاؤ مجھے میں کہتا ہوں کہاں گئی ہے وہ.....؟"

"اجیہ کا آج صبح اسی کمرے میں نکاح پڑھایا گیا تھا اور وہ اپنے شوہر اور ساس کے ساتھ اب اپنے گھر میں ہوگی۔" امی نہیں جانتی تھیں کہ ساتھ آنے والی خاتون اربش کی ممی نہیں بلکہ بوا ہیں اسی لیے اپنے تئیں اسے ساس ہی کہا۔

"لیکن کیوں کیا تم نے ایسا جبکہ تم جانتی تھیں اگلے آدھے ایک گھنٹے میں غزنی اس کی بارات لا رہا ہے تم ماں بیٹی نے مل کر مجھے دنیا کے سامنے تماشا بنا دیا مجھے جینے لائق نہیں چھوڑا سر اٹھانا تو دور میں تو کسی کے سامنے نظریں اٹھانے کے قابل بھی نہیں رہا۔" سکندر صاحب اپنا سر پیٹنے لگے تو حنین نے زبردستی ان کا ہاتھ پکڑے۔

"بابا جانی یہ کیا کر رہے ہیں آپ ہوش میں آئیں آپ کو اللہ کا واسطہ..... سنبھالیں خود کو۔"

"تم پھر بھی مجھے کہہ رہی ہو حنین بیٹا ارے تم دیکھنا میں اسے پاتال کی تہہ سے بھی ڈھونڈ نکالوں گا اور یہ جو طمانچے اپنے منہ پر میں نے مارے تھے ناں یہ سب دو گنے کر کے اسے ماروں گا ان ماں بیٹی نے مجھے ہمیشہ دنیا والوں کے سامنے رسوا کرنے میں کوئی کسر ہی نہیں چھوڑی، میں انہیں بھی سب کے

سامنے اسی طرح ذلیل کر کے رہوں گا۔" انتہائی بے چینی سے اب وہ کمرے میں ہی چکر کاٹ رہے تھے جیسے سوچ رہے ہوں کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ "یہ جو عورت ہے ناں جسے تم ماں کہتی ہو ڈائن ہے..... ڈائن۔" امی کو خونخوار نظروں سے دیکھتے ہوئے ان کے قریب دھکا دیا۔

"اس نے قسم کھا رکھی ہے کہ میری خوشیاں کھا جائے گی اور صرف ابھی نہیں بلکہ ہمیشہ سے اس کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ میری زندگی کا سکون برباد کر دے اور جیسے جیسے اجیہ بڑی ہوئی اس نے اسے بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔" خاموشی سے آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو پیچھے دھکیلتی رہیں ویسے بھی وہ اس وقت سکندر صاحب کے طور طریقے دیکھ کر ان سے خوف محسوس کر رہی تھیں لیکن ظاہر نہ ہونے دیا کہ کہیں حنین زیادہ پریشان نہ ہو جائے۔

"کیا میں نہیں جانتا کہ اس نے صرف اور صرف اپنی زبان کے لالچ اور اپنے دل کی جائز ناجائز خواہشیں پوری کرنے کے لیے ہی اجیہ سے نوکری کروائی رات رات بھر اسے گھر سے باہر رکھا اور میں اتنا بھی پاگل نہیں ہوں کہ یہ جان نہ سکوں کہ یہ پوری رات وہ کہاں گل کھلا کر صبح ڈرائیور کے ساتھ واپس آ جاتی تھی۔" ان کا لہجہ زہر خند تھا اور وہ کسی بھی طور خاموش ہونے میں نہیں آ رہے تھے امی جانتی تھی کہ اگر وہ درمیان میں بولیں تو بات بڑھ سکتی ہے اس لیے ہمیشہ کی طرح ان کی تمام تر غلط باتوں کے جواب میں بھی خاموشی اختیار کیے رکھی۔

"اور اب یہ جو یوں اچانک نکاح کر کے اس گندی پوٹلی کو گھر سے باہر بھیجا تو بھی اس سب کے پیچھے وہی رات کی نوکری ہے جس کے باعث اب اپنا گناہ چھپانے کی جگہ ڈھونڈی گئی اللہ جانے کب سے منہ کالا کر رہی تھی کوئی نتیجہ تو نکلنا ہی تھا ناں اور اگر غزنی سے شادی ہوتی تو بھلا وہ کب یہ برداشت کرتا کہ کسی کے گناہ کو اپنا نام دے کر اپنے ہی گھر میں اپنی آنکھوں کے سامنے پھلتا پھولتا دیکھتا۔" انہوں نے آخ تھو کرتے ہوئے انتہائی حقارت سے فرش پر تھوکا۔

"جیسا یہ بدکردار ماں اور اس کا میکہ ویسی ہی بدکردار یہ اجیہ۔ پہلے رات کی تاریکی میں اس کی خالہ کسی کے ساتھ اپنی بدکرداری کا ثبوت چھپانے کو گھر سے بھاگی تھی اور آج بیدن کی روشنی میں میرے منہ پر کالک مل کر اپنے گناہ ساتھ لیے فرار ہو گئی ہونہہ..... گندا خون آخ تھو۔" ایک مرتبہ پھر انہوں نے بڑی نفرت سے فرش پر تھوکا۔

لیکن ہر انسان کی برداشت کی ایک حد ہوتی ہے اور اس سے زیادہ کوئی بھی بات برداشت کرنا ممکن نہیں ہوتا بالکل اسی طرح جیسے شیشے پر ایک مقررہ حد تک ہی وزن ڈالا جا سکتا ہے بصورت دیگر وہ ٹوٹ کر ہاتھ بھی زخمی کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے گلاس چاہے خالی ہو لیکن اس کے باوجود اس میں ایک مناسب حد تک ہی پانی ڈالا جا سکتا ہے ورنہ دوسری صورت میں سارا پانی نیچے گرنا ایک فطری امر ہے اور بالکل یہی صورت حال اس وقت امی کے ساتھ ہوئی تھی۔

پہلے تو سکندر صاحب ان کی ذات کو تنقید کا نشانہ بناتے رہے ان پر اور ان کی بیٹی پر تہمتیں لگاتے رہے تب تک تو وہ اپنے ہونٹ سیے خاموش بیٹھی سسکتی رہی لیکن جہاں بات ان کے میکے کی آئی تو ان سے پھر رہا نہ گیا اور صرف وہی نہیں بلکہ کوئی بھی شخص اپنے والدین اور بہن بھائیوں کے لیے غلط الفاظ سننا برداشت نہیں کر سکتا اور پھر عورتیں تو اس معاملے میں ویسے بھی زیادہ حساس ہوتی ہیں۔

"خبردار اگر اب آپ نے میرے والدین یا بہن کے متعلق اپنی اس گندی زبان سے ایک بھی لفظ کہا تو میں برداشت نہیں کروں گی۔"

"تو نہ کرو برداشت میں نے کہا ہے کہ میری باتیں برداشت کرو جاؤ تم بھی نکل جاؤ کسی اور کے ساتھ اور ماں بیٹی ایک ہی لائن پر لگ جاؤ دونوں اب ظاہر ہے کہ گندے خون کو گندا ہی کہوں گا ناں اور کیا کہوں؟" حنین نے قریب آ کر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا لیکن استہزائیہ انداز میں مسکراتے ہوئے انہوں نے دانت پیسے۔

"سب جانتی ہوں کہ خود آپ کی رگوں میں دوڑنے والا خون کتنا صاف اور پاکیزہ ہے اجیہ اگر آپ کو زہر کی طرح کڑوی اور حنین میٹھی لگتی ہے تو اس کے پیچھے وجہ کیا ہے اجیہ کو اپنی محبت اور شفقت کی ایک نظر سے بھی محروم رکھ کر اپنی تمام تر محبتیں کس رشتے سے حنین پر لٹاتے ہیں آپ..... آخر لگتی کیا ہے یہ آپ کی صرف یہی ناں کہ آپ کے دوست کی بیٹی ہے جسے ماں باپ کے دنیا سے چلے جانے کے بعد آپ اس گھر میں لے آئے اور بیٹی کا رشتہ ظاہر کر کے اپنے کن جذبات کی تسکین کرتے ہیں آپ یہ بھی میں بہت اچھی طرح سے جانتی ہوں۔" امی بولیں تو پھر ایسا بولیں تو کمرے میں ان کی ہی آواز رہ گئی تھی۔ حنین نے ان کی بات سنتے ہی ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ سکندر صاحب کے

کندھے سے ہٹایا تھا۔

تم ماتھے پر بل ڈال کر جو بات کرو گے
تو یاد رہے ہم سے بھی ایسی ہی سنو گے
یہ تازہ ستم ہم کو گوارا تو نہیں ہے
ہم یہ بھی سہہ لیتے ہیں کیا یاد کرو گے

امی نے سکندر صاحب کے سامنے انہی کا انداز اپنایا تو ان سے برداشت نہ ہوا۔

"بکواس بند کرو ذلیل عورت۔" اس مرتبہ انہوں نے امی کو ایک زناٹے دار تھپڑ جڑ دیا تھا ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ابھی اور اسی وقت امی کا گلا دبا دیں جنہوں نے حنین اور ان کے درمیان کے باپ بیٹی کے رشتے کو اس قدر میلا کرنے کی کوشش کی تھی۔

حنین ان کے دل سے اتنی قریب تھی جتنا اس پوری دنیا میں کوئی دوسرا نہ تھا اور اگر وہ ان کے دل کے اس قدر قریب تھی بھی تو صرف اور صرف ایک بیٹی کی ہی حیثیت سے لیکن امی نے ان دونوں کے تعلق کو ایک غلط تاثر دے کر تڑپا دیا تھا۔ یہ وہی سکندر صاحب تھے جو ابھی کچھ ہی دیر پہلے اجیہ، امی، ان کی بہن اور ان کے والدین تک کے کردار پر انگلی اٹھا رہے تھے ان کے خون کو گندا خون قرار دے رہے تھے ایسے میں شاید امی نے ضروری سمجھا کہ ان کے سامنے ہی آئینہ رکھا جائے اور انہیں بتایا جائے کہ جو انگلی وہ دوسروں کے کردار پر اٹھا رہے ہیں اگر وہ چاہیں تو اسی انگلی کو بھی کیچڑ میں لت پت کر کے ان کے سامنے لا رکھیں لیکن وہ خاموش ہیں تو اس لیے نہیں کہ انہیں بولنا نہیں آتا بلکہ صرف اس لیے کہ انہیں عزت عزیز ہے اپنی بھی اور ان کی بھی لیکن جب سکندر صاحب بولتے ہوئے اخلاقی گراوٹ کا شکار ہوتے ہی گئے اور کسی طور پر خاموش ہونے میں نہ آئے تو باوجود اس کے کہ امی جانتی تھیں کہ سکندر صاحب حنین کو صرف اور صرف ایک بیٹی کی ہی حیثیت سے اہمیت اور پیار دیتے ہیں۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں اور کیوں مارا ہے آپ نے امی کو صرف اس لیے کہ انہوں نے مجھے حقیقت بتائی اور اگر ایسا کیا بھی تو کیا غلط تھا اس میں کیوں چھپایا آج تک آپ نے آپ میرے بابا جانی نہیں ہیں کیوں آخر کیوں؟" حنین بات کرتے ہوئے آخر میں رو پڑی تھی۔

"بس یہی چاہتی تھیں تم ہو گئی خوش کر دیا ناں بہت بڑا کارنامہ میری بیٹی کو میرے خلاف کر دیا...... اب تمہارا بھی اس گھر میں رہنے کا کوئی جواز کوئی دلیل نہیں کوئی بھی فائدہ نہیں ہے جاؤ اٹھو اور ابھی اور اسی وقت اس گھر سے نکل جاؤ...... دفع ہو جاؤ میں کہتا ہوں میری نظروں کے سامنے سے دور ہو جاؤ۔" سکندر صاحب بازو سے امی کو پکڑ کر کمرے سے نکالتے ہوئے گھسیٹ رہے تھے اور ساتھ ساتھ جو منہ میں آتا بولتے چلے جا رہے تھے حنین بھی امی کے ساتھ انہیں تھامنے کی کوشش میں تھی خود امی بھی کمرے سے باہر نہیں نکلنا چاہتی تھی کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ گھر سے باہر محلے میں سکندر صاحب کی آوازیں جائیں اور سارے گلی میں اس بات کا پتا چل جائے کہ آج ان کے گھر میں لڑائی ہو رہی ہے۔

"آج کے بعد میرا تم سے نہ کوئی تعلق نہ واسطہ میں تمہارے لیے اجنبی اور تم میرے لیے میں نے تم کو طلاق دی......" الفاظ تھے کہ ساعت پر ضرب لگاتا ہتھوڑا جس نے سب کو تکلیف کی شدت تو دی تھی لیکن ایک دم ساتھ ہی حواس باختہ بھی کر دیا تھا۔

"میں نے تم کو......" دوسری مرتبہ یہ زہر آلود الفاظ استعمال کرنے سے پہلے ہی حنین نے امی کو چھوڑا اور لپک کر ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

ایسا لگتا ہے امی کو فرش پر بیٹھ کر دیوار اور صوفے سے ٹیک لگائے سکتہ ہو گیا ہو وہ چپ چاپ فضا میں دیکھ رہی تھیں ایسا محسوس ہوتا جیسے نہ تو وہ سانس لے رہی ہیں اور نہ ہی پلکیں جھپکا رہی ہیں۔

"بس کریں بابا جانی آپ کو اللہ کا واسطہ ہے چپ ہو جائیں خاموش رہیں۔" غصے اور جلد بازی میں منہ سے کچھ ایسے الفاظ نہ نکال دیں کہ پھر کل کو ان کا مداوا بہت مشکل ہو جائے اور اگر آپ نے ایک مرتبہ ایسا کچھ کہہ دیا تو پھر وہ الفاظ واپس لینے مشکل نہیں ناممکن ہوں گے۔"

"اگر تم مجھے نہ روکتیں حنین بیٹا تو آج میں اس عورت کو مزہ چکھاتا کہ کیسے منہ پھاڑ کر اس نے اتنی غلط بات کرنے کی ہمت کی۔" سکندر صاحب نے کھا جانے والی نظروں سے امی کو دیکھا۔

حنین اس وقت صرف اور صرف یہ چاہتی تھی کہ کسی طریقے سے سکندر صاحب طلاق کے الفاظ دوبارہ اپنی زبان سے نہ نکالیں اس لیے وقتی طور پر اپنے دل کی لگی چوٹ کو چھپاتے ہوئے بامشکل خود کو نارمل ظاہر کیا۔

”مانا کہ تمہارے پیدا کرنے والے والدین اس دنیا میں نہیں رہے لیکن میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے آج تک ہمیشہ تمہیں اپنا خون اور اپنی لاڈلی بیٹی سمجھ کر ہی پیار کیا ہے بلکہ تم میرے لیے سگی بیٹی سے بھی کہیں اہم اور میری محبت کی حق دار ہو یہ بات تو جانتی ہوناں تم بھی۔“

”جی بابا جانی لیکن میں فی الحال اس موضوع پر کسی بھی قسم کی کوئی بات نہیں کرنا چاہتی بہتر ہوگا کہ آپ غزنی یا تایا ابو کو فون کرکے بارات نہ لانے کا کہہ دیں کیونکہ پورے محلے میں اب تک کسی کو بھی یہ معلوم نہیں ہے کہ آج اجیہ کی غزنی سے شادی ہونے والی تھی اور اگر بارات آ کر خالی واپس جائے گی تو سب لوگوں میں بات پھیلے گی۔“ بات مشکل اور کٹھن تو تھی لیکن کرنی تھی۔

سکندر صاحب کے لیے یہ مرحلہ دشوار ترین تھا کہ وہ کن الفاظ کا چناؤ کرتے اور کیا بتاتے کہ آج بارات کیوں نہ لائی جائے کبھی بہانہ کرنے کا سوچتے تو کبھی خیال آتا کہ یہ کوئی دو دن کی بات نہیں کہ بہانے سے کام چلایا جا سکے لہٰذا جو بھی بات تھی اور جو بھی معاملہ ہوا وہ سب صاف اور مختصر الفاظ بھائی صاحب کے گوش گزار کرنے کا ارادہ کیا ان کے اپنے کمرے میں جانے پر حنین بھی امی کے ساتھ ہی فرش پر بیٹھ گئی تھی۔

سکندر صاحب تو ایک مرتبہ طلاق کے الفاظ کہہ دینے کے بعد اب اپنے کمرے میں چلے گئے تھے اور امی کے جسم سے حقیقتاً آج جان ہی نکل گئی تھی۔ پے در پے اس قدر اعصاب شکن واقعات نے انہیں توڑ کر ہی رکھ دیا تھا اور وہ اب یہ بھی سوچنے پر مجبور ہوگئی تھیں کہ ساری عمر سکندر صاحب کی بے پروائی اور کڑوی کسیلی باتوں کو برداشت کرتی رہیں تو آخر انہیں کیا ملا؟ آج تک اپنی ہر خواہش کو حسرت میں بدل دیا اپنے تمام تر جذبات کو سکندر صاحب کی بے حسی کے کمبل میں چھپا دیا شادی سے پہلے تک اس قدر بولنے کے باوجود شادی کے بعد صرف اور صرف سکندر صاحب کے مزاج کو ذہن میں رکھتے ہوئے یوں چپ ہوئیں کہ کم گو کہلائیں ان کی خاطر محلے کیا دائیں بائیں رہنے والے پڑوسیوں سے بھی دعا سلام نہ رکھی اور لوگوں سے اپنے لیے مغرور جیسے الفاظ سنے۔ تو انہیں کیا فائدہ ہوا؟

کیا ملا انہیں یا کیا ملتا ہے ان جیسی عورتوں کو؟ جنہیں ساری عمر صبر کا گھونٹ پینے اور برداشت کرتے رہنے کا یہ صلہ دیا جاتا ہے کہ جب جی چاہے مرد اسے طلاق کے تین بول کہہ

نظم

جتنی دعائیں آتی تھیں
سب مانگ لیں ہم نے
جتنے وظیفے یاد تھے سارے
کر بیٹھے ہیں
کئی طرح سے جی کے دیکھا ہے
کئی طرح سے مر بیٹھے ہیں
لیکن جاناں!
کسی بھی صورت
تم میرے ہو کر ہی نہیں دیتے

عائشہ پرویز...... کراچی

کر خود بری الذمہ کہلاتا ہے بھرے گھر میں سب افراد کے سامنے اسے بے عزت کرنے گالیاں دینے اور آخری حد پر جا کر پھر ہاتھ اٹھانے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑتا تو کیا عورت پر ہاتھ اٹھانا کوئی مردانگی ہے یا پھر عورت پر ہاتھ اٹھانا مردانگی کی توہین ہے؟ اور پھر سکندر صاحب نے تو خیر آج تک جو بھی کیا سو کیا لیکن آج تو انہوں نے کوئی بھی حد باقی نہ چھوڑی تھی وہ تمام حدیں ہی عبور کر گئے تھے اور اگر جو حنین بڑھ کر ان کے منہ پر ہاتھ نہ رکھتی انہیں مزید کچھ کہنے سے نہ روکتی تو بھلا ان کا کیا بنتا، پھر اس فیصلے کے بعد ان کے اختیار میں کیا رہ جاتا؟ وہ اپنا ٹوٹا پھوٹا شکستہ وجود لے کر اس عمر میں کہاں جاتیں کس در پر صدا لگاتیں کہ اب عمر کے ان آخری چند سالوں میں انہیں سہارا دے اور پھر ماں باپ دنیا میں نہ ہوں تو بیٹیوں کے سر پر ہاتھ رکھنے والا کون ہوتا ہے بھلا؟

سوچ سوچ کر امی کو ایسے لگ رہا تھا جیسے ان کے اعصاب شل ہونے والے ہیں دماغ اب تھک ہار کر کام کرنے سے انکاری تھا اور دل کی دھڑکن بھی سست...... انہیں لگا جیسے کسی نے ان کے دماغ کی تمام نسوں کو اپنے شکنجے میں لے لیا ہے اور اس زور سے اپنے شکنجے میں جکڑا ہے کہ وہ ایک دوسرے میں پھنس کر رہ گئی ہیں اور خون کا دورانیہ بھی ایسا کم محسوس ہوا کہ لگتا تھا یا تو رک رک کر وقفے وقفے سے کھنچ رہا ہے اور یا پھر مستقل تعطل کا شکار ہے جو بھی تھا لیکن انہیں اپنی قوت ارادی مکمل طور پر ختم ہوتی محسوس ہوئی۔ انہوں نے چاہا کہ اپنی پوری قوت جمع کرکے حنین

اپریل 2017ء کی ایک جھلک

کفن پوش: دنیا کا ہر مذہب اپنے پیروکاروں کو زندگی اور زندہ رہنے کا سبق دیتا ہے لیکن اسلام واحد دین ہے جو انسان کو اپنے نظریات پر قربان ہوجانے حق کی خاطر جان دینے کا درس دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے دین کی ابتدا بھی شہادت ہے اور انتہا بھی شہادت ہے کیونکہ شہید کبھی نہیں مرتے آپریشن ضرب عضب کے پس منظر میں جنم لینے والی ایک خوب صورت کہانی۔

ایک سو سولہ چاند کی راتیں: یہ ناول 1947ء کی ایک کہانی پر مبنی ہے اس ناول کا پلاٹ، اس کے تمام کردار تقریباً 69 سال قبل کے یہ محبت کی ایک کہانی ہے جس نے Partition سے ایک سو سولہ دن قبل جنم لیا، انڈو پاک کی تقسیم جب ہونے جارہی تھی اس محبت کی کہانی دوران اپنا سفر شروع کیا۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ

کو آواز دیں اسے بتائیں کہ ان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے لیکن بڑی مشکل سے منہ سے نام نکلا بھی تو حنین کا انہیں اجیہ کا اس کے بعد انہیں اپنے ہاتھ پاؤں ساتھ چھوڑتے محسوس ہوئے۔

❀ ❀ ❀

تمام رشتے دار غزنی کے گھر پر موجود تھے تو گھر کی رونق ہی کچھ الگ محسوس ہو رہی تھی سارا گھر اتنا بھرا بھرا معلوم ہوتا کہ جیسے خوشیوں کی بارات اتر آئی ہو اور ابھی تو سب لوگوں کو بلایا بھی نہیں تھا یہ چیدہ چیدہ خاندان کے لوگ تھے جنہیں مدعو کرنا بہت ضروری تھا اور باقی کے تمام لوگوں کے لیے سوچا یہ گیا تھا کہ انہیں ولیمے کی دعوت دی جائے گی تاکہ سکندر صاحب کی بات بھی رہ جائے اور وہ اپنے حساب سے رشتے داری بھی نبھالیں غزنی نے اجیہ کے لیے لائے گئے مہرون لباس کی مناسبت سے آف وائٹ شیروانی کا انتخاب کیا تھا۔ ساتھ مہرون رنگ کا تلے دار کھسہ اور سر پر مہرون رنگ کا کلہ۔ ابھی تو تیار ہونے کے لیے اپنے کمرے میں آیا ہی تھا کہ موبائل بجا۔ دوسری طرف سکندر صاحب تھے اور ان کا نمبر اسکرین پر جگمگا رہا تھا۔

”مجھے لگتا ہے کہ ہم لوگ لیٹ ہوگئے ہیں اور چچا نے یہی پوچھنے کے لیے فون کیا ہوگا کہ اب تک نہ پہنچنے کی کیا وجہ ہے؟“ غزنی نے دل ہی دل میں سوچتے ہوئے کال ریسیو تو کی لیکن جس طرح مسکراتے ہوئے اس نے ہیلو کہا تھا اس کے بالکل متضاد تاثرات اب اس کے چہرے پر واضح ہوگئے تھے۔

اور دل کا موسم چہرے پر کس طرح نظر آتا ہے اس کی سب سے بڑی مثال تو اس وقت غزنی خود تھا کہ ابھی چند منٹ پہلے ہی مسکراتا چہکتا اور سب کی چھیڑ چھاڑ کا جواب دیتا غزنی اب ایک دم ساکت تھا اور چہرہ دھواں دھواں تھا پھر اس کی آنکھیں جیسے چھلکنے کو بیتاب محسوس ہوئیں۔

”اجیہ گھر چھوڑ کر چلی گئی ہے نہ صرف یہ بلکہ نکاح کر کے اس گھر سے بغیر سکندر صاحب کے علم میں چپ چاپ کہاں چلی گئی یہ خود انہیں بھی معلوم نہیں تھا۔“

یہ الفاظ تھے یا نوکیلے پتھروں کی بارش جو غزنی کو اس وقت اپنے اوپر ہوتی محسوس ہوئی تھی محبت اور دیواروں پر لٹکتی آرائشی لڑیاں اور سجاوٹ کی دیگر چیزیں اس کے بیڈ کے اردگرد کی گئی خوب صورتی اور بیڈ شیٹ پر بکھری گلاب کی پتیوں کے ساتھ مل کر اسے خود پر ہنستے محسوس ہوئے اسے لگا جیسے وہ سب بھی اس کا مذاق اڑا رہے ہوں اسے کہہ رہے ہوں کہ......

”کیسا مرد ہے یار ایک لڑکی تجھے بھری دنیا میں تماشا بنا گئی تیرے منہ پر تھوک کر کسی اور کے ساتھ چلی گئی...... ہاہاہا تو کہاں کا مرد کہ ایک لڑکی عین شادی والے روز تیرے جذبات روند کر کسی اور کے گھر کی رونق بن گئی۔“ بیڈ کے ساتھ ہی نیچے وہ سوٹ کیس رکھا تھا جس میں اماں نے اجیہ کے لیے لائے گئے کپڑے اور زیورات رکھے ہوئے اس کا عروسی لباس بھی اس میں تھا جو اس نے آج پہننا تھا لیکن نہ پہن سکی۔

کمرے کی ہر ایک چیز اسے خود پر ہنستی قہقہے لگاتی محسوس ہو رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں تو جیسے خون اتر رہا تھا وہ سمجھ ہی نہیں پا رہا تھا کہ اس وقت اس کا ردعمل کیا ہونا چاہیے اتنے سارے رشتہ دار جو اس وقت اس کی بارات کے ساتھ جانے کے لیے گھر میں موجود ہیں انہیں کیا بتانا چاہیے کہ آخر آج بارات کیوں نہیں جا رہی؟ اور سب سے بڑھ کر ابا اور اماں کے جذبات کو وہ کیسے ٹھیس پہنچائے یہ کہہ کر کہ آپ کی اجیہ ہم سب کی ناک کاٹ گئی ہے اور وہ بھی اس صورت میں کہ جب وہ جانتا تھا کہ اماں اجیہ سے کس قدر محبت کرتی ہیں اور جانے کب سے ان کے دل میں یہ خواہش تھی کہ اجیہ اس گھر کی بہو بنے اور پھر جب منگنی کی بات شروع ہوئی تو ان کی خوشی کا ایک عجیب ہی عالم تھا تو اب وہ یہ بات انہیں کیسے بتائے کہ اماں یہ تمام خوشیاں، محبتیں اور جوش و جذبہ یک طرفہ تھا آپ نے اس لڑکی پر اپنی محبتیں نچھاور کیں جو اس لائق تھی ہی نہیں کہ اسے کسی بھی قیمت پر چاہا جاتا۔ اور پھر اماں کو تو چلو وہ کہہ دیتا انہیں سمجھا بھی دیتا لیکن اپنے اس دل کا کیا کرتا جو جانے کب سے اجیہ ہی کی آس لگائے ہوئے تھا جس کی آنکھوں میں بننے والا پہلا خواب ہی اجیہ کے نام کا تھا۔

اور پھر عین شادی کے روز گھر چھوڑ کر جانے سے رسوائی صرف لڑکی والوں کی ہی نہیں ہوتی بلکہ بے عزتی لڑکے والوں کی بھی اتنی ہی ہوتی ہے۔ اسے کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ لیکن آخرکار ہمت تو اسے کرنی ہی تھی اور بتانا تو تھا ہی لہٰذا گہرا سانس لے کمرے سے باہر نکلا۔

اماں اور ابا سب مہمانوں کے درمیان تیار ہو کر بیٹھے ہوئے تھے اب انتظار تھا تو صرف اور صرف اس کا انتظار جو انتظار ہی رہا۔

”ارے بیٹا تم ابھی تک تیار نہیں ہوئے؟“ اماں نے

حیرت سے اسے ایک بار پھر انہی صبح کے کپڑوں میں باہر آتے دیکھا تو حیرت سے پوچھا۔
"لو بھئی اسے کہتے ہیں ناں کہ مدعی سست گواہ چست دولہے میاں کی بارات ہے اور انہیں اتنی جلدی نہیں جتنی ہم سب کو ہے کہ گھنٹہ پہلے ہی تیار ہو کر پرس لٹکائے آ بھی گئیں۔" ایک خاتون نے کہا تو سب کھلکھلا کر ہنس دیئے۔
"ارے یہ تو بس باہر کا احوال ہے ورنہ غزنی کے دل میں جتنے لڈو اس وقت پھوٹ رہے ہوں گے ناں ان کا تو تم لوگ اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔" ایک صاحب نے کہا۔
"ہاں بھائی آپ پر یہ وقت گزر چکا ہے آپ سے بڑھ کر اس موقع کا تجزیہ بھلا کون کرے گا۔" ترکی بہ ترکی جواب نے ایک بار پھر سب کو کھلکھلانے پر مجبور کر دیا تھا۔
اور شادی والے گھر میں تو ویسے بھی وجہ بے وجہ بات بے بات قہقہے لٹانے کو بے قرار رہتے ہیں۔
"کیا بات ہے غزنی بیٹا ہماری باتوں سے پریشان تو نہیں ہو گئے یا برا تو نہیں مان گئے۔" ایک خاتون نے سنجیدہ ہوتے ہوئے پوچھا تو غزنی ان کے درمیان اماں کے پاس آ بیٹھا اماں صوفے پر جبکہ وہ خود نیچے فرش پر بیٹھا تھا اور اس کے ہاتھ اماں کے گھٹنوں پر تھے۔
"اماں میں معافی چاہتا ہوں کہ میری وجہ سے آپ کو آج کچھ پریشانی یا دکھ پہنچنے والا ہے لیکن آپ اس بات کو دل پر مت لیجیے گا۔" اسے سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے اور اماں کو کن الفاظ میں بتائے کہ جن خوشیوں کی راہ میں آپ آنکھیں بچھائے کھڑی تھیں اسی راہ پر کوئی ان آنکھوں کے خواب تک چھین کر لے گیا ہے۔
"کیا مطلب ہے بیٹا ایسی کیا بات ہے، سب خیر تو ہے ناں......؟" اس کے انداز اور چہرے کے تاثرات پر سب ہی چونکے تھے اور سب ہی اپنا ہنسی مذاق چھوڑ کر اب اس کی طرف متوجہ تھے اور اس نے بھی یہ سوچ رکھا تھا کہ اگر اجیہ نے اپنے والدین کی یا اس کے والدین کی بھی عزت کی پروا نہیں کی تھی تو اسے بھی اس کے کام پر خواہ مخواہ کے پردے ڈالنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے جو کچھ ہوا اور جیسے بھی ہوا اسے بھی سب کچھ اپنے اماں ابا کے سامنے رکھنا چاہیے۔
"میں گھر میں آئے آپ سب مہمانوں کا شکر گزار ہوں کہ ابا کی صرف ایک فون کال پر آج سب لوگ ہماری خوشیوں میں

پیارے بابا جان

مجھے اتنا پیار نہ دو بابا
کل جتنا مجھے نصیب نہ ہو
یہ جو ماتھا چوما کرتے ہو
کل اس پر شکن، عجیب نہ ہو
میں جب بھی روتی ہوں بابا
تم آنسو پونچھا کرتے ہو
مجھے اتنی دور نہ چھوڑ آنا
میں روؤں اور تم قریب نہ ہو
میرے ناز اٹھاتے ہو بابا
میری چھوٹی چھوٹی خواہش پر
تم جان لٹاتے ہو بابا
کل ایسا ہو اک نگری میں
میں تنہا تم کو یاد کروں
رو رو کر فریاد کروں
اے اللہ! میرے بابا سا
کوئی پیار جتانے والا ہو
میرے ناز اٹھانے والا ہو
(آئی مس یو بابا)

پلوشہ گل......کوٹ ادو

شریک ہونے کے لیے پہنچے تو ضرور لیکن مجھے افسوس ہے کہ آپ سب کو ہماری وجہ سے تکلیف اٹھانا پڑی اور یہاں تک آنے کی زحمت ہوئی کیونکہ آج......" وہ چند لمحے رکا۔
بالکل اسی طرح جیسے بچے کوئی بہت ہی کڑوی دوائی کھاتے کھاتے ایک بار پھر رک کر دوائی کو غور سے دیکھتے ہیں اور خود کو ذہنی طور پر اس دوائی کو نگلنے کے لیے تیار کرتے ہیں اور پھر آخر کار آنکھیں بند کر کے اِدھر اُدھر دیکھے بنا ساری دوائی حلق میں ڈال لیتے ہیں اس نے بھی یہی طریقہ استعمال کیا تھا۔
"آج ہم بارات لے کر کہیں بھی نہیں جا رہے کیونکہ اجیہ یعنی میری ہونے والی دلہن سکندر چچا کی غیر موجودگی میں گھر چھوڑ کر جا چکی ہے کبھی نہ آنے کے لیے۔" اس نے کسی کے بھی چہرے کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا بلکہ جس طرح اماں کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا تھا اسی طرح بیٹھا رہا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو غزنیٰ بیٹا اگر یہ مذاق ہے تو انتہائی گھٹیا، گھر آئے مہمانوں کے ساتھ اس طرح کی باتیں یا مذاق تو بھی نہیں کرتے فوراً مجھے سچ بتاؤ۔" اماں غیر یقینی کی کیفیت میں تھی۔

"اماں مذاق تو ہمارے ساتھ ہوا ہے لیکن یہ البتہ مکمل سچ ہے کہ اجیہ گھر سے بھاگ گئی ہے مجھے ابھی سکندر چچا کا فون آیا تھا انہوں نے ہی مجھے سب کچھ بتا کر معذرت کرتے ہوئے بارات نہ لانے کا کہا ہے۔" غزنیٰ نے مکمل بات ان کے گوش گزار کی تو ابا اٹھ کر اماں کے قریب آ کر بیٹھ گئے مقصد انہیں حوصلہ اور سہارا دینا تھا۔

مرد میں اللہ نے کتنی طاقت رکھی ہے کہ خود چاہے کتنا ہی بڑا غم جھیل رہا ہو صدمے سے دوچار ہو لیکن اس کے باوجود اپنا دکھ ایک طرف رکھ کر اپنے سے جڑی صنف نازک کی فکر میں لگ جاتا ہے اس کے دکھ کا مداوا کرنے کی اسے حوصلہ تسلی دینے کی کوشش کرتا ہے۔ تنہائی میں آنسو بہا کر خود کو مضبوط ثابت کرتا ہے اور کسی کے سامنے رو کر کمزور نہیں پڑتا کہ اگر وہ کمزور ہوا تو پھر ان کو حوصلہ کون دے گا جو ماں، بہن، بیوی یا بیٹی کے روپ میں جذباتی طور پر اس پر انحصار کیے ہوتی ہیں۔ باقی سب لوگ جو ابھی کچھ دیر پہلے تک مبارک بادیں دے رہے تھے اب آپس میں باتیں کرتے ہوئے اظہار افسوس کرنے میں معروف تھے۔ غزنیٰ نے مزید گھر میں بیٹھا ہی نہیں گیا وہ جسے دن رات اس نے اپنے ساتھ محسوس کیا تھا اور حواس کی دسترس سے صرف چند گھنٹوں کی دوری پر تھی وہ یوں اچانک اسے چھوڑ کر اس پر کسی اور کو ترجیح دے گی یہ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا یہی وجہ تھی کہ حالات کا طمانچہ جس شدت سے اس کے منہ پر لگا تھا تو وہ تلملا ہی اٹھا تھا اور اس نے خود سے عہد کیا تھا کہ جس نے بھی اس کی خوشیاں چھینی تھیں وہ اسے چین سے ہرگز بیٹھنے نہیں دے گا اور اسے اس زمین پر عبرت کا نشان بنا دے گا، غزنیٰ نے خود سے عہد کیا۔

مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ محبتیں اعزاز کی طرح لی جاتی ہیں خیرات میں ملی محبت کسی کام کی نہیں ہوتی اور خاص طور پر اس وقت جب یہ خیرات بھی دینے والے کو مجبور کر کے لی جائے اور جہاں محبت کے جواب میں محبت ملتی نظر نہ آئے تو اپنی عزت نفس کو بھکاری کی چپک بنانے سے کہیں بہتر ہے کہ اسے تاج بنا کر اپنے سر پر سجایا جائے اور ایسی لاحاصل محبت کو بھول جانے میں ہی عافیت سمجھے۔

غزنیٰ اپنی موٹر سائیکل باہر نکال لایا کہ اپنی وجہ سے اماں ابا کے چہرے پر رقم دکھ اور مجبوری کہانی پڑھنا اس کے لیے خود کو سنبھالنے سے کہیں زیادہ مشکل تھا۔

کہاں آ کے رکنے تھے راستے کہاں موڑ تھا اسے بھول جا
وہ جو مل گیا اسے یاد رکھ، جو نہیں ملا اسے بھول جا
کیوں اٹا ہوا ہے غبار میں غم زندگی کے فشار میں
وہ جو درج تھا تیرے بخت میں سو وہ ہو گیا اسے بھول جا
وہ تیرے نصیب کی بارش کسی اور چھت پر برس گئیں
دل بے خبر میری بات سن اسے بھول جا اسے بھول جا

❀......❀......❀

ممی آج ایک دیہی علاقے میں آغاز کردہ اسکول کی وجہ سے ایک این جی او کے ساتھ معروف رہی تھیں اسی لیے اسکول نہیں جا پائی تھیں ابھی آ کر فریش ہونے کے بعد بوا نے کھانے کی میز پر کھانا رکھا تو وہ اربش کے انتظار میں وائس پرنسپل کو فون کر کے تمام دن کی روداد معلوم کرنے لگیں بوا بھی ان کے سامنے موجود تھیں کہ اربش کی گاڑی کی مخصوص آواز سنائی دیتے ہی ممی نے فون بند کیا اربش اور وہ ایک دوسرے کی موجودگی میں کبھی بھی فون نہیں سنتے تھے ایسا بہت ضروری کام کے سلسلے میں ہوتا کہ یہ قانون ٹوٹا ورنہ ممی کا خیال تھا کہ ان دونوں کو ایک دوسرے کے ہوتے کسی بھی تیسرے کی ضرورت نہیں ہے کوئی ایسا تیسرا جو ان کے آپس کا وقت تقسیم کر دے۔

"السلام علیکم ممی۔" اربش کی آواز پر آج وہ بری طرح اس لیے بھی چونکی تھیں کہ وہ اکیلا نہیں تھا اور اس کے ساتھ دلہن کے روپ میں کھڑی اجیہ کو دیکھ کر تو جیسے ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں وہ تو ان کے اسکول کی ٹیچر تھی پھر یہ اربش کے ساتھ دلہن کے روپ میں...... وہ بری طرح جھنجلائی تھیں اور حیرت سے ان کی زبان گنگ رہ گئی تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

مسیحا

تمثیلہ زاہد

عمر کی لا حاصلی سے مل لیے
چلتے چلتے زندگی سے مل لیے
ایک ادھوری داستانِ غم کوئی
نا مکمل ایک خوشی سے مل لیے

اپنے جسم پر دھوپ کی شدید تپش محسوس کر کے اس نے اپنا سر اونچا کیا اور آسمان کی طرف دیکھا۔ جلتا سورج اپنی گرم لہروں سے بنجری سرزمین کی ہر شے کو جھلسا دینے کے درپے تھا۔ پیشانی پر آیا پسینہ قطرہ قطرہ بن کر تیرتے ہوئے چہرے پر پھسل کر زمین بوس ہونے لگا۔ اس کی شرٹ پسینے میں بھیگ چکی تھی مسلسل چلنے سے وہ تھک کر چور ہو چکا تھا۔ لال سرخ چہرہ لیے وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ کر رو دینے کو تھا اپنی بے بسی پر کیونکہ اس کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ اس نے اپنا چہرہ گھٹنوں میں چھپا لیا کہ معاً اسے اپنے کندھے پر نرم ہاتھوں کا لمس محسوس ہوا وہ چونک کر سر اٹھا کر دیکھنے لگا تو کسی نے اس کے کندھے پر ایک ہاتھ رکھا اور دوسرا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا ہوا تھا۔

''لو پانی پی لو۔'' ایک میٹھی آواز کی بازگشت اس کے کانوں نے محسوس کی۔ مٹی کے پیالے میں لبالب بھرا ٹھنڈا میٹھا پانی وہ غٹا غٹ پی گیا۔ پیاسا حلق شاداب ہوا تو اس کی روح میں جان آئی۔ روح اور جسم نے سرشار ہو کر اپنے مسیحا کی طرف دیکھنا چاہا تو نہ جانے سورج کہاں چھپ گیا۔ آناً فاناً کالے بادلوں نے آسمان پر اپنی فوجیں تعینات کر دیں پھر حکم ہوا برس جا۔ وہ ہڑبڑا کر کھڑا ہوا ہر شے اندھیرے میں ڈوب گئی آندھی کے جھکڑ چلنے لگے برستی بوندوں نے لمحوں میں سارا منظر جل تھل کر ڈالا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا کسی محفوظ مقام تک پہنچنے کی خاطر دوڑنے لگا۔

بارش تیز ہونے لگی ہوا کے تیز تھپیڑوں میں لپٹے مٹی کے ڈھیر اس کی آنکھوں میں گھسے جا رہے تھے۔ وہ بھاگ رہا تھا اندھا دھند بھاگ رہا تھا پھر جیسے اس کے مضبوط ہاتھوں نے کسی نازک ہاتھوں کا لمس پایا۔ اس نے دیکھا وہ بہت گھنے شجر تلے کھڑا ہے اب وہ برستی بارش سے محفوظ شجر تلے کھڑا تھا۔ اس نے ممنون نظروں سے اپنے مسیحا کی طرف دیکھا جو اس کو دیکھ کر مسکرا رہی تھی اور وہ اس کی مسکراہٹ میں چھپی شفقت کو محسوس کر رہا تھا۔

❁.....❁.....❁

کپڑوں کا انبار ڈھیر کی صورت میں اس کے سامنے دھرا تھا۔ وہ کپڑوں کو سلیقے سے استری کر کے ہینگر کر رہی تھی پھر اسی سائز کے شاپر میں ڈال کر پاس رکھے میرون سوٹ کیس میں رکھ رہی تھی۔

''بیس، اکیس، بائیس، تئیس، چوبیس، پچیس...... اُف ابھی مزید سولہ جوڑے باقی ہیں۔'' وہ بڑبڑا رہی تھی اور جوڑوں کو گن کر انگلیوں پر حساب کرنے لگی کہ کمرے کا دروازہ کھول کر اس کا چھوٹا بھائی نبیل داخل ہوا۔

''امی کہہ رہی ہیں اپنا کام سمیٹ لیں نیچے خالہ آئی ہیں ان

سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر

کے لیے چائے لے آئیں۔“

”اچھا۔“ اس نے تھکن سے چُور جسم کو اکڑا کر جواب دیا اور اپنی کمر سہلانے لگی‘ وہ مستقل دو گھنٹے سے اپنا کام نمٹانے کی کوشش کررہی تھی۔ کام کرتے کرتے اسے وقت گزرنے کا احساس نہ ہوا اسے یاد آیا کہ اس نے دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ بھوک اب بلبلا رہی تھی‘ خالہ کا نام سن کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور کمرے سے باہر آ گئی۔

”السلام علیکم!“ اس نے لان میں کرسی پر بیٹھی امی سے باتوں میں مشغول خالہ کو سلام کیا تو انہوں نے مڑ کر اسے پیار سے جواب دیا۔

”ہم نے سوچا مہمانوں سے مل آئیں۔“ اس کی خالہ زاد کزن دانیہ گلے ملتے ہوئے چہکتے ہوئے بولی تو وہ مسکرانے لگی اور کرسی گھسیٹ کر امی کے پاس بیٹھ گئی۔ دانیہ اس کے چہرے پر آئے قوس قزح کے رنگ دیکھ کر رشک کرنے لگی۔

”اس وقت تو ہم میزبان ہیں۔“ سارہ نے خوش دلی سے جواب دیا۔

”چائے کا پانی رکھ دیا بیٹا؟“ امی نے سارہ سے پوچھا۔

”جی امی...... میں چائے کا پانی رکھ کر آئی ہوں۔“ وہ سر ہلا کر جواب دیتے ہوئے بولی۔

”کچھ تھکی تھکی سی لگ رہی ہیں‘ سارہ باجی طبیعت تو ٹھیک ہے۔“ دانیہ نے اس کے انداز نقاہت کو بھانپ کر پوچھا۔

”آپا...... جاب کی وجہ سے سارہ کو وقت ہی نہیں ملتا‘ ہفتہ اتوار کا دن بچتا ہے صبح سے نہ کھانے کا ہوش ہے نہ پینے کا بس لگی رہتی ہے گھر کے کاموں میں۔“ امی نے جواب دیا تو خالہ نے رشک بھری نظروں سے بھانجی کی طرف دیکھا۔

”بیٹا ہمارے لائق کوئی خدمت ہو تو بتاؤ‘ خیر سے اب تمہاری شادی کے دن قریب ہیں۔“

”شکریہ خالہ...... آپ یہ بتائیں کہ مومن کو میں نے کئی میسج کیے تھے ایک کا بھی جواب نہیں دیا‘ اس کی سی وی کی کچھ فارملیٹی پوری کرنی ہے۔“ اسے جیسے کچھ یاد آیا۔

”ساتھ ہی آیا ہے اندر نبیل کے ساتھ کمرے میں بیٹھا کرکٹ کا میچ دیکھ رہا ہوگا۔ معلوم ہے نہ تمہیں بچپن میں کھیلنے سے باز نہ آتا تھا۔“ خالہ نے ہنستے ہوئے جواب دیا تو سارہ بھی گزری باتوں کے لمحوں سے محظوظ ہونے لگی وہ ایسا ہی ضدی تھا۔

”سارہ بیٹا...... خالہ بتا رہی ہیں‘ مومن کو بخار ہے اور اس نے کوئی میڈیسن بھی نہیں لی اندر سے بیٹا دال لا کر دے دو کھا لے گا تو کچھ بہتر محسوس کرے گا۔ بخار کا آن بان ہے کچھ کھا لے تو اچھا ہے۔“ امی نے کہا تو وہ سر ہلا کر کھڑی ہوگئی۔

”خالہ اس کی شادی کردیں‘ بہت بے پروا ہے اس کی بیوی ہی اسے سنبھالے گی۔“ اس نے مسکرا کر کہا۔

”بیٹا بس مہربانی ہے تمہاری کہ تم اپنی ملازمت سے تھوڑا ٹائم نکال کر ہماری مدد کرتی ہو کرا چھی جگہ جاب دلوادی ہے اسے تین برس ہوگئے ہیں ان تین برسوں میں نہ جانے کتنے دفتروں کی خاک چھانی ہے میرے بیٹے نے تمہارے خالو کی ریٹائرمنٹ کے بعد وہی اکلوتا سہارا ہے اب بتاؤ اس سے چھوٹی ان تین بیٹیوں کا بھی ایک کے بعد ایک بوجھ ہلکا کرنا ہے۔“ شادی کے نام پر خالہ نے لہجے میں اپنا بوجھ ہلکا کرتے ہوئے بولیں اس کی شادی کا تو وہ سوچ بھی نہ سکتی تھیں۔

”خالہ...... بیٹیاں بوجھ نہیں ہوتیں اور رہی بات مہربانی کی تو ایسا نہ کہیں ہم دونوں نے ساتھ ہی ایم اے کیا تھا بس قسمت کی بات ہوتی ہے۔ میں جانتی ہوں آپ بہت مشکل حالات سے دوچار ہیں ایسے میں اپنے ہی ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں مہربانی اللہ کرتا ہے بندہ تو صرف ذریعہ بنتا ہے۔“

”تم نے ہمیشہ ہی ہمارا ساتھ دیا ہے بیٹا۔“ خالہ کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔ وہ اپنی سلجھی ہوئی بھانجی کی نفیس اور ہمدرد طبیعت سے واقف تھیں۔

❁ ❁ ❁

ہزار گز کے بنے اس بنگلے میں رہنے والے مکینوں میں ذرا بھی رعونیت نہ تھی۔ عجز و انکساری اسے اپنے والد سے وراثت میں ملی تھا جو بہت جلد انہیں داغ جدائی دے کر ابدی سفر پر کئی برس پہلے روانہ ہوچکے تھے۔ نزہت خالہ امی کی بڑی بہن تھیں اور مالی طور پر مستحکم نہ تھیں‘ شوہر کی آمدنی کم اور اخراجات زیادہ تھے۔ مومن اور سارہ ایک ساتھ پلے بڑھے حتیٰ کہ پڑھائی لکھائی بھی ساتھ ہی کرتے۔ وہ اپنی کتابیں نوٹس اسے دے دیا کرتی اکثر سمسٹر کی فیس اپنی جیب سے ادا کردیتی۔ ان احسانات کو مومن بخوبی جانتا تھا۔

سارہ اور اس سے پانچ برس چھوٹا نبیل مومن سے مانوس تھا‘ مومن سے چھوٹی تین بہنیں دانیہ‘ ثانیہ اور حنا بھی اوپر تلے کی تھیں۔

”بیٹا چائے لے آؤ ساتھ میں کباب تل لینا۔“ امی اس کی

سوچوں کو منتشر کرتے ہوئے بولیں تو وہ مسکرا کر کچن کی جانب چلی آئی۔

وہ لان میں چائے کے ساتھ لوازمات دے کر ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوئی جہاں نبیل اور مومن صوفے پر دراز ٹی وی پر کرکٹ میچ دیکھ رہے تھے۔ مومن ٹی وی کے بجائے چھت کو گھور رہا تھا' بڑھی شیو' بکھرا بکھرا سا اس کا انداز لگ رہا تھا۔

''ایک فارغ ذہن شیطان کا کارخانہ ہوتا ہے۔'' وہ نبیل کو ٹی وی میں محو اور مومن کو سوچوں میں گم دیکھ کر با آواز بلند بولی تو وہ جو صوفے پر ٹانگیں پھیلائے بے زاری سے چھت کو گھور رہا تھا اس کی آواز پر سٹ کر بیٹھ گیا۔

''کیسے ہو؟'' سامنے مکمل خاموشی پا کر وہ میڈیسن اس کے آگے بڑھاتے ہوئے بولی وہ اچھی طرح سامنے بیٹھے ضدی مرد کو جانتی تھی۔

''کیسا لگ رہا ہوں؟'' اس نے خاموشی سے اس کے ہاتھ میں پکڑا پانی کا گلاس لے کر گولی نگل لی اور مسکرا کر بولا۔

''آج تو بالکل اچھے نہیں لگ رہے' کیا حالت بنالی ہے بخار تھا تو دوا لے لینی چاہیے تھی نہ اب کوئی بچے تھوڑی ہو جو خالہ تمہارے نخرے اٹھائیں گی۔'' سفید شرٹ اور بلیک پینٹ میں اس کا مضبوط جسم' دہکتے سرخ چہرے پر بھوری ذہین آنکھوں میں سوز ہی سوز تھا۔

''ہاں اب تمہیں کہاں اچھا لگوں گا' تمہاری زندگی میں کوئی اور ''اچھا'' جو شامل ہونے والا ہے' اب ہم تمہیں کہاں یاد رہیں گے۔'' وہ پھیکی ہنسی ہنستا ہوا نشتر بھرے انداز میں بولا۔

''سنو تمہیں میں نے کئی میسج کیے تھے کوئی جواب نہیں آیا' صدیقی صاحب کچھ ضروری ڈاکومنٹس مانگ رہے ہیں جو تمہاری ہی وی کے ساتھ شامل نہیں تھے۔'' وہ اس کا چبھتا لہجہ نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔

''تم خوش ہو؟'' وہ اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔

''یہ کیسا سوال ہے۔'' وہ ٹرے میں رکھی چائے کا کپ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی اور اپنا کپ لے کر ساتھ والے صوفے پر بیٹھ گئی۔

''کب ہے تمہاری شادی؟'' اس نے گہری سانس لے کر پوچھا۔

''اگلے مہینے۔''

''سنا ہے تمہارا منگیتر لندن سیٹل ہے' مزے ہیں بھئی۔''

''میں اس مہینے کی بیس کو یعنی اگلے ہفتے سے ریزائن کر رہی ہوں۔ تمہیں سب کام سمجھا دوں گی' تم صدیقی صاحب سے کل

آفس میں مل لو۔"

"کیسی عجیب بات ہے کورس کی کتابیں، یونیفارم، فیس پھر اسائنمنٹ اور اب نوکری بھی تمہاری دی ہوئی ہے۔" وہ ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے بولا اس کے لہجے میں احساس کمتری کی شدت کو محسوس کرکے سارہ کچھ سوچتے ہوئے اپنے مخصوص ہمدردانہ لہجے میں ٹھہر ٹھہر کر بولی۔

"میں جانتی ہوں خالو کی ریٹائرمنٹ اور تمہاری بے روزگاری نے گھر میں کیسے حالات پیدا کردیئے ہیں، جس سیٹ پر پہنچنے کے لیے میں نے تین برس محنت کی وہ تمہیں لمحوں میں مل جائے گی تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ خود کو کسی لحاظ سے کم تر سمجھو۔ تم ذہین اور محنتی ہو اور بہت آگے جاسکتے ہو، شادی کے بعد میں نے ملازمت چھوڑنی ہی تھی، عاصم میرا پھوپی زاد کزن ہے، لندن سیٹل ہے تو یہ سب قسمت کے کھیل ہیں۔"

"کتنی آسانی سے ہم اپنے کیے فیصلوں پر قسمت کا نام ثبت کردیتے ہیں۔" اس کے لہجے میں بے گانگی تھی۔

"کیا تم مجھے غیر سمجھتے ہو؟" اس نے معصومیت سے سوال کیا۔

"یعنی میں تمہارا اپنا ہوں۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

"ہاں تو اور کیا۔" وہ بے اختیار لہجے میں بولی۔

"کتنا اپنا......؟" وہ مضبوط لہجے میں بولا۔

"کیا تمہیں میری خوشی عزیز نہیں، میں تمہیں اپنا ہی سمجھتی ہوں اس کا ثبوت یہ ہے کہ اپنی ہر چیز میں تم کو ہی شامل رکھا ہے، اپنا دکھ، غم، خوشی تم ہی سے شیئر کی ہے۔ بولو کیا میں غلط ہوں؟" وہ لمحوں میں اس کے روٹھے جذبوں کی شدتوں کو سمجھ چکی تھی ایک ادراک ہوا تھا وہ کم سن دوشیزہ نہ تھی جو اس کی جھجکتی اور چمکتی آنکھوں میں چھپا پیغام نہ سمجھتی۔

"ہاں لیکن میں......تم......" وہ ہکلا رہا تھا جیسے لفظ ڈھونڈ رہا ہو۔

"ہر جذبے کا نتیجہ محبت نہیں ہوتی۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر پُر اعتماد لہجہ میں بولی وہ مومن کو جانتی تھی اس کے ہر جذباتی فیصلے سے بھی آشنا تھی جسے وہ محبت کا نام دے رہا تھا وہ ایک انسیت تھی۔ سارہ میچور اور حقیقت پسند اور دور اندیش لڑکی تھی، وہ مومن کی طرح جذباتی ہرگز نہ تھی اس وقت بھی اس کے اندر اٹھتے وقتی طوفان کو دیکھ رہی تھی جسے ایک معینہ مدت کے بعد تھم جانا تھا۔ مومن اتنے صاف لفظوں میں سارہ کے جملے کے آگے ڈھیر سا ہوگیا، اس نے سارہ کے مضبوط لہجوں کے آگے پھر سے لب کشائی کی ہمت نہ کی اور سر جھکائے بیٹھا رہا اس نے اس کے بہادر جذبوں کے آگے ہتھیار ڈال دیئے تھے، اس کا دماغ شل ہونے لگا تھا۔

"کچھ رشتوں کی اپنی ہی ایک خوب صورتی ہوتی ہے، ان رشتوں کو خاص نام دے کر بے معنی کردینا کہاں کی عقل مندی ہے۔ رشتے بہت سی زنجیروں میں بندھے ہوتے ہیں ان کے بھی کچھ حقوق ہوتے ہیں جن کی پاسداری کرنی ضروری ہوتی ہے ورنہ رشتے ٹوٹ جاتے ہیں۔ کیا مرد اور عورت میں محبت کے علاوہ کوئی اور رشتہ نہیں ہوسکتا۔ ہم اپنے نفس کے کیوں غلام بن جاتے ہیں، میں نے اپنے اور تمہارے رشتے میں ہمیشہ پاکیزگی، اپنائیت دیکھی ہے اللہ سے بھی خود سے جڑے ہر رشتے میں پاکیزگی مانگی......اللہ سے جب ہم پاکیزگی مانگتے ہیں تو وہ ہمیں عطا کردیتا ہے اور پھر ہمیں نفس پر قابو رکھنا سکھادیتا ہے جن لوگوں کے نفس ان کے اختیار میں ہوتے ہیں ان سے لوگ پھر 'سوال' کرنے کی ہمت نہیں کرتے اور نہ ہمیں پھر 'جواب' دینا پڑتا ہے۔ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں؟" سارہ نے مومن کا جھکا سر دیکھا جہاں شرمندگی کی واضح لکیریں پنہاں تھیں۔

"چلو پھر باہر لان میں چلتے ہیں، سب کے ساتھ گپ شپ کریں گے۔" وہ اسے مزید شرمندہ نہیں کرنا چاہتی تھی اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ اس نے اپنا سر دھیرے دھیرے اٹھایا جو منوں بوجھ تلے آزاد ہوکر ہلکا پھلکا ہوگیا تھا۔ سارہ مسکرا کر اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور اس کے مضبوط ہاتھوں نے اپنے مسیحا کا ہاتھ پہچان لیا تھا، مومن آج اپنے اس خواب کی تعبیر دیکھ رہا تھا۔ جس کی بھول بھلیاں اس کی سمجھ سے بالاتر تھیں۔

یہی تو وہ ہاتھ تھا اس کے مسیحا کا ہاتھ......جو بچپن سے لے کر آج تک اسے ہر مشکل گھڑی سے باآسانی باہر نکال دیتا تھا۔ مومن نے اب اپنے قدم صحیح سمت کی طرف بڑھانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ وہ سارہ کے مسیحائی اطوار جان چکا تھا، یہی مسیحائی زندگی میں دینا سکھاتی ہے اور وہ زندگی کے اس قیمتی راز کو پاچکا تھا۔

❀

رزم یاراں

مصباح علی سید

اک بار تو الفت کا اظہار بھی کر دیتا
ہمت بھی ذرا کم تھی کچھ خوف کا مارا بھی
بھولے سے کبھی اس نے نظریں بھی نہیں ڈالیں
ہم یہ نہ سمجھ بیٹھیں ظالم ہے ہمارا بھی

شہر کی مین سڑک پر جا بجا ٹریفک پھنسا ہوا تھا' ایک موسم خراب اوپر سے راستہ۔ کل رات تیز بارش ہونے کی وجہ سے جگہ جگہ پانی کھڑا تھا۔ پیدل آنے جانے والوں کے لیے تنگی تھی سو تھی گاڑیوں میں بیٹھے لوگ بے زار آچکے تھے۔ طوفان سے درختوں نے ٹوٹ کر سڑکوں پر ہنگامہ برپا کردیا جس سے ٹریفک کا نظام درہم برہم ہوگیا تھا۔ ایک سگنل کھلتا تو دوسرا بند ہو جاتا' اتنا شور شرابا اوپر سے ذہنی خلفشار اس کے اعصاب تحمل کرنے کو کافی تھے۔ وہ بار بار اپنی ہتھیلی اسٹیئرنگ پر مارتا' تیز ہارن بجاتا اور پھر شمعون کا نمبر ڈائل کرتا' ہر بار ناٹ ریسپونڈنگ' اس وقت اگر شمعون اس کے سامنے ہوتا تو یقیناً وہ اس کا سر توڑ دیتا۔

"ایسا بھی کیا ضروری کام کررہا ہے جو فون اٹھا کے ہی نہ دے۔" ارحم کے لبوں پر ایک گالی آکر دم توڑنے ہی والی تھی کہ شمعون کی کال بیک آگئی' ارحم اسکرین ٹچ کرتے ہی اس پر برس پڑا۔

"کہاں مر گئے تھے' کتنی دیر سے کال کررہا ہوں۔"

"کیوں' خیریت؟" اس کے ٹھنڈے ٹھار لہجے کا استفسار اسے اندر تک سلگا گیا۔

"میری دنیا برباد کر کے تم پوچھ رہے ہو خیریت' جاہل آدمی' آستین کے بچھو بلکہ نہیں سنڈی۔ تیری اتنی جرأت کیسے ہوئی تُو نے حامی بھری کیسے کمینے گھامڑ......" ارحم کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ فون سے ہی اس کا کان کھینچ کر باہر نکال لائے۔ ارحم کی تابڑتوڑ صلواتیں کے جواب میں وہ اپنے سابقہ انداز میں بولا۔

"یار اگر تمہیں پتا چل ہی گیا ہے تو پلیز...... پلیز یار میں مجبور تھا اور اس وقت میری طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے۔ ہم پھر کبھی اس موضوع پر بات کریں گے۔" اس سے پہلے کہ وہ فون بند کرتا ارحم زور سے چلایا۔

"طبیعت تو تیری میں ٹھیک کرتا ہوں گھونسوں اور جوتوں کا سہرا تیرے مکھڑے پر باندھ کر گدھے کی سواری نہ کروائی تو میرا نام بدل دینا۔ بڑا آیا بہانے باز' طبیعت خراب ہے' اس وقت تجھے لقوہ نہیں ہوا جس وقت منہ سے ہاں پھوٹ رہا تھا۔" ارحم اس وقت جتنا تپ پا ہو رہا تھا اگر اس وقت شمعون اس کے سامنے ہوتا تو ممکن تھا فوراً ریسکیو کو بلانا پڑتا وہ کم از کم اس کا ہاتھ پیر توڑ چکا ہوتا۔ چند دن پہلے گھر میں ہونے والے اہم فیصلے کے متعلق زرتاش نے تفصیلات بتائی تھیں۔

"کیا...... یہ کیا بکواس ہے؟" وہ سنتے ہی چکرا گیا اور چلا کر بولا۔ "کب...... کب کا ذکر ہے؟"

"جمعہ کو۔"

"اور تم مجھے آج بتا رہی ہو' پانچ دن ہوگئے اتنا سب کچھ ہوئے اور مجھے کسی نے بتانا گوارہ بھی نہیں کیا' ملک سے باہر تھا دنیا سے تو باہر نہیں تھا اور وہ......" اب توپوں کا غائبانہ رخ شمعون کی جانب ہوا۔ "بچپن کا دوست بنا پھرتا ہے اور وہ ہی دشمن نکلا۔" اسے رہ رہ کر شمعون پر غصہ آرہا تھا۔ "سب جانتا ہے پھر بھی چپ رہا۔" اس نے اسی وقت اسے کال ملائی تھی مگر اٹینڈ نہیں ہوئی' کئی میسج کیے واٹس اپ' فیس بک سب پر۔ اسے سمجھ نہیں آرہی تھی اس سے رابطہ کرے تو کیسے کرے' اس کا جی چاہا اڑ کر پاکستان پہنچ جائے اس سے پہلے کہ پانی پلوں سے گزر جائے اس نے اپنی سیٹ کنفرم کروائی اور پاکستان پہنچ گیا۔ اس نے گھر پہنچتے ہی سب سے پہلے اس کے بارے میں پوچھا......

وہ جناب خصہ پھوپو کے ساتھ شاپنگ پر نکلا ہوا تھا' رات کو جانے کس پہر آیا خبر تک نہ ہونے دی۔ ظاہر ہے چور تھا تبھی دبے پاؤں آیا اور چھپتا پھر رہا تھا' ارحم اس کے کمرے پر دھاوا تو بول دیتا مگر پھر خصہ پھوپو کی وجہ سے چپ کر گیا' صبح ہوتے ہی وہ ان کی طرف آیا پتا چلا نواب صاحب تو گھر نکل گئے۔

"منہ ایسے چھپاتا پھر رہا ہے جیسے آج ہی مایوں بیٹھ گیا ہو

گدھا......" وہ بڑبڑاتا تیزی سے آفس کی جانب نکلا کہیں لنچ پر نہ نکل جائے۔

وہ آفس چیئر پر آنکھیں موندے بیک سے ٹیک لگائے آہستہ آہستہ جھول رہا تھا۔ ارحم بنا دستک کے اندر داخل ہوا اس کی ٹیبل انگلی کی پشت سے بجا کر سوچوں کا ارتکاز توڑا۔

"تم...... تم کب آئے؟" وہ سیدھا ہو بیٹھا۔

"زیادہ ایکٹنگ نہ کر تُو بہت اچھی طرح جانتا ہے میں کل آیا ہوں اور کیوں آیا ہوں یہ بھی تو بہت اچھی طرح جانتا ہے۔" وہ کرسی کھینچ کر اس کے دو بدو بیٹھ گیا۔

"یار پلیز میرے ساتھ اس ٹاپک پر بات مت کرنا...... پلیز۔"

"کیوں...... کیوں نہ کروں۔" وہ کاٹ کھانے کو دوڑا۔

"تو نہیں بولتا نہ بول مگر میں ایک ایک کو بتاؤں گا' تیری طرح ڈرتا نہیں ہوں۔" وہ کچھ پل اسے دیکھے گیا پھر کرسی سے اٹھ کر اس کی پشت پر جا کھڑا ہوا۔

"ہاں یار تُو صحیح کہہ رہا ہے تُو کسی سے نہیں ڈرتا اور تُو ڈرے بھی کیوں' کون سا مجبور ہے۔ مجبور تو میں ہوں میرے ہاتھ بندھے ہیں' زبان پر مجبوریوں نے تالے ڈالے ہیں۔" وہ سینے پر ہاتھ باندھتے دیوار پر لگی پاپا کی فل سائز تصویر دیکھ رہا تھا۔

"تیرے ساتھ کیا مسئلہ ہے' کیوں گونگا بن گیا ہے' بتاتا کیوں نہیں پھوپو کو یا پھر یہ کہہ کہ تجھے عادت ہے سرد گرم آہیں بھرنے کی' ہمیشہ خود ترسی میں مبتلا رہنا۔" وہ اس کی حد درجہ یاسیت پر چڑا اور گھوم کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"دیکھ شمعون...... تُو اپنے ساتھ جو مرضی کر مگر میں اپنے ساتھ زیادتی نہیں ہونے دوں گا۔ مجھے کوئی شوق نہیں آہیں بھرنے کی سمجھے۔" وہ مکمل خاموشی سے اسے دیکھے گیا پھر لمبی سانس بھر کر بولا۔

"دیکھو ارحم...... تمہاری زندگی ایک مرحہ پر ختم نہیں ہوتی' تمہیں بہت سی مرحہ مل جائیں گی مگر میرے ماں باپ دوبارہ آ کر اپنی پسند کا اظہار نہیں کر سکتے۔ میری خالہ جس نے اپنی ساری خوشیاں صرف میری پرورش پر قربان کر دیں وہ بار بار مجھ سے فرمائش نہیں کر سکتی' اتنی جلدی انسانوں کی فرمائشیں نہیں بدلا کرتیں اور میں تو کئی زندگیاں دے کر بھی ان کے احسانوں کا بدلا نہیں اتار سکتا جو کچھ انہوں نے میرے لیے......" وہ کچھ دیر کو چپ ہو کر ارحم کے تاثرات دیکھ رہا تھا اس کا چہرہ ایسا تھا جیسے منہ میں نبولیاں بھری ہوں۔

"ارحم یار تجھے ایک دو سال ہی ہوا ہے مرحہ سے ملے یہ کوئی اتنا لمبا عرصہ نہیں ہے کہ تُو اس کے بغیر نہ رہ سکے۔ میں بھی تو ضبط کر رہا ہوں' میری خاطر تُو بھی قربانی دے دے۔ زندگی میں پہلی بار تجھ سے کچھ کہہ رہا ہوں پلیز یار......" ارحم نے تند نگاہ سے اسے گھورا۔

"زندگی اتنی طویل ہے یار...... اس کے مسئلوں میں الجھ کر ہم کچھ ہی عرصے میں بھول جائیں گے' ہمیں یاد بھی نہیں ہوگا کون زندگی میں کب اور کہاں آیا تھا۔" اس نے ہمدردی سے ارحم کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور اسے آگ لگ گئی' وہ چبا کر بولا۔

"چلو مجھے تو تھوڑا عرصہ ہوا ہے مگر تجھے تو تھوڑا عرصہ نہیں گزرا۔" وہ کہہ کر رکا نہیں بلکہ اس کا ہاتھ جھٹک کر تیزی سے باہر نکلا' شیشے کے دروازے کا کچھ دیر ہلتے رہنا اس کے شدید ردعمل کا اظہار تھا۔ وہ چند گز کے فاصلے پر تھا جب ہائے چانس پیچھے مڑ کر دیکھا' گلاس ڈور سے وہ اپنا سر پکڑے صاف دکھائی دے رہا تھا شاید وہ کرسی پر بیٹھنا چاہتا تھا یا پھر ٹیبل پکڑنے کی کوشش میں تھا دیکھنے میں ایسے لگا جیسے وہ لڑکھڑا رہا ہو ارحم بجلی کی تیزی سے پلٹا دروازہ کھول کر اندر آیا۔

"کیا ہوا...... کیا تم ٹھیک ہو۔" مندی مندی آنکھیں' گہری سانس لیتے ہوئے اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ہوں' ٹھیک ہوں۔"

"خاک ٹھیک ہو۔" اس نے اس کی کہنی پکڑی۔ "تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی' بیٹھو ادھر۔" اسے کرسی پر بیٹھنے میں مدد دی اس کی ٹھنڈی کلائی خاصی نم آلود تھی ارحم نے اسے دو تین ٹشو کھینچ کر دیئے اس نے اپنی نم آلود پیشانی اور چہرہ صاف کیا۔

"اٹس اوکے یار...... میں ٹھیک ہوں۔" اس نے ارحم سے پانی کا گلاس پکڑ کر ہونٹوں سے لگایا۔

"اگر ٹھیک ہوتے تو ٹھنڈے پسینے نہ آ رہے ہوتے۔" اسے جہاں اس کی حالت پر افسوس ہو رہا تھا وہاں شدید غصہ بھی آ رہا تھا۔

"زیادہ وحید مراد بننے کی کوشش نہ کر...... گھر چل۔"

"نہیں نہیں...... آئی ایم اوکے یار' تم جاؤ میں آ جاؤں گا۔" اس کے مسلسل انکار کے باوجود ارحم نے اس کے منیجر کو بلایا اور سارا کام سمجھا کر اسے ساتھ لے گیا۔ واپسی پر اسے ڈاکٹر کی طرف بھی لے گیا تھا' جس نے صرف بی پی لو ہونے کا بتایا پیشہ

ور مسکراہٹ کے ساتھ چند ادویات لکھ دی تھیں۔ ارحم اسے سارے راستے گھرکیاں دیتا آیا تھا اسے سمجھانے کی بھی بہت کوشش کی اب وہ لاؤنج میں بیٹھا بھی اسے کچھ سمجھا رہا تھا۔ پروین بی بی نے جلدی سے چائے لا کر دی۔

"یہ گرم چائے پی کر دماغ کو ذرا تازہ دم کر کے سوچو۔" ارحم کپ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔

"تو پھوپو کو سمجھا تو ویسا نہیں چاہتا جیسا ہو رہا ہے۔ انہیں قائل کر میں بھی ان سے بات کرتا ہوں۔ کیوں اپنی اور میری زندگی خراب کر رہا ہے یار...... ہوسکتا ہے بعد میں پھوپو کو پتا چلے تو وہ ناراض ہوں کہ انہیں کیوں نہیں بتایا بعد میں پچھتانے سے کیا فائدہ یار۔" اس پر شاید ہی کسی بات کا اثر ہوا ہو کہ حفصہ مارکیٹ سے شاپروں میں لدی پھندی واپس آئی تھیں اسے قبل از وقت لاؤنج میں بیٹھا دیکھ کر متحیر سی رہ گئیں۔

"آج جلدی آ گئے خیریت شمعون؟" اس سے پہلے کہ ارحم اس کی طبیعت کا بتاتا وہ پہلے ہی مسکرا دیا۔

"جی خالہ...... میں بالکل ٹھیک ہوں' سب خیریت ہے۔ دراصل آفس میں کچھ کام تھا پھر اس کی وجہ سے......" اس نے بھنوؤں سے ساتھ بیٹھے ارحم کی جانب اشارہ کیا۔

"یہ تو تم نے بہت اچھا کیا۔" انہوں نے شاپرز سینٹر ٹیبل پر رکھے اور دھپ سے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"اب تم دونوں بھائی مل کر سارے انتظامات دیکھو کپڑوں کی شاپنگ تو بہت حد تک مکمل کر ہی لی۔" انہوں نے اشارے سے سامنے کھڑی پروین بی بی کو اپنے لیے چائے لانے کا کہا وہ فوراً سر ہلاتی چلی گئی۔

"ارے ہاں۔" حفصہ کو یک لخت یاد آیا۔ "شیروانی اور لہنگا ان کی اسٹیچنگ ابھی رہتی ہے' پلیز ادھر تم چکر لگا لینا۔ میں آج تھک گئی تھی بس وہ رہ گیا۔"

"وہ خالہ......" اس نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے ہی تھے ارحم کو بھی تسلی ہوئی شاید کچھ پھوٹ دے مگر وہ بولا۔

"وہ خالہ...... میں دیکھ لوں گا آپ پریشان نہ ہوں اور اگر کچھ رہتا ہے تو بتا دیں۔"

"بس تیرے منہ پر جھانپڑ لگانا رہتا ہے۔" ارحم نے بڑبڑاتے اس کی ازلی بزدلی کو دل ہی دل میں گالیوں سے نوازا۔

❀......❀......❀

شمعون تقریباً پانچ سال کا تھا جب وہ مستقل اپنے ننھیال آ گیا تھا' یہاں آ کر زندگی کچھ بدل گئی تھی اور وہ یہاں آ کر اب تک نہیں سمجھ پایا تھا کہ آخر بدلا کیا تھا کیونکہ بہترین خوب صورت گھر وہاں بھی موجود تھا اور یہاں کا گھر بھی کسی سے کم نہیں تھا۔ ہر طرح کی سہولیات' تعیشات' محبت میں نہ وہاں کمی تھی اور نہ ہی ادھر ہاں البتہ جو کمی آئی تھی وہ نادیدہ سی تھی شاید یاد اور یاد ایک ایسی کمی ہے جو نظر نہیں آتی' پکڑی نہیں جاتی مگر احساسات سے چپک کر رہ جاتی ہے آپ انہیں بیٹھیں چلیں پھریں یہ یاد آپ کا پیچھا نہیں چھوڑتی جب تک سایہ پیچھا نہیں چھوڑتا جب تک سانس پیچھا نہیں چھوڑیں یاد بھی پیچھا نہیں چھوڑتی' اسے یاد تھا اپنا وہ دو منزلہ گھر۔

نیچے کی منزل میں تایا عبدالرحمان رہتے تھے جن کی دو بچیاں تھیں نازک نازک' پتلی پتلی' بالکل تائی سفینہ کی طرح رنگت کچھ سانولی تھی مگر نقوش بے حد متاثر کن تھے اور بیٹا ایک ہی تھا جو پیدائشی طور پر معذور تھا۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں اتنی سکت نہیں تھی کہ وہ عام لوگوں کی طرح بہت دیر تک بیٹھا رہے۔ وہ چند منٹ بعد ہی جھکتے جھکتے گر جاتا تھا بمشکل پانچ منٹ اپنا وزن برداشت کر پاتا۔ ایک دن وہ مستقل دس منٹ بغیر سہارے کے بیٹھا' تائی سفینہ کی حالت دیکھنے والی تھی۔ اپنی چھوٹی دیورانی شمانہ (شمعون کی والدہ) کو فوراً اوپر بلا لائیں۔

"تم کہتی تھیں ناں ایک دن اپنا زارون بیٹھے گا' دیکھو اللہ نے تمہاری سن لی آج...... آج وہ پورے دس منٹ بیٹھا رہا۔" تائی سفینہ خوشی سے بے حال ہو رہی تھیں شمانہ بھی مبارک دیتے ہوئے لپٹ گئیں۔

"بھابی آپ پریشان نہ ہوا کریں' ایک دن ہمارا زارون چلے پھرے گا اپنے سارے کام خود کرنے لگے گا۔" شمانہ کی تسلی پر ان کی آنکھوں کی چمک جہاں بڑھی وہاں ایک سرد آہ بھی نکلی۔

"پتا نہیں یہ کب حقیقت بنے گی' شمانہ مجھے تو ڈر ہی لگا رہتا ہے۔ میرا ایک ہی بیٹا ہے اگر یہ ساری زندگی ایسا ہی رہا ہماری نسل ہی ختم ہو جائے گی۔"

"ہائے بھابی...... اللہ نہ کرے۔" شمانہ نے سفینہ کے ہاتھ گرم جوشی سے پکڑ لیے۔

"ایسا نہ سوچا کریں اور پھر شمعون بھی تو آپ ہی کا بیٹا ہے آج بھی اور کل بڑا ہو کر بھی' اس کے بچے بھی اس خاندان کی نسل سے ہوں گے۔" دونوں دیورانی جیٹھانی لپٹ گئیں کیوں کہ دونوں بہت اچھی طرح جانتی تھیں کہ وہ دونوں زارون کے

بارے میں ایک دوسرے کو جھوٹی تسلی دے رہی ہیں۔ ڈاکٹرز نے صاف بتایا ہوا تھا کہ زیادہ سے زیادہ یا آدھ گھنٹہ بیٹھ سکتا ہے وہ بھی اگر مستقل فزیوتھراپی ہوتی رہی اور اس کے علاج پر ہی عبدالرحمان کی بہت سی رقم لگ جاتی تھی اس کے اپنے تھراپسٹ فزیوتھراپسٹ الگ الگ روزانہ آتے' سارا دن سفینہ زارون کے آگے پیچھے گھومتی رہتیں۔ دونوں بیٹیاں اس سے چھوٹی تھیں اکثر ہی انہیں شمانہ اپنے پاس اوپر رکھتی تھیں تب شمعون چار سال کا تھا اور مرحہ تین' رویحہ دو سال کی۔ یہ تینوں بچے شمانہ کی ذمہ داری تھے۔ شمعون اور مرحہ کی اچھی دوستی تھی' نہ صرف خود کھیلتے بلکہ رویحہ کا خیال کرتے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھیلنے میں مدد کرتے تھے اسی طرح شمانہ گھر کو دیکھ لیتیں اور سفینہ زارون کو جو ہر وقت بیڈ پر پڑا شور مچاتا رہتا تھا کہ اس کے پاس کوئی موجود رہے۔

گھر میں تینوں بچوں کی ملی جلی آوازیں تھیں' رنگ برنگے بلاکس لے کر مرحہ اور شمعون مختلف ربورٹ بنا رہے تھے اور پاس بیٹھی رویحہ جس بلاک کو ہاتھ لگاتی جھٹ سے مرحہ چھین لیتی۔

"یہ نہیں لو' شمعو ربورٹ بنا رہا ہے' ہیں ناں شمعو بھائی یہ سارے بلاکس ہمارے ہیں ناں۔" اس نے تائیدی معصومیت سے کہا مگر شمعون نے وہ بلاک واپس بھاں بھاں کر کے روتی رویحہ کو دے دیا۔

"نہیں...... یہ ہم سب کے ہیں۔" اس نے بات ہی ختم کردی تھی' حفصہ دو دن پہلے ہی بہن کے پاس اسلام آباد آئی تھی اور وہ دو دن سے نوٹ کر رہی تھی تینوں بچوں میں بے حد اتفاق ہے' کوئی دیکھنے والا کہہ نہیں سکتا کہ یہ کزنز ہیں' سگے' بہن بھائی لگتے تھے۔

"آپی ویسے آپ کے بچوں میں پیار کتنا ہے' بڑے اتفاق سے کھیلتے ہیں۔" اسے زیادہ حیرت اس لیے بھی ہو رہی تھی ان کے بڑے بھائی کے دو ہی بچے تھے ارحم اور زرتاشہ اور دونوں اکثر ہی لڑتے رہتے تھے کبھی کھیل کھلونوں پر تو کبھی رشتوں پر۔

"میری پھوپو...... میری پھوپو...... میرے مما پاپا...... میرے مما پاپا......" ہر وقت کا جھگڑا تھا اور جب شمانہ رہنے چلی جاتیں پھر تو بمشکل ہی کان پڑی آواز سنائی دیتی تھی' ان کا اسی بات پر جھگڑا ہو جاتا تھا۔

"شمعون میرا بھائی ہے' میرے ساتھ کھیلے گا' شمانہ پھوپو میرے بلانے پر آئی ہیں۔ شمعون میرے ساتھ کھائے گا' میرے ساتھ سوئے گا۔" آخر رحیلہ تنگ آجاتی تھیں دونوں کو ایک ایک لگا کر چپ کرواتیں۔

"شمعون کسی کا بھائی ہے اور نہ ہی کسی کے ساتھ سوئے گا وہ اپنی مما کا بیٹا ہے اور میرے ساتھ ہی سوئے گا۔" شمعون کو رحیلہ ممانی کی بات ہی پسند آتی تھی حالانکہ جو خوش طبع سا شمعون ان دونوں کی نوک جھونک سے تنگ آجاتا اور یہی وجہ تھی اس کا یہاں دل بھی کم لگتا تھا۔ اپنا گھر اور مرحہ رویحہ یاد آتیں جو خاموشی سے ساتھ کھیلتی تھیں اور وہاں واپسی پر بھی زرتاشہ اور ارحم کی لڑائی ہو جاتی۔

"پھوپو کو چھوڑنے پاپا کے ساتھ میں جاؤں گا یا میں جاؤں گی۔" اور شمانہ ہاتھ جوڑ کر کہتی۔

"نہیں بھئی یا تم دونوں جاؤ گے یا پھر میں تمہارے انکل کو بلالوں گی اور ان کے ساتھ جاؤں گی۔" اور حفصہ ان کی بیچ بیچ پر جھلا جاتی اور اب یہاں ان تینوں کو اتنے آرام سے کھیلتا دیکھ کر اندر تک خوش ہوئی تھیں۔

"اللہ کا شکر ہے حفصہ۔" شمانہ تشکر بھرے انداز میں بولیں۔ "ان تینوں کی کبھی لڑائی نہیں ہوئی' اللہ ہمیشہ اتفاق ہی رکھے ان میں' میں تو آگے تک کا سوچے بیٹھی ہوں' مجھے اور الیاس کو مرحہ بہت پسند ہے۔"

"استغفراللہ آپی......" حفصہ نے شمانہ کو شکوہ کناں انداز میں دیکھا۔ "چھوٹے چھوٹے بچے ہیں' آپ پتا نہیں کیا سوچے بیٹھی ہیں۔"

"آج چھوٹے ہیں کل بڑے ہونا ہے' میرا ایک بیٹا ہے' خاندان سے بہولاؤں گی دیکھنا بھالی۔" حفصہ فطرتاً ہنس مکھ تھی ایسے مذاق ہی مل گیا۔ جہاں انہیں اکٹھے بیٹھے دیکھتی مصنوعی خفگی سے ڈپٹ دیتی۔

"شمعون...... پیچھے ہو کر بیٹھو' پردہ ہے تم دونوں کا۔" شمعون' مرحہ نے معصومیت سے صوفے پر بیٹھی خالہ کو دیکھا۔ وہ پھر سے اپنے بلاکس جوڑنے لگا البتہ شمانہ نے حفصہ کے ایک چپت لگائی۔

"شرم نہیں آتی بدتمیز بچوں کو تنگ کر رہی ہو۔"

"لو جی اس میں کیا شرم۔" وہ مونگ پھلیاں چھیل چھیل کر پھانکتے ہوئے مسکرائی۔

"شکر ہے آپ نے بتا دیا اب میں ان کا دھیان رکھوں گی' الویں ناں جذبات میں آ کر کچھ کر بیٹھیں۔"

"دفع ہو جاؤ۔" اب کے شمانہ نے باقاعدہ اس کے کندھے پر گھونسا مارا تھا۔

"بھائی کو تو بتانا ہی نہیں چاہیے تھا۔" اب وہ اپنا کندھا ملتے ہوئے باقاعدہ زور و شور سے ہنسی تھی۔

"آپ بھی تو ایسی بے وقوفی والی بات کر رہی ہیں' کل کلاں بڑے ہو کر جانے کون کیا کہے۔"

"تو میری کون سا بات پتھر پر لکیر ہے جو مٹ نہ سکے ویسے ہی خیال تھا شیئر کرلیا اور تم ہو کہ پیچھے ہی پڑ گئیں۔" دونوں کی نظریں خود پر جمی دیکھ کر بچے جھینپ سے گئے تھے اپنے تمام بلاکس باسکٹ میں ڈالے اور باہر جا کر لابی میں کھیلنے لگے۔

❁ ❁ ❁

وقت کی چالیں بہت عجیب ہیں' سبک رفتاری سے چلتا بھی ایسے ایسے گھاؤ لگا دیتا ہے جو نہ سلنے میں آتے نہ بھرنے میں۔ انسان روتا' سسکتا رہ جاتا ہے اور وقت اپنے پنجوں میں دبوچے منڈیر پر منڈیر اٹھاتا کہیں دور بٹھا دیتا ہے اور وقت گزرتا رہا۔ اس کی سبک رفتاری میں خون کی بو شامل ہوتی تھی اور اس بو کو پانے کے لیے اس نے چالیں چلنا شروع کیں سب کچھ لمحوں میں ہلا دیا اور اس طرح شمعون کی ساری زندگی منتشر ہو گئی۔

❁ ❁ ❁

حفصہ کی شادی کی تاریخ طے پا چکی تھی شادی میں صرف ایک مہینہ باقی تھا اُدھر تو جہیز کی تیاری ہو رہی تھیں' شمانہ کو اپنی تیاریوں کی فکر تھی روز ہی بازار گئی ہوتیں۔ سفینہ نے اپنی تیاری بھی شمانہ کے ذمہ لگا رکھی تھی کیوں کہ زارون کی وجہ سے وہ کم ہی نکلتی تھیں اب یہ تو قریب کی شادی تھی جانا تو لازمی تھا۔ بس ایک دو دن کے حساب سے جو تیاری بنتی تھی وہ لسٹ بنا کر شمانہ کو تھمائی۔

"جب اپنی چیزیں لاؤ گی تو میری بھی لے آنا۔"

اکتوبر کے اوائل کی بات ہے موسم کافی خوشگوار تھا' ہلکے ہلکے بادلوں نے اسلام آباد کی فضا کو خنکی میں تبدیل کر دیا تھا۔ الیاس آفس سے آ کر بیٹھے تھے' شمانہ چائے لے آئی لنچ وہ کچھ دیر پہلے ہی کر کے آئے تھے۔ اس لیے چائے پر زیادہ تردد نہیں کرنا پڑا۔ چائے کے دوران ہی انہوں نے شمانہ کو اپنے نئے تعمیراتی گھر کے بارے میں تفصیلاً بتا دیا تھا' شمانہ پورے شوق سے سن رہی تھیں نئے گھر کا ہر شخص کو شوق ہوتا ہے اور یہ شوق خاص طور پر خواتین کی خواہش کا درجہ رکھتا ہے ویسے بھی جس گھر میں دونوں فیملیاں آباد تھیں یہ ان کے دادا کے وقتوں کا اور خاصا پرانا تھا۔ الیاس اور عبدالرحمان نے بل کر دو کنال کا پلاٹ خریدا تھا اور اب اس پر بہت تیزی سے تعمیراتی کام ہو رہا تھا۔ دونوں بھائیوں کا ہمیشہ ساتھ رہنے کا ارادہ تھا' گھر کی تنگی کے باعث بھی جھگڑے نہ ہوں اور علیحدگی کی بنیاد پڑے اسی لیے قبل از وقت الگ الگ پورشنز کا کھلا گھر بنا لیا جائے۔ عبدالرحمان نے صبح ہی بھائی کو بتایا تھا۔

"لینٹر ڈل چکا ہے تم شام میں چکر لگا لینا اور جو کوئی ٹھیکیدار کو مشورہ دینا ہو' دے دینا۔" اسی لیے انہوں نے جلدی سے چائے پی' اپنی چابیاں اور والٹ میز پر سے سمیٹتے ہوئے اٹھے۔

"میں ذرا کوٹھی کا چکر لگا آؤں' تم شمعون اور بچیوں کو تیار رکھنا رات میں کہیں گھومنے چلیں گے۔"

"گھومنے کو چھوڑیں' میں آگے ہی اتنی گھومی پڑی ہوں' مجھے شاپنگ پر جانا ہے اپنے ساتھ لے چلیں۔"

"نو نو پلیز...... یہ شاپنگ کا کام میرے ساتھ نہیں' تم کسی کے ساتھ بھی چلی جانا۔" الیاس کی شکل پر یک لخت بے حد بیزاریت ابھر آئی تھی' یہ وہ واحد کام تھا جس سے وہ بری طرح کتراتے تھے ان کے نزدیک شمانہ کے ساتھ شاپنگ کا مطلب ہے بندے کو اپنے گناہ سمندر کے پانی کی طرح پھیلانے کے مترادف ہے کیوں کہ ایک دکان سے نکل کر دوسری میں گھسنا پھر وہ جو جو نقص نکالے اس میں نہ چاہتے ہوئے بھی تائید میں سر ہلانا' مشورہ دینا۔ دل الگ گواہی دیتا زبان الگ' بیگم کو خوش کرو تو جیب ناخوش اور جیب کو دیکھو تو بیگم کئی دن کے لیے ایسی اجنبی بن جاتیں جیسے کوئی دور دیس کی دوشیزہ ہو ایسے میں یہی بہتر ہے بندہ ساتھ ہی نہ جائے اور اس مشورہ پر شمانہ گھور کر بولیں۔

"میں کس کے ساتھ جاؤں اور اگر کسی کسی کے ساتھ جانا شروع کر دیا نہ تو آپ سے ہی برداشت نہیں ہوگا۔" وہ "کسی کسی" کو خاصا چبا کر بولیں۔

"کک...... کیا مطلب...... کیا فضول بول رہی ہو۔" وہ غرائے مگر سامنے بھی شمانہ تھیں' اپنا میاں ہے اور میاں سے بھلا کیا ڈرنا' تنک کر بولیں۔

"آپ ہی کے مشورے کو واضح کر رہی ہوں' اس گھر میں آپ ہیں یا بھابی سفینہ بھابی زارون کی وجہ سے نہیں جا سکتیں آپ لے کر نہیں جانا چاہتے پھر کسی کو باہر ادھر اُدھر ہی تلاش کرنا پڑے گا ناں۔"

"اچھا اچھا چلو بابا تم مت بناؤ بڑی آئی کسی کسی والی۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے باہر کی جانب نکلے شمانہ نے جلدی جلدی اپنی

لسٹ بیگ میں رکھی اور تیار ہوکر نیچے آ گئیں۔ شمعون اپنے تمام کھیل کھلونے چھوڑ کے پاپا کی ٹانگوں سے لپٹا کھڑا تھا یقیناً وہ بھی ساتھ جانے کی ضد میں تھا شمانہ کو اترتا دیکھ کر الیاس نے کہا۔

''سمجھاؤ اسے' یہ کیا کرے گا۔ مجھے واپسی پر کوٹھی بھی چکر لگانا ہے ڈھول مٹی خوامخواہ میں اس کی طبیعت خراب ہوجائے گی۔'' شمانہ کے کچھ کہنے سے پہلے ہی سفینہ بھابی باہر لاؤنج میں آ گئیں اور انہوں نے تو ہمیشہ ہی شمعون کی حمایت کرنا تھی۔

''الیاس' کبھی کبھی تو یہ ضد کرتا ہے آج اگر کہہ رہا ہے تو ساتھ لے جاؤ کیا ہوگیا۔''

''بھابی اس کی ماں نے دکان در دکان پھرنا ہوتا ہے' میں شاپر بھی سنبھالوں اور اس کو بھی۔'' وہ ماں اور باپ دونوں کو ملتجی نگاہ سے دیکھتا باقاعدہ رونے لگا تھا۔ شمانہ نے اس کا بازو پکڑ کر اپنے ساتھ کرلیا۔

''کچھ نہیں ہوتا' میں دھیان کرلوں گی اس کا' یہ کون سا گود کا بچہ ہے اپنی ٹانگوں پر چل کے جاتا ہے۔'' دو عورتوں کے مشترکہ ووٹ میں ان بے چاروں کی کیا حیثیت رہی تھی آ گے آ گے وہ اور پیچھے ماں بیٹا۔ ان کے ساتھ گاڑی میں برابر آ بیٹھے تھے' گاڑی تارکول کی سڑکوں پر تیزی سے دوڑ رہی تھی' ہر منٹ پر شمانہ کو کوئی نیا مال یاد آ جاتا۔

''ادھر بھی چکر لگالیں گے' سنا ہے نئی ورائٹی آئی ہے۔'' الیاس ایک خفگی بھری نگاہ ڈالتے اور گاڑی ان کے بتائے رستوں پر ڈال دیتے۔

گاڑی پارکنگ میں کھڑی کر کے اب پیدل مارچ کرنا تھا اور اسی سے الیاس کی جان جاتی تھی' بازار میں اتنا بے ہنگم رش تھا' شمعون کو انہوں نے گود میں اٹھالیا اور شمانہ تو ایسی مال میں گھسیں کہ نکلنے کا نام ہی نہ لیں' ایک ایک دکان چھان ماری تھی۔

''یار بس کرو' بہت دیر ہوگئی ہے۔'' انہوں نے نیا بل ادا کرتے ہوئے کہا وہ نظر انداز کر گئیں۔

''کیا ہوگیا اگر دیر ہوگئی ہے گھر ہی جانا ہے ناں۔''

''محترمہ بیگم صاحبہ.....'' وہ جتا کر بولے تھے۔ ''گھر سے پہلے کوٹھی کا چکر بھی لگانا ہے شکیل انتظار کررہا ہوگا۔''

''ہاں تو وہ کون سا کوٹھی لے کر بھاگا جارہا ہے' بس یہ جوتے ذرا دیکھ لیں۔'' وہ جوتوں کی دکان کا ڈور دھکیل کر اندر داخل ہوئیں۔

''شمانہ مجھے لگ رہا ہے' ہم زندگی کی آخری شاپنگ کررہے ہیں۔'' وہ اپنے ہاتھوں میں بڑھتے شاپرز سے اکتا چکے تھے اور شمانہ نے پوری آنکھیں کھول کر میاں کو گھورا تھا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا؟ میرے میکے میں یہ واحد شادی ہونی ہے بھائی کی تو پہلے ہوگئی تھی' اکلوتی بہن کی شادی پر بھی ارمان پورے نہ کروں کنجوس۔''

''یار کچھ ارمان سنبھال کر رکھ لو بیس سال بعد بیٹے کی شادی پر نکال لینا۔'' اس بات کا شمانہ نے کوئی جواب نہیں دیا' وہ جوتوں کے ڈیزائن دیکھنے میں محو تھیں الیاس کو شمانہ کو چڑانا اچھا لگتا تھا جب کوئی جواب نہ آیا تو خود ہی خفیف سا اس کی جانب سر جھکا کر بولے۔

''اگر بیس سال میں دیر ہے تو.....'' وہ لحہ توقف سے اپنی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولے۔ ''یہ خادم حاضر ہے تمہاری خاطر قربانی دینے کو جب چاہو سہرا باندھ کر ارمان پورے کرلو۔'' شمانہ کے تو سر پر لگی تلووں پر بجھی ایسی خونخوار نگاہوں سے دیکھا کہ وہ حفظ ماتقدم کے طور پر جلدی سے اٹھ کر سامنے کھڑے ہوگئے اس سے کوئی بعید نہیں تھی یہاں ہی جوتوں کا سہرا پرو کر سر پر لٹکا دیتی۔

''سوری.....'' انہوں نے اشارتاً کہا تھا اس کی کچھ عتابی نگاہیں کم ہوئیں تو قدرے قریب آئے۔

''یار میں نے تو مذاق کیا تھا مجھ غریب سے ایک بیگم نہیں سنبھالی جارہی دوسری تو فوراً ہی اگلے جہان پہنچادے گی۔''

''تم بے فکر رہو یہ کام بھی میں خود ہی کردوں گی۔''

''کون سا؟'' الیاس نے ناسمجھی میں استفسار کیا تو وہ دانت جما کر بولی۔

''اگلے جہان پہنچانے کا۔''

''مما میں بھی پاپا کے ساتھ جاؤں گا۔'' شمعون کے کہنے پر دونوں تحیر سے بولے۔

''کہاں؟''

''اگلے جہان۔''

''اللہ نہ کرے۔'' شمانہ کا دل مٹھی میں سمٹ گیا تھا جوتے چھوڑ فوراً شمعون کو گود میں بٹھایا نگاہوں میں ہی میاں کی نظر اتاری اور صدقے کی منت مانتے ہوئے اٹھیں۔ جوتے خریدنے سے بھی دل یک لخت اوب گیا دکان دار نے بہت روکا۔

''باجی یہ دیکھ لیں وہ دیکھ لیں۔'' مگر وہ صرف میاں کو دیکھ رہی تھیں۔

"چلیں میرا موڈ نہیں ہے۔"

"لے لو پلیز، میں کل نہیں آؤں گا۔" الیاس نے ایک بار پھر آفر کی تھی مگر دل اٹھ گیا سو اٹھ گیا' وہ دکان سے باہر نکل آئیں وہ بھی کندھے اچکا کر ہمراہ ہو گئے۔

ان کی گاڑی کا رخ کوٹھی کی جانب تھا اور سارا رستہ خاموشی سے کٹا تھا' الیاس نے کئی بار ہلکی پھلکی باتوں سے اس کا موڈ ٹھیک کرنا چاہا مگر اس نے کچھ خاص رسپونس نہیں دیا تھا۔

"ارے کیا ہو گیا یار! تم تو ایسے بی ہیو کر رہی ہو جیسے میں اگلے جہان میں پہنچ ہی گیا۔"

"بس کر جائیں الیاس اب' ایک بار فضول بولنا شروع ہو جائیں تو ہٹتے ہی نہیں۔" وہ اچھی خاصی خفا ہو گئی تھی۔

اندھیرا اچھا خاصا پھیل چکا تھا' جس وقت تک وہ کوٹھی پہنچے تب تک ٹھیکیدار اور لیبرز جا چکے تھے' الیاس نے باہر سے ہی جائزہ لیا پھر اشارے سے شمانہ کو بلایا۔ وہ گاڑی کا دروازہ بند کر کے عنبلتی ہوئی گیٹ سے اندر داخل ہوئی جگہ جگہ اینٹوں' بجری کے ڈھیر لگے تھے ایک جانب بہت سارے سیمنٹ کے خالی بھرے ہوئے تھیلے رکھے گئے تھے۔ الیاس نے آگے بڑھ کر سنبھل سنبھل کر چلتی بیگم کا ہاتھ پکڑ کر ذرا اندر لے گئے وہ اسے وہاں سے پورچ اور لان کی لوکیشن سمجھا رہے تھے۔ اچانک ان دونوں کو کوئی چکر سا آتا محسوس ہوا تھا' قدم کانپ رہے تھے۔ کانپتے قدموں نے زمین میں گڑگڑاہٹ محسوس کی۔

"الیا...... س......" وہ کچھ چونکتے ہوئے بولیں۔ "زلزلہ...... کیا زلزلہ آ رہا ہے۔"

"ہاں' بیٹھ جاؤ...... یہیں بیٹھ جاؤ۔" انہوں نے اسے نیچے بیٹھنے کا کہا مگر وہ گیٹ کی جانب بھاگی تھیں۔

"نہیں نہیں...... باہر نکلیں...... شمعون......" انہوں نے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ زوردار جھٹکا آیا اور گیٹ کے اوپر بنا شیڈ زور سے نیچے گرا۔ جا بجا بکھری بجری اور اینٹوں کے ڈھیر پر مٹی گرد کا طوفان سا ابھرا اور اس میں ان دونوں کی شدید چیخیں' کسی کو کچھ سمجھ نہیں آئی تھی اس نئی تعمیراتی بلڈنگ میں اس وقت کیا ہوا ہے بس آواز بے حد خوفناک تھی۔ گاڑی کی ونڈو سے گرد کا طوفان شمعون نے بھی دیکھا تھا۔ وہ آنکھیں پٹپٹا کر دیکھتا رہا جب زمین کی حرکت رکی' کچھ لوگ شور وغل کی آواز پر باہر نکل آئے تھے۔ علاقے کا گارڈ جسے عبدالرحمان اور الیاس پیسے اس لیے دیتے تھے تاکہ وہ ان کے گھر کا خیال رکھے وہ بھی بھاگتا ہوا ادھر ہی آیا تھا' لوگوں کی چہ مگوئیوں سے پتا چلا تھا آج جو لینٹر ڈالا گیا تھا اس کا اگلا حصہ گرا ہے۔ ان دونوں کی چیخیں اب تھم چکی تھیں ایک آدھ کوئی دم توڑتی کراہ سی تھی۔ گارڈ نے اپنی ٹارچ ادھر ادھر گھمانا شروع کر دی' شمعون کو گاڑی میں بیٹھے خاصی وحشت ہو رہی تھی' باہر بہت سے لوگ تھے ایک نے دروازہ کھول کر اسے باہر نکال لیا تھا اور وہ زور زور سے "مما پاپا" پکار رہا تھا۔

❁......❁......❁

عبدالرحمان بدحواسی کے عالم میں گاڑی بھگاتے آئے تھے' وہ پہلے ہی پریشان تھے آخر الیاس بیوی بچے کو لے کر کہاں رہ گیا' فون بھی اٹینڈ نہیں کر رہا' کوئی پروگرام تھا تو کم از کم بتا ہی دیتا۔ سفینہ بھی پریشان تھیں۔

"شاپنگ کا کہہ کر تو گئے تھے' پتا نہیں کہاں رہ گئے۔" جب سے زلزلہ آیا تھا عبدالرحمان اور سفینہ لاؤنج میں چکراتے پھر رہے تھے' کتنے ہی فون کر لیے مگر کوئی خیر خبر نہیں۔ الیاس کے موبائل پر مسلسل کال آ رہی تھی آواز سے پتا چلتا ڈھیر میں کچھ دبا ہوا ہے مگر اتنے بھاری ڈھیر سے روشنی کا آنا ممکن نہ تھا۔ کئی لوگ اپنی ٹارچ لے آئے' ایک شخص نے ریسکیو والوں کو فون کر دیا تھا ان کے آتے ہی ملبہ اٹھانے کا کام تیزی سے ہوا' نئے نئے کنکریٹ کے ڈھیر کو اٹھانا بھی مشکل تھا کہیں سے نرم' کہیں سے سخت ڈھیلے کی صورت کئی لوگوں نے مل کر جگہ کی نشاندہی کی۔ ایک موٹا سا ڈھیر اٹھتے ہی موبائل کی آواز کے ساتھ کسی کے کپڑوں سے چھن کر روشنی بھی آتی محسوس ہوئی' گارڈ نے آگے بڑھ کر الیاس کی پینٹ سے موبائل نکال لیا اور کال کرنے والے کو ساری صورت حال بتائی تھی' عبدالرحمان تو جیسے سنتے ہی پاگل ہو گئے تھے۔

"ایسا کیسے ہو گیا...... اس وقت وہ کچے لینٹر کے نیچے کرنے کیا گھسا ہو گا۔"

وہ وہاں پہنچ چکے تھے مگر ان سے بہت پہلے ملک الموت وہاں اپنا کام کر کے جا چکا تھا۔ لوگ بھی افسردہ ہوتے جھرجھریاں لیتے ٹولیوں کی صورت ہٹنے لگے۔ قیامت صرف عبدالرحمان کے لیے رہ گئی تھی یا پھر شمعون کے لیے۔ ڈرے سہمے کسی خوف زدہ بچے کی طرح کانپتے شمعون کو انہوں نے اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا اور کسی طرح گھر پہنچنے کا انتظام کیا۔

❁......❁......❁

قیامت اپنے مقررہ وقت پر آ کر لوٹ جاتی ہے بالکل

سیلابی ریلے کی طرح مگر اس کی تباہ کاری زمین پر بچھ کر گریہ زاری بہت عرصے تک کرتی رہتی ہے تب بھی اسی طرح ہوا تھا لوگوں کا مجمع گھر میں اکٹھا ہوا' رونا دھونا' خوب چیخ و پکار مچی پھر آہستہ آہستہ سب اپنے ٹھکانوں پر پہنچ گئے۔ تباہ کاری صرف شمعون کے لیے رہ گئی تھی' وہ وحشت زدہ آنکھیں پھیلائے سب کے چہرے دیکھتا رہتا' ماں کا لمس' باپ کی کمی اس میں ہیبت پھیلا رہی تھی۔ در و دیوار پر ایک سوگ اتر آیا تھا' اتنی جوان میتیں...... کتنے دن عبدالرحمان گم صم رہے' نئے گھر تو کیا انہیں پرانے گھر سے کوئی دلچسپی نہ رہی تھی۔ ادھر لاہور میں حفصہ کی شادی ملتوی کرنے پر بات ہونے لگی' فنکشن کیسے ہوسکتا تھا اس کے جوان بہن بہنوئی اچانک سے چلے گئے۔ حفصہ کے سسرال والوں کو شادی ملتوی کرنے پر اچھا خاصا اعتراض تھا' ان کے بیٹے نے آسٹریلیا سے آنا تھا اور ساری تیاری مکمل تھی۔ اسے چھٹی بھی انہی دنوں ملتی تھی بعد میں مسئلہ بن سکتا تھا مگر حفصہ ذہنی طور پر بالکل تیار نہیں تھی اس نے فون کرکے اپنے منگیتر سے خود بات کی تھی۔

''یہ میری فیملی کا بہت بڑا نقصان ہے' ایسے موقع پر میرا دل کیسے اپنی خوشیوں کے لیے آمادہ ہوسکتا ہے۔'' اسے بھی سمجھ آگئی اور چند مہینوں پر معاملہ ٹل گیا تھا۔

حفصہ تقریباً پندرہ بیس دن مستقل اسلام آباد شمعون کے پاس رہی تھی' وہ اس سے لپٹا دبکا رہتا۔ نہ روتا تھا' نہ ضد کرتا تھا بس کبھی کبھی ملتجی نگاہ سے اسے دیکھ کر بہت آہستگی سے پوچھتا۔

''خالہ...... مما پاپا کب آئیں گے؟'' وہ اسے خود سے لپٹا کر جھوٹی تسلیاں دیتی رہتی' وہ ساری زندگی وہاں نہیں رہ سکتی تھی واپس لاہور آنا تھا۔ بھائی سلمان پہلے بھی دو بار اسے لینے آئے تھے اب کی دفعہ تو اسے لازمی جانا ہی تھا۔ شمعون کو ایسے تنہا چھوڑ کر آنا اسے اپنے لیے بڑا امتحان لگ رہا تھا' اس نے بیگ تیار کرتے ہوئے سلمان بھائی سے کہا تھا۔

''ہم شمعون کو اپنے ساتھ لے چلتے ہیں' یہاں یہ اکیلا کیسے رہے گا۔''

''اکیلا کیوں؟'' سلمان بھائی قدرے سوچ کر بولے۔

''اس کے تایا' تائی ہیں ناں۔''

''بھائی میرا بالکل دل نہیں کر رہا اسے چھوڑ کر جانے کو آپ بات تو کریں بھائی جان عبدالرحمان سے۔''

''میری بات سنو حفصہ...... مسئلہ شمعون کو ساتھ لے جانے میں نہیں ہے اور نہ ہی اس کی پرورش اور اخراجات کا مسئلہ ہے اس کے خاندان کا' عبدالرحمان کبھی نہیں مانیں گے یہ ان کے بھائی کی اکلوتی نشانی ہے پھر دنیا والے کیسے جینے دیں گے۔ بھائی کی آنکھیں بند ہوتے ہی بچہ ننھیال کو دے دیا' اس لیے مجھے مناسب نہیں لگ رہا یہ بات کرنا۔'' حفصہ بار بار بھائی کی منتیں کررہی تھی اور ان کے پاس ہی لیٹا بظاہر سوتا شمعون اندر تک دہل رہا تھا اسے کچھ خاص سمجھ نہیں تھی صرف اتنا اندازہ ہورہا تھا' خالہ اسے چھوڑ کر جارہی ہیں' جس میں اسے ماں کی خوشبو محسوس ہورہی ہے۔

❁......❁......❁

وہی مرحہ' رویحہ جن کے ساتھ گھٹنوں کھیلتا تھا اب بری لگنے لگی تھیں' وہ ایک جانب ہوکر بیٹھا رہتا۔ حفصہ اپنے بھائی کے ساتھ لاہور جاچکی تھیں' آہستہ آہستہ زندگی معمول پر آنے لگی۔ وہ دن میں دو تین بار فون کرکے شمعون کی خیریت پتا کرتی رہتیں' وہ گم صم سے ''ہاں' جی' اچھا'' جیسے جواب دیتا۔ حفصہ اپنے جہیز کی چیزیں سمیٹ کر الماری میں رکھ رہی تھی' شادی اگلے سال پر ملتوی ہوچکی تھی جو کپڑے آؤٹ آف فیشن ہوجانے تھے وہ استعمال کے لیے الماری میں رکھ لیے اور کچھ میک اپ کا سامان جن کی ایکسپائری قریب تھی وہ ڈریسنگ پر رکھ دیے دفعتاً انہیں شمعون کا خیال آیا آج صبح سے کام میں لگے ہونے کی وجہ سے ایک بار بھی کال نہیں کرسکی تھیں انہوں نے نمبر ملایا بیل جاتی رہی' حفصہ نے تین چار بار کال ملائی تھی تب سفینہ کی بے زاریت بھری آواز ابھری۔

''ہیلو......''

''ہیلو' السلام علیکم! بھابی میں حفصہ بات کررہی ہوں۔''

''ہاں ہاں حفصہ...... ٹھیک ہو؟ اصل میں میں بہت بزی تھی اُدھر زارون نے تنگ کر رکھا ہے اِدھر شمعون کو بخار ہوگیا۔''

''بخار ہوگیا...... کب؟''

''کل سے ہے اور اس قدر تنگ کررہا ہے' کوئی چیز نہیں کھا رہا' نہ دوا لے رہا ہے۔ زارون کے کام الگ...... میں چکرا کر رہ گئی۔'' حفصہ سے بالکل برداشت نہیں ہوا' جیسے ہی بھائی آئے ان کے سامنے اپنے جانے کا عندیہ رکھ دیا۔ سلمان کو اس کی بات قدرے ناگوار لگی' وہ سمجھانے لگے تھے۔

''تم حوصلہ رکھو' بچے بیمار ہوتے رہتے ہیں' گھروں کے کام مسئلے مسائل سب چلتا ہے' انہیں خود نپٹنے دو اس فکر سے۔'' وہ

بالکل متفق نہیں ہوئیں بھابی رحیلہ نے بھی حفصہ کی حمایت کردی اور حفصہ کے کہنے پر ہی اسے ڈائیو پر سوار کردیا تھا۔

سفینہ بھابی بچی تھیں' زارون بے حد چڑچڑا تھا جیسے ہی وہ شمعون کے کاموں میں لگتیں وہ چیخنا شروع کردیتا۔ اسے تو اپنی بہنوں کے ساتھ ماں شیئر کرنا نہیں آتی تھی' کہاں شمعون ایسے میں سفینہ بھابی بالکل اجڑی حالت میں کام سمیٹتیں پھر رہی تھیں' حفصہ کی ہمدردی پاکر تو رونے والی ہوگئیں۔

"حفصہ میں تو شانہ سے بے حد شرمندہ ہوں' اس نے میری دو بچیوں کو ایسے سنبھال رکھا تھا جیسے ان کی سگی ماں ہو۔ زارون ہی مجھے کسی کے پاس بیٹھنے اٹھنے نہیں دیتا تھا اور اب اس کا ایک بچہ میں نہیں سنبھال پارہی۔ اس کے جانے سے تو اپنی دونوں کی ذمہ داری بھی پڑگئی اور شمعون بے چارہ چاہتا ہے اسے ساتھ لپٹاؤں' زارون الگ مشکل پیدا کردیتا ہے۔ میں کیا کروں؟ عبدالرحمان کوئی میڈ دیکھ رہے ہیں' اللہ کرے کوئی بھروسے والی مل جائے۔"

"بھابی میں نے اسی لیے شمعون کو ساتھ لے جانے کا کہا تھا' میں سمجھ سکتی ہوں آپ کی پریشانی۔" حفصہ کو بھی ان پر ترس آیا تھا۔ جب وہ مرحہ' شمعون کو اسکول کے لیے تیار کررہی ہوتیں' زارون مستقل چلاتا رہتا۔ قریب رکھی چیزیں اٹھا کر پھینکنے لگ جاتا اور شمعون اسے تو کھانا بھی خود سے نہیں آتا تھا۔ اکلوتا تھا ماں کی گود میں چڑھ کر کھاتا تھا اور اب ہاف فرائی انڈے کی زردی سے اپنے ہاتھ بری طرح بھر رکھے تھے۔ قطرے منہ سے ٹپک کر یونیفارم پر گرے' سفینہ ان کے لنچ بکس تیار کرتیں' انہیں تیار کرتیں یا کھانا کھلاتیں' اوپر سے زارون...... چلا چلا کر سوئی روبیجہ کو اٹھادیتا۔ عبدالرحمان کو خود بھی آفس پہنچنا تھا' تیار ہونے کے ساتھ روتی روبیجہ کو گود میں بہلا رہے تھے اور ساتھ ساتھ شمعون کو ہدایات دے رہے تھے۔

"یار شمعون تم تو بڑے ہو' جلدی تیار ہوجایا کرو' سارا یونیفارم گندا کررہے ہو۔"

"آؤ میں آپ کو ناشتا کرواؤں۔" حفصہ نے اٹھ کر شمعون کو گود میں لے لیا' ایک آدھ لقمہ مرحہ کے منہ میں بھی ڈال دیتی۔ اس کے جانے سے شمعون کا بخار اتر گیا تھا اور قدرے خوش بھی تھا اس نے وہی پہلے والی بات عبدالرحمان بھائی سے کی تھی کیوں کہ وہ روز یہی تماشہ دیکھ رہی تھی' ادھم ورک کرتے ہوئے اس پر توجہ دینی مشکل تھی۔ ہر کام کے لیے اگر میڈ ہی رکھنی ہے تو بہتر نہیں شمعون کو وہ لے جائے۔

"بیٹا آپ کی بات تو ٹھیک ہے کہ شمعون کو نظر انداز ہورہا ہے لیکن آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہوجائے گا اور ویسے بھی تمہاری شادی ہوجائے گی تب بھی تو شمعون کو یہاں ہی رہنا ہے۔"

"بھائی جب شادی ہوگی تب دیکھا جائے گا فی الحال تو میں اسے رکھ سکتی ہوں' ناں آخر میرا بھی بھانجا ہے' کچھ فرض میرا بھی بنتا ہے اور ویسے بھی وہ ایک سال میں خاصا سنبھل جائے گا پلیز۔"

"میرا دل نہیں مانتا اسے خود سے دور کرنے کو اگر وہ میرا سگا بیٹا ہوتا تب بھی ایسے ہی پلتا۔ تم فکر نہ کرو۔"

"بھائی وہ بھی آپ ہی کا بیٹا ہے۔" وہ پوری کوشش کررہی تھی کسی طرح وہ قائل ہوجائیں۔ "بھلے میرے پاس رہے یا آپ کے پاس' میرا وعدہ ہے میں خود اسے آپ کے پاس چھوڑنے آجاؤں گی' بس کچھ عرصہ کے لیے میرے ساتھ بھیج دیں۔" عبدالرحمان نہ چاہتے ہوئے مشکل سے راضی ہوئے تھے کچھ سفینہ بھابی نے بھی سمجھایا۔

"بچہ اپنی خالہ کے ساتھ بہت اٹیچ ہے اس کی شکل میں اپنی ماں نظر آتی ہوگی پھر ایک سال کی بات ہے جب اس کی شادی ہوگی ہم لے آئیں گے۔" اس طرح شمعون اسلام آباد سے لاہور آگیا تھا' عبدالرحمان نے جہاں اسے لے جانے کی اجازت دی وہاں سختی سے ہدایات دی تھیں۔

"اس کے تمام اخراجات وہ خود اٹھائیں گے' اس کا باپ اس کے لیے اتنا چھوڑ گیا ہے کہ کسی کو اس کے لیے کچھ نہیں کرنا پڑے گا۔" پھر اسی طرح ہوا وہ مستقل اس کے لیے چیک بھیجتے' ہر مہینے خود بھی چکر لگاتے رہتے۔ بچہ یہاں آکر بہت خوش تھا زرتاشہ اور ارحم سے جلد دوستی ہوگئی تھی مگر ان دونوں کے جھگڑنے کی عادت کسی طور نہ بدلی' کھیلتے کھیلتے انجام لڑائی پر ہوتا شمعون میرا فرینڈ ہے۔

❁......❁......❁

حفصہ کی شادی کے دن قریب آرہے تھے' تیاریاں پھر سے شروع ہوگئیں اور شمعون اداس۔ ایک دن اس نے کہہ ہی دیا۔

"خالہ آپ مجھے چھوڑ کر چلی جائیں گی' میں یہاں نہیں رہوں گا۔" وہ بھر بھری سی دیکھتی رہی پھر پیار سے گال تھپتھپایا۔

"میری جان میں آپ کو فون کرتی رہوں گی اور آپ یہاں تھوڑی رہو گے آپ کے تایا ابو کے پاس چھوڑ کر جاؤں گی۔"

"نہیں خالہ...... میں آپ کے ساتھ جاؤں گا یا پھر مجھے مما' پاپا کے پاس بھجوادیں۔"

"اللہ نہ کرے۔" اس نے اسے خود میں بھینچ لیا وہ باقاعدہ رونے لگا تھا۔

"خالہ مجھے آپ کے ساتھ رہنا ہے' مجھے اکیلے ڈر لگتا ہے۔"

حفصہ کی آنکھوں سے بھی باقاعدہ پانی بہنے لگا' وہ اثبات میں سر ہلاتی اسے راضی کررہی تھی۔

یہ کچھ دن بعد کی بات ہے شمعون کھیلتا ہوا زرتاشہ ارحم کے پاس جا بیٹھا۔ وہ چپس کھارہے تھے اسے دیکھ کر معمول کی طرح جھگڑنے لگے۔

"شمعون میرے پاس بیٹھے گا۔" دونوں کا جھگڑا اتنا بڑھا کہ روحیلہ بھابی کو درمیان میں بولنا پڑا تھا۔

"کیا بدتمیزی ہے' کیوں جھگڑ رہے ہو۔" پھر شمعون کو چپس کا پیکٹ تھماتے اسے دروازے کی جانب کیا۔

"تم دونوں لڑتے ہو اس لیے یہ کسی کے پاس نہیں بیٹھے گا' اپنی خالہ کے پاس بیٹھے گا۔" حفصہ اس کے لیے نوڈلز کا باؤل لیے ادھر ہی آرہی تھی' سنتے ہی اس کے اندر تک جلن ہوئی بھائی کے بچوں پر بھی شدید غصہ آیا اور بھابی کی بات پر کیا تھا اپنی گود میں بٹھالیتیں۔ وہ آگے بڑھی اور اس کی کلائی پکڑلی۔

"میں اسے لینے ہی آرہی تھی' اس نے ابھی کھانا بھی نہیں کھایا۔" وہ اسے اپنے روم میں لے گئیں' روحیلہ کو اپنے رویے پر کچھ شرمساری ہوئی تھی' بچوں کی فطرت کی وجہ سے ایسا کہنا پڑا تھا' انہوں نے ایک غصیلی نگاہ سے اپنے بچوں کو دیکھا پھر کچھ ٹھہر کر وہ حفصہ کے پاس معذرت کے لیے آگئیں۔

"کوئی بات نہیں بھابی...... ہوجاتا ہے۔" حفصہ کے بات بدلنے پر وہ صفائیاں دینے لگیں۔

"حفصہ یہ بات نہیں کہ شمعون سے محبت نہیں ہے۔" انہوں نے بات کرتے ہوئے اسے اپنی گود میں بٹھالیا اور بالوں میں انگلیاں چلانے لگی۔ "دراصل میں بچوں کی وجہ سے ایسا کہہ دیا۔" اور تب ہی حفصہ نے ایک فیصلہ کیا تھا' شمعون کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھنے کا' کیوں کہ دونوں گھروں میں محبت کی کمی تھی نہ ہی پیسے کی مگر اپنے بچوں کی وجہ سے وہ نظر انداز ہورہا تھا۔ اسی سلسلے میں اس نے اپنے منگیتر سے بات کی اور وہ سنتے ہی بھڑک گیا۔

"ایسا کیسے ہوسکتا ہے' میں کسی کے بچے کی ذمہ داری نہیں اٹھاسکتا۔" حفصہ نے اسے بہت قائل کرنے کی کوشش کی یہاں تک کہا تھا شادی کے بعد وہ کسی قسم کی کوئی فرمائش نہیں کرے گی صرف یہ خواہش پوری کردیں وہ بچہ کسی پر مالی بوجھ بھی نہیں لیکن بات نہیں بنی اور اسی پر حفصہ چڑ گئیں۔

"جس شخص کے دل میں میری چھوٹی سی خواہش کی گنجائش نہیں' اسے میں اپنی پوری زندگی سونپ دوں۔" اس نے منگنی ختم کرنے کا اعلان کیا تھا' سلمان بھائی' روحیلہ بھابی نے بے حد ڈانٹا' سمجھایا مگر اس کی ایک ہی بات تھی۔

"میں شمعون کو کسی صورت نہیں چھوڑوں گی' بھلے مجھے کچھ بھی چھوڑنا پڑجائے۔" اور پھر یہی ہوا نہ شمعون اسے چھوڑنے پر راضی تھا نہ وہ شمعون کو۔ عبدالرحمان ایک بار پھر اسے لے گئے تھے مگر وہ تیسرے دن واپس آگیا اس کی رو رو کر طبیعت خراب ہوگئی تھی' حفصہ نے اس کے دماغ میں ایک بات ڈال دی تھی۔

"اگر آپ میری بات مانو گے' روتے نہیں' مما پپا کو یاد نہیں کرو گے تو ہمیشہ میں اپنے ساتھ رکھوں گی' اگر تنگ کرو گے تو میں بھی چھوڑ دوں گی۔" یہ بات شمعون کے ذہن میں کندہ ہوگئی تھی' خالہ کی ہر بات ماننی ہے۔

❁......❁......❁

وقت کے پہیے سنہرے صحرا پر خاکستری اونٹ اپنے چوڑے پاؤں گاڑھے آگے بڑھ رہے تھے' چمکتی ریت اپنے روند جانے پر ماتم کناں ضرور تھی مگر اس کی پیاسی آنکھوں کی چمک ماند نہیں پڑی تھی۔ حلق میں پیاس سے سوکھ کر کانٹے اُگ آئے تھے مگر ہلکی پھلکی مسرور ہوا کے جھونکے اسے پھر سے تازہ دم کردیتے۔ ٹھاٹھیں مارتے سمندر سے جب بھی ہوا گزر کر ٹھنڈی ہوتی اس کی ساری نمی اور خنکی کو پیاسی ریت نادیدہ بصارت سے اپنے اندر سموتی وقت گزرتا رہا۔ گرم سمندر میں پگھلی چاندی جیسی لہریں آپس میں ٹکرا کر پازیب کی تال بناتیں اور وقت کو رقصاں کرتی مزید آگے دھکیل دیتیں۔ شمعون اب چھوٹا سا پانچ سالہ بچہ نہیں رہا تھا بلکہ کڑیل جوان مرد میں تبدیل ہورہا تھا جسے حفصہ نے اسے اپنی ساری زندگی دے کر سیراب کردیا تھا' اس کی شخصیت میں ایک سحر بھرا تھا جو ایک بار دیکھتا تو سحرزدہ ہوکر رہ جاتا۔ جہاں اس کی شخصیت مکمل تھی وہاں ایک بڑا خانہ خالی رہ گیا تھا...... وہ تھا اپنی ذات کے بارے میں قوت فیصلہ یہ سب کچھ اتنا لاشعوری اور خود بخود ہوا کہ حفصہ کو بھی اندازہ نہ ہوسکا کہ چھبیس سالہ شمعون اب بھی اسی کی انگلی

تھامے چلتا ہے۔ اسے اپنے بارے میں فیصلہ کرنے نہیں آتے جو شرٹ حفصہ اس کے لیے خریدنے لگتیں وہ اسے اپنی پسند بنالیتا جو کوئی مشروب، چائے کافی شربت حفصہ نے اسے پینے کو دیا وہ آب حیات سمجھ کر اپنے اندر انڈیل لیتا۔ یہاں تک کہیں آنا جانا ملنا ملانا تک خالہ کے انداز سے سمجھ جاتا تھا اور اب تو یہاں تک تھا کہ وہ ان کی سوچ تک پڑھ لیتا تھا وہ اس طرح اس کی پسند میں ڈھلتا گیا اسے کبھی کوئی بات منوانے کے لیے حفصہ کو قائل نہیں کرنا پڑا اسکول سے جب آتا حفصہ اس کے کندھوں سے بیگ اتارتے ویسے ہی پوچھ لیتیں۔

"میرا شمعون تھکا تو نہیں۔"

"نو خالہ۔" وہ ان کے گالوں کو چٹاچٹ پیار کرتا گلے میں جھول جاتا۔

"میں نے چکن جلفریزی بنائی ہے شمو کو پسند ہے ناں۔"

"یس......" کی کا نعرہ لگا اور ساری پلیٹ بنا تردد صاف کرجاتا۔

❁......❁......❁

جھنجھلاتے گرم دنوں میں بے حال پنچھیوں کے لیے درختوں پر آب خورے لٹکائے گئے تھے۔ کئی دنوں سے ان میں پانی بدلا نہیں گیا وہ سوکھ کر گدلے سے ہوگئے۔ وہ فٹ بال سے لان میں کھیل رہا تھا تب اس نے حفصہ خالہ کو فضلو بابا سے کہتے سنا۔

"بابا...... آب خورے بالکل خشک ہیں ان کی صفائی کریں اور پانی بھرنا یاد رکھا کریں۔" اتنی سی بات تھی کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا بے پروائی سے فٹ بال کو کک لگاتے بچے کے دماغ میں یہ کام فکس ہوجائے گا۔ وہ اسکول سے آتے جاتے فضلو بابا کو یاد کروانا نہ بھولتا اور اگر وہ چھٹی پر ہوتے تو اچھل اچھل کر آب خوروں کا پانی چیک کرتا، یہاں تک کہ اسلام آباد جانے کا اس نے کبھی خود سے نہیں کہا تھا۔ گھر، ماں باپ یاد آتے تھے اور جب حفصہ خود اسے لے جاتیں تو خوشی خوشی ساتھ ہولیتا۔ بچپن، لڑکپن اور پھر جوانی وہ مکمل حفصہ کی پسند میں ڈھل چکا تھا، وقت کے ساتھ ہر چیز میں بدلاؤ آجاتا ہے۔ زرتاشہ، ارحم کی بے جا لڑائیوں میں بھی فرق پڑ چکا تھا۔

اب ان کی گہری دوستی تھی اور دوستی کا محور شمعون تھا، حفصہ یہ چاہتی تھیں کہ یہ ان دونوں سے مل جل کر رہے اور وہ حفصہ کی نادیدہ خواہش بنا کہے پوری کررہا تھا اور اسے پتا تک نہ چلا کب یہ خواہش اس کے اندر الوہی جذبے سے پنپنی شروع ہوگئی لیکن وہ اس کا اظہار حفصہ کے منہ سے سننا چاہتا تھا۔

شمعون کا ایم کام شاندار نمبروں سے مکمل ہوا تھا اور ارحم کو دبئی میں بہترین جاب مل گئی تھی اسی خوشی میں گھر پر ایک پارٹی کا انتظام رکھا تھا۔ سلور رنگوں سے مزین سیاہ شیفون کی فراک پہنے زرتاشہ اس کی نگاہوں کا مرکز بنی تھی، شمعون کی ایک سراہتی نگاہ اس کے اندر تک اتر جاتی۔ وہ اپنی خوشی میں مست ادھر ادھر پھرتی، گھر کا سارا انتظام دیکھ رہی تھی کہیں کسی کو ضرورت تو نہیں تب اسلام آباد سے عبدالرحمان کی مکمل فیملی بھی آئی ہوئی تھی۔ زارون کی عادت اب اچھی خاصی بدل چکی تھی وہ وہیل چیئر پر ماں کے پاس بیٹھا سب کو دیکھتا رہتا۔ مرحہ رویحہ بھی خاصی اچھی تیار ہوئی تھیں وہ بہت زیادہ لاہور نہیں آتی تھیں بلکہ ارحم نے تو انہیں بغور دیکھا ہی اب تھا کیوں کہ وہ یہاں ہوتا ہی نہیں تھا۔

"حوریں یوں بھی زمین پر چلتی پھرتی ہیں۔" وہ سوچ رہا تھا تب بابا کی بات پر چونکا۔ وہ پوری دلجمعی سے عبدالرحمان انکل سے کہہ رہے تھے۔

"شمعون نے ایم کام مکمل کرلیا ہے، میں سوچ رہا ہوں اسے جلد از جلد کوئی بزنس شروع کروادوں۔ ارحم کی دبئی میں بہترین جاب ہے، بس یہ دونوں جلدی سے سیٹ ہوجائیں پھر اکٹھے ہی شادی کردوں گا۔" اپنی شادی کا سن کر آنکھیں چمکیں، دل رقصاں تھا البتہ عبدالرحمان جواباً کہہ رہے تھے۔

"بزنس شروع کروانے کی کیا ضرورت ہے، میرا سارا بزنس شمعون کا ہی ہے۔ زارون تو آپ سب کے سامنے ہے ایسے میں سب شمعون نے سنبھالنا ہے، میں تو چاہ رہا ہوں یہ اب اسلام آباد شفٹ ہوجائے۔"

اسلام آباد کا سنتے ہی حفصہ کا دل مٹھی میں سمٹ گیا تھا آخر اس بچے کی خاطر اپنی ساری زندگی لگائی تھی اب تہی داماں کیسے رہ سکتی تھیں دفعتاً شمعون باہر سے تیزی سے آیا اور ارحم کو اپنے ساتھ باہر لے گیا۔ کھانے کے انتظام کے سلسلے میں وہ چارونا چار اٹھا تھا اور باہر جاکر اس پر برسا۔

"تو نے ابھی ضرور بلانا تھا۔"

"کیوں...... تو کیا ضروری کام کررہا تھا۔"

"یار وہاں ضروری میٹنگ ہورہی ہے، تیرے بزنس کے سلسلے میں۔"

"پھر......" اس نے استعجابیہ پوچھا۔ "تیرا کیا انٹرسٹ ہے۔"

"بے وقوف...... بزنس کے بعد یقیناً شادی کا تذکرہ ہوگا اور تیری شادی کے بعد یقیناً میرا ذکر خیر ہوگا اور میں اسی انتظار میں تھا میرا ذکر ہو تو میں اپنی پسند بتاؤں۔"

"کیا......" اس نے سر سے پاؤں تک اسے دیکھا۔ "کون سی پسند؟" وہ کچھ دیر چپ رہا پھر خفیف سا نظروں کا زاویہ لان میں ذرا فاصلے پر بیٹھی مرحہ کی جانب کیا۔

"تمہاری وہ کزن انگیجڈ ہے؟"

"نہیں۔" اس نے سر سے پاؤں تک ارحم کو دیکھا۔ "لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"یہ تھانیداروں کی طرح کیوں گھور رہے ہو۔" ارحم سٹپٹایا۔ "آخر اس کی کہیں تو شادی ہونا ہی ہے اور میں نے کون سا کنوارے مرنا ہے۔"

"اوہو......" شمعون کے ہونٹ استہزائیہ "اوہ" میں سکڑے۔ "کروں خالہ سے بات، وہ تائی امی سے کریں گی۔"

"نہیں...... نہیں...... ابھی نہیں ہر بات فوراً ہی نہ پھوپو کے کانوں میں ڈال دیا کرو، بس تم ذرا دھیان رکھنا میں ذرا دبئی میں سیٹ ہو جاؤں۔" بس اتنی سی بات ہوئی تھی اور اندر بڑوں میں کیا طے پایا اس سے یہ دونوں بے خبر تھے۔

ارحم کو دبئی گئے تین ماہ ہوئے تھے، شمعون باقاعدہ اسلام آباد جا کر تایا ابا کا بزنس سنبھالنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ خالہ کے ساتھ رہنا چاہتا تھا، اس نے خالہ سے مشورہ کیا یہ تو ان کے دل کی بات تھی بھلا کیسے اسے خود سے دور کر سکتی تھیں۔ پارٹی والے دن بھی انہوں نے عبدالرحمان بھائی سے یہی کہا تھا۔

"شمعون اسلام آباد آ کر کیا کرے گا، ہم اسلام آباد سے کسی کو یہاں لے آئیں گے۔"

عبدالرحمان تو جانے سمجھے تھے یا نہیں البتہ روحیلہ بھابی اور سلمان بھائی نے ایک دوسرے کو تحیر سے دیکھا اور یہی سوچا۔

"حفصہ یہ کیا کہہ رہی ہے، غیر لڑکی نظر آ گئی، گھر کی کیوں نہیں۔" بعد میں حفصہ نے خود باتوں باتوں میں انہیں بتا دیا تھا کہ یہ شمانہ کی خواہش تھی۔ روحیلہ تو سنتے ہی گم صم رہ گئیں انہیں اپنی بیٹی کے انداز میں کچھ درد دکھائی دیتا تھا۔

عبدالرحمان نے الیاس کے تمام شیئرز شمعون کے سپرد کیے تھے تاکہ وہ اپنی مرضی سے بزنس سیٹ کر سکے اس نے لاہور میں بہترین موبائل شاپ بنالی۔ عبدالرحمان اور سلمان کے مشوروں سے بزنس چند ماہ میں چل پڑا تھا۔ وہ موبائل شاپ کی پاور سیٹ پر بیٹھا تھا، خوشی اور جدائی کے ملے جلے احساس نے اسے گھیر رکھا تھا۔ انٹرنس کے پاس ایک چھوٹے سے کیبن کو اس نے آفس نما شکل دے رکھی تھی باقی ساری شاپ پر ڈسپلے کے لیے ریکس اور کاؤنٹر بنے تھے جہاں اس کا منیجر اور ورکرز کام کر رہے تھے اس کے ٹرانس پرینٹ کیبن کی داہنی دیوار پر پاپا کا بڑا سا فوٹو تھا جسے وہ کرسی پر جھولتے مسلسل دیکھ رہا تھا۔ لمبے عرصے بعد آج پھر پاپا مما یاد آنے لگے تھے، اسے یاد تھا جب چھوٹا سا وہ ان کی گود میں سوار ہو کر شیشے کے ریکس میں رکھے ہر موبائل کھلونے پر اڑ جاتا تھا۔ جب ان موبائل کھلونوں پر صرف "چھیاں چھیاں" گانا ہی لگتا تھا۔ وہ اسے کتنا پسند تھا، ایک بار تو پاپا نے کہا تھا۔

"میں تمہیں موبائل کی دکان ہی کھلوا دیتا ہوں شوق پورا کر لینا۔"

شمعون کی گھنی سیاہ مونچھوں تلے مسکراہٹ بے حد گہری تھی پورا پلان ترتیب دیتے ہوئے اٹھا کہ آج خالہ سے بات کرے گا، آج سے پہلے وہ صرف اس لیے نہیں بتا پایا کہ کیا کہے کہ وہ ماموں کا گھر داماد بننا چاہتا ہے۔ بے شک وقت کے ساتھ پہلا گھر دو حصوں میں بٹ گیا تھا، ماموں نے حفصہ اور شمانہ کے حصے میں ایک بہترین پورشن ان دونوں کے لیے سیٹ کر دیا تھا، اپنا حصہ اپنی فیملی کے لیے ہنسی خوشی دو گھر بن گئے تھے۔ کچھ بھی تھا پورشن بنایا تو ماموں نے تھا، یہیں پلا بڑھا، جب تک قدم مضبوط نہ ہوں اسی گھر کی لڑکی کا سوال کیسے کر سکتا تھا۔ اب آج وہ مضبوط تھا، بہترین بزنس، بہت جلد گھر بنالے گا۔ وہ انہی سوچوں میں گھرا جملے ترتیب دیتا گھر آیا، خالہ سے کیا اور کیسے بات کرنی ہے وہ لابی اور لاؤنج کی پارٹیشن ونڈو کے قریب تھا، اندر سے خالہ کی آواز آ رہی تھی، وہ کسی سے کہہ رہی تھیں۔

"بھائی کیسی باتیں کر رہے ہیں، شمعون کو میں نے جنم نہیں دیا باقی اس کی رگ رگ سے واقف ہوں وہ میری بات کو انکار کر دے ناممکن۔ وہ تو میری پسند کے بغیر جوتا، ٹائی شرٹ پسند نہیں کرتا یہ تو پھر پوری زندگی کی بات ہے اور میں نے آپ کو بتایا تو ہے یہ اس کے ماں باپ کی خواہش بھی ہے آپی نے خود مجھ

سے کہا تھا بھلا وہ کیسے انکار کرے گا اور کیوں' کس کے لیے؟ اس نے آج تک مجھ سے کسی لڑکی کے حوالے سے بات نہیں کی۔" اس کے قدم بھاری ہوگئے اور دل بے چین۔

"پھر بھی حفصہ...... آج کل کی نسل' خاص کر شادی بیاہ' تم نے کبھی اس سے ذکر کیا؟ اس کی مرضی...... ؟" یہ تائی اماں کی آواز تھی وہ اچھی طرح پہچانتا تھا اور تایا ابو بھی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔ دراصل وہ لوگ اس کا آفس اور شاپ دیکھنے کے لیے آج آئے تھے حفصہ نے اپنی باتیں شروع کردیں۔

"آپ کو یقین نہیں آرہا میری بات کا' ابھی تو آپ چند دن یہاں ہیں آپ کے سامنے ہی پوچھ لوں گی اب خوش۔" خالہ کی خوشی سے کھنکتی آواز اسے اپنے کانوں میں سلاخوں کی طرح چبھنے لگی۔

"کہہ تو تم صحیح رہی ہو۔"

"ہمارے لیے تو خوش بختی ہوگی اگر شمعون جیسا نیک فرماں بردار داماد مل جائے اور پھر اکلوتا بھتیجا بھی تو ہے۔" تایا ابو بولے۔

❀......❀......❀

"شمعون بھی میرا خون' مرحہ بھی...... اور کیا چاہیے۔"

"لیکن......" تائی امی کچھ کہنے لگیں۔ "سلمان بھائی سے بات کی آپ نے' ان کی بھی تو بیٹی ہے ہوسکتا ہے۔" تائی امی کے سوالیہ نشان پر اسے کچھ حوصلہ ہوا اور خالہ یہ کیا کہہ رہی تھیں۔

"دیکھیں بھابی...... پہلی بات کہ یہ خواہش شمعون کے ماں باپ کی تھی' دوسرے میں نے سلمان بھائی کے سامنے بات کی تھی' بے شک چھپے لفظوں میں مگر وہ بچے نہیں ہیں' سمجھ گئے ہوں گے اگر انہیں کوئی اعتراض یا ان کا کوئی ارادہ ہوتا' تو وہ ذکر ضرور کرتے انہوں نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی پھر کیوں اعتراض ہونے لگا۔"

اب یہ تو سلمان اور روحیلہ بھابی جانتے تھے وہ ان کی بات سن کر ہکا بکا ہوگئے تھے' گھر آ کر زیور اتارتے ہوئے روحیلہ نے سلمان سے کہا بھی تھا۔

"یہ حفصہ نے کیا کہا' بھتیجی نظر نہیں آرہی اسے۔ مجھے تو شمعون کی نظروں سے کچھ اور اندازہ ہوتا ہے۔"

"اس نے ویسے ہی کہہ دیا ہوگا۔" سلمان بیڈ پر نیم دراز ہوتے اطمینان سے بولے۔ "کون سی بات پکی کردی' جب شمعون سے پوچھے گی وہ خود کہہ دے گا' جو خیال ہوگا۔"

"لوگ چاہے کتنا ہی پڑھ لکھ جائیں لاکھ ماڈرن سہی مگر آج بھی اتنی مشرقیت باقی ہے اپنے منہ سے اپنی بیٹی کا نام نہیں لیتے خواہ بہن سے ہی کہنا ہو۔" ہاتھوں میں بابا کے لیے چائے کا مگ لیے کھڑی زرتاشہ نے سب سن لیا تھا' وہ دروازے سے اندر داخل نہیں ہوئی کچھ دیر سوچتی رہی۔ اسے شمعون کے جواب کا بہت اچھی طرح اندازہ تھا کہ وہ سنتے ہی پھوپو سے کیا کہے گا۔ بے شک اس نے کھل کر اس سے اظہار محبت نہیں کیا تھا لیکن اس کا انداز' خیال بہت کچھ جتا جاتے تھے۔ اس کی ذرا ذرا سی چیز کے لیے خوار ہوجاتا تھا' کسی کی چیز ملے نہ ملے مگر زرتاشہ کی ضرور مل جائے اور پھر جب اس نے ایک بار کہا تھا۔

"تمہارے تایا تمہیں کتنا بلاتے ہیں' کچھ عرصہ ان کے پاس رہ آؤ۔" وہ یک لخت بولا تھا۔

"کیوں' تمہیں کیا مسئلہ ہے۔"

"مجھے کیا مسئلہ ہونا ہے' بھئی وہ تمہارے اپنے ہیں پھر اسلام آباد اتنا خوب صورت ہے ہر کوئی جانے کی خواہش کرتا ہے۔"

"لیکن میرا نہیں کرتا۔"

"کیوں؟" اس نے پوچھا۔

"کیوں کہ وہاں میرا دل نہیں لگتا۔" وہ صاف گوئی سے بولا۔ پھر وہ کچھ دیر خاموش رہا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بولا تھا۔

"کیا واقعی' تمہیں نہیں پتا میرا دل وہاں کیوں نہیں لگتا۔" آنکھیں آنکھوں میں گڑھی تھیں' زرتاشہ کا سر آہستگی سے نفی میں ہلا تھا۔ وہ جم کر بولا۔

"پھر آج یہ اپنے دل سے پوچھنا' جواب مل جائے گا۔" وہ کہہ کر اٹھ گیا تھا اور وہ گم صم اسے دیکھے گئی۔ یہ واضح اعلان تھا پھر اسے اس کی ہر بات' ہر خیال یاد آنے لگا۔ اس کی آنکھیں الوہی جذبے سے چمکیں' ہونٹوں پر شریر مسکان نے ڈیرہ ڈالا۔

امی ابو کی بات سن کر بھی اسے ہر طرح سے اطمینان تھا۔ شمعون پھوپو سے خود ہی بات کرلے گا بلکہ اس نے ارحم کے دبئی جانے سے پہلے ان دونوں کو باتیں کرتے بھی سنا تھا تب وہ کہہ رہا تھا۔

"میرا بزنس سیٹ ہوجائے گا تب میں کسی کے سامنے کچھ مانگنے کے قابل ہوں گا ارحم...... میں نہیں چاہتا کوئی ترس کھا کر یا رشتہ داری کی لاج رکھتے ہوئے میرا گھر بسانے کا سوچے بلکہ

میں چاہتا ہوں جب میں کچھ مانگوں تو سامنے والا میری خواہش پر فخر محسوس کرے۔"

"مگر یار، پھوپو کو کچھ اندازہ تو ہونا چاہیے کسی بات سے ان کے ذہن میں ڈال دو۔"

"یار اتنی جلدی کیا ہے خالہ کو پتا چلا تو فوراً ماموں سے بات کریں گی۔ ابھی میری اوقات ہی نہیں بھائی۔"

"چل پھر میری اوقات تو بننے والی ہے تو بتا میں جا رہا ہوں جس دن کہوں گا تو نے اپنے تایا سے بات کرنی ہے۔" دونوں ہی یک لخت ہنسے تھے ان کی اس دن والی ہنسی یاد آتے ہی وہ مسکرا دیا، چائے کا مگ بابا کو پکڑا کر خود مطمئن سی انتظار میں تھی اور کچھ بننے کے انتظار میں ہی وہ مارا گیا۔ آج وہ موبائل کی دکان پر تھا مگر پاپا نہیں تھے دل یک لخت دھڑکا تھا۔

"اگر آج پاپا ہوتے تو یقیناً خوش ہوتے، اتنی بڑی شاپ دیکھ کر اور مما......" ان دونوں کے یاد آتے ہی خالہ حفصہ کی قربانیاں کیسے بھول سکتا تھا جنہوں نے صرف اس کے اکیلے پن کی وجہ سے اپنی زندگی میں اکیلا پن بھر لیا تھا۔ اسے یاد تھا راتوں کو وہ لمبی کالز کر کے اپنے منگیتر کو قائل کرنے کی بے حد کوشش کرتیں۔ بہت پیار اور نرمی سے بات شروع ہوتی آہستہ آہستہ لہجہ تلخ ہوتے اختتام تک سخت کھردرا اللہ حافظ کہہ کر فون بند...... اور ماموں ممانی نے کتنا سمجھایا تھا۔ روز کسی پہاڑ سی زندگی کا ذکر ہوتا تھا اور اندر ہی اندر وہ کس قدر ڈرتا تھا کہیں خالہ ماموں ممانی کی بات مان نہ جائیں۔ ان کے جاتے ہی وہ کیسے خالہ سے قسمیں لیتا تھا مجھے یہاں نہ چھوڑیں، ساتھ لے جائیں، خالہ نے وعدہ پورا کیا۔

"اگر نہ لے جا سکی تو جاؤں گی ہی نہیں۔" اور پھر یہی ہوا وہ کہیں گئی ہی نہیں تب تو اسے محسوس نہ ہوا مگر اب شدت سے احساس ہونے لگا تھا۔

"میں نے بچپن میں بہت خود غرضی دکھائی کیا میں ان کی خاطر کوئی قربانی دے سکتا ہوں، شاید نہیں۔ وہ مجھ سے قربانی مانگیں گی ہی کیوں، وہ خود مجھ سے کتنا پیار کرتی ہیں اور آج میں اس قابل ہو گیا ہوں کہ میں انہیں خوش کر سکوں۔ بہت شوق ہے ناں انہیں میرے سر پر سہرا دیکھنے کا آج میں انہیں اپنی پسند بتا دوں گا۔" یہ سب سوچتے ہوئے اسے چند ماہ پہلے کا خیال آ گیا تب وہ پانی پینے کچن میں گیا تھا۔ زرتاشہ ان کے پاس کھڑی کوئی ریسپی سیکھ کر کوکنگ کر رہی تھی ان دنوں اسے خوامخواہ ہی شوق ہو گیا تھا ہر وہ چیز سیکھتی جو شمعون کو پسند ہو۔ آج وہ ہریسہ سیکھ رہی تھی، کٹی ہوئی پالک چکن دالیں جانے کیا الا بلا۔ شیلف پر رکھا تھا، وہ کوئی مصالحہ بھوننے میں مگن خالہ کی بات سن رہی تھی۔

"شمعون کی تو آج عید ہو جائے گی، بہت شوق سے کھاتا ہے وہ۔" بون لیس چکن مصالحہ میں ڈالتے کہا۔

"آپی کو بھی بہت پسند تھا ہریسہ انہی کی عادتیں ہیں۔" اب وہ پالک کا باؤل زرتاشہ کو پکڑا رہی تھیں۔

"اللہ کرے اس کی ہونے والی بیگم کو پکانا آتا ہو ورنہ یہ تو ضرور لڑا کرے گا، ہریسہ کھانے کے لیے۔" زرتاشہ نے فوراً حفصہ کے ہاتھ سے ڈوئی لی۔

"لائیں پھوپو...... میں پکاتی ہوں مجھے طریقہ بتائیں۔" اب وہ اسے مصالحے کے اندازے اور دالوں کا بتا رہی تھیں تب وہ پیچھے سے کھنکارا۔

"بڑی خوشبوئیں آ رہی ہیں۔" وہ معنی خیز اس کی پشت کو دیکھتے بولا تھا۔ زرتاشہ نے مڑ کر نہیں دیکھا البتہ اس کی نگاہوں کی تپش ضرور محسوس ہوئی تھی، حفصہ بتانے لگیں۔

"ہاں زری کہہ رہی تھی مجھے سکھاؤ ہریسہ، دیکھو اب کیسا پکتا ہے۔"

"اگر سکھانے والی آپ ہوں گی اور پکانے والی......" اس نے باقی لفظ منہ میں ہی رہنے دیئے، بس اتنا کہہ دیا۔

"یقیناً اچھا ہی ہوگا۔" دفعتاً اس کا موبائل بولا تھا، اس سے پہلے کہ وہ مزید بات سے بات بڑھاتا فون کان سے لگا لیا۔ تایا ابو کا فون تھا، بزنس کے شیئرز اس کے سپرد کرنے کے لیے کاغذی کارروائی کے لیے اسے اسلام آباد بلا رہے تھے۔ اس سے بات کرنے کے بعد انہوں نے حفصہ سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ اس نے فون خالہ کو تھما دیا۔

اب خالہ کی آواز اس کے وجود کو لرزہ رہی تھی، وہ پورے وثوق سے یہ کہہ کر بات ختم کر رہی تھیں۔

"آپ مجھے بے فکر ہو کر ہاں کر دیں، شمعون سے میں خود پوچھ لوں گی، ہو ہی نہیں سکتا وہ میری بات کا انکار کر دے۔" اس کے کان سائیں سائیں کرنے لگے۔ وہ لاؤنج میں آنے کے بجائے اپنے کمرے میں چلا گیا، کسی کو اس کی موجودگی کا علم تک نہ ہوا۔

❁......❁......❁

حفصہ بہت دیر سے اس کا انتظار کررہی تھیں اتنی دیر تو کبھی نہیں لگائی تھی کئی بار جاکر گیٹ تک دیکھ کر آئیں۔ پورچ کی ایک جانب جب گاڑی کو دیکھا تو عقل پر ہاتھ مارا۔

"توبہ ہے اتنی بڑی چیز خوشی میں نظر ہی نہ آئی۔" وہ اب اس کے کمرے کی جانب بڑھی تھیں عبدالرحمان اور سفینہ سلمان بھائی کی طرف چلے گئے تھے ان سے ملنے کے لیے۔ حفصہ اس کے کمرے کی جانب بڑھیں ناب گھما کر دروازہ کھولا وہ بیڈ پر آڑھا ترچھا نیم دراز تھا۔

"تم کب آئے؟" وہ کسمسا کر اٹھا۔

"ابھی......"

"خیریت طبیعت ٹھیک ہے ناں؟" وہ قریب آکر اس کے چہرے اور ماتھے کو چھونے لگیں کبھی اس طرح آکر سیدھا کمرے میں نہیں لیٹا تھا تفکر ان کے چہرے پر ابھرا۔

"میں ٹھیک ہوں خالہ۔" اس نے ان کا شفقت بھرا ہاتھ تھام کر چوم لیا۔ "بس ذرا تھک گیا ہوں۔"

"ایسی بھی کیا تھکاوٹ آنے تک کا پتا نہیں چلا کوئی مسئلہ ہے تو شیئر کرو۔" وہ اس کے ساتھ بیٹھ گئی تھیں اس نے اپنا سر ان کے کندھے پر رکھ دیا اب وہ اپنا مسئلہ کیا بتاتا۔

ساری زندگی تو ایک ہی خوف دل میں تھا اگر ضد کی بات نہ مانی تو خالہ بھی چھوڑ دیں گی وہ کبھی نہ ضد کرنے کا بچپن میں عہد کرچکا تھا جب اسے عہد کے معانی بھی نہ پتا تھے۔ بڑے ہوتے ہوتے وہ عہد نادیدہ طاقت کی طرح خون میں گردش بن کر دوڑنے لگا لیکن اسے یہ نہیں پتا تھا یہ عہد کہاں کہاں کب کب نبھانا پڑے گا۔ اس نے دل کو سلادیا اور ہونٹوں پر مما پاپا کی خواہش نے مہر ثبت کردیئے اس کے انکار سے جو خالہ کو تکلیف ہوسکتی تھی وہ اس کا تصور بھی کرنا نہیں چاہتا تھا ان کا ہاتھ چومتے ہوئے بہت نرمی سے بولا تھا۔

"کچھ بھی نہیں خالہ بس ایسے ہی۔"

"شیور" خفیف سی کمٹی بھنوئیں سوالیہ اچکائیں وہ گردن جھٹکتے ہوئے مسکرایا۔

"شیور۔"

"چلو پھر اٹھو منہ ہاتھ دھو میں کھانا لگواتی ہوں۔" وہ کہتے ہوئے اٹھیں اور ساتھ ہی تایا ابو کے آنے کا بتایا اس نے خاص حیرت کا اظہار نہیں کیا تھا سرسری سا "اچھا" کہا۔

"اور تمہارے لیے سرپرائز بھی ہے۔" وہ اب بھی نہیں چونکا تھا غالباً سرپرائز تو اسے گھر میں قدم رکھتے ہی مل چکا تھا اس نے ان کی گہری آنکھوں میں دیکھا جو اس وقت خوشی سے مسکرارہی تھیں۔

"میں نے تمہارے لیے مرحہ کا ہاتھ مانگا ہے۔" دل کی حرکت لمحے میں ہی بہت تیز ہوئی کان کے پردے دل کی دھک دھک سے پھٹنے کو تھے اس قدر تکلیف میں بھی وہ لبوں پر زبردستی مسکان سجائے صرف ان کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا شاید وہ کہہ دیں یہ مذاق ہے۔

"تمہارے ماں باپ کی بھی یہی خواہش تھی مجھے بھی مرحہ پسند ہے اگر تمہیں کوئی اعتراض ہے تو بتادو۔" مذاق تو اس کے ساتھ ہوچکا تھا اب اعتراض سے کیا فائدہ وہ چپ رہا۔

"میں نے پہلے بھی تمہارے تایا جان سے بات کی تھی اس پارٹی والے دن تب بھی انہوں نے تم سے رائے لینے کا کہا تھا اور آج بھی......اب تم بتاؤ۔"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" اس کے اندر ابلتے جملے احسانات کے بوجھ نے قید کردیئے تھے صحیح معانوں میں آج پتا چلا تھا یتیمی تمام فیصلوں کا حق چھین لیتی ہے اسے ہر چیز ملی تھی صرف دل کے فیصلے نہیں ملے تھے۔ لمحے کے یک پل میں اس نے پورے دل سے دعا کی۔

"اے مالک......اگر مجھے صاحب اولاد کرنا ہے تو وہ یتیم نہ ہو ورنہ مجھے بے اولادی منظور ہے۔" اس کی اس دعا کا اگر خالہ یا تایا کو ذرا برابر بھی علم ہوتا تو کم از کم توبہ ضرور کرواتے لیکن فی الوقت اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"جو آپ کی خوشی۔" کہہ کر واش روم میں چل دیا۔

❁......❁......❁

حفصہ زور و شور سے اس کی شادی کی تیاریوں میں لگی تھیں روز بازار کے چکر عبدالرحمان اور سفینہ اس کی کئی چیزوں کے سائز لے جاچکے تھے اور ادھر وہ روزانہ فون کرکے مرحہ کا سائز اور پسند پوچھتیں۔ اس کے شاپ سے آتے آرام وطعام کے بعد اگر حفصہ شاپنگ کا عندیہ دیتیں تو تھکاوٹ سوا ہوجاتی۔

"آپ ممانی کے ساتھ چلی جایا کریں میں تھک جاتا ہوں۔"

"حد ہوگئی شاپ سے نہیں تم تو لگتا ہے کھیتوں میں ہل چلا کر آرہے ہو تھکن ہی نہیں جاتی۔" دن بدن اس کی بڑھتی تھکاوٹ پر وہ اکتا گئیں۔

"عجیب ہی لڑکا ہے شادی کے نام پر لڑکے دو دو فٹ چھلانگیں مارتے ہیں ایک یہ ہے آئے گا بستر پر گرے گا سو جائے گا۔" وہ خاموشی سے چائے پی رہا تھا تب انہوں نے اسے سلمان بھائی کی جانب جانے کا کہا۔

"شمعون شادی کے کاموں میں خود بھی دلچسپی لو سارے کام میں اور تمہارے ماموں ممانی دیکھ رہے ہیں۔ تم بھائی کی طرف جاؤ اور بارات ہوٹل اور دوسری ارینجمنٹ وغیرہ کا ڈسکس کرلو ارحم تو ٹائم کے ٹائم ہی شاید آئے تم نے ہی دیکھنا ہے بیٹا۔" اس نے محض ہاں میں سر ہلایا تھا۔

اگلی شام وہ شاپ سے آتے ہی ماموں کے پورشن میں چلا گیا اس نے لاؤنج میں قدم رکھنے سے پہلے دعا مانگی تھی۔ زرتاشہ سے سامنا نہ ہو اور ایسا ہی ہوا وہ اس وقت سامنے نہیں تھی۔ وہ تیزی سے ماموں کے کمرے کی جانب بڑھ گیا کچھ دیر ان کے پاس بیٹھا ادھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد شادی کے معاملات ڈسکس کرنے لگا۔ وہ خاموش بیٹھے اس کے چہرے کو دیکھے جارہے تھے البتہ روحیلہ ممانی بولی تھیں۔

"شمعون......" اس نے نگاہ اٹھا کر ممانی کو دیکھا۔

"جی۔"

"تم خوش ہو اس رشتے سے؟" اس کی الجھی نگاہ پر انہوں نے وضاحت دی۔ "میرا مطلب ہے یہ حفصہ کی خواہش ہے یا تمہاری بھی مرضی ہے۔" ان کے دل میں کہیں احساس پیدا ہو رہا تھا کہ حفصہ جان کر ایسا نہ کررہی ہو نند بھاوج کے جلاپے میں وہ جان بوجھ کر بھانجے اور بھتیجی کے جذبات سے کھیل رہی ہو حالانکہ وہ دیکھنے میں بالکل ایسی نہیں لیکن اس رشتے کی چال بازی کا اندازہ لگانا ہی مشکل ہے۔ ہوسکتا ہے ایسا ہی ہو لیکن اس نے صاف کہہ دیا۔

"ممانی......میری اور خالہ کی خواہش اور مرضی کب سے الگ الگ ہونے لگی انہوں نے مجھ سے پوچھ کر فیصلہ کیا ہے۔" اس کے اندر جو بھی ابال اٹھ رہا تھا مگر لہجے پر ٹھوس قطعیت بھرا انداز غالب رہا جو ادھ کھلے دروازے سے زرتاشہ کے کانوں کے پردے چیر گیا تھا۔ اسے اپنا وجود بے وقعت بے جان لگنے لگا تھا۔

"شمعون اپنے منہ سے کہہ رہا ہے یہ سب اس کی مرضی سے ہوا ہے۔" اسے یقین آنا مشکل تھا پھر وہ سب کیا تھا بات بات پر خیال دھیان ہر عید بقرہ عید سال گرہ کوئی موقع ایسا نہیں تھا جب سب سے پہلے اسے وش نہ کیا ہو اور وہ لفظ جو منہ سے برسات میں ادا کیے تھے۔

"میں بادل بارش کی طرح تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔" بھلے آواز مدھم تھی مگر تیز بارش میں بھی زرتاشہ کو واضح سنائی دی تھی اور اب کہہ رہا تھا سب اس کی مرضی سے ہو رہا ہے۔

"ہونہہ...... میں بھی اتنی گری پڑی نہیں ہوں جو ساتھ کی بھیک مانگوں مجھے بھی کوئی فرق نہیں پڑنے والا۔" وہ کمرے سے باہر نکل رہا تھا تب وہ بھی دروازے سے قدرے ہٹ کر مگر وہاں کھڑی تھی اسے دیکھ کر بہت اجنبی نگاہوں سے مسکرائی اور طنزاً بولی تھی۔

"بہت بہت مبارک ہو شمعون تمہیں اپنی خواہش اور مرضی۔" ایک جملے کی ادائیگی کے بعد ہی اس کے گلے میں کمی کا گولہ پھنسا چہرہ آتشی پڑ گیا وہ وہاں سے ہٹنے لگی تھی تب اس نے روک لیا۔

"میری بات سنو زرتاشہ......"

"تم سے اب کچھ بھی سننا میری مرضی میں شامل نہیں۔" وہ جارہی تھی وہ آگے آ گیا۔

"لیکن تمہیں سننا پڑے گا زری......" اس کا لہجہ بہت ٹوٹا ہوا تھا وہ چپ ہوگئی۔

"زندگی اپنے ہونے کا یقین دلانے کے لیے اپنے کناروں پر بہت پیچ وخم رکھتی ہے زرتاشہ...... ہم جن چیزوں کو بہت سہل اور اپنا حق سمجھتے ہیں کہ بس ایک ہاتھ کے فاصلے پر یہ ہماری...... مگر ضروری نہیں ہے کہ وہ ہمارا مقدر بھی ہوں...... ایم سوری میں بہت مجبور ہوں۔" وہ کہہ کر رکا نہیں تیزی سے باہر نکل گیا۔ عین اسی وقت حفصہ کسی کام سے آئی تھیں انہوں نے دونوں کو کوئی بات کرتے دیکھا ضرور تھا مگر کچھ سمجھ نہیں آئی۔ شمعون کو آواز دینے کے باوجود وہ باہر نکل گیا زرتاشہ سے پوچھا وہ خود پر قابو پاتی بہت سنبھل کر بولی۔

"وہ دراصل پھوپو...... میں نانو کی طرف جارہی ہوں اس لیے اسے غصہ آ گیا۔" وہ کہہ کر اپنے کمرے کی جانب تیز تیز بڑھی جبکہ حفصہ حیران تھیں اور غصہ بھی آیا۔

"گھر میں شادی ہے اور اسے نانی کے گھر جانے کی لگی ہے۔" کچھ دیر اس کی پشت کو گھورا پھر بھابی کو آوازیں دیتیں ادھر چل دیں۔

❁……❁……❁

اس کی کئی دن کی بے جا ضد پر روحیلہ زچ ہوگئی تھیں مگر وہ کسی طور ماننے پر راضی نہ تھی۔

"بس مجھے جانا ہے تو جانا ہے۔"

"آخر مسئلہ کیا ہے زری تمہارے ساتھ یوں بیٹھے بٹھائے راولپنڈی جانے کی کیا سوجھی۔"

"مجھے نانو یاد آرہی ہیں پلیز مما...... پلیز آپ ابو سے بات کریں اور مجھے بھجوائیں۔"

"تمہارے ابو نہیں مانیں گے اور پھوپو شمعون کیا سوچے گا گھر میں شادی کی تیاری ہورہی ہے اور یہ محترمہ چلیں ننھیال۔"

"اگر ابو اجازت نہیں دیتے یا آپ نہیں جانے دیں گی تو میں چھپ کر چلی جاؤں گی۔" کہتے کہتے اس کا لہجہ اس قدر رندھ گیا روحیلہ گھبرا گئیں اس کا چہرہ اپنی جانب پھیرا۔

"ادھر دیکھو میری طرف۔" اس نے آنکھیں بھینچ لیں پلکوں کے کناروں پر موتی سے ابھر آئے۔ وہ ماں تھیں کیسے نہ سمجھتیں اور جس دن انہوں نے حفصہ کے فیصلے کا بتایا کہ شمعون کا رشتہ طے ہے وہ فوراً بولی تھی۔

"ایسا کیسے ہوسکتا ہے شمعون مرحہ کو پسند کرے پھوپو کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" لیکن اب ان کی اپنی خام خیالی پوری طرح ثابت ہوئی تھی۔

"تو یہ فرار کے لیے راولپنڈی جارہی ہے۔" انہوں نے سوچتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگالیا۔

"دیکھو زری...... میری جان ایسا تھوڑا ہوتا ہے جو ہم چاہ رہے ہیں سب بھی وہی چاہ رہے ہوں۔ سب کی اپنی پسند اپنی مرضی ہوتی ہے ہم کسی کی مرضی خواہش پسند کو اپنی مٹھی میں قید نہیں کرسکتے میری بچی...... البتہ اپنی خواہش کو اپنے تابع کرسکتے ہیں۔ اللہ نے انسان کے دل و دماغ کو اتنی طاقت ضرور دی ہے کہ وہ نا چاہتے ہوئے بھی خود کو بمشکل سہی مگر قابو رکھ سکتا ہے۔"

"ہاں مانتی ہوں۔" وہ نمکین پانی اپنے اندر اتارتے ہوئے بولی۔

"مگر ادھر شمعون کی کوئی مرضی کوئی خواہش اپنی نہیں ہے وہ بے دام بکا غلام ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں کیسے سب کے سامنے کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا یہاں تک کہ تعلیم تک میں کیسے دوسروں کی مرضی خود پر چلنے دیتا ہے اور اب تو دل پر بھی قفل ڈال لیا۔"

"ہوسکتا ہے زری...... تمہارا وہم ہو اسے مرحہ پسند ہو بیٹا......"

"جو بھی ہے۔" اس نے ہتھیلی کی پشت سے اپنی آنکھیں رگڑیں۔

"مجھے چند دنوں کے لیے ہی سہی مگر پلیز یہاں سے جانے دیں ورنہ مجھے کچھ ہوجائے گا پلیز۔" وہ اس کے احساسات نزاکت کو سمجھ گئی تھیں اور بہت مشکل سے سلمان کو راضی کیا۔ حفصہ کے آگے جھوٹ بولا۔

"اماں کی طبیعت بہت خراب ہے بھائی کے بچے تعلیم میں مصروف ہیں اس کے جانے سے دل بہل جائے گا۔" اور سلمان اسے راولپنڈی چھوڑ آئے۔

روحیلہ اور حفصہ تیاری میں ازحد مصروف تھیں تقریباً دو ہفتے رہ گئے تھے بازاروں کے چکر چیزوں کی لسٹ گھر کی پہلی شادی تھی۔ سلمان کو بھی اکیلے تمام انتظامات دیکھنے پڑ رہے تھے۔ ارحم دبئی سے ابھی پہنچا نہیں تھا اور شمعون کو ساری شاپ کلوزنگ اسی مہینے کرنی تھی وہ صبح نکل جاتا رات گئے آتا۔ ایک بڑھاپا اوپر سے اکیلے بھاگ دوڑ وہ بوکھلا گئے اور ایسے میں اچانک ارحم کی آمد وہ بھی شادی سے دو ہفتے پہلے ان کی خوشی دیدنی تھی مگر ارحم کو لینے کوئی ایئرپورٹ نہ جاسکا۔

❁……❁……❁

مہینہ پہلے جب شمعون کا باقاعدہ رشتہ طے ہوا اور اسے شادی کے لیے چھٹی لے کر آنے کا کہا وہ تو ہکا بکا رہ گیا۔ کتنی دیر تو یقین ہی نہ آیا اس نے فوراً زرتاشہ سے بات کی اور اس کے ڈپٹ کر پوچھنے پر پتا چلا کہ اس کی پسند شادی میں شامل ہے وہ چلا پڑا۔

"مرحہ اور اس کی پسند یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ آج تک اس گھامڑ نے کوئی کام اپنی مرضی سے کیا ہے گلے میں رسی ڈال کر پھوپو کو تھما رکھی ہے واہیات اور تم......" اب اسے زرتاشہ کے فیصلے پر ابال اٹھا۔

"تم کیوں راولپنڈی اٹھ کر آگئیں اس گدھے کا سر پھاڑ دینا تھا اس کی ہمت کیسے ہوئی اقرار کرنے کی۔" پھر اس نے فوراً شمعون سے رابطہ کیا مگر بے سود کبھی مصروفیت کبھی گھنٹیاں بجتی رہتی اور وہ فون ہی نہ اٹھاتا۔ اسے بڑی مشکل سے پندرہ دن کی چھٹی ملی تھی وہ فوراً ادھر پہنچا اسے یاد تھا جاتے جاتے اس

نے ایئرپورٹ پر بھی شمعون سے مرحہ کے رشتے کا دھیان رکھنے کو کہا تھا مگر کمینے نے نظر ہی رکھ لی۔ اس کا جی چاہا اس کا سر پھاڑ دے وہ اسی ارادے سے اس کی شاپ پر آیا مگر اس کے چہرے پر چھائی حد درجہ یاسیت پر وہ کڑھ کررہ گیا۔ گھر آ کر بھی اسے یقین تھا وہ خود ترسی کا مارا کبھی نہیں پھوٹے گا۔

❁......❁......❁

ارحم کا سارا غصہ گھر کی چیزوں اور اردگرد لوگوں پر اتر رہا تھا اور سلمان، رومیلہ حیران تھے یہ چند مہینے باہر کیا رہ آیا دماغ ساتویں آسمان پر پہنچ گیا۔ وہ انویٹیشن کارڈز کو لسٹ سے چیک کرتے ہوئے اندازے لگارہی تھیں کس کس کو بھیج دیئے اور کون رہ گیا۔ خود کلامی کے دوران اچانک نظر شمعون پر گئی، وہ گہرے سانس لیتے ہوئے اپنا بایاں ہاتھ بار بار پمپ کرنے کے انداز میں کھول بند کررہا تھا۔

"کیا بات ہے شمعون..... تم ٹھیک ہو؟" اس نے اثبات میں سر ہلاتے لمبی سانس لی اور سر بیک سے ٹیک لیا، اس کی ٹھنڈی پیشانی پر قطرے چمک رہے تھے، حفصہ نے اس کے ماتھے گال کو چھوا۔

"اتنی ٹھنڈ میں تمہیں پسینے..... ہوا کیا ہے تمہیں؟"

"پتا نہیں خالہ کیا ہورہا ہے پلیز مجھے تھوڑا سا پانی پلا دیں۔" حفصہ کی تو ٹانگوں سے جان نکل گئی، انہیں یاد آنے لگا کل مارکیٹ میں شاپنگ کے دوران بھی اسے ہلکا سا چکر آ گیا تھا۔ ہاتھ ٹھنڈے، تب بھی پانی پی کر ایسے ہی کہہ رہا تھا۔

"کچھ نہیں فٹ ہوں آپ پریشان نہ ہوں۔" بھلا وہ کیسے پریشان نہ ہوتیں بھاگتی فریج تک گئیں، ایپل جوس نکال لے آئیں اور اسے پینے کو دیا اور ساتھ ہی ارحم کو فون کرکے بلایا کہ کسی ڈاکٹر کو لائے یا اسے لے کر جائے آخر بات کیا ہے۔

"پھوپو اس کا علاج کسی ڈاکٹر، حکیم کے پاس نہیں ہے۔" حفصہ کا کلیجہ منہ کو آ گیا، شمعون نے اسے چپ کروانے کے لیے گھورا مگر وہ بولتا رہا۔

"اس دن جب یہ شاپ سے جلدی گھر آیا تھا تب بھی اس کی یہی کنڈیشن تھی۔ واپسی پر میں اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر گیا تھا تمام ٹیسٹ ہوئے بظاہر کوئی مسئلہ نہیں ہے، صرف بی پی لو ہورہا ہے جناب کا، ڈاکٹر نے صاف کہہ دیا۔" اس نے کہتے ہوئے ایک نگاہ تذبذب کا شکار شمعون کو دیکھا۔

"اسے کوئی ٹینشن ہے جو اسے ڈپریس کرکے بی پی لو کررہی ہے۔"

"ٹینشن..... کیسی ٹینشن؟" حفصہ کے متفکر لہجے پر ارحم نے شانے اچکائے اور آرام سے کہہ دیا۔

"یہ تو اپنے اس لاڈلے سے پوچھیں۔" جاتے جاتے وہ اسے کینہ توز نظروں سے دیکھ کر گیا تھا۔ حفصہ نے شمعون کو دیکھا وہ سر پکڑے بیٹھا تھا۔ لمحے میں ہی حفصہ کا ذہن جانے کہاں کہاں گھوم گیا۔

"بی پی لو، ہاتھ پاؤں ٹھنڈے، شادی کے نام پر خاموشی..... اُف کہیں یہ شادی سے گھبرا تو نہیں رہا اس کے چہرے پر وہ خوشی نہیں ہے جو اکثر شادی کے تذکرے سے لڑکوں کے چہرے پر بکھر جاتی ہے۔ یہ بچپن میں تنہائی سے بہت ڈرتا تھا، ہر وقت میرے ساتھ ساتھ اور مردوں میں تو بیٹھنا کبھی پسند ہی نہیں تھا، اب بھی ارحم کی نسبت یہ جلد مان جاتا ہے۔ فیصلے کی قوت بھی نہیں، کہیں کوئی اور پرابلم او مائی گاڈ..... دیکھنے میں تو بالکل فٹ لگتا ہے تندرست، توانا۔" پریشانی سے سانس تیز چلنے لگی، منہ ایسے کھلا کہ بند کرنا ہی بھول گئیں، ڈولتے دل کے ساتھ بمشکل اس کے قریب آ بیٹھیں۔

"شمی..... شمعون میری جان کیا بات ہے، مجھے نہیں بتاؤ گے؟" انہیں اپنی آواز خود کانپتی محسوس ہوتی تھی۔

"کچھ نہیں خالہ..... ایسے ہی بکواس کر کے گیا ہے، فضول انسان۔" وہ گردن جھٹک کر اٹھا اور اپنے کمرے میں چلا آیا، حفصہ سانس لینا بھول گئیں۔

❁......❁......❁

ہر وقت کی ایک پریشانی لگ گئی تھی، ایک دن کے چوبیس گھنٹے انہیں پہلی بار چوبیس برس کی طرح لگے تھے۔ سمجھ نہیں آتا تھا کیا کریں کس سے کہیں شادی قریب ہے، کارڈز بٹ چکے۔ بار بار نگاہ اس پر جارکتی ہر حرکت پر غور ان کا دل بیٹھ جاتا اور وہ خوامخواہ کی ٹک ٹکی سے کنفیوژ ہورہا تھا۔ اس کی گھبراہٹ ان کے وہم کو یقین میں بدلنے لگی، ہر خوشی سے دل آپوں آپ اچاٹ ہوگیا شادی کی تیاریاں بدمزہ لگنے لگیں۔

"ہر وقت یہی ہول اٹھتے اب کیا ہوگا عبدالرحمان بھائی اور سفینہ بھابی تو یہی خیال کریں گے اسے پہلے سے پتا تھا بھی اپنی بھتیجی کا خیال نہیں آیا حالانکہ بیجی کا خیال تو اس لیے نہیں آیا کہ اس کے ننھیال میں بہت رشتے تھے پھر آپی ثمانہ نے بھی تو کہا تھا۔ اُف میری صفائی کون دے گا؟" اسی ٹینشن میں بھابی

روحیلہ کے پاس گئیں' ان سے کہتے ہوئے کچھ جھجک اٹھیں پھر ارحم کا خیال آیا اس سے پوچھوں' شاید اسے کچھ پتا ہو۔ وہ اسی وقت ان کے پاس آ کر بیٹھا تھا' حفصہ بات ادھر اُدھر گھما کر ارحم کی جانب مڑیں۔ ایک تو وہ خود کنواری تھیں اوپر سے بھتیجے سے بات کرنا بہت سنبھل سنبھل کر بولی تھیں۔

"ارحم...... تم نے شمعون سے پوچھا کیا الجھن ہے اسے' کون سی پریشانی۔ کیوں شادی سے گھبراہٹ ہو رہی ہے؟"

"آپ نے نہیں پوچھا اس سے؟" اس نے ان سے الٹا سوال کر ڈالا۔

"میں نے بہت پوچھا مگر چپ ہے' ہوسکتا ہے مجھے بتاتے ہوئے گھبراتا ہو۔ تم لڑکے ہو تم پوچھو دوست ہو' ہمراز بچپن سے اسے جانتے ہو' ساتھ رہے ہو۔ تم اعتماد میں لے کر بات کرو۔" وہ سرگوشانہ انداز میں قریب ہوئیں' روحیلہ بھی چونک گئیں دونوں کو حیرت سے سن رہی تھیں۔

"دیکھو ارحم...... اس کا باپ ہوتا تو وہ پوچھتا سگی ماں کو بھی شاید وہ بتا دیتا مگر مجھے بتاتے......" انہوں نے اپنا ہونٹ بے بسی سے کچلا اور ارحم کی آنکھیں پھیل رہی تھیں پھوپو کی غلط فہمی وہ سمجھ گیا تھا۔

"بیٹا آج کل تو سائنسی دور ہے' ہر مسئلے کا علاج ہے' طبیب حکیم سب ہیں۔ ہم کوئی بہانہ کر کے رخصتی آگے کر دیتے ہیں مگر مسئلے کا حل تو نکلے۔" تحیر سے ارحم کی سانس رک گئی' آنکھیں مزید پھیل گئیں۔

"دیکھو ارحم...... میں تم سے بات کر رہی ہوں مگر سلمان بھائی سے کرنے کی ہمت نہیں ہے یا تو تم ان سے کہو کہ وہ اس مسئلے کا حل نکالیں یا خود کچھ کرو مگر پلیز کچھ کرو' اسے ایسے مت چھوڑ دو بعد میں بہت مسئلے ہوسکتے ہیں۔"

"پھوپو...... آ...... آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں' کیا سمجھ رہی ہیں آپ؟" حیرت سے اس کی آواز بھی پھٹ گئی اور چہرے پر عجیب سی استہزائیہ مسکراہٹ لہریں مار رہی تھیں۔ اس کا دل شدت سے چاہا اس وقت شمعون ادھر ہی ہوتا اور اپنے بارے میں پھوپو کی پیشن گوئی اپنے کانوں سے سنتا۔

"کیا ہی اچھا ہو چڑھے الٹے سیدھے حکیموں کے ہاتھوں اور ڈاکٹرز سے کروائے ٹیسٹ' ساری فرماں برداری کا بھوت اتر جائے گا جب خود سے منہ چھپاتا پھرے گا' کمینہ۔" دل میں دس گالیاں دینے کے بعد اس نے پھوپو کی تسلی کی۔

"آپ بالکل غلط سوچ رہی ہیں' ایسا کچھ نہیں ہے۔"

"کیا مطلب وہ ٹھیک ہے؟"

"ہاں' کیوں آپ کو کوئی شک ہے؟"

"پھر وہ گھبرا کیوں رہا ہے' کسی کام میں دلچسپی نہیں۔ شادی کے ذکر سے چکرا رہے ہیں۔"

"آپ نے رشتہ طے کرنے سے پہلے اس کی مرضی جانی تھی؟"

"ہاں' بتایا تھا اسے' پوچھا بھی تھا۔"

"مگر اس کے اماں ابا کی خواہش اپنی رضا بتا کر ان سب کے بغیر اس کے دل کی رضا جانی تھی۔" اب وہ چپ تھیں۔

"یہ بھی تو ہوسکتا ہے پھوپو وہ کسی اور میں انٹرسٹڈ ہو۔" وہ حیرت سے اسے تک رہی تھیں۔

"کیا تم سے کچھ ڈسکس کیا اس نے؟" پہلے تو وہ کچھ دیر خاموش رہا پھر اپنی ماں کے چہرے پر پھیلی پریشانی اور پھوپو کی الجھن کو اپنے جملوں سے دور کیا اور سب کھول کر ان کے سامنے بیان کر دیا۔ وہ خاموشی سے سنتی رہیں اور دل میں بے حد افسوس تھا' کتنا ساتھ لپٹائے رکھا کتنا پیار مان دیا اور اپنی زندگی کی اہم بات بھی مجھ سے شیئر نہیں کی صرف اس لیے کہ اگر میں نا مانی تو......

"ہونہہ...... اتنی جاہل تو نہیں ہوں' جب اس کی محبت میں اپنی منگنی توڑ سکتی ہوں تمام عمر اس کی خاطر تنہا رہنے کا فیصلہ کر سکتی ہوں تو کیا اس کی خواہش پوری نہ کرتی۔ کیا اتنی ظالم ہوں کہ زندہ کی خواہش پر مرتے ہوؤں کی خواہش کو فوقیت دیتی۔" ان کی آنکھوں میں پانی اکٹھا ہو گیا اور دل بھر کر روحیلہ بھابی' سلمان بھائی اور سب سے زیادہ زرتاشہ پر غصہ آیا۔ "کم از کم ان میں سے کوئی تو بتاتا اگر مجھے سمجھ نہیں آئی۔ میں نے تو سب کے کانوں میں بات ڈالی مگر کوئی بولا ہی نہیں۔"

"میں کیا کہہ سکتی تھی بھلا لڑکی والے کچھ کہہ سکتے ہیں اور پھر تمہارے بھائی کہہ رہے تھے کہیں عبدالرحمان یہ خیال کرتے کہ ہم اس کے روز بروز بڑھتے بزنس کی وجہ سے لالچ میں آ گئے اور حق جتا رہے ہیں۔"

"بھاڑ میں گیا حق بھابی......" حفصہ کو اب غصہ آ گیا تھا۔ "اگر یہ غلط فیصلہ ہو جاتا تو اپنے بچوں کو دیکھ کر حق اور فرض کی سولی پر لٹکے رہتے۔" وہ آنکھیں رگڑتی اٹھیں۔ انہیں شدید غصہ تھا کہ ابھی لاٹھی اٹھائیں اور اس کی دھنائی کر دیں کسی حد تک

خود سے بھی شرمندہ تھیں کہ ہمیشہ اس کی زندگی کے خود ہی فیصلے کیے اسے چھوٹا چھوٹا سمجھ کر بڑا ہونے ہی نہ دیا کہ وہ ضد کرسکتا' کوئی فیصلہ کرسکتا۔ وہ بہت دیر سے اس کے موبائل پر کال کررہا تھا مگر وہ جان بوجھ کر اٹھانا نہیں چاہتی تھی' ممانی ڈسٹنگ کرتے ہوئے اس کے سیل تک پہنچیں اور اٹھا کر اسے دے دیا۔

"تمہارا فون ہے۔" چاروناچار اسے اٹینڈ کرنا پڑا مگر دونوں چپ تھے' ایک دوجے کے سانس کی سائیں سائیں محسوس ہورہی تھی' وہ کچھ دیر بعد بولی تھی۔

"اگر بات نہیں کرنی تو نمبر کیوں ملایا تھا؟"

"تم نے آنا نہیں ہے۔"

"کیوں؟" اس نے گہری سانس لی اور صوفے پر بیٹھ گیا دروازے کی جانب پشت تھی۔

"گھر میں فنکشن ہے۔"

"میری موت کا...... مجھے شوق نہیں ہے اپنی قبر پر خود مٹی ڈالنے کا۔"

"اپنی نہ سہی' میری قبر پر ڈالنے آجاؤ۔" زرتاشہ کو اپنا دل بند ہوتا محسوس ہوا۔ "قبروں کو ڈھانپنے کا حوصلہ نہیں ہے مجھ میں' جب دیکھوں گی قبر بارشوں نے بٹھادی ہے تو آجاؤں گی' بار بار کال مت کرنا۔" وہ فون بند کرنے لگی تب اس نے التجا کی۔

"پلیز...... زرتاشہ میری بات سنو۔" وہ چپ ہوکر سننے لگی۔

"جب رات کے اندھیرے میں مما بابا کی ڈیتھ ہوئی میں اندر تک دہل گیا تھا۔ بہت چھوٹا تھا اس وقت' کچھ ہی دیر میں وہاں ہجوم لگ گیا تھا اجنبی لوگوں' اجنبی آوازوں کا' مجھے گھر تک بھی پہنچادیا۔ تائی امی لوگوں سے ملنے میں مصروف تھیں' تایا ابا شاکڈ...... ماموں ممانی سب عجیب سے بین ڈال رہے تھے صرف اور صرف خالہ تھیں جنہوں نے مجھے خود میں بھینچ رکھا تھا' خاموش تھیں میرا ماتھا چوم رہی تھیں۔ میرے ایک بار کہنے پر کہ مجھے ڈر لگتا ہے تنہا مت کریں' انہوں نے ساری عمر کی تنہائی اپنے گلے لگالی۔ خود بے سائباں ہوکر مجھے سائباں دیا' میں خود کو ان کی پسند میں ڈھالنے لگا صرف اس لیے کہیں وہ غصہ ہوکر مجھے تنہا نہ کرجائیں۔ زرتاشہ مجھے یہ سوچ کر بھی خوف آنے لگا اگر ضد کی تو خالہ ناراض ہوجائیں گی۔ مجھے اجنبیوں میں چھوڑ جائیں گی' میں نے ان کی ہر بات مانی' خواہش' من مانی سب میری زندگی سے نکلتا گیا۔ پتا نہیں تم کب میرے خالی وجود میں آبسی چاہتے ہوئے بھی تم کو دل سے نہیں نکال سکا۔ یہ سوچتا رہا کچھ بن جاؤں پھر خالہ سے بات کروں گا مگر ان کی تو کچھ اور ہی خواہش تھی' مما بابا کی مرضی...... میں ہزار بار چاہتے ہوئے بھی ان کی خواہش کو رد نہیں کرسکتا۔ مجھے ہر اس بات کے لیے معاف کردو جو میں نے تم سے کی اور تمہارے دل میں کوئی خوش گمانی ڈالی......"

"تم رو رہے ہو؟" اس کی رندھی آواز پر زرتاشہ بے قرار ہوئی۔

"اپنی قسمت پر رو رہا ہوں' جو زبان و دل پہ قفل ڈال دیتی ہے۔"

"ستیاناس تیرا ذلیل میرا سارا خون چوس کر تجھے رونا آرہا ہے' تجھے تو عادت ہے چھپ کر رونے کی اچھی طرح تیری عادت پوری کرتی ہوں۔" وہ دونوں محوِ گفتگو تھے اور شمعون کی پشت پر کھڑیں حفصہ اس کے منہ سے اقرار دل سنتے ہوئے جہاں رونے والی تھیں آخری جملے پر کلس گئیں اور ایک تہیہ کیا۔

شادی میں چند دن رہ گئے تھے گھر میں ہر طرح کا ہنگامہ ہورہا تھا مگر اس کی کسی چیز میں کوئی دلچسپی نہیں تھی نہ ہی کسی نے اہمیت دی۔ البتہ ایک فرق تھا ارحم نے حالات سے سمجھوتہ کرتے ہوئے اس کے بھائی ہونے کا فرض ادا کیا اور تمام ذمہ داری سنبھال لی۔ روز امی پھوپو کو بازار لے جاتا ڈھیروں شاپنگ کرواتا اور اسے تصویریں بنابنا کر سینڈ کردیتا وہ اندر تک کلس جاتا۔

"تیرے بڑے دانت نکل رہے ہیں گھنے' پہلے تو مرنے والا ہورہا تھا اتنی جلدی عاشقی کا بھوت اتر گیا۔" اس کی دانت چڑھاتی اسمائلی کے بدلے شمعون نے گالیوں بھرا وائس اپ اسے کیا تھا جواباً اس نے ٹھینگا بھیج دیا اس نے غصے میں فون پٹخا۔

تمام مہمان آچکے تھے بارات روانہ ہونے کے لیے تیار تھی' حفصہ اور ردحیلہ ہر طرح کی رسموں میں پیش پیش تھیں اور وہ اس جیسی شیروانی چڑھائے جب برابر آ لٹکا ہوا' شمعون کا جی چاہا دنیا کے اس آخری دولہے نما شخص کو آگ لگادے۔

"تو کس خوشی میں اتنا سجا ہے؟" وہ دانت جما کر غرایا۔

"میرے یار کی شادی ہے۔" جب دبئی سے آیا تھا اس وقت کیا دورہ پڑا ہوا تھا۔ اسے وہ ایک آنکھ نہیں بھارہا تھا۔

"یار ہم تیری طرح تھوڑی ہیں جو روتے ہوئے قسمت پر

راضی ہوں، ہم کھلے دل سے مقدر کو تسلیم کرنے والے ہیں۔"

"لعنت ہے تجھ پر اور تیری عاشقی پر۔" اس کا اپنا تن من ایسا سلگا تھا جی چاہا سب کو دھکا دے۔ اوپر سے اس کی شوخیاں جو ختم ہونے کا نام نہ لیتی تھیں۔ ماموں بہت مصروف تھے، بارات کی کاروں میں سب سے آگے کار رکی اور کچھ ہی دیر میں ان کی کار ہوا میں فراٹے بھرتی نظروں سے اوجھل ہو گئی، ممانی ان کے ساتھ تھیں۔ موٹروے پر لاہور سے اسلام آباد تین گھنٹے کا سفر تھا، سوچوں میں الجھے شمعون کو تین صدی کا لگ رہا تھا۔ کم از کم آج وہ زرتاشہ کے بارے میں قطعاً سوچنا نہیں چاہتا تھا یہ مرحہ کے ساتھ خیانت تھی مگر دل بغاوت پر اتر آیا، بار بار بھٹکتا رہا۔

بارات کی گاڑیاں اسلام آباد کے بہترین میرج ہال کے سامنے آرکی تھیں، برقی قمقموں سے چمکتی عمارت اسے آتش فشاں کی طرح پھٹتی لگ رہی تھی اور ممانی ماموں نے اتنی تیزی دکھائی کہ اپنی گاڑی سے اتر کر ریسپشن پر ہار لیے کھڑے ہو گئے اور تایا ابو اور تائی اماں بھی ان کے ساتھ وہیل چیئر پر زاروں۔ بارات کا خوب استقبال ہو رہا تھا، کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی کون مہمان کون میزبان سب ایک دوجے کو ملتے مبارک سلامتی دے رہے تھے۔ ارحم مٹھائی کے تھالوں سے اٹھا اٹھا کر گلاب جامن کھائے جا رہا تھا۔ اس کے اتنا میٹھا کھانے پر پہلے تو شمعون کو شک گزرا کہ ٹینشن سے اس کا شوگر لیول گر رہا ہوگا پھر جب بے تکا ہنسا تو خیال آیا شاید غم اس کے دماغ کو چڑھ گیا لیکن جب اسے نارمل انداز میں تایا ابو سے کچھ باتیں کرتے اور پھر مٹھائی اٹھا کر اپنے منہ میں ڈالتے دیکھا تو بہت غصہ آیا کمینہ ڈرامے لگا رہا تھا وہ اس کے برابر صوفے پر بیٹھا تھا تب شمعون نے آہستگی سے کہا۔

"بس کر جا گلاب جامن کھا کھا کر تیرا پیٹ یہیں پھٹ جائے گا۔"

"تو تیرا کیوں دل پھٹ رہا ہے تو بھی کھالے بڑے میٹھے ہیں۔" اس نے ایک گلاب جامن اٹھایا مگر اس کے بُرا سا منہ بنانے پر واپس رکھ دیا، دل میں ایک ٹیس کی طرح زرتاشہ لہرائی تھی کیونکہ سامنے سے تایا جان اور ماموں جان کے جلو میں قاضی صاحب رجسٹر اٹھائے ان کی جانب بڑھ رہے تھے۔

اسے اس نکاح میں بالکل دلچسپی نہیں تھی دھیان بھٹک رہا تھا جب وہ ارحم کے ٹہوکے سے چونکا اور آنکھیں قاضی صاحب کے الفاظ نے پتھرا ئیں۔

"شمعون الیاس احمد آپ کو بعوض حق مہر سکہ رائج الوقت ایک لاکھ زرتاشہ سلمان علی اپنے نکاح میں قبول ہے۔" قاضی صاحب جملے کی تکرار کر رہے تھے اور وہ پھٹی آنکھوں سے سب کے چہرے دیکھ رہا تھا اب کے ارحم نے بہت زور سے اس کے پیٹ میں کہنی ماری تھی۔

"اب پھوٹ بھی دے یا خالہ سے پوچھنا ہے لنگوٹ۔" اس نے بھنوئیں اچکا کر ارحم کو دیکھا وہ پوری آنکھیں پھاڑے گھور رہا تھا۔ "بول......"

"جی قبول ہے۔" زندگی میں شاید وہ کبھی اتنا خوش ہوا ہو جتنا کہ اب تھا مگر مفلوج ہوتے ذہن نے اسے ساکت کر رکھا تھا اور کانوں میں ارحم کی آواز آئی تھی۔

"قاضی صاحب اسے جلدی فارغ کریں میرا پڑھوائیں۔" اب دوسری بار چونکا تھا ساتھ ہی نگاہ خالہ حفصہ پر جا ٹھہری جو استہزائیہ مسکراہٹ روکنے میں مکمل ناکام ٹھہری تھیں کیونکہ انہوں نے یہ سب اس سے چوری چھپے طے کیا کہ جب اس نے اپنے دل کا معاملہ چھپائے رکھا تو ہم بھی چھپائیں گے۔ سلمان علی اور وہ دونوں خاموشی سے اسلام آباد گئے اور عبدالرحمان کو ہر بات کھول کر بتادی تھی ساتھ اپنے بیٹے ارحم کی خواہش بھی انہیں اعتراض ہوتا اگر عین شادی پر رشتہ ٹوٹ رہا ہوتا۔ شمعون نہ سہی ارحم سہی کم از کم ان کی بیٹی من چاہی بیوی بن کر راج تو کرے گی۔ زرتاشہ پہلے ہی راولپنڈی میں اپنی نانی کے گھر تھی، مل کر ہوٹل بک کروایا اور بہترین طریقے سے سبکدوش ہوئے تھے۔ ارحم کے اقرار کے بعد جہاں سب کے چہرے کھلے تھے وہاں قریب ہی وہیل چیئر پر بیٹھے زاروں کو بھی سمجھ آرہی تھی سب کو دیکھ دیکھ کر مسکراتے ہوئے اپنے بھائی شمعون کے لیے بازو کھولے۔

"اب یہ بھی کھلا دے بھائی کو۔" ارحم نے گلاب جامن کی پلیٹ اٹھا کر آگے کی، ایک گلاب جامن زاروں کے منہ میں اور دوسری اپنے منہ میں اور پھر وہ منہ بند کرنا بھول گیا تھا کیونکہ سامنے سہیلیوں، کزنوں کے جلو میں دو دلہنیں آرہی تھیں لیکن اس کی نگاہ سرخ سنہرے آنچل میں چھپی زرتاشہ کے چہرے پر ٹک گئی جہاں شرماہٹ میں گھلی دل آویز مسکراہٹ بکھری تھی۔

حریمِ عشق

سیدہ غزل زیدی

گزرے ہیں زندگی میں کئی حادثے، مگر
اب کس کو یاد رکھے کوئی، کس کو بھول جائے
ان عارضی ٹھکانوں سے دل لگانا کیا
دنیا میری نظر میں نہیں کچھ، مگر سرائے

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

یہ کہانی عالم آفندی اور ان کے گھرانے کے گرد گھومتی ہے جن کا تعلق ایلیٹ کلاس سے ہے اپنے پوتوں اور بیٹے کے ہمراہ وہ ایک خوشحال زندگی گزار رہے ہیں ارحام اور رضی گھر میں چھوٹے ہونے کی بناء پر دادا کے زیادہ قریب ہوتے ہیں ارحام بائیک ریسنگ کا بے حد شوق رکھتا تھا مگر اسی شوق کی بناء پر ایک حادثہ رونما ہوجاتا ہے جہاں اسے خود بہت سی چوٹیں آتی ہیں وہیں دوسرا لڑکا اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے جو کہ یمنیٰ زیدی کا جڑواں بھائی ہوتا ہے اپنے بھائی سے جدائی کا صدمہ یمنیٰ کے ذہن پر نہایت گہرے اثرات مرتب کرتا ہے اور اس حادثے سے باہر نہیں نکل پاتی ارحام کے لیے اس کی نفرت بڑھتی جاتی ہے اگر چہ یمنیٰ کے دیگر گھر والے ارحام کو نہ صرف معاف کردیتے ہیں بلکہ یمنیٰ اور ارحام کا رشتہ بھی طے کردیتے ہیں مگر یمنیٰ اس رشتے کو توڑنے کی متمنی ہوتی ہے۔ دوسری طرف حریم اپنی والدہ اور بہن کے ہمراہ رہتی ہے اس کا تعلق متوسط گھرانے سے ہے حریم کا رشتہ بچپن سے اپنی خالہ کے بیٹے سے طے ہوتا ہے توقعات پوری ہوتی دکھائی نہیں دیتیں لہٰذا وہ حریم کے کردار کو نشانہ بنا کر رشتہ ختم کردیتی ہے ابرار بھی اپنی محبت پر یقین کرنے کے بجائے ماں کی باتوں پر یقین کرتا ہے اور حریم سے ایک آخری ملاقات کے دوران اس سے معافی مانگتے اپنی شادی کی بات بتاتا ہے حریم اس رشتے سے اسے آزاد کردیتی ہے لیکن ساتھ ہی اس کی ماں کی تلخ رویوں سے بھی آگاہ کردیتی ہے جس پر ابرار شاکڈ رہ جاتا ہے۔ فریدآفندی کی بیگم روشنی آفندی کچھ دنوں کے لیے اپنے بیٹے کے پاس باہر جاتی ہیں اور جب واپسی لوٹتی ہیں تو گھر میں ان کی آمد کے ساتھ ہی خوشیاں اور رونق لوٹ آتی ہے ارحام اور رضی بھی ماں کے لوٹنے پر خوش ہوتے ہیں۔ ارحام اپنے والد کے بزنس میں دلچسپی لینے سے زیادہ اپنی خود کی پہچان بنانا چاہتا ہے لہٰذا وہ دادا سے مشورہ کرتے سول سروس جوائن کرنا چاہتا ہے عالم آفندی اس کی خواہش کا احترام کرتے ہیں یہاں اس کی ملاقات حریم نامی لڑکی سے ہوتی ہے جو سر ہاشم کی بہترین اسٹوڈنٹس میں سے ایک ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❁........❁........❁

دل وہ نگر نہیں کہ پھر آباد ہوسکے
پچھتاؤ گے سنو یہ بستی اجاڑ کے

اسے لگا کہ جیسے کسی کی بھیگی آواز نے دھیرے سے اس کے کان کے پردوں کو چھوا تھا۔ اس نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔ ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اس کے وجود سے ٹکرایا تھا۔ ستمبر شروع ہوچکا تھا اور ٹھنڈ کا گراف بھی سینٹی گریڈ پر نیچے کی جانب محو سفر تھا۔ اس نے لان میں سجے سجائے اسٹیج اور پیلے کور میں ڈھکی گول میزوں کے گرد ہرے مخملی غلافوں میں لپٹی کرسیوں کو دیکھا' ہر میز پر ہرے باؤل میں پیلے گیندے کے پھول رکھے ہوئے تھے۔ ساتھ ہی کار پورچ سے اسٹیج تک پیلے پھولوں سے روش بنائی گئی تھی جس پر چل کر اسے اسٹیج تک جانا تھا۔ مگر وہ تو خود میں اتنی سکت بھی نہ پارہا تھا کہ اس بالکونی سے ہٹ سکتا۔ بالکونی میں لگی اسٹیل کی ریلنگ پر ہاتھ دھرے اس کے ہاتھ سرد پڑ گئے تھے۔ مگر قدموں نے پلٹنے سے انکار کردیا تھا۔ اس نے

چاہا کہ وقت دو سال پیچھے چلا جائے جہاں زندگی پُرسکون تھی' ذہن و دل کے دریچوں پر بس ایک ہی ہستی کا گزر تھا۔ حریم حیات کا "حریم" اس کے لبوں سے یہ نام جتنی خاموشی سے ادا ہوا تھا ہوا نے بھی اتنی ہی آہستگی سے اسے تحلیل کردیا تھا۔ اس کمرے کی خاموشی نے اس نام کو آج اپنے لیے بہت پرایا محسوس کیا تھا۔

اکیلے پن سے ڈرتا تھا
جدا ہونے سے ڈرتا تھا
میری آنکھیں بتاتی ہیں
کہ میں سونے سے ڈرتا تھا
میری انگلی پکڑ لینا
مجھے تنہا نہیں کرنا
یہ دنیا ایک میلہ تھا
تمہیں کھونے سے ڈرتا تھا

"اور میں نے بے وقوفوں کی طرح اپنے ہاتھوں تمہیں گنوا دیا۔ میں اتنا عقل کا اندھا ہوگیا تھا کہ اس کی ہر اچھائی کو پس پشت ڈال کر اسے' اس کی انا' اور وقار کو سوالوں کی زد پر لے آیا۔ اس کی زندگی کا وہ کون سا لمحہ تھا جو میرے سامنے نہ تھا پھر بھی میں نے اس پر شک کیا آخر مجھے کیا ہوگیا تھا۔" اس نے سلگتی سوچوں سمیت اپنے سر کو ہاتھوں میں تھاما۔ بہت سی غلطیاں آج سراپا سوال بنی ہوئی تھیں۔

"ابرار......" ارحام نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے پکارا۔ وہ چونک کر پلٹا ارحام کب آیا اسے احساس ہی نہ ہوا تھا۔

"یہ حلیہ کیا بنایا ہوا ہے تم نے؟" وہ حیرت سے اس کی ضرورت سے زیادہ بڑھی ہوئی شیو اور ہلکی سرخی لیے آنکھیں دیکھ کر پریشان سا ہوگیا تھا۔

"مجھے چھوڑو تم آج بہت ہینڈسم لگ رہے ہو۔" اس نے مسکراتے ہوئے اس کے ڈریس پر چوٹ کی۔ وہ وائٹ شلوار پر لائٹ گرین کرتا پہنے ہوئے تھا جس کے گلے پر بلیو رنگ کی مشین کی کڑھائی تھی ساتھ ہی اس نے پاؤں میں ڈارک براؤن پشاوری سلیپرز پہنی ہوئی تھیں۔

"تم بتاؤ مجھے...... کیا بات ہے' تمہیں کیا لگتا ہے کہ تم بات کو گھماؤ گے اور میں پوائنٹ سے ہٹ جاؤں گا۔" وہ اس کی بات کو خاطر میں لائے بغیر بولا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتا ثریا بیگم اپنی ساڑھی کا پلو سنبھالتی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئیں۔

"دیکھ لیا ارحام تم نے اس لڑکے کو ابھی تک تیار نہیں ہوا نیچے مہمان آنا شروع ہوچکے ہیں اور یہ......" انہوں نے غصے میں بات بھی ادھوری چھوڑ دی۔

"آپ کو اب میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں اگر پہلے نہیں کرسکیں آپ کو اپنی بیٹی کی خوشیوں میں شامل ہونا چاہیے جس کی خوشیوں کی خاطر آپ نے اپنے بیٹے کو قربانی کا بکرا بنایا ہے۔" اس کے لہجے کی تلخی نے ارحام کو اپنی جگہ ساکت سا کردیا تھا۔ جبکہ ثریا بیگم نے قدرے ناگواری سے اسے دیکھا۔

"زیادہ ڈرامہ کرنے کی ضرورت نہیں...... مجھے پتا ہے کس نے تمہارے کان بھرے ہیں' اس نامراد ناخلف سے جب سے مل کر آئے ہو تب سے تمہارے مزاج ہی نہیں مل رہے۔ ورنہ پہلے تو تم بھی راضی تھے۔" انہوں نے جلے کٹے سے انداز میں کہا۔

"حریم کو بیچ میں مت لائیں ممی۔" ابرار کے لبوں سے نکلنے والا نام ارحام کو چونکا گیا۔

"وہ منحوس لڑکی ہی تو بیچ میں ہے اسی لیے اتنے شگن والے دن ایسی بدشگنی پھیلی ہوئی ہے ہمارے گھر میں۔" وہ بھی کہاں باز آنے والی تھیں۔ اس سے پہلے کہ بات مزید بڑھتی ارحام آگے آیا۔

"آنٹی آپ چلیں میں خود اسے تیار کروا کر لاتا ہوں۔" ارحام ثریا بیگم کے سامنے کھڑا ہوتے بولا۔

"میں یہ شادی نہیں کررہا ارحام' میں کہیں نہیں جاؤں گا۔" ابرار کے لہجے میں ضد تھی۔

"دیکھ لیا تم نے ارحام کیسے یہ اس کلموہی کی وجہ سے ماں کے منہ کو آرہا ہے۔" ثریا بیگم سوں سوں رونے لگی تھیں مگر ارحام نے انہیں تسلی دی تو وہ آنسو پونچھتی کمرے سے چلی گئیں۔ ان کے جانے کے بعد ارحام نے پلٹ کے اسے دیکھا' وہ دونوں ہاتھوں کا مکا بنائے پوری قوت سے بیڈ میں مار رہا تھا۔

"یہ سب کیا ہے ابرار؟ مجھے تو کچھ بھی سمجھ نہیں آرہا۔ کیا یہ شادی تمہاری مرضی سے نہیں ہورہی؟" وہ حیران پریشان سا اس کے سامنے کھڑا تھا۔ ابرار نے کچھ لمحے خاموشی سے اسے دیکھا پھر اس کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے برابر بٹھالیا۔

"یہ کچھ بھی میری مرضی کا نہیں ہے ارحام سب ماما اور زینی

آپا کی خواہش ہے۔ زینی آپا کی جس لڑکے سے انڈر اسٹینڈنگ تھی اس کی فیملی رشتہ لائی ساتھ ہی انہوں نے یہ شرط بھی رکھ دی کہ وہ یہ شادی وٹے سٹے میں کریں گے یعنی ان کی بیٹی ہمارے گھر اور ہماری ان کے گھر۔ اس لڑکے کی فیملی فنانشلی ہم سے زیادہ اسٹرونگ ہے اور یہی اس کا پلس پوائنٹ تھا۔ ممی نے میری عدم موجودگی میں یہ دونوں رشتے طے کر دیئے جبکہ وہ جانتی تھیں میں ہمیشہ سے حریم میں انٹرسٹڈ ہوں جس سے خود انہوں نے میرا رشتہ بچپن میں ہی طے کر دیا تھا مگر نہ جانے کیوں خالو کی وفات کے بعد انہیں حریم میں صرف برائیاں ہی برائیاں نظر آنے لگیں یہاں تک کہ ان کی نظر میں اس کا کردار بھی مشکوک ہو گیا۔ دن رات اٹھتے بیٹھتے ان کے لبوں پر صرف حریم کی برائی رہنے لگی اور میرے دل پر آہستہ آہستہ جیسے کسی نے ایک ان دیکھا غلاف چڑھا دیا۔ میں تو اس کی رگ رگ سے واقف تھا۔ اس کے ہر ایک انداز سے۔ مجھ سے زیادہ اس کے مزاج کے موسموں کو کس نے پڑھا تھا پھر میں ممی کی نظر سے اسے دیکھنے لگا۔ اس کا ہر انداز مجھے شک میں مبتلا کرنے لگا۔ اس کا انداز تو ہمیشہ ہی محتاط تھا۔ وہ مجھ سے بات کرتی تھی مگر اس کی گفتگو دیگر لڑکیوں کی طرح سطحی سی نہیں ہوتی تھی جیسے کہ اکثر لڑکیاں اپنے منگیتر سے کرتی ہیں۔ وہ حریم تھی، پاکیزہ بہت شفاف۔" دو چند ثانیے کے لیے جیسے وہاں موجود نہیں رہا تھا اس کے ساتھ بیٹھے شخص کو شک نہیں یقین ہو چلا تھا کہ وہ کس کی بات کر رہا تھا حریم حیات کی۔

"مجھے لگنے لگا کہ شاید اسے مجھ میں دلچسپی ہی نہیں رہی اور پھر میں نے وہاں آنا جانا کم کر دیا یا سمجھو بالکل ختم کر دیا، پھر مجھے جو نیوز ملتی زہرہ خالہ کے گھر کی وہ امی سے ہی ملتی۔ اس دوران ممی نے مجھے بتایا کہ حریم کے دو تین رشتے آئے ہوئے ہیں اس کے کلاس فیلوز کے گھر سے جن میں سے ایک پر حریم بھی اصرار کر رہی ہے۔ میں اس بات پر یقین نہیں کر پایا تھا، مگر مجھے کرنا پڑا جب میں نے حریم کو ایک لڑکے کے ساتھ کافی شاپ میں ہنستے مسکراتے باتیں کرتے دیکھا، مجھے ممی کی ہر بات سچ لگی اور اپنے بے وقوف بنائے جانے کے احساس نے گویا میری رگ رگ کو سلگا دیا تھا۔ میں سب کچھ چھوڑ کر کچھ عرصے کے لیے بینکاک چلا گیا۔ واپس آیا تو ممی سب طے کیے بیٹھی تھیں۔ میں نے اعتراض نہیں کیا۔ اعتراض کی وجہ بھی نہیں تھی۔ مگر دل اپنی تسلی چاہتا تھا اور اسی لیے میں اس سے ملنے چلا گیا۔ ممی ٹھیک کہتی ہیں اگر میں وہاں نہ گیا ہوتا تو شاید میں خوش ہوتا۔ میں وہاں گیا تھا اپنی انا کا پرچم اونچا کرنے لیکن اپنا سب کچھ گنوا آیا۔ اس کی آنکھوں نے اس روز اپنے دل پر جھیلی گئی ہر تکلیف کو کہہ دیا۔ وہ آنکھیں جو ہمیشہ ہیروں کی مانند چمکا کرتی تھیں اپنے خوابوں کے کرچی ہونے پر نوحہ کناں تھیں۔ میں اپنا سب کچھ وہاں چھوڑ آیا ہوں۔ اب میرے پاس کسی کو بھی کچھ دینے کے لیے نہیں بچا۔ میں اندر سے بالکل خالی ہوں۔ بالکل خالی۔" اس کا ہر لفظ ایک سسکی تھا۔ ارحام کے پاس تو گویا لفظ ہی نہ رہے تھے تسلی کے۔ وہ اس لمحے احساس زیاں کی عملی تفسیر بنا ہوا تھا۔

"ابرار......" ارحام نے اس کا نام پکارتے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"میں شاید تمہاری حالت کو بہت اچھی طرح سمجھ نہیں سکتا لیکن اس وقت تم جس پوائنٹ آف نو رٹرن پر کھڑے ہو وہاں تمہارے اور زینی آپا کے لیے یہی بہتر ہے کہ تم جو ہو رہا ہے اسے ہونے دو۔" ارحام اس کا مخلص دوست تھا۔ وہ جانتا تھا ارحام اسے ایسا ہی کوئی مشورہ دے گا۔ جس میں اس کے ساتھ اس کی پوری فیملی کی بھلائی بھی شامل ہو۔

"ہاں ارحام مجھے علم ہے مجھے یہی کرنا ہے مگر اس دل کا کیا کروں جو کسی طرح راضی نہیں ہو رہا...... میں خود کو اس معاملے میں بہت بے بس محسوس کر رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ میرا ایک بھی جذباتی قدم زینی آپا کو شعلوں میں دھکیل دے گا لیکن......" اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی کیونکہ نیچے سے ایک عجیب سے شور کی آواز آئی تھی۔ آوازیں بہت واضح تھیں ثریا بیگم بہت بلند آواز میں زہرہ بیگم کی تربیت کا تماشہ لگا رہی تھیں۔ وہ دونوں تیزی سے دروازے کی طرف بڑھے۔

"بہن ہو میری مگر تمہیں ذرا اللہ کا خوف نہ آیا میرے بیٹے کو بہکانے میں۔" اس وقت خاندان کے کچھ لوگوں اور گھر کے افراد کے علاوہ باقی لوگ گارڈن میں تھے۔ اس لیے ثریا بیگم نے تماشہ لگانے میں ذرا دیر نہ لگائی۔ جیسے ہی زہرہ بیگم اور رامین اندر داخل ہوئیں انہوں نے بغیر سلام دعا کے انہیں بے نقط سنانا شروع کر دیں۔ ان کے بہن بھائیوں سمیت ان کے شوہر میں بھی اتنی ہمت نہ تھی کہ انہیں روک سکتے۔

"آپا آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے ہم نے تو......" زہرہ بیگم کے اتنی عزت افزائی پر چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔

"اے بی بی بس رہنے دو۔ میں خوب واقف ہوں تم ماں بیٹیوں کی چلتر بازیوں سے۔" انہوں نے زہرہ کو بیچ میں ہی ٹوک دیا۔ ارحام تو ان کی زبان کے جوہر دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

"ممی بس کریں..... کیا تماشہ لگایا ہوا ہے یہ۔" ابرار ان کے قریب آ کر دبی آواز میں بولا۔

"تم تو چپ ہی رہو ابرار تو بہتر ہے۔ ان ماں بیٹی نے تم پر جادو چلایا ہے۔ اس نے تو تمہیں عقل کا اندھا کردیا ہے۔ مگر میں تمہاری طرح اندھی نہیں ہوسکتی۔ اس نے تو اپنی بیٹی کو تمہارے آگے پیش کر کے تمہارے حواس گم کردیئے مگر......"

"بس خالہ بس...... اب آپ نے میری بہن کے لیے ایک لفظ بھی کہا تو اچھا نہیں ہوگا۔" رامین نے انگلی اٹھا کر انہیں وارننگ دی۔

"اوہ تم مجھے دھمکی دے رہی ہو۔" انہوں نے کھا جانے والی نظروں سے رامین کو دیکھا۔

"نہیں حقیقت بتا رہی ہوں، کیونکہ آپ کے بیٹے کی طرح ہر کوئی بزدل نہیں ہوتا۔ بہت اچھا ہوا کہ حریم سے ان کا ہر تعلق ختم ہوگیا بننے سے پہلے ہی۔ ایسے بزدل لوگوں سے شدید نفرت ہے۔" اس کا ایک ایک لفظ غم اور غصے میں ڈوبا ہوا تھا اس نے یہ کہہ کر گویا ابرار کے دل سے کسی بھی قسم کی خوش فہمی کو دور کرنے کی کوشش کی تھی جس کی وجہ سے وہ آج یوں بھری محفل میں رسوا ہوئی تھیں۔

"دیکھ لیا تم نے ان ماں بیٹی کو کیسے تمہاری فرماں برداری پر جوتا مار رہی ہیں بزدلی کا اور ایک تم ہو کہ ان کے لیے مرے جارہے ہو۔ ماں اور بہن تک کا لحاظ نہیں کررہے۔ میں ہی بے وقوف تھی جو ان لوگوں سے بھولے بھٹکے ایک ذرا سی بات کردی ہنسی مذاق میں کہ میں حریم کو بہو بناؤں گی یہ تو ہاتھ دھو کے پیچھے پڑگئے اپنی بیٹی دینے کے لیے۔ ان کا تو بس ہی نہ چلتا تھا کہ بنا کسی شرعی رشتے کے اسے یہاں چھوڑ جائیں۔" وہ ہاتھ ہوا میں نچا نچا کر بول رہی تھیں۔

"بس کریں آپا بس کریں میری بیٹی میں ایسی کوئی کمی نہیں کہ میں اسے زبردستی کسی کے پلے باندھ دوں۔ اگر آپ کا بیٹا سو بار بھی میرے دروازے پر ناک رگڑتا تب بھی میں اپنی بیٹی کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں نہیں دیتی مگر آپ آئیں تھیں میرے در پر اپنے بیٹے کے لیے بھیک مانگنے محبت کی۔ آپ نے میری بیٹی کو انتخاب نگاہ ٹھہرایا تھا میں نے آپ کے بیٹے کو نہیں چنا تھا اپنی بیٹی کے لیے۔ حریم کے بابا کی وفات سے پہلے تک تو آپ اس رشتے کو باضابطہ طور پر سب کے سامنے لانا چاہتی تھیں مگر ان کی وفات نے آپ کو یہ سوچنے پر مجبور کردیا کہ یہ سودا گھاٹے کا رہے گا۔ اسی لیے آپ نے ابرار کے لیے ایسی لڑکی کی تلاش شروع کردی جو اونچے گھرانے کی ہو ساتھ ہی میری بیٹی کی کردار کشی بھی شروع کردی تاکہ آپ پر کوئی الزام نہ آئے اور یہ رشتہ بھی ٹوٹ جائے۔ حیران کن ہے مگر حقیقت بھی ہے کہ آپ ہمیشہ سے ہر ایک کو اپنی خودغرضی کی بھینٹ چڑھاتی آئی ہیں لیکن اس بار آپ کی خودغرضی کی بھینٹ کوئی اور نہیں بلکہ آپ کی اپنی اولاد چڑھ گئی ہے۔" زہرہ بیگم نے آج پہلی بار اپنی بڑی بہن کے آگے زبان کھولی تھی مگر ایسی باتیں کہہ ڈالی تھیں جس نے ثریا بیگم کو جلتے توے پر بٹھا دیا تھا۔ یک دم وہ زخمی شیرنی کی طرح زہرہ بیگم پر جھپٹی تھیں۔ انہیں پہلی بار کسی نے آئینہ دکھایا تھا اور وہ بھی ان کی وہ بہن جو حیثیت میں ان سے کم تھی۔ ان کا زوردار تھپڑ زہرہ کو کئی قدم پیچھے دھکیل گیا تھا۔

"تم نے مجھے خودغرض کہا گھٹیا عورت۔" انہوں نے ایک بار پھر ہاتھ بلند کیا مگر رامین نے وہ ہاتھ ہوا میں ہی تھامتے پوری طاقت سے جھٹکا تھا۔ وہ بھی کئی قدم پیچھے ہوئی تھیں۔ رامین نے جلدی سے زہرہ کو تھاما۔ ایسی ذلت پر تو گویا زہرہ زمین میں گڑ گئی تھیں۔ اس سے پہلے کہ ثریا دوبارہ ان پر جھپٹتی ابرار نے انہیں مضبوطی سے تھام لیا۔

"چھوڑو مجھے ابرار آج میں ان ماں بیٹی کا خون پی جاؤں گی۔" وہ بری طرح بپھری تھیں۔

"کیا پاگل پن ہے یہ ممی۔" وہ انہیں مضبوطی سے تھامے بولا۔

"ان سے کہو کہ یہ یہاں سے دفع ہوجائیں ورنہ میں کچھ کر بیٹھوں گی۔" وہ بری طرح چنگھاڑ رہی تھیں۔

"آپ کیا ہمیں یہاں سے جانے کے لیے کہیں گی ہم خود آپ کی تقریب میں شریک ہونا پسند نہیں کریں گے۔" رامین نے بنا رعب میں آئے کہا اور ساتھ ہی زہرہ بیگم کو تھام کر دروازے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ زہرہ سے تو چلا بھی نہ جارہا تھا رامین بس انہیں اپنے ساتھ گھسیٹ رہی تھی۔

"ارحام......" اپنے نام کی پکار پر وہ سکتے سے باہر آیا۔ ابرار اسے آنکھوں سے کوئی اشارہ کررہا تھا۔ وہ پہلے تو سمجھا نہیں پھر جیسے ہی سمجھ آئی فوراً دروازے کی طرف بڑھا۔ وہ اپنی کار

اسٹارٹ کر کے صدر دروازے کی طرف آیا تو وہ دونوں اسے وہیں فٹ پاتھ پر کھڑی نظر آئیں۔ وہ ایک ہاتھ کے حلقے میں زہرہ کو لیے ہوئے تھی جبکہ دوسرا ہاتھ ہلا کر کسی ٹیکسی کو روکنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھی۔

"میں آپ لوگوں کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔ میں ابرار کا دوست ہوں۔" اس نے قریب پہنچ کر کہا۔

"بہت شکریہ ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت نہیں۔" رامین نے بہت رکھائی سے کہا۔

"یہاں سے آپ لوگوں کو ٹیکسی نہیں ملے گی۔ میں آپ لوگوں کو آپ کے گھر تک چھوڑ دوں گا۔ میرا یقین کیجیے۔" اس کا لہجہ ملتجی تھا۔

"آپ اندر ہی تھے شاید اور رشتوں کے پرخچے بھی اڑتے دیکھے ہوں گے، کیا آپ کو لگتا ہے کہ اب ہمیں کسی کا یقین واعتبار کرنا چاہیے۔" رامین کا لہجہ طنزیہ تھا جس میں درد وغم کی آمیزش بھی تھی۔ وہ کچھ بول نہیں سکا۔

"مم...... مینو۔" زہرہ کی آواز پر وہ ان کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔ وہ سینے پر ہاتھ رکھے اس کے بازوؤں سے پھسلتی جا رہی تھیں۔

"امی......" رامین کی آواز چیخ کی صورت میں ڈھلی تھی۔

ارحام فوراً کار سے اترا اور انہیں اٹھا کر کار کی پچھلی سیٹ پر لیٹایا۔ رامین نے کار میں بیٹھتے ان کا سر اپنی گود میں رکھ لیا تھا اور جتنی قرآنی سورتیں اسے زبانی یاد تھیں وہ پڑھ کر ان پر پھونک رہی تھی۔ ارحام نے کافی عرصے کے بعد گاڑی کو اتنی اسپیڈ پر چلایا تھا۔ ایک بار اس کی حد سے بڑھی ہوئی رفتار نے کسی کی جان لی تھی، آج وہ کسی کی جان بچا کر اسے متوازن کر دینا چاہتا تھا۔ اس نے ہاسپٹل کے پارکنگ ایریا میں گاڑی روکی۔ اس کے کار روکتے ہی رامین فوراً اتری تھی۔ ارحام نے جھک کر انہیں بازوؤں میں اٹھایا کیونکہ وہ بے ہوش تھیں۔ ارحام نے انہیں لا کر اسٹریچر پر رکھا اور ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹر فوراً ان کی طرف بڑھا اور پھر ان کے دیکھتے ہی دیکھتے زہرہ بیگم کو آئی سی یو میں شفٹ کر دیا گیا۔ وہ ہونٹوں پر بچوں کی طرح ہاتھ رکھے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔ ارحام کو اس سے ہمدردی محسوس ہوئی۔ اس نے رامین کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"پریشان مت ہو وہ ٹھیک ہو جائیں گی۔" اس نے پر یقین لہجے میں کہا مگر وہ تو حیرت سے اپنے سر پر دراز اس کا دست شفقت دیکھ رہی تھی۔ ابوجی کی وفات کے بعد تو کسی نے بھی خاندان میں سے ان کے سر پر دست شفقت نہ پھیرا تھا اسی لیے وہ کچھ حیران سی رہ گئی تھی ایک اجنبی شخص کی طرف سے ایسا رویہ دیکھ کر۔

"شکریہ۔" وہ بس اتنا ہی کہہ سکی پھر دیوار کے ساتھ لگی چیئرز میں سے ایک پر بیٹھ کر اس نے موبائل پر حریم کا نمبر ڈائل کیا اور آنسوؤں کے درمیان بہت مختصر اسے سب کچھ بتاتے ہوئے اسے ہاسپٹل آنے کے لیے کہا۔ آنسو صاف کر کے اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ ایک ڈاکٹر کے ساتھ کھڑا بات کر رہا تھا۔ وہ اٹھ کر ان کے قریب چلی آئی۔

"ان کی حالت پہلے سے بہتر ہے۔ چوبیس گھنٹے اہم ہیں۔ انہیں انجائنا کا پین ہوا تھا۔ باقی کی صورت حال تو چوبیس گھنٹے بعد ہی بیان کی جا سکے گی۔ ہم دوا کر رہے ہیں آپ دعا کیجیے۔" ڈاکٹر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کے تسلی دی تھی۔ وہ صرف سر ہلا کر رہ گیا۔ رامین خود بھی سب سن ہی چکی تھی۔ اس لیے کسی سوال پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔

"میں آپ کی بہت شکر گزار ہوں آپ نے ہماری بہت مدد کی اور اپنے رویے کی معذرت چاہتی ہوں۔ میں نے آپ سے بہت روڈلی بات کی۔" وہ نم لہجے میں شرمندگی سے بولی۔

"اس کی کوئی ضرورت نہیں اور ویسے بھی یہ وقت دعا کرنے کا ہے۔ آپ اپنی والدہ کے لیے دعا کریں۔" اس نے نرم لہجے میں گویا اس کے کندھوں پر دھرا شرمندگی کا بوجھ ہلکا کیا۔ وہ سر ہلاتی دوبارہ ایک چیئر پر سنبھل کر بیٹھ گئی اور دعا کرنے کے ساتھ حریم کی منتظر بھی تھی اور منتظر تو وہ بھی تھا اپنے یقین کو حقیقت میں ڈھلتا دیکھنے کے لیے۔ جس کا اس نے ذکر سنا تھا کیا یہ وہی لڑکی ہے جس سے وہ مل چکا تھا۔

"کاش یہ حریم، حریم حیات نہ ہو۔" اس کے دل نے بن سوچے دعا کی تھی۔ وہ دیوار سے ٹیک لگائے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے سر جھکائے کھڑا تھا۔ اس نے اپنے دل کی خواہش سے نظریں چراتے سر دیوار سے لگاتے آنکھیں موندی تھیں۔ تب ہی اس نے راہداری میں تیز قدموں کی آواز سنی۔ اس نے آنکھیں کھول کر سامنے دیکھا تو جانا آج اس کی دعا کو قبولیت کی سند عطا نہ ہوئی تھی۔ شاید پورے لاہور ہی میں نہیں بلکہ پوری دنیا میں بس وہ ہی ایک حریم تھی۔ وہ اسے نہیں دیکھ سکی تھی کیونکہ وہ اس کی نگاہوں کا مرکز نہیں تھا، رامین تھی۔ اس کے ساتھ دو

لڑکے تھے ایک چھوٹا اور دوسرا اس لڑکے سے تھوڑا بڑا۔ رامین اس کے گلے لگ کر بری طرح رو رہی تھی اور وہ دونوں لڑکے جو یقیناً اس کے بھائی تھے نم آنکھیں لیے اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ اس نے انہیں بھی اپنے ساتھ لگالیا تھا۔ وہ تینوں اس کے بازوؤں میں ایسے سمٹے ہوئے تھے جیسے کسی چٹان کے دامن میں سرِ خم کیے شجر جنہیں اچانک خزاں کا خدشہ خوف زدہ کیے ہوئے ہو۔

''حریم اگر انہیں کچھ ہوگیا تو میں تو مر ہی جاؤں گی......

ابو جی کے بعد امی نے ہمیں سنبھالا تھا۔ ان کے بعد تو کوئی نہیں جو ہمیں سہارا دے ہمارا خیال رکھے۔'' رامین بچوں کی طرح رو رہی تھی۔

''سہارا صرف اللہ کا ہوتا ہے دنیا میں اس لیے صرف اللہ پر ہی توکل کرو اور یقین رکھو اللہ انہیں کچھ نہیں ہونے دے گا۔'' اس نے رامین کی کمر سہلاتے اسے پُرسکون کرنے کی کوشش کی۔ اس کے لہجے میں چٹانوں سی مضبوطی تھی۔ وہ صرف ظاہری ہی نہیں اندرونی طور پر بھی ایک چٹان تھی شاید۔ اپنے آنسوؤں کو ضبط کیے وہ ان کے آنسوؤں کو اپنے اندر اتار رہی تھی۔ وہ خاموش نگاہوں سے اس منظر کو دیکھ رہا تھا اور ان کے کرب کو محسوس کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک خاندان کا حصہ ہونے کے باوجود وہ سارے بہن بھائی اکیلے تھے کوئی نہیں تھا جوان کے درد کو بانٹنے کے لیے آتا۔ اس کا دل عجیب درد سے دوچار ہوا۔ اس نے آج پہلی بار بھری دنیا میں تنہا رہ جانے کے معنی کو جانا تھا۔

''سوری واسینگ آف بی انگ لون لی......'' کی رنگ ٹون اس کے ساتھ ان چاروں کو بھی اس کی طرف متوجہ کرگئی تھی۔ وہ کرتے کی جیب سے موبائل نکالتا راہداری میں آگے چلا آیا تھا۔ حریم نے حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ یہاں کیا کر رہا تھا۔

''یہ ابرار بھائی کے دوست ہیں' یہی ہم لوگوں کو ہاسپٹل لے کر آئے تھے۔'' رامین نے اس کی عدم موجودگی میں اس کا تعارف کرایا۔

''یہ اس وقت وہیں تھے جب وہ سب ہوا۔'' وہ بولتے بولتے پھر رو پڑی۔ حریم نے صرف ''ہوں'' کہنے پر اکتفا کیا۔ ابرار کا نمبر دیکھ کر اس نے گہرا سانس لیتے لفظوں کو ترتیب دیا اسے کیا کہنا ہے اور کیا نہیں۔

''ہیلو۔'' اس نے کال پک کی۔ ''ارحام تم نے خالہ جان اور رامین کو گھر چھوڑ دیا۔'' دوسری طرف ابرار کی الجھی سی آواز آئی ساتھ ہی گانوں وغیرہ کا شور تھا۔

''ہاں......'' اس نے یک لفظی جواب دیا' بات جتنی طویل ہوتی جھوٹ کی آمیزش اتنی زیادہ ہوتی۔

''شکر ہے۔ زہرہ خالہ کی طبیعت تو ٹھیک رہی؟'' اس کا جواب اب بھی وہی تھا۔ ''تم آرہے ہو؟'' ابرار ایک بار پھر پوچھ رہا تھا۔ اس کا جواب اب بھی یک لفظی تھا مگر منفی میں۔

''نہیں......'' اس سے پہلے کہ ابرار مزید کچھ کہتا اس نے رابطہ منقطع کردیا اور ابھی آگے کچھ سوچ بھی نہ پایا تھا کہ اسے اپنے پیچھے حریم کی آواز سنائی دی۔

''مسٹر ارحام......'' وہ اس سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی تھی۔ سنجیدہ اور پُراعتماد...... وہ کچھ بول نہیں سکا تھا۔

''مجھے رامین نے بتایا کہ آپ......'' وہ چند لمحے رکی پھر جیسے لفظ ترتیب دیئے تھے۔ ''شکریہ آپ نے بروقت میری والدہ اور بہن کی مدد کی ورنہ آج نہ جانے کیا ہوجاتا۔'' ارحام نے محسوس کیا اس کے چہرے کے تاثرات اس کے لفظوں کے ہمنوا نہیں تھے۔ ''اب میں آچکی ہوں آپ کو مزید زحمت اٹھانے کی ضرورت نہیں' میں سب کچھ خود دیکھ لوں گی۔'' وہ مزید بولی اور ارحام پر اس کے تاثرات کی حقیقت واضح ہوئی۔

''ہوں...... بہتر۔'' وہ سر ہلاتے بولا پھر اپنے والٹ سے ایک کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

''یہ میرا کارڈ ہے اگر آپ کو کسی بھی قسم کی مدد کی ضرورت ہو تو آپ......''

''مجھے نہیں لگتا کہ مجھے اس کی ضرورت پڑے گی۔ میں اپنی ذمہ داریاں خود نبھانے کی عادی ہوں۔'' اس نے ارحام کی بات کاٹتے کارڈ کی جانب دیکھے بنا کہا۔ ارحام کا ہاتھ خود بخود نیچے ہوگیا۔ پھر کچھ سوچتے اس نے والٹ جیب میں رکھا اور اس کے پاس سے گزرتا ان تینوں کے سامنے آکھڑا ہوا جو فاصلے پر ہونے کے باوجود ان کا مکالمہ سن رہے تھے۔ اس نے قریب آکر ان تینوں کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''پریشان مت ہونا' وہ جلد ٹھیک ہوجائیں گی۔'' اس کی مخاطب رامین تھی۔ ''اور یہ میرا کارڈ ہے کسی بھی قسم کا مسئلہ ہو تم مجھے بلاسکتی ہو مدد کے لیے میں ہر ممکن کوشش کروں گا مدد کرنے کی۔'' وہ دھیمی تسلی آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ اس سے پہلے کہ وہ پلٹتا رامین بولی۔

"آپ کا نام؟" وہ مسکرایا۔

"مجھے ارحام کہتے ہیں' کارڈ پر بھی درج ہے۔" اس نے کہا تو رامین اپنی بے وقوفی پر شرمندگی سے مسکرادی۔ اس نے پلٹ کر حریم کو دیکھا۔ وہ بے تاثر چہرہ لیے اسی سمت دیکھ رہی تھی۔ وہ آنکھوں پر گاگلز لگاتا اس کی طرف بڑھا اور اس کے پاس سے گزرتے لحہ بھر رک کر "اللہ حافظ" کہتا آگے بڑھ گیا۔ حریم نے پلٹ کر اسے دیکھا وہ راہداری پار کر کے دروازے سے باہر جا رہا تھا۔ اس نے ایک تھکا تھکا سا سانس ہوا کے سپرد کیا اور اپنے بہن بھائیوں کی طرف بڑھ آئی۔ اسے ابھی اپنی دوسری بڑی بہنوں کو اطلاع دینی تھی اس قیامت کی جو ان پر بیت رہی تھی۔

❁......❁......❁

"تم ٹھیک کہتے تھے دانیال' ہمیں اس کا باقاعدہ علاج کروانا چاہیے تھا۔ مگر میں کیا کروں میں بیٹی کا باپ تھا کیسے یہ سارے زمانے میں مشہور کر دیتا کہ...... کہ میری بیٹی پاگل ہوگئی ہے۔" ان کے لہجے میں یمنیٰ کی محبت کا درد بول رہا تھا۔ اس دن پڑنے والے دورے کے بعد اس کی طبیعت اب کہیں جا کر سنبھلی تھی۔ وہ گارڈن میں اپنی بڑی بہنوں کے بچوں کے ساتھ کھیل رہی تھی اور زبیری اور دانیال ٹیرس پر کھڑے اسے دیکھ رہے تھے۔ کہیں سے بھی محسوس نہ ہوتا تھا کہ ابھی کل تک وہ بیڈ پر تھی۔

"بابا اب تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ وقت گزر چکا ہے جس وقت بروقت علاج کی ضرورت تھی۔ اب تو بس یہ ہے کہ اسے مسلسل دواؤں کا استعمال کروایا جائے جو اس کے ذہن کو پرسکون رکھیں اور دوسری بات یہ بھی کہ اس کا دل اسٹرونگ کرنا ہوگا اسے خود...... ورنہ حالات آگے اور بھی پیچیدہ ہو سکتے ہیں۔" دانیال کا انداز پرسوچ تھا۔

"پیچیدہ؟" زبیری نے گویا وضاحت چاہی۔

"ابھی میرے لیے بھی کچھ کہنا مشکل ہے کہ کیا ہوگا؟" وہ الجھا ہوا سا تھا۔ وہ خود ایک نیورولوجسٹ تھا اور لاہور جنرل ہاسپٹل میں نیورولوجی ڈپارٹمنٹ میں فرائض انجام دیتا تھا۔ لیکن یمنیٰ کے بارے میں آ کر اس کی تمام معلومات تمام ریسرچ ختم ہو جاتی تھی۔ جہاں تک وہ خود اندازہ لگا پایا تھا تو یہی محسوس ہوتا تھا کہ وہ اپنے زخموں کو بھرنا نہیں چاہتی تھی بلکہ اس نے ہر گزرتے وقت کے ساتھ زخموں کو ناسور بنا لیا تھا جن سے رسنے والا درد انہیں ہر پل تڑپایا کرتا اور شاید اس درد کو ہی وہ اپنے لیے راحت تصور کرتی تھی۔ سب اس حادثے کو آہستہ آہستہ بھول چکے تھے۔ مگر وہ شاید اس حادثے کے علاوہ سب کچھ بھول چکی تھی۔ اس نے اچھے دنوں کی یادوں کے بجائے برے وقت کی یادوں کو اپنا کل اثاثہ بنایا تھا۔

"کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم...... ہم اسے کھو دیں گے دانیال؟" ان کے لہجے میں خوف تھا۔

"کچھ کہا نہیں جا سکتا بابا' کیونکہ اس بار جو اسے پاگل پن کا دورہ پڑا تھا اس کے بعد اس کی ذہنی حالت اور بھی ابتر ہو چکی ہے۔ وہ ارحام سے نفرت میں بہت آگے جا چکی ہے شاید ہماری سوچوں سے بھی زیادہ اور یہ سب کچھ اس کا خود ساختہ ہے اگر وہ چاہے تو خود اس سے باہر آ سکتی ہے لیکن کوئی اسے سمجھا بجھا کر اس خیالی دنیا سے باہر نہیں نکال سکتا۔" وہ کچھ مایوس سا محسوس ہوا۔

"کیا وہ ڈبل پرسنالٹی کا شکار ہے؟" وہ اب واقعی پریشان ہوئے۔ ان کی ایک چھوٹی سی غلطی ان کی بیٹی کو کہاں سے کہاں لے آئی تھی فنا کے راستے پر۔

"نہیں بابا وہ ڈبل پرسنالٹی کا شکار نہیں۔" اس نے گہرا سانس لیا۔

"وہ شیزوفرینیا اور ڈیلوژن کے درمیان میں کہیں گم ہوگئی ہے۔ وہ ایک ایسی اسٹیٹ میں ہے جہاں وہ بظاہر سب کو نارمل نظر آتی ہے مگر وہ بالکل بھی نارمل نہیں...... وہ اپنی دنیا میں پندرہ سولہ سالہ یمنیٰ ہی ہے جہاں اس نے اویس کو کھویا تھا۔ اس کی دنیا میں اویس ہے جو اس کے ذہن پر ہر گزرتے دن کے ساتھ حاوی ہوتا جا رہا ہے اور اگر وہ اس کی شخصیت پر مکمل طور پر حاوی ہوگیا تو...... تو یمنیٰ کے بارے میں کچھ بھی پریڈکٹ کرنا مشکل ہو جائے گا کہ وہ کب کیا کر بیٹھے۔" وہ آج ان سے وہ باتیں ڈسکس کر رہا تھا جو پچھلے ماہ سے وہ اپنے پروفیسرز اور سائیکاٹرسٹ دوستوں سے ڈسکس کرتا رہا تھا۔

"یہ سب تم نے مجھے پہلے کیوں نہ بتایا تھا دانیال۔" وہ تڑپ اٹھے۔

"ان نتائج پر پہنچنے میں مجھے خود دو سال کا عرصہ لگا ہے بابا۔ اس دو سال کے عرصے میں اس کی تمام پچھلی رپورٹس کو اسٹڈی کیا ہے' اپنے دوستوں اور پروفیسرز سے ڈسکس کیا' بلکہ اس کی ایک ایک حرکت پر بھی نظر رکھی...... آپ نے بھی اسے اکیلے بیٹھے دیکھا ہے؟" وہ بہت عجیب سے انداز میں بولا۔ "وہ اکیلی نہیں ہوتی' کوئی ہوتا ہے جو اس سے باتیں کر رہا ہوتا ہے یا یوں

کہہ لیں کہ جس سے وہ باتیں کررہی ہوتی ہے ہاہا اگر ہمیں اپنی یمنیٰ واپس چاہیے تو ہمیں اسے زیادہ سے زیادہ مصروف کرنا ہوگا اسے اکیلے رہنے سے بچانا ہوگا۔‘‘ اس نے مضبوط لہجے میں کہا اور وہ محض سر ہلا کررہ گئے۔

❀......❀......❀
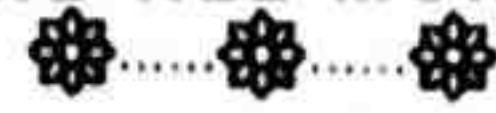
آنکھوں کے پردے کے پار بہت سے منظر گھوم رہے تھے۔ بہت سی آوازیں تھیں لیکن ان میں ایک آواز بہت واضح تھی۔ اس نے فوراً آنکھیں کھولیں۔ چاروں طرف ایک مہیب سناٹا طاری تھا۔ نائٹ بلب کی روشنی میں اس نے اندازہ لگایا کہ وہ اپنے بیڈروم میں تھا۔ اس نے سرہانے رکھا اپنا موبائل سوئچ آن کیا جو وہ رات میں مسلسل ابرار کی آنے والی کالز کی وجہ سے بند کر کے سویا تھا' اس کا سلگتا دماغ کچھ ٹھنڈا ہوا' اسی لیے اس نے اب مسکراتے ہوئے ابرار کا نمبر ڈائل کیا جو پہلی رنگ پر اٹھالیا گیا اور اس کے ہیلو کہتے ہی ابرار نان اسٹاپ اسے سنانا شروع ہوچکا تھا۔ ارحام نے مسکراتے ہوئے بڑے صبر سے پانچ منٹ تک اس کی لعن طعن سنی' جب وہ تھک کر چپ ہوا تو وہ مسکرا کر پوچھنے لگا۔

’’اور کچھ رہ گیا ہے تو وہ بھی بول دے۔‘‘ اس کے یوں کہنے پر وہ بری طرح تپا۔

’’دل تو یہی چاہ رہا ہے کہ تمہیں اتنی سناؤں کہ بہرہ کردوں۔ مگر خیر چھوڑو یہ بتاؤ آج آرہے ہو آپا کی شادی میں؟‘‘ وہ آس وامید کی مدھم روشنی کے ساتھ پوچھ رہا تھا۔ وہ کوئی جواب نہیں دے سکا تو ابرار نے سلسلہ کلام جاری رکھا۔ ’’میں جانتا ہوں ممی کی باتوں نے تمہاری نفیس طبیعت پر برا اثر ڈالا ہے مگر میں کیا کروں ارحام وہ میری ماں ہیں' میں ان سے بہت محبت کرتا ہوں۔‘‘

’’اور اس لڑکی سے؟‘‘ وہ اس کی بات بیچ میں کاٹتے ہوئے بولا۔

’’بہت...... بہت محبت کرتا ہوں میں اس سے...... بے اندازہ بے حساب۔‘‘ وہ کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولا۔

’’اسی لیے اسے بھری محفل میں اتنا ذلیل کروایا۔‘‘ وہ طنز کرنا نہیں چاہتا تھا مگر کر گیا۔

’’ہاں شاید تمہارا طنز جائز ہے کل رامین نے بھی تو مجھے یہی کہا تھا کہ میں بہت بزدل ہوں اور شاید وہ......‘‘ وہ یک دم بولتے بولتے خاموش ہوگیا اور پھر کچھ لمحوں بعد اسے دوسری طرف حریم کی آواز سنائی دی۔

’’آپ سمجھتے کیا ہیں اپنے آپ کو مسٹر ابرار رضوی آپ اور آپ کی ماں جب چاہیں کسی کو بھی اپنے سر کا تاج بنالیں اور جب چاہیں پاؤں کی جوتی۔‘‘ حریم شدید غصے میں بول رہی تھی اور یقیناً ابرار اسے دیکھ کر سکتے میں آ گیا ہوگا۔ ارحام گویا دور بین کی آنکھ سے اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔ پہلے تو اس نے چاہا کہ فون بند کردے کیونکہ یہ ایک غیر اخلاقی حرکت تھی مگر پھر اس نے ایسا نہیں کیا۔

’’اگر میری امی کو کچھ ہوا تو میں آپ کے اس عالیشان محل کی اینٹ سے اینٹ بجادوں گی مسٹر ابرار رضوی۔‘‘ اس کے لہجے میں زخمی شیرنی کی پھنکار تھی۔

’’اے لڑکی...... ہمارے گھر میں گھس کر ہم ہی کو دھمکی دے رہی ہو' ابھی تجھے دھکے دے کر نکلواتی ہوں۔‘‘ ایک تیسری ناگوار سی آواز ابھری جو یقیناً ثریا بیگم کی تھی۔

’’مجھے آپ جیسے بے حس لوگوں کے گھر آنے کا شوق بھی نہیں ہے لیکن یاد رکھیے گا اگر اگلی بار مجھے آنا پڑا تو میں اکیلی نہیں آؤں گی بلکہ پولیس ہوگی میرے ساتھ' اس لیے دعا کیجیے گا کہ وہ وقت کبھی نہ آئے۔‘‘ حریم کا انداز اب بھی وہی تھا پھر لمحہ بھر کو سناٹا ہوا۔

’’دیکھ لیا تم نے اس مرد مار لڑکی کو۔ یہ تھی تمہاری پسند۔‘‘ ثریا بیگم کا تمسخر اڑاتا لہجہ اسے سلگا گیا تھا۔ اسے لگا ابرار اب کوئی کرارا سا جواب دے گا مگر دوسری طرف سے کوئی آواز نہ آئی پھر اس نے حریم کے نام کی پکار کے ساتھ بھاگتے قدموں کی آواز سنی تھی۔ غالباً ابرار حریم کے پیچھے جارہا تھا۔

’’خالہ کو کیا ہوا ہے حریم مجھے بتاؤ۔‘‘ شاید وہ اس کے سامنے کھڑا پوچھ رہا تھا۔ ارحام کا دل کسی نے مٹھی میں لیا ہوا جیسے۔

’’میرے راستے سے ہٹ جایئے مسٹر ابرار رضوی۔ آپ کو میری فیملی کے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں...... کیونکہ مجھ سے تو آپ کا ہر تعلق اسی دن ختم ہوگیا تھا جس دن آپ نے مجھ پر شک کیا تھا اور جو کچھ بچا کھچا تعلق تھا میری فیملی سے وہ کل رات آپ کی والدہ محترمہ ختم کرچکی ہیں۔ میں آپ کو یہاں وارننگ دینے آئی ہوں' اپنے اور اپنی والدہ کے ذہن میں اس بات کو بٹھالیں کہ میرے یہاں آنے کا مقصد ہمدردی حاصل کرنا نہیں' اب اگر آپ کی والدہ نے میرے یا میری فیملی کے حوالے سے کچھ بھی کہا تو یاد رکھیے گا کہ میں آپ لوگوں کا وہ

حشر کروں گی کہ آپ یا آپ کی والدہ تصور بھی نہیں کرسکتے۔" اس کے ہر لفظ سے آگ برس رہی تھی۔ ارحام وہاں موجود نہیں تھا لیکن وہ محسوس کرسکتا تھا کہ اس کے لہجے میں جو تپش ہے وہ سب کچھ جلا کر بھسم کردینے کی خواہش رکھتی تھی۔ اس نے فون کان سے ہٹاتے رابطہ منقطع کیا اور وارڈ روب سے کپڑے نکال کر شاور لینے چلا گیا۔ وہ آج بہت دیر سے اٹھا تھا تقریباً ساڑھے نو بجے جس کا مطلب تھا کہ بابا اور دادو آفس جاچکے تھے اور رضی اپنی یونیورسٹی۔ وہ آئینے کے سامنے کھڑا بال بنا رہا تھا جب اس کا موبائل بجا۔ وہ جانتا تھا کس کی کال ہے اور اسے کیا کہنا ہے۔

"تم نے جھوٹ بولنا کب سے شروع کردیا ارحام؟" ابرار کی طنز سے بھرپور آواز آئی۔ وہ کچھ نہیں بولا۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم مجھ سے خالہ کے ہاسپٹلائز ہونے کو چھپاؤ گے۔" وہ شدید صدمے میں تھا۔

"مجھے نہیں لگتا تھا کہ جو ہوا اس کے بعد تمہیں ان کے بارے میں جاننے کی ضرورت تھی۔ ثریا آنٹی نے ایک نیا ایشو کریئیٹ کردینا تھا۔" وہ تلخ و بیزار لہجے میں بولا۔

"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے ارحام، تمہیں ممی کو تنقید کا نشانہ بنانے کی اجازت میں ہرگز نہیں دے سکتا۔" وہ یک دم ہی پھٹ پڑا۔

"آئی ایم سوری۔" ارحام کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا مگر تب تک وہ رابطہ منقطع کرچکا تھا۔ اس نے گہرا سانس لیتے موبائل کی تاریک اسکرین کو گھورا پھر اسے جیب میں ڈال کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ وہ ڈائننگ روم میں داخل ہوا تو مما کو چائے پیتے اخبار کی سرخیوں پر نظر ڈالتے دیکھا۔ وہ نک سک سے تیار تھیں، غالباً وہ اپنے بوتیک جانے ہی والی تھیں۔

"السلام علیکم مما۔" وہ کرسی پر بیٹھتا بولا۔

"گڈ مارننگ۔" انہوں نے اخبار فولڈ کرکے سائیڈ پر رکھا اور اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"کیسا رہا ابرار کی مہندی کا فنکشن؟" وہ چائے پیتے مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"اچھا رہا۔" اس نے بوائلڈ ایگ کا پیس منہ میں رکھتے کہا پھر ان کی جانب دیکھ کر مسکرایا۔

"آپ پر یہ رنگ بہت سوٹ کررہا ہے۔" اس کی بات پر وہ مسکرائیں۔ انہوں نے لائٹ پرپل شیفون کی ساڑھی زیب تن کی ہوئی تھی۔ گلے میں پرل کا سیٹ تھا، جس کے میچنگ ٹاپس ان کے کانوں میں جھول رہے تھے۔ ان کے اسٹیپ کٹنگ بال ان کے کندھوں پر تھے وہ پچاس پچپن کی عمر میں بھی تیس پینتیس کی نظر آتی تھیں اور وہ اکثر ہی ان کی تعریف کیا کرتا تھا اور صرف ان کی ہی نہیں بلکہ ہر وہ چیز جو سراہے جانے کے لائق ہوتی وہ اسے سراہتا تھا۔

"ارے ہاں یاد آیا، اس بار تمہاری پینٹنگز کا سولو شو کب ہے؟" انہوں نے چائے کا خالی کپ پرچ میں رکھا۔ اپنی چائے ختم کرتے اس نے انہیں دن بتایا۔

"ہوں...... یعنی پندرہ بیس دن ہیں۔" ان کا لہجہ پُرسوچ ہوا۔

"ہاں...... لیکن آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟" اس نے اپنا لیپ ٹاپ بیگ ملازم کو پکڑایا۔

"میں اس دفعہ اپنے کچھ فارن فرینڈز کو انوائیٹ کرنے کا سوچ رہی ہوں تاکہ تمہاری بنائی ہوئی پینٹنگز کو انٹرنیشنل مارکیٹنگ مل سکے۔" میری گاڑی میں آج کچھ خرابی ہوگئی ہے اسے مکینک کے پاس بھیجا ہے، آج تمہاری کار میں لے جاتی ہوں، تمہیں آفس ڈراپ کردوں گی بابا اور دادو کے ساتھ آجانا شام میں۔" وہ اس کے ساتھ راہداری سے گزر کر دروازے کی طرف بڑھتے بولیں۔

"لیکن میں آفس نہیں جارہا مما۔" اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں اب کار پورچ میں کھڑے تھے۔

"ابرار کی طرف جارہے ہو؟" انہوں نے کار کا دروازہ کھولتے فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے پوچھا۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اور اگنیشن میں چابی گھما کر کار کو روش پر اس نے لاکر ہارن بجایا گیٹ آٹو میٹکلی کھلتا چلا گیا اور کار دروازہ پار کرکے باہر نکل گئی کار کے باہر نکلتے ہی دروازہ ایک بار پھر برابر ہوچکا تھا۔ ان کی سوالیہ نظروں پر اس نے ان کی طرف دیکھا۔

"میں ابرار کی طرف بھی نہیں جارہا۔" اسے محسوس ہورہا تھا کہ سچ بولنے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں اور سچ بولنے کا نتیجہ وہ جانتا تھا۔ مما کی ناراضگی۔

"پھر کہاں جارہے ہو؟" وہ حیرت سے اسے دیکھ کر پوچھ رہی تھیں۔

"مما میں ہاشم انکل کی اکیڈمی جارہا ہوں۔ میں سول سروسز جوائن کرنا چاہتا ہوں۔" وہ تحمل سے بولا۔

معروف مصنف و کالم نگار مشتاق احمد قریشی کے قلم سے ایک اور شاہکار

پیہم خیال

مشتاق احمد قریشی

شائع ہو گئی ہے

"واٹ......؟" ان کا انداز اس کی توقع کے عین مطابق تھا۔ "تم سول سروسز جوائن کروگے؟" ان کے لہجے میں اب حیرت کے ساتھ ساتھ غصہ بھی شامل تھا۔

"جی......" اس نے یک لفظی جواب دیا۔

"یہ وہ آخری کام تھا ارحام جس کی میں تم سے توقع کرسکتی تھی۔" وہ برہم ہوئیں۔

"اس میں کیا برائی ہے مما اگر میں سول سرونٹ بن جاؤں۔ میں اگر سول سرونٹ بن کر لوگوں کے لیے کام کروں گا تو......"

"تم نے کبھی اپنے گھر میں کوئی کام کیا ہے ارحام جو مسلسل خواری کا بوجھ تم اپنے کندھوں پر اٹھانے کے لیے تیار ہوگئے ہو۔" ان کی آواز یک دم بلند ہوئی۔

"آقاؤں کی صف سے نکل کر تمہیں غلاموں کی صف میں شامل ہونے کا بخار چڑھ گیا ہے۔ ہم لوگوں پر حکومت کرنے کے لیے پیدا ہوئے ہیں، بھوکے ننگوں کی خدمت کرنے کے لیے نہیں۔" ان کے وجود میں گویا شرارے دوڑ گئے تھے۔ ان کو اپنے بیٹے کے فیصلے ہمیشہ اسی طرح مشتعل کردیا کرتے تھے بعض اوقات۔ جیسے ابھی کچھ عرصہ پہلے بھی جب انہیں علم ہوا تھا کہ ان کا بیٹا اپنی بکنے والی پینٹنگز کی رقم مختلف فلاحی کاموں میں لگایا کرتا ہے تو وہ اس بات پر بھی اس سے اسی طرح ناراض ہوئی تھیں مگر اس کے کان پر جوں بھی نہ رینگی تھی اور اب بھی ایسا ہی کچھ معلوم ہوتا تھا۔

"مما سب کچھ اللہ کا عطا کردہ ہے، جو کچھ ہمارے پاس ہے اور ہمیں اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے نہ کہ ہم غرور کریں۔ اللہ اپنے بندوں سے اتنی محبت کرتا ہے کہ اس نے ہر رنگ و نسل اور امیری، غریبی کی تقسیم کو دین اسلام کی آمد کے ساتھ ختم کردیا تھا۔ اسٹیٹس نام کی دیوار ہم انسانوں کی تعمیر کردہ ہے۔ اللہ کو ایسے کسی بھی کام کو کرنے کی کبھی حاجت نہیں۔ کیونکہ وہ معبود برحق ہے اپنی عارضی دنیا کی حقیقتوں سے جتنا واقف ہے اور کوئی نہیں، آپ نے کبھی سوچا ہے وہ اللہ جس نے ہم جیسے امیر و کبیر لوگ بنائے ہیں وہی ان کا بھی خالق ہے۔ جنہیں آپ نے ابھی بھوکا ننگا کہا ہے۔" وہ انہیں ہمیشہ ہی لاجواب دیا کرتا تھا۔ آج بھی کر گیا تھا۔ اس نے کار بوتیک کے سامنے روکی تو وہ بنا اس سے بات کیے اتر گئی جو ان کی شدید ناراضگی کا پیش خیمہ تھا۔

❀......❀......❀

"سی ایس ایس کے لیے آپ کو بارہ سبجیکٹس کا مطالعہ کرنا ہوتا ہے۔ جن میں چھ کمپلسری یعنی لازمی ہوتے ہیں جبکہ چھ آپشنل ہوتے ہیں۔" اس کے ہاتھ تیزی سے لیپ ٹاپ کیز پر چل رہے تھے۔ آڈیٹوریم میں اس وقت جنرل کلاس ہو رہی تھی۔ "کمپلسری میں اردو اور انگلش مضامین اردو اور انگلش جنرل پیپر، اسلامیات اور جنرل نالج شامل ہیں جبکہ آپشنل سبجیکٹس آپ کو پچاس سے زائد سبجیکٹس کی فہرست میں سے چننے ہوتے ہیں۔" سر ظفر نے لمحہ بھر وقفہ لیا اور پروجیکٹر پر نظر آنے والی سلائیڈ کو چینج کیا اب وہاں سبجیکٹس کی ایک لمبی فہرست نظر آرہی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید آگے بڑھتے لڑکوں میں سے ایک نے ہاتھ اٹھایا۔ انہوں نے اس رو میں موجود ابتدائی سیٹ پر بیٹھے اسٹوڈنٹ کو مائک پیچھے پہنچانے کا کہا جو ہال میں موجود ہر رو کی پہلی ڈیسک پر موجود تھا تاکہ اسٹوڈنٹس جو بھی پوچھیں اس کی آواز ٹیچر تک پہنچ جائے۔

"سر میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ ہم آپشنل سبجیکٹس کون سے لیں؟" وہ لڑکا مائیک ہاتھ میں لیتے ہی بولا۔

"میں بھی اسی طرف آرہا تھا مائی چائلڈ۔" سر ظفر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہم لوگ اس مہینے آپ کو دس کے قریب آپشنل سبجیکٹس پڑھائیں گے پھر اس میں سے آپ کو جو زیادہ بہتر سمجھ آئیں آپ وہی اپنے فارم میں فل کیجیے گا اور انہی کی تیاری یہاں مختلف کلاسوں میں آپ کو کروادی جائے گی۔ لیکن جب تک آپ فارم فل نہیں کرتے تب تک آپ کی تمام کلاسز اسی ہال میں ہوں گی۔ جیسے ہی مختلف سبجیکٹس کے گروپس بن جائیں گے آپ کی آپشنل کلاسز علیحدہ علیحدہ ہوں گی۔ اوکے گائز۔" سر ظفر نے مسکراتے ہوئے کہا پھر سب کی رضامندی جان کر لیکچر کو آگے بڑھایا۔ اب وہ ان سب کو وہ آپشنل سبجیکٹس بتا رہے تھے جو انہیں یہاں پڑھائے جانے تھے۔ ساتھ ہی ٹیچرز کے بارے میں بھی بتا رہے تھے جو یہ سبجیکٹس پڑھائیں گے۔ وہ غائب دماغی سے سنتا ادھر ادھر نظر دوڑا رہا تھا۔ وہ موجود نہیں تھی۔ اسے موجود ہونا بھی نہیں چاہیے تھا۔ اس نے اپنی توجہ کو ایک بار پھر سر ظفر کی طرف موڑا۔

❀......❀......❀

وہ اس وقت زہرہ کے پاس اکیلی تھی جب دروازہ کھول کر ارماہ اندر داخل ہوئی ہاتھوں میں کیک اور فروٹ باسکٹ لیے۔ وہ

اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی' ایک اداس سی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کا احاطہ کیا۔ ارماہ نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگالیا۔ ضبط کے باوجود اس کے آنسو بہہ نکلے۔

"بس کچھ نہیں ہوگا آنٹی کو۔ تم فکرمت کرو۔ اللہ پاک سب کچھ بہتر کرے گا۔" ارماہ اس کی پشت سہلاتے اسے تسلی دے رہی تھی۔ وہ سر ہلاتی اس سے الگ ہوئی اور اپنے آنسو صاف کیے۔ "یہ سب کیسے ہوا؟" ارماہ نے کیے اور فروٹ باسکٹ سائیڈ پر ایک چھوٹی سی ٹیبل پر رکھے اور پلٹ کر اس سے پوچھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی دروازہ ہلکا سا بجا اور پھر کھولا۔ سرہاشم اسماعیل نے دروازے سے اندر جھانکا۔

"السلام علیکم سر۔" وہ انہیں دیکھ کر لمحہ بھر کے لیے پرجوش سی آگے بڑھی مگر ان کے پیچھے ابھرنے والے چہرے کو دیکھ کر اس کے قدم جہاں تھے وہیں تھم گئے۔ ارحام سرہاشم کے ساتھ تھا' کہیں اس نے سر کو سب کچھ بتا تو نہیں دیا۔ یہ وہ پہلی سوچ تھی جو اس وقت ارحام کو دیکھ کر اس کے ذہن میں ابھری تھی۔ سر ہاشم اندر داخل ہوئے انہوں نے دروازے کے پیچھے کھڑی ارماہ کو نہیں دیکھا تھا ان کا رخ حریم کی جانب تھا البتہ ان کی تقلید میں آتا ارحام اپنے پیچھے دروازہ بند کرنے لگا تو اس کی نظر لمحہ بھر کو ارماہ پر ٹھہری پھر واپس پلٹ آئی۔ وہ دروازہ بند کر کے سرہاشم کے برابر بینچ پر آبیٹھا۔

"السلام علیکم سر۔" ارماہ کی آواز پر انہوں نے ایک سرسری نگاہ اس پر ڈال کر سلام کا جواب دیا اور پھر حریم کی طرف متوجہ ہوئے۔

"کب اور کیسے ہوا یہ سب؟" اس نے لمحہ بھر کو ارحام کی جانب دیکھا۔

"بس وہ سر آپ کو تو پتا ہے امی ابو جی کے جانے کے بعد سے کتنی اسٹریسڈ رہتی ہیں۔ ابھی رامین کی متوقع شادی کی تیاریوں کو لے کر پریشان رہتی ہیں۔ دن بھر نہ جانے کیا کیا سوچتی رہتی ہیں۔ پھر کل یہ بھی ہوا کہ مجھے گھر پہنچنے میں بہت دیر ہوگئی کیونکہ میں مارکیٹ چلی گئی تھی۔ میرے موبائل کی چارجنگ ختم ہوگئی تھی اس لیے گھر پر انفارم نہیں کرسکی۔ گھر پہنچی تو صورت حال کچھ اور ہی تھی۔" وہ بولتے بولتے رک گئی۔ اسے پہلی بار احساس ہوا جھوٹ بولنا ایک بہت مہارت کا کام ہے اور اس میں یہ مہارت ناپید تھی اور پھر ستم بالائے ستم یہ کہ سرہاشم کے برابر بیٹھا شخص حقیقت سے واقف تھا مگر اس نے ایک بار بھی ایسا ظاہر نہیں کیا۔ وہ ایک عجیب سی شرمندگی کا شکار ہوئی تھی تب ہی سر جھکا گئی۔

"پریشان مت ہو حریم' اللہ سب بہتر کرنے والا ہے آپ کی والدہ بہت جلد صحت یاب ہوجائیں گی۔ ویسے ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں؟" وہ اسے تسلی دیتے پوچھ رہے تھے اور اس سوال نے اسے لاجواب کردیا تھا۔ وہ انہیں کیا بتاتی کہ ڈاکٹرز نے کہا ہے کہ وہ کسی گہرے صدمے کے باعث ہوش میں نہیں آرہی اور وہ گہرا صدمہ کیا تھا یہ وہ انہیں بتا نہیں سکتی تھی۔

"ڈاکٹرز کہتے ہیں انجائنا کا پین تھا' یہ چھوٹی چھوٹی باتوں کی ٹینشن لیتی ہیں کوشش کریں کہ انہیں ٹینشن سے دور رکھا جائے۔" وہ ٹھہر ٹھہر کے ہر جملہ ادا کر رہی تھی۔ "آج صبح طبیعت کچھ بہتر ہوئی تو ڈاکٹرز نے روم میں شفٹ کردیا ہے۔" وہ مزید بولی۔

"ان شاء اللہ سب کچھ اچھا ہی ہوگا۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ بس اپنی والدہ کا بہت خیال رکھیں۔ انہیں آپ کی توجہ اور وقت کی ضرورت ہے۔" سرہاشم بولے ارحام اور ارماہ خاموش سامعین کی طرح کبھی سرہاشم کو دیکھ رہے تھے کبھی حریم کو ابھی سر ہاشم مزید کچھ کہنے لگے تھے کہ ایک بار پھر دروازہ کھلا اور حریم کے خاندان کی کچھ خواتین اندر داخل ہوئی مگر دو مرد حضرات کو بیٹھا دیکھ کر ٹھٹک کر دروازے میں ہی رک گئیں۔ وہ دونوں فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ٹھیک ہے حریم بیٹا ہم لوگ پھر چکر لگائیں گے۔ اکیڈمی کی طرف سے بے فکر رہنا۔ ماشاء اللہ تم ایک قابل اسٹوڈنٹ ہو اور ابھی تو صرف انٹروڈکٹری (تعارف) کلاسز ہی ہوں گی کچھ دن مزید۔" وہ اس کے سر پردست شفقت دراز کرتے دروازہ کی طرف بڑھ گئے وہ ان دونوں کے ساتھ چلتی باہر تک آئی تھی۔

"مسٹر ارحام......" اس نے اتنی آواز میں پکارا کہ صرف وہی سن سکا سرہاشم فون پر بات کرتے دروازے سے باہر جاچکے تھے۔ وہ پلٹ کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ کیا کہنے والی ہے اسے اس شخص سے ملے اڑتالیس گھنٹے بھی نہ ہوئے تھے اور وہ اس کی زندگی کے اتنے حساس پہلو سے آگاہی حاصل کرچکا تھا۔ "جو کچھ بھی کل ہوا ابرار کے گھر یا پھر ہاسپٹل میں' میں چاہوں گی کہ آپ اسے صرف خود تک محدود رکھیں۔ کسی اور سے شیئر نہ کریں۔" وہ خاموش ہو کر اب اس کی جانب دیکھنے لگی کہ اب وہ کوئی گھسا پٹا روایتی سا جملہ کہے گا کہ "آپ کو مجھ پر

یقین رکھنا چاہیے‘ میں اس قسم کا انسان نہیں ہوں۔“ وغیرہ وغیرہ مگر اس کے جملے نے ایک بار پھر حریم کی ہر سوچ کو غلط ثابت کردیا۔

”ٹھیک ہے اور کچھ؟“ وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے بولا۔ جہاں رنجگوں کا ایک صحرا پھیلا تھا جبکہ وہ اس کی آنکھوں میں مہربان چھاؤں دیکھ سکتی تھی جو صحرا کے مسافر کو ایک نعمت کے طور پر عطا کردی جاتی ہے۔ اس نے نگاہوں کا رخ بدل کر گویا اس نعمت کو ٹھکرایا۔

”نہیں...... مجھے مزید کوئی فیور نہیں چاہیے آپ کا۔“ اس کے لہجے میں یکایک اجنبیت ابھری۔ ارحام نے ایک گہرا سانس ہوا کے سپرد کیا۔

”اوکے اللہ حافظ۔“ کہتے ہی وہ آنکھوں پہ گاگلز لگاتا جانے کے لیے مڑا جب تک وہ ہاسپٹل کے مین ڈور سے باہر نہیں نکل گیا تب تک وہ بلامقصد اس سمت ہی دیکھتی رہی۔

”حریم......“ ارماہ کی آواز پر وہ چونک کر پلٹی۔ ”اندر چلو وہ عورتیں تمہارا پوچھ رہی ہیں۔“ ارماہ اس کا ہاتھ تھامے آگے بڑھی آگے بڑھتے اس نے لمحہ بھر پلٹ کر اس دروازے کو دیکھا جہاں سے وہ شخص باہر نکلا تھا۔ اب وہاں سے بہت سے لوگ آجارہے تھے۔ دل میں ایک عجیب خالی پن نے ڈیرہ ڈالا تھا۔ وہ سر جھٹکتی کمرے میں داخل ہوگئی۔

❀......❀......❀

”ایسا میرے ساتھ پہلے کبھی نہیں ہوا دادو...... یوں کوئی انجان ہستی مجھے صدیوں کی شناسا محسوس ہو۔ میں اس کے ایک ایک انداز‘ اس کے تاثرات‘ اس کی جھکتی اور اٹھتی نگاہوں کے آداب سب کچھ بن کہے جان جاؤں۔ میں جب سے اس سے ملا ہوں‘ میرے تصور میں ایک پل کے لیے بھی وہ حادثہ نہیں ابھرا دادو جس نے میری روح کو ایک مسلسل عذاب میں مبتلا کر رکھا تھا۔ میں اسے دیکھتا ہوں تو میرا ہر زخم بھرنے لگتا ہے۔ میرے لب خود بخود مسکرانے لگتے ہیں‘ میری آنکھیں چمکنے لگتی ہیں‘ یہ سب کیا ہو رہا ہے دادو؟ میرے ساتھ یہ سب کچھ تب بھی نہیں ہوا تھا جب یمنیٰ میری زندگی میں تھی۔“ وہ آنکھیں بند کیے ان کی گود میں سر رکھے لیٹا ہوا تھا وہ دونوں اس وقت گارڈن میں لگی سنگی بینچ پر بیٹھے تھے۔ عالم آفندی کا ایک ہاتھ اس کے سینے پر تھا اور دوسرے میں سادہ کاغذ پر بنی دو آنکھیں تھیں جو ان کے پوتے کی اگر شاہکار تخلیق قرار دی جاتی تو غلط نہ ہوتا کیونکہ اس تصویر میں بیک وقت حیرت اور حزن وملال کو آنکھوں میں سمو کر انہیں ماورائی حسن دے دیا تھا۔

”یمنیٰ تمہاری زندگی میں کبھی شامل ہوئی ہی نہیں تھی ارحام۔ یہ تمہاری خود ساختہ سوچ تھی اور ہم سب کا وہم۔“ وہ پرسوچ انداز میں بول رہے تھے۔ ارحام نے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا۔ وہ حریم کی ادھوری تصویر کو دیکھتے کسی گہری سوچ میں تھے۔ وہ اٹھ بیٹھا۔

”آپ کیا سوچ رہے ہیں؟“ اس نے ان کی جانب دیکھتے پوچھا۔

”سوچ نہیں رہا بلکہ دیکھ رہا ہوں تمہاری زندگی میں لوٹ آنے والی بہار کو‘ خوشیوں کی برسات کو اور دعا کررہا ہوں کہ یہ موسم ٹھہر جائے تمہاری زندگی میں۔“ وہ دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ ایک نگاہ اسے دیکھنے کے بعد دوبارہ سے اس تصویر کو دیکھ رہے تھے۔ اس نے محبت سے ان کی جانب دیکھا وہ اس کے دل تک رسائی رکھتے تھے۔

”میں چاہتا ہوں ارحام کے تم اس تصویر کو مکمل کرو۔“ انہوں نے وہ تصویر اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔ اس نے اس سادہ کاغذ کو تھامتے حیرت سے انہیں دیکھا۔ ”میں نے دس سال بعد تمہاری آنکھوں میں خواہشوں کے دیپ جلتے دیکھے ہیں ارحام اور میں ان کی روشنی کو کبھی مدھم پڑنے نہیں دینا چاہتا جس لڑکی نے دو دن میں تمہارے ان دیرینہ زخموں پر مرہم رکھ دیا جن پر ہماری محبت بھی اثر انداز نہ ہوسکی تھی تو وہ لڑکی تمہاری زندگی‘ تمہارے دل میں کیا مقام پاچکی ہے اس کا اندازہ مجھے باخوبی ہورہا ہے۔“ انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ وہ نگاہیں جھکا گیا‘ اس کے لبوں پہ پھیلتی ایک مطمئن مسکراہٹ نے ان کے دل کو سکون پہنچایا۔

”کیا ایسا ممکن ہے دادو کوئی صرف چند گھنٹوں میں آپ کی زندگی میں چیک میٹ پوزیشن پر پہنچ جائے۔“ وہ گہری نگاہوں سے ہاتھ میں پکڑے کاغذ پر بنی آنکھوں کو دیکھ رہا تھا۔

”تم گھنٹوں کے نہیں لمحوں کے شکار ہوئے ہو۔“ وہ ہنستے ہوئے بولے۔ وہ مسکرادیا۔ اب اس بات کی بھلا وہ کیا تردید کرتا۔ اس نے کاغذ فولڈ کرکے اپنی شرٹ کی جیب میں رکھ لیا۔

”ارے آپ لوگ یہاں چھپ کے بیٹھے ہیں‘ باہر سب باربی کیو کے مزے لے رہے ہیں۔ حد ہے آپ دو بورنگ لوگ کونوں میں ہی راز و نیاز کرتے پائے جاتے ہیں۔“ رضی بری

طرح چڑتا ہوا آیا لیکن عالم آفندی کے ایک ٹیڑھی نگاہ سے دیکھنے پر فوراً گڑبڑا کر اس نے اپنا جملہ درست کیا۔ ”میرا مطلب تھا کہ آپ دو عظیم لوگوں کے رازو نیاز ہو گئے ہوں تو میں آپ کو باربی کیوں پرانوائیٹ کرنے آیا ہوں۔“ اس نے بہت انکساری سے کہا اس کے یوں کہنے پر جہاں عالم آفندی کے لب مسکرائے وہیں ارحام کا بے ساختہ قہقہہ ابھرا تھا۔ رضی نے گھور کے اسے دیکھا اور ہمیشہ کی طرح ہاتھ منہ پر پھیر کر بدلہ لینے کا اشارہ کیا۔ وہ تینوں پچھلے دروازے سے راہداری میں آئے اور گھر کے داخلی دروازے سے نکل کر پورچ سے گزرتے گارڈن میں اس طرف آگئے جہاں سوئمنگ پول کے پاس ملازمین کی ایک فوج مختلف باربی کیو ڈشز تیار کرنے میں لگی ہوئی تھی جبکہ گھر کے دیگر افراد کین کی کرسیوں یا پھر کاؤچز پر دراز تھے۔ رضی سب کے بیچ میں گٹار سنبھالے بیٹھا تھا۔ عالم آفندی ایک خالی کرسی پر براجمان ہو گئے جبکہ وہ ایک خالی کاؤچ اٹھا کر مما کے برابر آبیٹھا۔ انہوں نے صبح سے اس سے بات نہیں کی تھی۔ وہ انہیں منانا جانتا تھا۔ اس نے ان کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے دوسرا ان کے دائیں کندھے پر رکھا اور اپنا سر ان کے بائیں کندھے پر رکھ دیا۔

”مجھے پتا ہے آپ مجھ سے ناراض نہیں ہیں کیونکہ آپ مجھ سے بہت پیار کرتی ہیں۔“ وہ دھیرے دھیرے محبت سے بھرپور لہجے میں بولا۔ وہ مسکرائی۔

”رضی ٹھیک کہتا ہے تم بہت چالاک ہو۔ لوگوں کو کیسا اپنے اختیار میں کرتے ہیں تمہیں خوب آتا ہے۔“ انہوں نے محبت سے کہتے اس کے بال بکھیرے۔ اس نے محبت سے اپنا سر ان کے کندھے سے رگڑا۔

”اے برو...... یہ سونگ تمہارے لیے ہے۔“ اس نے شرارت سے ایک آنکھ میچی۔ وہ ہنس دیا آج اسے انجان بننے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اس گھر کا سب سے بڑا فرد اس کا ہمراز و ہمنوا بن گیا تھا۔ اس نے رضی کے لفظوں پر غور کیا وہ آنکھوں کی جان نہیں چھوڑنے والا تھا۔

نینوں کی چال ہے
مخملی جال ہے
میٹھی پلکوں سے بدلے سماں
نیناں شرمائیں جو
یا کہ بھرآئیں جو
تھم کے رک جائیں دونوں جہاں
رب کی نعمت ہیں تیری نگاہیں
جس میں بستی ہیں اس کی دعائیں
ایسے نینوں کی باتوں میں کوئی کیوں نہ آئے!

وہ رضی کے ایک ایک لفظ کے ساتھ مسکرا رہا تھا۔ رضی کا ایک ایک لفظ اسے اپنے دل کی صدا معلوم ہو رہا تھا۔ پس منظر میں بہت سے لمحے ابھر رہے تھے۔ حیران نگاہیں، غصیلی نگاہیں، خفا ہوتی نگاہیں، مانوس نگاہیں اور ایک پل کے لیے منتظر نگاہیں۔

❀......❀......❀

کمرے میں موجود تمام نفوس صدمے کے باعث کچھ بول ہی نہ پائے تھے۔ درد ہی ایسا تھا جس کا بیان زبان سے ناممکن تھا، سب سے پہلے سکتے سے باہر آنے والی حریم تھی۔ ڈاکٹر مزید کچھ اور بھی کہہ رہا تھا، اس نے پوری توجہ دے کر سننے کی کوشش کی۔

”ویسے جسمانی طور پر اب یہ بالکل ٹھیک ہیں، کل صبح ہم انہیں ڈسچارج کر دیں گے۔ آپ دواؤں کا استعمال باقاعدہ کرواتی رہیے گا، ریگولر چیک اپ کے لیے لاتی رہیے گا اور سب سے اہم بات کوشش کیجیے گا کہ انہیں اب کسی قسم کے صدمے سے دور رکھیں ورنہ......“ اس کے بعد ڈاکٹر نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔ شاید مکمل کرنے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ اس نے رامین اور شائستہ آپا کی جانب دیکھا، اس کے ساتھ کھڑی ارماہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی تھی۔ اس نے پلکیں جھپک کر آنکھوں میں جمع ہونے والی نمی کو پیچھے دھکیلا۔ شائستہ آپی رامین کو چپ کراتے خود بھی سسک رہی تھیں۔ اس کی جانب دیکھتے انہوں نے ایک بازو پھیلا کر اسے بھی اپنے پاس بلایا۔ وہ ان کے بازو کے ساتھ آ لگی۔ ہر ممکن حد تک اس نے اپنے آنسو ضبط کرتے خود کو اور رامین کو ان سے علیحدہ کیا۔

”یہ کیا پاگل پن ہے رامین، امی اب ٹھیک ہیں۔ ڈاکٹرز نے کہا ہے کہ کل انہیں گھر بھیج دیں گے۔ تمہیں شکر ادا کرنا چاہیے اور یوں رو کر تم اللہ کی ناشکری کر رہی ہو۔“ حریم نے اسے کندھوں سے تھامتے ہوئے کہا۔

”کس بات کا شکر ادا کروں میں حریم، اس بات کا کہ میری ماں دماغی طور پر مفلوج ہو گئی ہے یا اس بات کا کہ وہ قوت گویائی کھو بیٹھی ہے اس صدمے کی وجہ سے جو اس کی سگی بہن نے اسے بھری محفل میں بے عزت کر کے دیا۔ اس بات کا شکر ادا

کروں کہ تمہاری زندگی کی خوشیاں کسی اور کی جھولی میں ڈال دی گئی ہیں۔ بتاؤ مجھے میں کس بات کا شکر ادا کروں۔" وہ پہلے حریم کو جھنجوڑتی رہی پھر اس کے گلے لگ کر رو پڑی۔

"میں تھک گئی ہوں تمہاری ان تسلی آمیز جملوں سے تم نے کہا تھا امی بالکل ٹھیک ہوجائیں گی مگر ایسا نہیں ہوا۔ ثریا خالہ نے انہیں جو بے عزتی کا زخم دیا اس نے انہیں زندہ لاش میں تبدیل کردیا ہے وہ ہمارے ساتھ ہوتے ہوئے بھی اب ہمارے پاس نہیں ہوں گی۔" وہ بلک بلک کر رو رہی تھی حریم کو لفظ نہ ملے کہ اسے تسلی ہی دے سکے جب اس کے دل کا غبار ڈھل گیا تو وہ خود ہی اس سے الگ ہوگئی اور پھر چپ چاپ بیڈ کے پاس رکھے ایک اسٹول پر بیٹھ گئی۔ شائستہ آپی نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے مزید نہ چھیڑنے کا اشارہ کیا۔ حریم کچھ دیر وہاں یوں ہی بے مقصد کھڑی رہی پھر یک دم نہ جانے دل میں کیا سمائی کہ کمرے سے باہر نکل گئی۔ ارماہ فوراً اس کی تنہائی کے احساس سے اس کے پیچھے آئی۔

❁......❁......❁

جو خیال تھے نہ قیاس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
جو محبتوں کی اساس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
جنہیں مانتا ہی نہیں یہ دل وہی لوگ میرے ہیں ہمسفر
مجھے ہر طرح سے جو راس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
جنہیں کرسکا نہ قبول میں وہی شریک راہ سفر ہوئے
جو میری طلب میری آس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے

وہ سرتاپا اداسی کی کہر میں لپٹا ندامت میں مبتلا تھا۔ اس نے جانا تھا کہ احساس زیاں اس کی زندگی کا حاصل بن چکا ہے سب کچھ دھندلا رہا تھا۔ بہت سی آوازیں گڈمڈ ہورہی تھیں۔ اس نے اپنے سامنے ٹیبل پر رکھے پیپرز کو دیکھنے کی کوشش کی۔ تبھی اس کو کندھے پر ایک ہلکی سی گرفت محسوس ہوئی۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا۔ ارحام اسے گردن کے اشارے سے پیپر سائن کرنے کو کہہ رہا۔ اسے لگا جیسے اسے اپنی موت کے پروانے پر سائن کرنے کے لیے کہا جارہا ہے۔ ایک اداس مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا اور اس نے سر جھکا کر بنا رکے تمام پیپرز سائن کردیئے۔ اس کے پیپرز سائن کرتے ہی مولوی صاحب نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھادیئے۔ دعا ختم ہوتے ہی مبارک سلامت کا شور مچ گیا۔

"میں مرگیا ہوں ارحام...... میرا ہر خواب ہر خواہش جل کر راکھ ہوگئی ہے میں نے اپنے ہاتھوں اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارلی ہے۔ مجھے ایک چھوٹی سی آزمائش میں ڈالا گیا اور میں اس میں ناکام رہا۔ میں اس کا دعویدار تھا مگر حق دار نہ بن سکا کیونکہ مجھ میں وہ خوبیاں ناپید ہیں جن کی بناء پر اللہ مجھے حریم عطا کردیتا۔" اس کا ایک ایک لفظ کرب میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ ارحام کے گلے لگے گویا آج اپنے دل کا ہر درد آخری بار کہہ دینا چاہتا تھا۔

"جو ہوگیا سو ہوگیا ابرار...... اب گزری باتوں کو یاد کرکے تم محض اپنے آنے والے دنوں کو تلخ کروگے اور اس کے سوا کچھ نہیں۔ میں یہ نہیں کہوں گا کہ تم بھول جاؤ کیونکہ بھول جانا اتنا آسان نہیں ہوتا مگر جو اب تمہارے ساتھ ہے اس پر دھیان دو تم زندگی میں خود بخود آگے بڑھنے لگو گے۔" ارحام نے اس سے الگ ہوتے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے کہا تھا۔ اس نے سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ ریمپ پر اپنی شریک حیات کا ہاتھ تھامے اسٹیج کی طرف جارہا تھا۔ اس کے چہرے پر دبیز سنجیدگی تھی۔ اس کے برعکس زمینے پورے اعتماد سے اس کا ہاتھ تھامے ہنستی مسکراتی آگے بڑھ رہی تھی۔ وہ صوفے پر بیٹھنے تک ایک فیصلہ کرچکا تھا۔

❁......❁......❁

"شومی دامیننگ آف بی انگ لونلی......" کی رنگ ٹون اسے اونگھ کی دنیا سے باہر لائی تھی۔ وہ منہ پر کتاب رکھے نہ جانے کب پڑھتے پڑھتے سوگیا تھا۔ آج سنڈے تھا اور کل اپنے متوقع پیپر کی تیاری کے لیے وہ صبح سے ہی لائبریری میں بند تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے ارحام کسی کتاب کی تلاش میں لائبریری آیا اور یقیناً اپنا موبائل بھول گیا تھا جو اب بج بج کر اس کی نیند میں خلل ڈال رہا تھا۔ اس نے شدید بے زاری سے اس کے موبائل کو دیکھا جو ٹیبل پر آگے پیچھے ہورہا تھا۔ اس نے ریسو کا بٹن پریس کرکے فون کان سے لگایا۔

"ہیلو......" اس نے صوفے پر اٹھ کر بیٹھتے کتاب کھول کر اس صفحے کو ڈھونڈا جہاں وہ پڑھتے پڑھتے سوگیا تھا۔

"السلام علیکم...... ارحام آفندی بات کررہے ہیں۔" دوسری طرف سے ابھرنے والی نسوانی آواز اٹک اٹک کر دریافت کررہی تھی۔ اس کے تیزی سے چلتے ہاتھ تھمے تھے۔ وہ یک دم سیدھا ہوا۔

"جی......" نہ جانے کیوں اس کے لبوں سے انکار کے لفظ نہیں نکلے۔

"میں...... میں رامین...... بات کررہی ہوں...... رامین حیات۔" اس نے تصدیق چاہی نہیں تھی تصدیق کی۔

"جی...... جی رامین حیات ابرار رضوی کی کزن۔" وہ گویا یاد دلانے کی کوشش کررہی تھی یہ جانے بنا کہ مقابل کو تعارف کی ضرورت نہ تھی۔ تبھی لائبریری کا دروازہ کھول کر ارحام اندر داخل ہوا۔ اس نے فون کان سے ہٹا کر بنا کچھ کہے ارحام کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھتے موبائل تھاما اور کان سے لگالیا۔ رضی بنا کوئی جواب دیئے کتاب اٹھائے باہر نکل گیا۔

"السلام علیکم! ارحام آفندی اسپیکنگ۔" ارحام نے فون کان سے لگاتے ہوئے کہا جبکہ رامین دوسری طرف خاموش رہ گئی تھی۔ اس کے دماغ میں ایک ہی بات چل رہی تھی ابھی پانچ منٹ پہلے بھی تو وہ ارحام سے بات کررہی تھی اگر یہ ارحام تھا تو وہ کون تھا۔

"ہیلو......" ارحام نے اب کی بار کچھ زور سے کہا تو وہ چونکی۔

"ہیلو...... میں...... میں رامین بات کررہی ہوں۔" وہ بولی۔ اب چونکنے کی باری ارحام کی تھی۔

"اوہ رامین......" اسے فوراً یاد آ گیا۔ "سب خیریت ہے؟" اس کے دل کو عجیب دھڑکا سا لگا۔

"جی......" وہ جھجک کر چپ ہوگئی۔ اسے پہلی بار احساس ہوا کہ اسے یوں منہ اٹھا کر کسی اجنبی شخص کو فون نہیں کرنا چاہیے تھا۔

"آپ کی مدر کی طبیعت کیسی ہے اب؟ اس دن میں سر ہاشم کے ساتھ آیا تھا ہاسپٹل تب انہیں روم میں شفٹ کردیا گیا تھا۔" وہ بات کرتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"جی اب تو بہتر ہیں دو دن ہوئے گھر آ گئی ہیں۔" وہ بولتے بولتے پھر چپ ہوئی۔

"اوہ...... دیٹس آ گریٹ نیوز۔" اس نے کچھ پُر جوش سے لہجے میں کہا۔ جبکہ وہ دوسری طرف ابھی تک اسی مخمصے کا شکار تھی کہ کیا اسے اس شخص کو فون کرنا چاہیے تھا یا نہیں۔

"ہیلو......" ارحام نے اس کی طویل خاموشی محسوس کرکے کہا۔

"جی میں نے شاید آپ کو فون کرکے پریشان کردیا۔" یک دم ہی وہ شرمندہ سی ہوئی۔

"ارے ایسی تو کوئی بات نہیں میں نے اپنا نمبر اسی لیے دیا تھا کہ اگر کوئی مسئلہ ہو تو آپ مجھ سے بات کرلیں۔" ارحام نے اس کی فطری جھجک کو فوراً محسوس کیا یقیناً وہ معاشرے کے جس طبقے سے تعلق رکھتی تھی وہاں کسی غیر شخص سے بات کرنا بذات خود ایک عجیب بات تھی کجا کہ اپنا مسئلہ بیان کرنا۔

"دیکھیں رامین میں جانتا ہوں آپ شاید بہت پریشان ہیں تب ہی آپ نے مجھے کال کی اور دوسری بات آپ میرے لیے میری چھوٹی بہن کی حیثیت رکھتی ہیں میری نیناں بھی ایسی ہی جلد پریشان ہوجانے والی بات بات پہ رو دینے والی۔" اس کے لہجے میں بہن کی محبت جھلکنے لگی تھی۔ رامین کے دل کو کچھ ڈھارس ہوئی۔

"اور تیسری بات میں خواتین کا بہت احترام کرتا ہوں کیونکہ مجھے پتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی ایک مدر اور تین بہنوں سے نوازا ہے۔ جب مجھ پر ان کا احترام فرض ہے تو ان کی صنف میں شامل سب ہی کا احترام لازم ہے۔" وہ بہت ہلکے پھلکے انداز میں بات کررہا تھا۔ رامین کو اس سے کچھ عقیدت سی محسوس ہوئی۔ وہ شخص قابل اعتبار تھا۔

"پلیز یہ مت سمجھیے گا کہ میں کوئی گھسے پٹے روایتی ڈائیلاگ بول رہا ہوں۔ میں جو کہتا ہوں دل کی گہرائی سے کہتا ہوں ورنہ نہیں کہتا۔" وہ نرم لہجے میں بولا۔

"نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں مجھے یقین ہے آپ کا ہر لفظ سچ ہے۔" اس کے لہجے کا اعتماد لوٹ آیا تھا۔

"ہوں...... دیٹس لائک آ گڈ گرل۔" وہ مدھم متبسم لہجے میں بولا رامین کا دل چاہا اس کا اگر کوئی بڑا بھائی ہوتا تو وہ ارحام جیسا ہوتا۔ "دراصل مجھے آپ سے ایک بات کرنی تھی۔ امی اب فزیکلی بالکل ٹھیک ہیں لیکن اس دن جو کچھ ہوا اس کی وجہ سے امی نے دماغی طور پر اتنا اسٹریس لیا ہے کہ وہ بولنے کی صلاحیت سے محروم ہوگئی ہیں۔" آخر میں بولتے بولتے اس کی آواز نم ہوگئی۔

"اوہ......!" ارحام کے لبوں سے دکھ سے بھرپور آہ نکلی۔

"ڈاکٹرز نے انہیں زیادہ سے زیادہ آرام کی دوائیاں دی ہیں۔ وہ زیادہ تر وقت سوئی رہتی ہیں اور جب اٹھتی ہیں تو بس خاموش نگاہوں سے دیکھتی رہتی ہیں۔" اس کی آواز کی نمی بڑھنے لگی۔ "حریم کوششوں میں ہے کسی نیورو سرجن سے مل کر امی کا کیس ڈسکس کرے مگر کچھ خاص پیش رفت نہیں ہوسکی۔

میں آپ سے یہ پوچھنا چاہ رہی تھی کہ کیا آپ کسی ایسے نیورو سرجن یا ڈاکٹرز کو جانتے ہیں جو امی کا ٹریٹمنٹ کرسکے؟'' وہ خاصی تفصیلی اور سنجیدگی لیے بولی۔

''ہاں ہیں میرے ایک بہت قریبی جاننے والے جو نیورو سرجن ہیں۔ میں ان سے خود آنٹی کا کیس ڈسکس کرتا ہوں' پھر وہ جیسا کہیں گے میں آپ کو انفارم کردوں گا۔ ویسے یہ اتنی زیادہ پریشانی کی بات نہیں ہے آنٹی جیسے جیسے اس صدمے سے باہر آئیں گی وہ ان شاء اللہ بولنے بھی لگیں گی۔'' وہ مطمئن سے انداز میں بولا۔

''بہت بہت شکریہ اگر ایسا پاسبل ہوسکا' میں شاید لفظوں میں بیان نہیں کرسکتی کہ میں کتنی مشکور ہوں گی آپ کی۔'' اس کے لہجے میں یک دم خوشی جھلکنے لگی۔ وہ اپنی جگہ شرمندہ سا ہوگیا۔

''پلیز...... یہ اتنا بڑا کام نہیں ہے کہ آپ کو اتنے بھاری بھاری لفظوں کا استعمال کرنا پڑے اور ویسے بھی مشکل میں گھرے لوگوں کی مدد کرنا میری زندگی کے مقاصد میں شامل رہا ہے۔'' اس نے یہ کہہ کر گویا رامین کے کندھوں سے احسان کا بوجھ اتارا۔ ''اور کوئی مسئلہ تو نہیں ہے؟'' اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلاتے جواب دیا ایسے جیسے وہ سامنے ہی بیٹھا۔

''چلو ٹھیک ہے پھر میں سرجن سے بات کرکے تمہیں کال بیک کروں گا اوکے۔'' اس نے رامین کی زندگی سے بڑے بھائی کی خالی جگہ کو فیل کرتے بات سمیٹی۔

''جی بہتر۔ اللہ حافظ۔''

''ہوں...... آنٹی کا خیال رکھنا۔ ان کے سامنے ہنسنے مسکرانے کی کوشش کرنا اوکے۔ اللہ حافظ۔'' اس نے الوداعی کلمات کہتے فون کان سے ہٹایا اور سب سے پہلے رامین کا نمبر اپنی کانٹیکٹ بک میں سیف کیا۔ اس کی فطرت میں یوں بھی کسی کو تکلیف میں دیکھنا شامل نہ تھا تو اب تو معاملہ ہی اس کے دل سے جڑی ہستی کا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر ایک نقطہ پر سوچتا رہا مگر کوئی جواب نہ مل پا رہا تھا۔ اگر ایسا ہو رہا تھا تو کیوں۔ اس نے ایک بار پھر سوچا اور جواب نہ ملنے پر کندھے جھٹکتا اٹھ کھڑا ہوا۔

❁......❁......❁

وہ نماز سے فارغ ہوکر ان کے سرہانے آئی۔ کچھ پڑھ کر ان پر دم کیا اور جھک کر ان کے ماتھے کا بوسہ لیا۔ اس نے اپنی پچیس سالہ زندگی میں انہیں کبھی یوں چارپائی سے لگے نہیں دیکھا تھا۔ مگر اب وہ اتنی طویل بیمار ہوگئی تھیں کہ ان کے بغیر گھر کی ہر ایک چیز بے سکون لگ رہی تھی۔ اس نے بہت محبت سے ان کے برابر سوئی رامین کے گالوں کو چھوا۔ وہ امی کے لیے کس قدر فکرمند تھی یا شاید خوف زدہ...... وہ اندازہ نہ کرپا رہی تھی اس کے جذبات کا۔ وہ اس کے کہنے کے مطابق امی کو شہر کے بہت بڑے نیورو سرجن کے پاس لے گئی تھی آج۔ وہاں جاتے ہوئے اس کے ذہن میں بار بار ایک ہی خیال آرہا تھا کہ وہ سرجن اس کے لیے افورڈ ایبل ہو اگر ایسا نہ ہوا تو رامین کی اتری صورت اسے بھی مایوسی کے اندھیروں میں دھکیل دے گی۔ اور حمزہ اور اسامہ...... وہ تو اس حادثے سے اس قدر خوف زدہ تھے کہ راتوں کو چونک کر اٹھ بیٹھتے ابوجی اچانک وفات پاگئے تھے اور یہ حادثہ ان دونوں کے کچے ذہنوں کو بری طرح متاثر کرگیا تھا' اب امی کی اچانک طویل بیماری انہیں اس خوف میں مبتلا کررہی تھی کہ کہیں وہ بھی انہیں ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر تو نہیں چلی جائیں گی۔ وہ ان دونوں پر کمبل درست کرتی کمرے کا دروازہ بند کرکے باہر آئی۔ آج شام سے بڑا عجیب موسم تھا۔ یک دم حبس اور گھٹن نے موسم کو گرم کردیا تھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے بادل چھائے اور کن من شروع ہوگئی۔ اس وقت بھی بارش سست روی کے ساتھ جاری تھی وہ برآمدے میں ایک پلر کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔ ایک بارش وہ تھی جو اس کی آنکھوں کے سامنے صحن میں ہو رہی تھی اور ایک بارش وہ تھی جو اس کی آنکھوں کے راستے گالوں پر بہہ رہی تھی۔ زندگی اچانک کتنی پرپیچ ہوگئی تھی۔ ابوجی کی زندگی میں سب کچھ آسان لگتا تھا۔ ہر لمحہ مسکراہٹیں' قہقہے گھر میں گونجتے تھے۔ بہن بھائیوں والی روایتی لڑائیاں' ابوجی سے فرمائشیں کرنا' امی کی کچھ باتوں پر کان نہ دھرنا' کتنی بے فکری تھی زندگی میں اور اب امی کے بعد گھر میں وہ سب سے بڑی تھی' شائستہ آپا اور سبین تو شادی ہوکر گئی تھیں تو تہوار کے تہوار ہی آجاتی تھیں۔ شائستہ آپا کا تو پھر بھی ایک آدھ چکر لگ ہی جاتا تھا مگر سبین تو دوسرے صوبے میں بیاہے جانے کے سبب سال کے سال ہی آتی تھی۔ ان کے لیے تو دوسرا صوبہ بھی ایسا ہی تھا جیسے دوسرے ملک جانا۔ اب ایسی صورت میں وہی تھی جو سارے گھر کا خیال رکھتی تھی۔ یہ سب کچھ اس کے ذہن میں ایک فلم کی مانند چل رہا تھا کہ اسے رامین کے فون کی

آواز آئی۔ وہ بڑی تیزی سے اٹھی کہ کہیں امی کی نیند نہ خراب ہو‘ کمرے میں آکر اس نے جلدی سے فون اٹھایا اور کال ریسیو کا بٹن پریس کرکے کمرے سے باہر نکل آئی۔

”ہیلو السلام علیکم!“ وہ فون کان سے لگائے بولی۔ مگر دوسری جانب بالکل خاموشی تھی۔ ”ہیلو......“ وہ دوبارہ بولی۔

”میں ارحام بات کررہا ہوں۔“ کچھ دیر بعد اسپیکر سے اس کی آواز ابھری۔ وہ لمحہ بھر کو خاموش ہوگئی۔ اس کے پاس رامین کا نمبر کیسے آیا‘ یہ وہ سوال تھا جس نے اسے بولنے پر اکسایا تھا۔

”آپ؟“ اس کا آپ اتنا سوالیہ تھا کہ دوسری طرف اس کی لاعلمی کا اسے باخوبی اندازہ ہوگیا۔

”رامین نے مجھ سے رابطہ کیا تھا۔“ وہ آہستہ آہستہ اسے رامین سے ہونے والی بات کا خلاصہ بتانے لگا جو کچھ دن پہلے ہوئی تھی۔ اس کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔

”رامین کی بے وقوفیاں شاید کبھی ختم نہیں ہوں گی۔“ اس نے جل کر سوچا۔ پھر سر جھٹک کر خود کو ریلیکس کیا۔ وہ شخص ہرگز بھی کوئی بداخلاقی ڈیزرو نہیں کرتا تھا۔

”تھینکس...... آپ پہلے دن سے ہم لوگوں کی مدد کررہے ہیں اور رامین کی بے وقوفیوں کو برداشت کررہے ہیں۔ اس کی وجہ سے یقیناً آپ کو بہت پریشانی ہوئی ہوگی۔ میں اس کے لیے ایکسکیوز کرتی ہوں۔“ حریم کے لہجے میں پہلی بار اسے احساس تشکر محسوس ہوا۔

”خیر ایسی کوئی بات نہیں‘ میں دراصل یہی پوچھنا چاہ رہا تھا کہ ڈاکٹر دانیال سے آنٹی کا سیشن کیسا رہا؟“

حریم کے نارمل رویے نے اس کے لہجے میں اعتماد شامل کردیا تھا۔ اس نے مختصراً ڈاکٹر سے ہونے والی ملاقات کا احوال سنایا۔ اب وہ سمجھ پائی تھی کہ وہ ڈاکٹر ان سے اتنی اچھی طرح پیش کیوں آیا تھا اور فیس بھی نہ ہونے کے برابر ہی لی تھی۔ اس کی وجہ ارحام آفندی تھا۔ اسے اس لمحے پوری شدت سے احساس ہوا کہ بغیر سورس آج کے دور میں ڈاکٹر سے ملنا بھی بہت مشکل مرحلہ ہے‘ اس نے ایک گہرا سانس ہوا کے سپرد کیا اور اس کی بات پر کان دھرے تھے جو نہ جانے کیا کہہ رہا تھا۔

”ڈاکٹر دانیال کی ہدایات پر پوری پابندی سے عمل کیجیے گا‘ آنٹی ان شاء اللہ جلد ٹھیک ہوجائیں گی۔“ وہ اتنا کہہ کر خاموش ہوگیا۔

”جی ان شاء اللہ......“ وہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔ اب دونوں طرف خاموشی تھی اور دونوں طرف بارش کی آواز تھی شاید وہ بھی کہیں باہر ہی کھڑا تھا۔ اس نے فون رکھنے کے لیے لفظوں کو ترتیب دیا ہی تھا کہ ارحام کی آواز ابھری۔

”آپ اکیڈمی ری جوائن کریں گی؟“ یہ سوال نہیں ایک اندیشہ تھا۔

”جی بالکل‘ لیکن ابھی کچھ دن لگیں گے۔ کیونکہ امی کو ہر وقت ایک فرد کی ضرورت رہتی ہے‘ رامین کو اسکول جانا ہوتا ہے اور اسامہ‘ حمزہ ابھی ہرگز بھی اتنے قابل نہیں کہ میں امی کی ذمہ داری ان پر ڈالوں۔“ وہ محسوس کررہی تھی کہ جواب خود بخود بہت تفصیلی ہوتے جارہے تھے۔ وہ کیوں ایک غیر متعلقہ شخص سے اتنی تفصیلی باتیں کررہی ہے‘ اسے اب الجھن ہوئی تھی۔

”تو آپ ایک فل ٹائم نرس رکھ لیجیے۔“ اس نے اپنی دانست میں بہت بہترین مشورہ دیا۔ وہ اسے صرف سوچ کررہ گئی تھی۔ محلوں میں رہنے والے شاید واقعی زیرآب آنے والوں سے‘ ان کے دکھ سے اتنے ہی ناواقف ہوتے ہیں جتنا وہ شخص تھا۔ وہ اسے ہرگز یہ نہیں بتاسکتی تھی کہ ایک فل ٹائم نرس کو افورڈ کرنا اس کے لیے ممکن نہیں تھا۔ اس نے زہرہ بیگم کا علاج کتنی دقتوں سے کروایا تھا‘ کیسے ایک ایک جمع شدہ پیسوں کو سوچ سمجھ کر خرچ کیا تھا۔ جو بھی تھا یہ سب کچھ اس کا انتہائی نجی معاملہ تھا وہ اس پر اپنی کوئی بھی مالی معذوری جذباتی جملوں کے پردے میں بیان کرنے کی متحمل نہیں ہوسکتی تھی۔ تبھی بولی۔

”جی یقیناً میں اس بارے میں سوچوں گی۔ میرا اس طرف دھیان نہیں گیا۔ بہرحال مجھے اب سونا ہے‘ لہٰذا اللہ حافظ۔“ اس نے یک دم ہی بات کو چند جملوں میں سمیٹا اور دوسری جانب کا جواب سنے بغیر فون بند کردیا۔ ارحام نے حیرت سے فون کو دیکھا۔ پھر مسکرادیا۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ آج اس نے اتنے طریقے سے بات کرلی تھی۔ ورنہ اس سے بعید نہ تھا کہ وہ آج بھی اتنے ہی سرد لہجے میں بات کرتی جتنا کہ پچھلی چند ملاقاتوں میں۔ مگر وہ پچھلے دنوں جس ذہنی تناؤ سے گزر رہی تھی اس میں اس کا رویہ جس قدر بھی رف ہوتا درست ہی تھا‘ اس کے مسکراتے لب یک دم سنجیدہ ہوئے تھے۔ اس کے ذہن میں ابرار سے ہونے والی آخری ملاقات ابھری تھی جو ایئرپورٹ پر ہوئی تھی۔ اس نے خود کو جلاوطنی کی سزا دی تھی۔ وہ ہمیشہ کے لیے پاکستان چھوڑ گیا تھا‘ جس کی وجہ سے گیا تھا اسے خبر بھی نہیں تھی۔ کتنی عجیب تھی یہ آنکھ مچولی جو قسمت نے کھیلی تھی۔ وہ

سالہاسال سے حریم عشق میں بستا تھا مگر اب وہ محبت کے اس قلعے سے فرد جرم عائد کرکے بے دخل کردیا گیا تھا دردر کی ٹھوکریں کھانے کے لیے اور بے سکون رہنے کے لیے۔ کیا کوئی اور مسافر حریم عشق کا مکین بن سکتا تھا؟ اس نے لمحہ بھر کو سوچا مگر جواب ندارد...... کیونکہ جواب تو صرف اس کے پاس تھا جس کے قبضے میں حریم عشق کی کنجی تھی۔ وہ گہری سوچ سے ابھرا تھا وجہ سامنے نظر آتا منظر تھا' یہ ٹھنڈ کی پہلی بارش تھی اور رضی شیڈ سے نکل کر پول کے پاس جا کھڑا ہوا تھا وہ اپنے مخصوص نائٹ ڈریس میں ملبوس تھا۔ ارحام کو اس لمحے اس کی ذہنی حالت پر شک ہوا تھا۔ اول تو اس کا اس ٹائمنگ میں گھر پر ہونا سب سے بڑا اچنبھا تھا کیونکہ ابھی ساڑھے دس ہو رہے تھے۔ نارملی وہ رات ایک سے پہلے گھر میں قدم نہیں رکھتا تھا۔ دوئم وہ بارش میں بھیگنا بالکل ناپسند کرتا تھا اور اس لمحے وہ پور پور بھیگ رہا تھا۔ ارحام نے باہر کی جانب پیش قدمی کی۔ اس نے شیڈ میں کھڑے ہوکر اسے کتنی آوازیں دیں مگر لگتا تھا وہ وہاں موجود ہی نہ تھا۔ بالآخر اسے باہر نکلنا پڑا۔ اس کے کندھے تھام کر اس کا رخ اپنی جانب کیا اور ششدر رہ گیا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہورہی تھیں اور ماتھے کی رگ ابھر رہی تھی۔

''کیا ہوا ہے تمہیں؟'' ارحام نے حیرت سے پوچھا' وہ ہرگز بھی کھلنڈرا سا رضی نہیں تھا وہ تو نہ جانے کون تھا۔

''کچھ نہیں' بس میرے سر میں درد ہے۔'' اس نے سر پر ہاتھ رکھتے نظریں چرائیں۔

''تو یہاں کیا کررہے ہو' اندر چلو۔'' وہ اس کا ہاتھ تھامتے اندر کی طرف بڑھ گیا تھا وہ بنا مزاحمت اندر آ گیا۔ ارحام کا رخ اس کے کمرے کی طرف تھا' کمرے میں لاکر اس نے رضی کو کپڑے چینج کرنے کے لیے ڈریسنگ روم کی طرف دھکیلا اور خود انٹر کام اٹھا کر رضی کے لیے کافی اور ٹیبلیٹ کا کہا۔ جب تک ملازم کافی اور ٹیبلیٹ دے کر گیا تب تک رضی بھی کپڑے چینج کرکے آ چکا تھا۔ وہ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ تھا۔ ارحام نے اسے پانی کے ساتھ ٹیبلیٹ دی اور پھر کافی کا کپ پکڑا دیا تھا جو اس نے کچھ ہی لمحوں میں خالی کرکے ٹیبل پر رکھ دیا۔

''اب بولو کیا مسئلہ ہے؟'' ارحام جو اس کے کافی ختم کرنے کا ہی منتظر تھا فوراً پوچھا۔

''کچھ بھی مسئلہ نہیں ہے۔ بس سر میں درد تھا اسی لیے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا تو......'' اس نے بے ربطگی سے کہتے بات کو ادھورا چھوڑ کر سر جھکایا کیونکہ ارحام کی آنکھوں میں واضح تحریر تھا کہ وہ صرف سچ سننا چاہتا ہے۔

''تم جھوٹ بولنے میں ماہر ہو مجھے پتا ہے لیکن اس وقت تمہارا جھوٹ مجھ پر اثر انداز نہیں ہورہا۔ لہٰذا جلدی جلدی بتانا شروع کرو کہ بات کیا ہے؟ کیونکہ تم چھوٹی موٹی باتوں کا اثر لینے والوں میں سے ہرگز نہیں ہو۔'' ارحام نے اس کے سامنے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''مجھے چھوڑو یہ بتاؤ آج کل تمہارے سرکل میں بڑی لڑکیاں انٹری دے رہی ہیں۔ کبھی کوئی سحر زدہ آنکھوں والی تو کبھی فون پر شیریں آواز والی۔'' وہ دو تکیوں کے سہارے نیم دراز ہوا اور آنکھیں بند کرلی تھیں تاکہ ارحام تک اس کا کوئی تاثر نہ پہنچ سکے۔

''اس کا مطلب ہے تم کچھ نہیں بتاؤ گے۔'' ارحام نے گھور کے اسے دیکھا۔

''اوہوں دیکھو پہلے معاملات تمہارے گڑبڑ ہوئے تھے' اس لیے تمہارا فرض بنتا ہے کہ پہلے تم بتاؤ پھر میں۔'' اس نے شرارت سے کہا مگر آج اس کی آنکھیں اس کے چہرے کا ساتھ ہرگز نہیں دے رہی تھیں۔ ارحام نے بغور اس کی آنکھوں کو دیکھا' اس نے فٹ سے آنکھیں بند کرلیں۔ وہ ہنس پڑا' پھر اس کے بیڈ سے اٹھ کر سلیپر پہنتا کمرے سے باہر جانے لگا۔

''او...... ظالم انسان' یہ تو بتادو کہ فون والی اور تصویر والی ایک ہی تھیں۔'' اس نے لیٹے لیٹے ہی پوچھا۔

''نہیں۔'' اس نے یک لفظی جواب دے کر ہینڈل پر ہاتھ رکھا۔

''تمہیں کس سے وابستگی ہے؟'' نہ جانے کیوں وہ اس ٹاپک کو اتنا گھسیٹ رہا تھا۔

''دونوں سے۔'' اب کی بار وہ شرارت پر آمادہ ہوا۔

''شرم کرو بیک وقت دو دو سے عشق فرما رہے ہو توبہ توبہ۔'' اس نے باقاعدہ کانوں کو ہاتھ لگائے۔

''تمہیں کیوں جیلسی ہورہی ہے۔'' وہ ہنسا اور رو چلا۔

''حد ہوگئی بھئی حد ہوگئی۔ میں تو تمہیں بڑا سیدھا سمجھتا تھا' مگر تم تو بڑے چھپے رستم نکلے۔'' وہ تڑپ کر اٹھ بیٹھا۔

''ارے یار چھوڑو بھی' تم میری فکر میں مت گھلو۔ اپنی فکر کرو۔'' وہ ہنستا ہوا باہر نکل گیا اور وہ دھپ سے واپس اپنے بیڈ پر لیٹ گیا' بہت سی سوچیں سانپ کی طرح پھن اٹھائے کھڑی

تھیں۔ آنکھیں جلن کے باعث بند نہ ہو پارہی تھیں۔ ابھی تو ارحام کا دھیان بٹانے میں وہ کامیاب رہا تھا مگر وہ اس سے کب تک بچ سکتا تھا' جبکہ اپنے روم کی طرف جاتے ہوئے ارحام صرف اس کی گہری سرخ آنکھوں کو سوچ رہا تھا جو کسی بہت بڑی توڑ پھوڑ کی غماز تھیں۔ آخر ایسا کیا ہو رہا تھا اس کے اندر جس کو چھپانے کی کوشش میں وہ بری طرح ہلکان ہو رہا تھا۔

❀ ❀ ❀

"میری تو کبھی کبھی سمجھ نہیں آتا کہ آخر یہ لڑکا گیا کس پر ہے۔ کوئی بھی بات تو اس کی ہماری جیسی نہیں ہے۔ اس کی سوچ اس کے طور طریقے تک مڈل کلاس لوگوں جیسے ہیں۔" نوشی بیگم گوکہ اب ارحام سے ناراض نہیں تھیں مگر اس کا فیصلہ اب تک انہیں ایک شاک میں مبتلا کیے ہوئے تھا۔ اسی لیے اپنی سوچوں کو فرید آفندی سے ڈسکس کرنے کے لیے انہوں نے اتنی تمہید باندھی۔ وہ دونوں اس وقت ایک پارٹی میں جارہے تھے فرید آفندی بہت احتیاط سے ڈرائیونگ کررہے تھے کیونکہ بارش آہستہ آہستہ تیز ہوتی جارہی تھی۔

"تم کس کی بات کررہی ہو ارحام کی؟" فرید آفندی نے حیرانی سے سوال کیا۔

"ظاہری بات ہے' ارحام کے علاوہ اور ہے ہی کون ہماری فیملی میں ایسا۔" نوشی بیگم کا انداز کچھ چڑچڑا سا تھا۔ فرید آفندی مسکرا دیئے۔

"اب کیا کردیا ہمارے بیٹے نے۔" وہ ہنستے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

"آپ کو پتا بھی ہے وہ سول سروسز جوائن کررہا ہے۔" اپنی طرف سے انہوں نے دھماکا کیا تھا مگر فرید آفندی کے چہرے پر کوئی خاص تاثرات نہیں ابھرے۔

"اچھا.....تو؟" انہوں نے بالکل نارمل انداز میں کہا۔ نوشی بیگم نے بغور ان کے نارمل تاثرات کا جائزہ لیا۔

"آپ کو معلوم تھا' ہیں ناں۔" انہوں نے اپنی بات کی تصدیق چاہی اور فرید آفندی کی خاموشی نے اس بات کی تصدیق کردی۔

"اف..... میں بھی کس قدر بے وقوف ہوں۔ مجھے تو پتا ہونا چاہیے تھا کہ ارحام کی زندگی کے کسی بھی فیصلے سے آگاہ ہونے والی میں آخری انسان ہوتی ہوں۔ آپ اور بابا جان کے مشورے کے بغیر تو وہ پانی بھی نہیں پیتا پھر اپنے فیصلوں سے کیونکر آگاہ نہ کرے گا۔" وہ بری طرح کلس گئی تھیں۔ ان کا بیٹا بے شک ان سے بے حد محبت کرتا تھا لیکن اپنے فیصلوں سے ہمیشہ انہیں بے خبر رکھتا تھا اور اس سے بڑھ کر جو بات انہیں بری لگتی تھی وہ عالم آفندی کو دی جانے والی فوقیت۔ وہ ماں ہوتے ہوئے بھی اس کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتی تھیں جو عالم آفندی کو پتا ہوتا تھا۔

"نوشی ایسی کوئی بات نہیں...... یہ سب تمہارا وہم ہے اور سب سے بڑھ کر تمہیں پتا ہے وہ بابا جان سے بہت اٹیچ ہے۔ اپنی ہر بات ان سے ہی شیئر کرتا آیا ہے آج تک۔ مجھے بھی یہ بات بابا جان سے پتا چلی تھی۔ میں نے تو تمہاری طرح واویلا نہیں کیا۔ تمہیں ہر چھوٹی بڑی بات پر اعتراض ہوتا ہے۔ اس لیے وہ تمہیں کم ہی کوئی بات بتاتا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے کہ تم اس کے لیے ویلیو ایبل نہیں ہو۔ وہ تم سے بہت پیار کرتا ہے۔" فرید آفندی نے دھیمے لہجے میں نوشی بیگم کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"ہاں مجھے علم ہے کہ وہ مجھ سے بہت محبت کرتا ہے لیکن آپ بھی کان کھول کر سن لیں اور بابا جان کو بھی بتا دیجیے گا کہ آئندہ اس کی زندگی میں ہونے والے فیصلوں سے آپ نہیں بلکہ میں آپ لوگوں کو چونکاؤں گی۔ میں نے آج تک آپ لوگوں سے کچھ نہیں کہا اور آپ لوگ بھی اعتراض نہیں کریں گے۔" نوشی بیگم کا لہجہ کچھ کچھ دھمکی آمیز تھا۔ ساتھ ہی انتقام کی آمیزش بھی تھی۔ فرید آفندی نے مسکرا کر انہیں دیکھا۔

"بھئی جو آپ کا فیصلہ' وہی ہمارا۔" فرید آفندی نے کندھے اچکا کر کہا اور اپنی نصف بہتر کا موڈ بحال کرنے لگے تھے۔ کچھ ہی دیر میں وہ اس پارٹی میں پہنچ گئے تھے۔ اس پارٹی میں انہیں مسٹر اینڈ مسز زبیری کے ساتھ یمنیٰ بھی نظر آئی۔ وہ دونوں اس سے اسی انداز میں ملے جیسے ملا کرتے تھے البتہ وہ خود تھوڑی شرمندہ سی نظر آرہی تھی۔

"کیسی ہو بیٹا کیا مصروفیات ہیں تمہاری۔ کبھی گھر بھی آجایا کرو۔" نوشی بیگم نے بڑے پیار سے کہا اور ان کی اس درجہ محبت نے یمنیٰ کے ساتھ ساتھ مہناز بیگم کو بھی شرمندہ کردیا۔ اسی لیے وہ ایکسکیوز کرتی وہاں سے اٹھ گئیں۔

"بس آنٹی کچھ خاص مصروفیت تو نہیں ہے۔ میں آؤں گی کسی دن آپ کے گھر۔" اس نے ان کا دل رکھنے کے لیے کہا تھا۔ وہ مسکرا کر اسے دیکھنے لگیں' تبھی یمنیٰ کا موبائل

بجنے لگا تو وہ ایکسکیوز کرتی وہاں سے اٹھ گئی۔ اسے جاتا دیکھتے ہوئے نوشی بیگم نے ارادہ کیا کہ وہ اسے ارحام کے لیے راضی کر کے رہیں گی۔

❀......❀......❀

پچھلے دو دن سے بارش پورے زور و شور سے جاری تھی۔ آج نہ جانے اس کے دل میں کیا سمائی کہ گاڑی کی چابی اٹھائی اور گھومنے نکل آیا۔ دادو کو اس نے انفارم کر دیا تھا۔ وہ مختلف سڑکوں پر گاڑی کو گھماتے رہنے کے بعد سڑک کے کنارے بہتی نہر کے کنارے ٹھہر گیا۔ کار کے بونٹ پر بیٹھا وہ بہتی نہر کو دیکھ رہا تھا۔ بارش کی بوندیں اسے آہستہ آہستہ بھگو رہی تھیں۔ اس وقت رات کے نو بج رہے تھے لیکن اندھیرا بہت گہرا تھا اس نے کار کی ہیڈ لائٹس کھلی چھوڑ دی تھیں اسی لیے اس کے اردگرد اندھیرا کسی قدر کم تھا۔ اس کے ذہن کے روشن ہوتے پردے پر بار بار حریم کا چہرہ بن رہا تھا۔ مختلف تناظر میں ہونے والی ملاقاتوں میں اس کے چہرے کے زاویے، جس میں کہیں خفگی کی جھلک تھی تو کہیں غصے کی ہلکی لکیریں، وہ مسکراتے ہوئے سر جھکا گیا تھا۔ دو دن پہلے ہونے والی گفتگو اس کی سماعتوں میں محفوظ تھی۔ پہلی بار اس نے اچھے طریقے سے بات کی تھی۔ پہلی بار ان کے درمیان چند جملوں سے زیادہ جملوں کا تبادلہ ہوا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائیں۔ وہ اب مسکرا نہیں رہا تھا بلکہ کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

وہ بیک وقت یمنیٰ اور حریم کے لیے اپنی فیلنگز کا موازنہ کر رہا تھا کہیں وہ اپنی زخمی انا کی تسکین کے لیے تو حریم کی طرف پیش قدمی نہیں کر رہا۔

”تم احساس ندامت پر محبت کا لیبل لگا کر گھوم رہے ہو۔“ اس کے ذہن میں رضی کا جملہ گونجا تھا۔ اس دن تو ارحام نے اس کی بات نہ مانی تھی بلکہ الٹا اس پر چڑھ دوڑا تھا کہ کہیں وہ اس کے راز کو نہ پا جائے کہ وہ واقعی احساس ندامت میں یمنیٰ کو اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہے مگر اب اسے خود اس بات کو تسلیم کرنے میں دیر نہیں لگی تھی۔ اس نے سر جھٹکا۔ یمنیٰ اس کی زندگی کا وہ باب تھی جو کبھی کتاب زیست میں شامل ہوئی ہی نہیں تھی۔ اس کا دل اس لمحے شدت سے حریم کی آواز سننے کو چاہا، اس لیے وہ بونٹ سے اتر کر کار کا دروازہ کھول کر اندر آ بیٹھا۔ بارش اب کافی حد تک مدھم ہو چکی تھی۔ اس نے موبائل اٹھا کر سیٹ کی بیک سے ٹیک لگائی۔ پہلے اس نے رامین کے نمبر پر کال کرنے کے بارے میں سوچا پھر یہ ارادہ ترک کر کے آٹو کال ریکارڈ کھولا اور دو دن پہلے کی محفوظ کالز میں سے رامین کے نمبر پر کی جانے والی کال کو پلے کیا۔ کار میں اب اس کی آواز گونج رہی تھی۔ ارحام کے اعصاب پرسکون ہونے لگے۔ اس نے ریکارڈڈ کال کو دوسری بار پلے کیا ہی تھا کہ یکدم اسے ایک نسوانی چیخ سنائی دی۔ اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔ کار کا دروازہ کھلا ہونے کی وجہ سے آواز بہت واضح آئی تھی۔ ابھی وہ کچھ سمجھ بھی نہ پایا تھا کہ بھاگتے قدموں کی آواز سنائی دینے لگی ساتھ کسی لڑکی کی ”ہیلپ ہیلپ“ چلانے کی آواز قریب سے قریب تر ہوتی جا رہی تھی اور پھر ہیڈ لائٹس کی روشنی میں ارحام نے اس لڑکی کو دیکھا۔ موبائل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر برابر والی سیٹ پر گرا تھا۔ وہ فوراً گاڑی سے اترا۔ سامنے یمنیٰ کھڑی تھی۔ ارحام کو دیکھ کر وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔ مشکل وقت میں کسی شناسا کا اچانک سے مل جانا کسی نعمت سے کم نہیں ہوتا۔ یہ تحریر بہت واضح اس کے چہرے پر لکھی تھی۔ وہ بھاگ کر اس کے عقب میں کھڑی ہو گئی۔

”مجھے بچا لیں پلیز ارحام، وہ لڑکے...... وہ لڑکے......“ خوف کے سبب وہ بری طرح بے ربط جملے بول رہی تھی۔ ارحام سکتے کی کیفیت سے باہر نکلا۔

”ریلیکس...... جسٹ بی ریلیکسڈ۔“ ارحام نے اس کے ہاتھ تھپتھپاتے۔

”آپ کار میں بیٹھیں، میں دیکھتا ہوں۔“ اس نے کھلے ہوئے دروازے کی طرف اشارہ کیا اور آگے بڑھنے ہی لگا تھا جب یمنیٰ نے اس کا ہاتھ تھام کر روک لیا۔

”نہیں آپ آگے نہیں جائیں، ان لوگوں کے پاس ہتھیار ہیں۔ پلیز ارحام۔“ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”ریلیکس یمنیٰ، کچھ نہیں ہوگا مجھے۔ آپ اندر جائیں۔“ اب کی بار ارحام نے اسے کندھوں سے تھام کر کھلے دروازے سے ڈرائیونگ سیٹ پر بٹھا دیا اور دروازہ کسی بھی حال میں نہ کھولنے کی ہدایت دیتے دروازہ بند کر دیا۔ کار میں آٹو میٹک لاک تھے اس لیے باہر سے کھولے جانے کا خطرہ نہیں تھا اور تمام شیشے بلٹ پروف تھے لہٰذا وہ اطمینان سے آگے بڑھا۔ یمنیٰ کی طرف سے بے فکر ہو کر وہ کافی آگے تک دیکھ کر آیا مگر شاید وہ لڑکے کار کی ہیڈ لائٹس جلتی دیکھ کر فرار ہو چکے تھے۔ یمنیٰ اسے واپس آتا دیکھ کر کار سے باہر نکل آئی۔

"کیا ہوا؟" اس کے لہجے میں خوف واضح تھا۔

"کچھ خاص نہیں بھاگ گئے شاید اندر بیٹھیں میں آپ کو گھر ڈراپ کردیتا ہوں۔" اس نے دوسری طرف کا دروازہ کھولتے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ یہ ان دونوں کی زندگی کا پہلا سفر تھا جو وہ ایک ساتھ کرنے والے تھے۔ ارحام نے کار ڈرائیو کرتے اسے دیکھا۔ خوف اس کے چہرے سے اب بھی عیاں تھا۔

"ریلیکس یمنیٰ سب ٹھیک ہے اب...... ہوا کیا تھا؟" اس کا دھیان بٹانے کے لیے ارحام نے استفسار کیا۔

"میں بابا اور مما کے ساتھ پارٹی میں گئی تھی۔ زبیری انکل اور نوشی آنٹی کے ساتھ بیٹھی میں باتیں کررہی تھی جب مجھے میری فرینڈ کی کال موصول ہوئی۔ میں مما پاپا کو بتا کر وہاں سے نکل آئی' مگر کار میں کوئی مسئلہ ہوگیا۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں' میں دانیال بھائی کا نمبر ڈائل کرنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ سامنے سے ایک بائیک آتی نظر آئی' پہلے تو وہ بائیک کار کے پاس سے گزر کر آگے بڑھ گئی تھی پھر دوبارہ پلٹ کر واپس آئی۔ اس پر سوار دو لڑکوں میں سے ایک نے کار کا شیشہ بجایا میں نے تھوڑا سا شیشہ نیچے کیا۔ وہ مجھ سے مدد کرنے کا کہہ رہا تھا مگر میں نے انکار کرکے شیشہ اوپر چڑھالیا۔ میں دانیال بھائی کا نمبر ڈائل کرنے لگی' مگر یک دم کار کے شیشے دونوں طرف سے زور زور سے بجائے جانے لگے۔ گھبراہٹ میں مجھ سے کچھ بھی نہیں ہو پارہا تھا' ہاتھ بری طرح کانپ رہے تھے۔ تبھی ان لڑکوں نے کار کے شیشے توڑ دیئے اور اندر سے دروازہ کھول لیا اور مجھے گھسیٹ کر باہر نکال لیا۔" اتنا کہہ کر وہ چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر رونے لگی۔

"یمنیٰ......" ارحام نے کار ایک سائیڈ پر روکی۔

"اگر آج آپ نہیں ہوتے ارحام تو نہ جانے کیا ہوجاتا۔" وہ اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے بولی۔

"پلیز رونا بند کرو یمنیٰ۔ اللہ نے تمہیں کسی ناخوشگوار واقعے سے محفوظ رکھنا تھا پھر چاہے وسیلہ کوئی بھی بنتا۔ اپنے دماغ کو پُرسکون کرو' خدا کا شکر ادا کرو۔" ارحام نے اس کے ذہن کو پُرسکون کرنے کی کوشش کی۔ وہ سر ہلاتی آنسو صاف کرنے لگی۔ ارحام نے ڈرائیونگ دوبارہ شروع کردی تھی۔

گھر کے باہر گاڑی رکتے ہی یمنیٰ اس کا شکریہ ادا کرتی اسے اندر آنے کو کہنے لگی مگر اس نے معذرت کرلی اور وہیں سے واپسی کی راہ لی لیکن ایک سوچ اس کے ذہن کو الجھا رہی تھی۔

❀......❀......❀

دو دن سے ان دونوں کے درمیان بات بند تھی۔ حریم نے اسے ارحام کو فون کرنے پر خوب ڈانٹا تھا۔ مگر رامین اپنے موقف پر قائم رہی تھی کہ اگر ارحام انوالو نہ ہوتا تو امی کے لیے اتنے بہترین نیورو سرجن کا بندوبست ہونا ممکن نہیں تھا۔

"اف یہ بارش......" رامین نے شدید ناگواری سے دو دن سے مسلسل برستی اس بارش کو دیکھا۔ اسے بارش سے الرجی تھی۔ کیونکہ راستے سیلن زدہ ہوجاتے تھے' جس کے سبب اسے اسکول جانے میں خاصی دشواری ہوتی تھی۔

"رامین آپو حریم بجو کو دیکھیں کیا ہوگیا ہے۔" حمزہ گھبرایا ہوا سا اس کے پاس آیا۔ وہ پریشان سی اپنے مشترکہ کمرے کی طرف دوڑی۔ حریم بستر پر اوندھے منہ پڑی تھی۔ رامین کے دل کو یک دم کچھ ہوا۔ وہ تو شدید بیماری میں بھی ایسے نہیں لیٹتی تھی پھر اب ایسا کیا ہوا تھا جو وہ یوں پڑی تھی۔

"کیا ہوا ہے حریم کو؟" اس نے حریم کی طرف بڑھتے حمزہ سے دریافت کیا اور پھر اس پر جھکتے اس کو سیدھا کیا۔ اس کا ماتھا چیک کیا' نبض چیک کی سب کچھ ٹھیک تھا پھر اس کی ناک پر ہاتھ رکھ کر دیکھا تو دھک سے رہ گئی۔ اسے سانس نہیں آرہی تھی۔

"حریم...... حریم اٹھو...... اٹھو حریم......" یک دم وہ پاگلوں کی طرح چیخنے لگی۔ حمزہ بھی اس کے قریب آبیٹھا تھا۔

"حریم......" وہ اسے جھنجوڑنے لگی۔

"ابھی زندہ ہوں ایڈیٹ' اتنی جلدی مرنے کا پروگرام نہیں ہے میرا۔ جب تک تم بے وقوفیاں کرنا نہیں چھوڑو گی کم از کم تب تک تو ہرگز نہیں۔ کیوں بھئی حمزہ۔" حریم نے حمزہ کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر تالی بجائی اور دونوں قہقہہ لگا کر ہنسنے لگے۔

"تم دونوں نے مل کر مجھے بے وقوف بنایا؟" وہ حیرت سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

"اب بنے بنائے کو کیا بنانا۔" حریم نے خاصی بے نیازی سے کہا اور اس کے بعد ان کا گھر کسی کھیل کے میدان کا منظر پیش کررہا تھا۔ حریم اور حمزہ آگے آگے تھے جبکہ رامین ان کے پیچھے پیچھے دوڑ رہی تھی۔ پھر تھک گئی تو ایک کرسی پر دھم سے گر گئی۔ حریم اور حمزہ چلتے ہوئے اس کے پاس آگئے تھے۔

"تھک گئی ہو۔" حریم نے شرارتی لہجے میں پوچھا۔

اسے ایک عرصے کے بعد ہونے والی یہ نوک جھونک اچھی لگ رہی تھی۔

''تم سے مطلب......'' رامین نے کھا جانے والے انداز میں کہا۔ وہ دونوں ہنسنے لگے۔ تبھی رامین کا موبائل بجنے لگا تھا۔ رامین اٹھ کر کمرے کی طرف بڑھی جہاں اس کا موبائل موجود تھا۔

''اب اپنی کسی دوست سے لمبی باتیں مت کرنے بیٹھ جانا۔ میں کھانا لگانے لگی ہوں۔ دس بج رہے ہیں۔ لائٹ بھی آ گئی ہے پھر نہ جانے کب چلی جائے بارش کی وجہ سے۔'' حریم نے کچن کی جانب بڑھتے کہا۔ رامین جب تک کمرے میں پہنچی کال مس کال بن چکی تھی۔ اس نے موبائل اٹھا کر چیک کیا۔ ایک ان نون نمبر سے تین چار مسڈ کالز تھیں۔ اس نے حیرت سے نمبر کو دیکھا' تبھی موبائل کی میسج ٹون بجی تھی۔ اس نے میسج اوپن کیا تو اسی نمبر سے تھا۔

''پلیز پک دی کال رامین حیات۔ آئی وانٹ ٹو ٹاک یو۔'' وہ حیرت زدہ رہ گئی تھی۔ یہ کون تھا جو اسے جانتا تھا۔ تبھی اس کا موبائل ایک بار پھر بجا۔ اب بھی کال اسی نمبر سے تھی۔ وہ کچھ خوف محسوس کررہی تھی اس کال کو اٹینڈ کرنے میں۔ اس کے جاننے والے تمام لوگوں کے پاس اس کا نمبر بائے نیم سیو تھا اور اگر کبھی کوئی نمبر چینج بھی کرتا تھا تو اسے اپنے نام کے ساتھ میسج کرتا تھا مگر یہ میسج بغیر نام کے موصول ہوا تھا اور اس کا متن بھی بہت عجیب لگا تھا اسے' تبھی وہ ہچکچا رہی تھی۔ بہرحال اس نے ڈر خوف کو ایک طرف کرتے پورے اعتماد سے کال اٹینڈ کی۔ اس نے خود بولنے کے بجائے کال کرنے والے کے بولنے کا ویٹ کیا۔

''ہیلو۔'' دوسری طرف سے مردانہ آواز ابھری۔ ''کیا میں رامین حیات سے بات کرسکتا ہوں۔'' دوسری طرف سے کہا گیا۔ رامین کو یہ آواز کچھ سنی سنی سی لگی۔ اس نے اپنے ذہن میں مختلف آوازوں کے درمیان سے اس آواز والی شخصیت کو کھنگالنے کی کوشش کی۔

''ہیلو۔'' دوسری طرف سے ایک بار پھر کہا گیا تو وہ اپنی کوشش کو ترک کرتی متوجہ ہوئی۔

''جی میں رامین حیات ہی بات کررہی ہوں۔ آپ کون؟'' اب وہ سامنے والے کی تصدیق چاہتی تھی۔ دوسری طرف لمحہ بھر کے لیے خاموشی چھائی تھی۔

''آپ ہیں کون اور مجھے کیسے جانتے ہیں؟'' رامین نے فطری تجسس سے مجبور ہوکر اور کچھ جھنجلا کر پوچھا۔

''میں......میں......''

''ایکسکیوز می مسٹر یہ میں' میں کی گردان بند کریں اور فون کس مقصد سے کیا ہے وہ بولیں لیکن اس سے بھی پہلے اپنا تعارف دیں۔'' رامین کو محسوس ہوا کہ یہ کوئی رانگ نمبر نہیں ہے کیونکہ مقابل اس کا نام جاننے کے باوجود بات کرنے میں ہچکچا رہا تھا۔ جس نے رامین کی ہمت کو بڑھا دیا تھا۔

''آپ میرا نام جاننے کے بعد فون بند نہیں کریں گی تو میں آپ کو اپنا نام بتانے کے لیے تیار ہوں۔'' کچھ توقف کے بعد وہ بولا۔

''میں دو حرف بھیجتی ہوں آپ پر اور آپ کے نام پر بھی۔ مجھے ہرگز بھی آپ کا نام جاننے میں کوئی دلچسپی نہیں اور ایک بات یاد رکھیے مسٹر آئندہ بھول کر بھی اس نمبر......''

''میں علی رضا آفندی ہوں۔'' اس نے رامین کی بات درمیان میں ہی منقطع کردی اور رامین تو اپنی جگہ منجمد سی رہ گئی۔

''کون علی رضا؟'' بہت سرسراتی سی آواز اس کے لبوں سے خارج ہوئی۔ وہ ہمیشہ اس بات کو اپنی خوش فہمی سمجھتی تھی کہ علی رضا آفندی شاید اسے ڈھونڈتا ہوگا مگر وہ اسے ڈھونڈ لے گا اس کا تو گمان بھی نہیں گزرا تھا۔

''علی رضا آفندی فرام سینٹ انتھونی کالج۔'' ایک جانا پہچانا انداز......ایک پرانا سا جملہ' ماضی کی گرد جھاڑتا کوئی شناسا عکس آنکھوں میں لہرایا تھا۔ رامین کو لگا جیسے کسی نے ماضی کی دھول اس کی آنکھوں میں بھر دی تھی۔ آنکھیں کھلی رکھنا آسان مرحلہ تھا۔

(جاری ہے)

ہومیو گائیڈ

ہومیو ڈاکٹر طلعت نظامی

ایام حمل کے امراض

دوران حمل حاملہ کو بے شمار امراض سے سامنا کرنا پڑتا ہے اگر چہ ان کا علاج دیگر مریضوں کی طرح کیا جاسکتا ہے مگر ان کے علاج میں ایک خاص بات یہ ہوتی ہے کہ کوئی ایسی قوی دوا نہیں دی جاسکتی جس کا اثر جنین یا حاملہ کی صحت پر پڑے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ایام حمل کے تمام امراض کا علاج' علاج بالمثل کے ذریعے کیا جائے جہاں تک ہوسکے علاج میں پرہیز سے کام چل جائے پھر بھی دوا کھانے کے بغیر چارہ نہ ہو تو ہومیو پیتھی طریقہ علاج کا استعمال کیا جائے جس سے بدن کے اندر کوئی تغیر واقع نہ ہو۔

اگر حفظان صحت کی چند باتوں کی پیروی کی جائے تو بہت حد تک آنے والی تکلیفات رک جاتی ہیں یا بہت حد تک کم ہوجاتی ہیں ورنہ ہومیو پیتھک ادویہ ہمیشہ ان تکلیفات کونہایت آسانی سے جلد رفع کردیتی ہیں۔

ایام حمل میں جن تکلیفات کا سامنا ایک عورت کو کرنا پڑتا ہے ان میں چند ایک ذیل ہیں اور علاج بالمثل بھی ان تکالیف کو رفع کرنے کے لیے حاضر ہے۔

بھوک کی کمی

حمل کے قرار پاتے ہی بھوک کی کمی یا غذا سے نفرت نمودار ہوتی ہے جبکہ آخری مہینوں میں یہ تکلیف نہیں ہوتی۔ بعض حالتوں میں مخصوص غذاؤں سے نفرت ہوتی ہے اور بعض حالتوں میں بھوک ہی مفقود ہوجاتی ہے۔

بعض دفعہ خاص غذا کھانے کی خواہش ہوتی ہے مثلاً چاک' مٹی' کوئلہ' نمکین چٹنی' کھٹی چیزیں' چولہے کی جلی ہوئی مٹی وغیرہ

ان خرابیوں کو دور کرنے کے لیے مندرجہ ذیل ادویات مفید ہیں۔

بھوک کی کمی کی دوا:۔ چائنا' سائیکلمن' نکس وامیکا' رسٹاکس' ہیپا' برائی اونیا' لائیکو پوڈیم' نیٹرم میور۔

بھوک کی زیادتی:۔ کلکیریا کارب' سنا' پلساٹیلا' فاسفورس' بیلاڈونا' سائی لیشیا' سلفر' پیٹرولیم' کالی کارب۔

متلی اور قے:۔

بہت سی عورتوں میں ابتدائے حمل سے ہی یہ حالت ہوجاتی ہے اور یہ محض رحم کے اثر منعکس کی تحریک سے ہوتی ہے ایسی حالتوں میں یہ زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی لیکن وہ متلی اور قے جو عموماً آخری مہینوں میں ظاہر ہوتی ہیں' زیادہ تکلیف دہ ہوجاتی ہے' جو معدے کی تحریک سے ہوتی ہے۔ بعض اوقات متلی اور قے کا آخری نتیجہ Anaemia (خون کی کمی) کی صورت میں نکلتا ہے۔ مندرجہ ذیل ادویات ان تکالیف پر بہت حد تک قابو پانے کا ذریعہ ہیں۔

دوا/ اکونائیٹ:۔ متلی اور قے پیاس کی زیادتی کے ساتھ موت کا ڈر' پانی کے سوا ہر چیز کڑوی محسوس ہو۔

ایلومینا:۔ شدید قبض' چاک' مٹی' کوئلہ وغیرہ کھانے کی خواہش' کلیجہ میں جلن' ڈکاریں۔

اینٹم کروڈم:۔ متلی اور قے یا صرف متلی' زبان دودھ کی طرح سفید' کھائی ہوئی چیزوں کی ڈکاریں۔

اینٹم ٹارٹ:۔ بلغم کی قے' ڈکاریں' غذا سے نفرت' متلی' تھوک کی زیادتی۔

آرسنک البم:۔ کھانے پینے کے بعد منہ میں کڑوا پن' بے حد کمزوری' تھکاوٹ' چہرہ پیلا' معدے میں پتھر کا احساس' رات کی قے' سیال چیز کھاتے ہی قے کردے' سردی محسوس کرے۔

اس کے علاوہ بیلاڈونا' بورکس' برائی اونیا' کاربوویج' کینتھرس' لائیکو پوڈیم' اپی کاک' سلفر علامات کے مطابق تجویز کی جاتی ہیں۔

قبض

قبض زمانہ حمل کی عام شکایت ہے' زمانہ حمل میں یہ

شکایت نہایت تکلیف دہ ہوتی ہے۔ مبرز کی نالی سکڑ جانے سے یہ اپنے فعل کو پورا نہیں کرسکتی۔ قوت حیات کی توجہ حمل کے زمانہ میں زیادہ تر رحم کی طرف ہوتی ہے جس کی وجہ سے آنتوں کی طاقت بھی رحم کی طرف مبذول ہوجاتی ہے اور وہ اپنے معمول کے کام کو کرنے کے ناقابل ہوجاتی ہیں۔ ایسی حالت میں حفظان صحت کے اصولوں پر عمل کرنے سے نہ صرف یہ شکایت بلکہ اس کے متعلقہ علامات بھی مثلاً درد سر خون کا سر کی طرف دوران وغیرہ دور ہوجاتی ہیں۔ ادویہ کا انتخاب قبض کی حالت اس کے متعلقہ علامات اور مریضہ کی مجموعی علامات کے مطابق کرنا چاہیے۔ قبض چونکہ ایک مزاجی (Contitutional) بیماری ہے اس لیے اس کے علاج سے نہ صرف موجودہ تکلیف دور ہوجاتی ہے بلکہ مریضہ کی صحت بھی نہایت بہتر ہوجاتی ہے۔

ایلومینا: آنتوں کی خرابی کی وجہ سے قبض پتلے پاخانے کے لیے بھی زور لگانا پڑے۔

آرنیکا مانٹ: شدید قبض جو کسی چوٹ کے بعد پیدا ہو پیٹ میں گڑگڑاہٹ۔

چیلیڈونیم: جب دائیں کندھے کی ہڈی کے نچلے زاویہ کے نیچے درد ہو پاخانہ بکری کی مینگنیوں کی طرح اس کے علاوہ کالن سونیا کاسٹیکم اگنشیا آئیوڈیم فائی ٹولاکا سبائنا تھوجا وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

دست

قبض کی طرح حمل کی حالت میں دست بھی غذا کی ناموافقت یا بد پرہیزیوں سے ہوسکتے ہیں یہ ایک عام پیچیدگی ہے جو معدہ میں تیزابیت اور ہاضمہ کی کمزوری سے ہوتے ہیں۔ کبھی دست بغیر تکلیف کے ہوتے ہیں اور کبھی سخت مروڑ سے۔

جب حمل کی حالت میں دست شروع ہوجاتے ہیں تو تین باتوں کا خیال رکھنا چاہیے کہ حاملہ کو ناموافق غذاؤں سے بالکل پرہیز کرنا چاہیے دوسرے مریضہ کو سردی یا گرمی میں نہیں نکلنا چاہیے تاکہ سردی یا گرمی کا اثر نہ ہوسکے تیسرے مریضہ کو بالکل آرام سے لیٹ جانا چاہیے کیونکہ حمل کے اسہال بعض اوقات خطرناک ثابت ہوسکتے ہیں یعنی اسقاط حمل ہوسکتا ہے۔

علاج بالمثل / دوا

ایلوز: پیٹ میں بھاری پن اور بوجھ کا احساس زیادہ یا کم مقدار میں آنوں (Mucus) کا اخراج۔ صبح کے وقت دست حاجت سے پہلے آنتوں میں گڑگڑاہٹ۔

ایلومینا: اسہال مروڑ کے ساتھ پاخانہ خون ملا ہوا مقدار میں کم مریضہ کو پیشاب کرنے کے لیے بھی زور لگانا پڑے۔

ایسافوئیٹڈا: پانی کے سے پتلے دست نہایت بری بدبودار دستوں کے ساتھ پیٹ میں درد۔

کینتھرس: پیشاب کرنے کی مسلسل خواہش سرخی مائل یا گدلے دست جلن اور درد۔

اس کے علاوہ اینٹم ٹارٹ آریکا کیموملیا چیلیڈونیم چائنا وغیرہ بہترین ادویہ ہیں۔

تھوک کی زیادتی

تھوک کی زیادتی عموماً حمل کے پہلے مہینوں میں وقوع میں آتی ہے جو دو یا تین مہینوں تک جاری رہتی ہے جب اس کا اخراج بہت زیادہ ہوجاتا ہے تو مریضہ کو کمزور کردیتا ہے لیکن اس کا یکایک بند ہوجانا یا بند کرادینے سے خطرناک کیفیت پیدا ہوجاتی ہے اس سے سکتہ یا دم گھٹنے کی شکایت ہوسکتی ہے۔

دوا:-

مرکیورس اپیکاک اکونائٹ بیلاڈونا ہیما میلس کریازوٹ بہترین ہیں۔

بیاض دل
میمونہ رومان

ثمرہ ناز ثمری......وجھی بالا

بھلا دے مجھ کو کہ بے وفائی بجا ہے لیکن
گنوا نہ مجھ کو کہ میں تیری زندگی رہا ہوں
وہ اجنبی بن کے اب ملے بھی تو کیا ہے محسن
یہ ناز کم ہے کہ میں بھی اس کا کبھی رہا ہوں

مہرین مہریاب حیدر......بہاولپور

نہ کھول میرے مکان کے اداس دروازے
ہَوا کا شور میری الجھنیں بڑھا دے گا
میں خوب واقف ہوں اس کی فطرت سے فراز
درد دے گا تو اتنا کہ بس رُلا دے گا

طلعت نظامی......کراچی

ہم نے چاہا ہی نہیں کہ حالات بدل سکتے ہیں
تیرے آنسو میری آنکھوں سے نکل سکتے ہیں
تم نے الفاظ کی تاثیر کو پرکھا ہی نہیں
نرم لہجے سے تو پتھر بھی پگھل سکتے ہیں

اقراء اصغر......واربرٹن

تیرا ملنا نہیں ممکن مگر اتنا تو ممکن ہے
کہ تیری آرزو میں زندگی کی شام ہو جائے
ہجوم دوستاں سے جب کبھی فرصت ملے تم کو
اگر سمجھو مناسب تو ہمیں بھی یاد کر لینا

جویریہ ضیاء......کراچی

تجھے کھونے کا حوصلہ نہیں مجھ میں
میرے حق میں دعا کرنا کہ
تجھ سے بچھڑنے سے پہلے
بس اک سانس کا رشتہ ٹوٹ جائے

بنتِ آس اور نور......کھلابٹ ٹاؤن شپ ہری پور

مرے نزدیک تھا وہ لیکن اسے میں نے نہیں دیکھا
سوا نیزے سے سورج کی زیارت کون کرتا ہے
میں روز اپنی راہ پر نئے پھولوں کو پاتا ہوں
اک مدت سے نہ جانے یہ شرارت کون کرتا ہے

انا احب......فیصل آباد

نفرت سے اور پیار سے پہلے کی بات ہے
یہ تجھ پہ اعتبار سے پہلے کی بات ہے
دل میرے اختیار میں ہوتا تو تھا مگر
یہ تیرے اختیار سے پہلے کی بات ہے

صباء عیشل......بھاگووال

کہیں وہ ذائقہ تحلیل ہی نہ ہو جائے
میں اس سے مل کے کسی سے نہیں ملا برسوں
تمہارے ہاتھ کی دستک کی آس میں مظہر
میں اپنے گھر سے کہیں بھی نہیں گیا برسوں

شافعہ اکرم......سانگھڑ

رات گہری تھی ڈر بھی سکتے تھے
ہم جو کہتے تھے کر بھی سکتے تھے
تم جو بچھڑے تو یہ نہیں سوچا
ہم تو پاگل تھے مر بھی سکتے تھے

مدیحہ حیدر......دوبندی والا

آنسو تیرے نکلیں تو آنکھیں میری ہوں
دل تیرا دھڑکے تو دھڑکن میری ہو
خدا کرے ہمارا پیار اتنا گہرا ہو کہ
سانس تیری رکے اور موت میری ہو

سحرش رانا......پنڈی بھٹیاں

چاند کے ساتھ کئی آنسو پرانے نکلے
کتنے درد تھے جو ترے درد کے بہانے نکلے
میں نے سحر اسے بے واسطہ دیکھا ہی نہیں
وہ تو خوشبو میں بھی آہٹ کے بہانے نکلے

سدرہ شاہین......پیرووال

کل ذرا سی بات دیر تک رلاتی رہی
خوشی میں بھی آنکھ اشک بہاتی رہی
کوئی مل کے کھو گیا تو کوئی کھو کے مل گیا

بس زندگی ہم کو ایسے آزماتی رہی
سلمیٰ اکبر شیرازی......اُوچ شریف

اپنی یادیں، اپنی باتیں لے کر جانا بھول گیا تھا
جانے والا جلدی میں تھا، مل کر جانا بھول گیا تھا
وقتِ رخصت میری آنکھیں پونچھ رہا تھا ہاتھوں سے
اس کو غم تھا اتنا زیادہ، خود وہ رونا بھول گیا تھا
نبیلہ لیاقت......سرگودھا

تمہارا نام لکھنے کی اجازت چھن گئی جب سے
کوئی بھی لفظ لکھتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
ہزاروں موسموں کی حکمرانی ہے میرے دل پر
وہی میں جب بھی تنہا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
عنبرین نواز......اکڑیانوالہ، جھنگ

میرے خوابوں میں آنے کا ان کا قصور تھا
ان سے دل لگانا ہمارا قصور تھا
وہ آئے تھے زندگی میں پل دو پل کے لیے
پر ان کو زندگی سمجھ لینا، ہمارا قصور تھا
یاسمین عندلیب......شورکوٹ کینٹ

تمہارا لگتا نہیں یاں دل، مان لیتے ہیں
ہے صاف جھوٹ مگر پھر بھی مان لیتے ہیں
پھرتے ہو قریہ بقریہ کُو بکُو تم میرے لیے
تیری تشنہ نگاہوں سے ہم جان لیتے ہیں
ثناء شفیق......تاجک (اٹک)

تُو نے نفرت سے جو دیکھا تو مجھے یاد آیا
کیسے رشتے تیری خاطر یونہی توڑ آیا ہوں
کیسے دھندلے ہیں یہ چہرے جنہیں اپنایا ہے
کیسی اُجلی تھیں وہ آنکھیں جنہیں چھوڑ آیا ہوں
مدیحہ حیدر......دوبندی بالا، ہری پور ہزارہ

آنسو تیرے نکلیں تو آنکھیں میری ہوں
دل تیرا دھڑکے، دھڑکن میری ہو
خدا کرے ہمارا پیار اتنا گہرا ہو کہ
سانس آپ کی رُکے تو موت میری ہو
پروین افضل شاہین......بہاولنگر

کبھی کبھار اسے دیکھ لیں کہیں مل لیں
یہ کب کہا ہے کہ وہ خوش بدن ہمارا نہیں
میں اپنے حصے کے سکھ جس کے نام کر ڈالوں
کوئی تو ہو جو مجھے اس طرح سے پیارا ہو
کوہ نور......جتوئی

اپنے ضمیر کا میں سودا نہ کر سکا
انسان تھا جسے میں سجدہ نہ کر سکا
ہر چند وہ شوخ اظہر بت سے بھی تھا حسیں
دل میرا لیکن اس کی پوجا نہ کر سکا
عینو علی شاہ......جڑانوالہ

آنکھیں ہیں دید یار کی مدت سے منتظر
کچھ تشنگی مٹا نظر کی عید کے چاند
کس سے ملیں گے عید ہمارا کوئی تو ہو
تو ہی ہمیں گلے سے لگا عید کے چاند
ہالہ سلیم......کراچی

نفرت سے اور پیار سے پہلے کی بات ہے
یہ تجھ پر اعتبار سے پہلے کی بات ہے
دل میرے اختیار میں ہوتا تو تھا مگر
یہ تیرے اختیار سے پہلے کی بات ہے
دعا زاہد......فیصل آباد

گریہ کیا تو آنکھ میں بھرتا گیا دھواں
دل نے متاعِ درد کو جلنے نہیں دیا
نظروں سے اپنی آپ ہی گرتے گئے ہیں یوں
اے عشق تُو نے ہم کو سنبھلنے نہیں دیا

biazdill@aanchal.com.pk

ڈش مقابلہ

طلعت آغاز

کیلے کی جیلی

اشیاء:

کیلے کا گودا	ایک کلو
چینی	ایک کلو
پانی	حسب ضرورت

ترکیب: عمدہ قسم کے پکے ہوئے کیلے لیں ان کو چھیل لیں، چھیلے ہوئے کیلوں کا وزن ایک کلو گرام ہونا چاہیے۔ ان کیلوں کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کی شکل میں کاٹ کر اندازاً ایک کلو پانی میں ڈال کر گھنٹہ بھر پکائیں۔ اتنی دیر میں گودا پک کر خاصا نرم ہو جائے گا۔ گودے کو کپڑے سے چھان لیں اب گودے میں چینی شامل کر کے کسی تام چینی کے برتن میں ڈال کر پکائیں۔ چمچ مسلسل ہلاتے رہیں۔ ایک گھنٹے بعد کیلے اور چینی یک جان ہو کر جیلی کی شکل اختیار کرلیں گے۔ ابھی جیلی کچھ گرم ہو تو اسے خشک بوتلوں میں بھر لیں۔

صباحہ عقیل...... بھاگووال

کریملا ئزڈ ایپل کیک

ضروری اشیاء:

سیب (بڑے سائز کے)	سات عدد
	سخت اور رسیلے ہوں
پانی	دو کپ
چینی	آدھا کپ
مکھن	50 گرام
سادہ اسفنج کیک	ایک پاؤ
فریش کریم	آدھا کپ
چینی	ایک کھانے کا چمچ
دودھ	دو کھانے کے چمچ
پستے بادام	چار کھانے کے چمچ
(باریک کٹے ہوئے)	

ترکیب:
سیب چھیل کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ لیں، اب ان کو پین میں ڈال کر اس میں پانی ڈالیں اور ہلکی آنچ پر پکنے دیں۔ پانی خشک ہو جائے اور سیب بالکل گل جائیں تو اتار کر چمچ سے دبا دبا کر یکجان کرلیں۔ اب دوسرے پین میں چینی ڈال کر چولہے پر رکھیں جب گولڈن سا سیرپ بن جائے تو اس میں مکھن ڈال دیں۔ ساتھ ہی سیب بھی ڈال کر مکس کرلیں، دودھ ڈال کر مکس کرلیں اور چولہے سے اتار دیں۔ کیک کو درمیان سے کاٹ لیں، ایک حصے پر سیب والا آدھا مکسچر پھیلائیں اور پر دوسرا حصہ (کیک کا) رکھیں۔ اوپر بھی سیب کا بقیہ مکسچر پھیلا کر پستے بادام چھڑک دیں، کناروں پر کریم سے پھول بنا کر کیک کو سرو کریں۔

عائشہ سلیم...... کراچی

مزیدار کیک

اشیاء:

میدہ	آدھا پاؤ
چینی	آدھا پاؤ
انڈے	4 عدد
بیکنگ پاؤڈر	ایک تولہ
کشمش	آدھا پاؤ
ونیلا ایسنس	حسب ضرورت
مکھن	آدھا پاؤ
بیکنگ پیپرز (موٹا کاغذ)	حسب ضرورت

ترکیب:
چینی کو باریک پیس کر چھلنی سے چھان لیں۔ اب اس میں مکھن ہاتھوں سے خوب مکس کریں۔ انڈے توڑ کر سفیدی اور زردی کو علیحدہ علیحدہ اتنا پھینٹیں کہ سب جھاگ ہو جائے۔ میدہ اور بیکنگ پاؤڈر کو خوب ملالیں۔ اب اس میں مکھن اور چینی ڈال کر چمچے سے اتنا ہلائیں کہ یک جان ہو جائیں اور پھر اس میں انڈوں کی زردی اور سفیدی ڈال دیں۔ اب اس میں کشمش ڈال دیں اور کیک کا سانچہ لے کر اس میں بیکنگ پیپر پھیلا دیں۔ اس کے اوپر یعنی بیکنگ پیپر کر مکھن بھی لگالیں اور تیار شدہ قوام میں ونیلا ایسنس ملا دیں اور اوون میں ایک گھنٹہ تک رکھیں۔ جب سرخ ہو جائے تو مختلف ڈیزائنوں میں کاٹ کر پیش کریں۔ مزیدار کیک تیار ہے۔

اریبہ منہاج...... ملیر کراچی

کھوئے کے سموسے

اشیاء:

کھویا	ایک کپ
میدہ	ایک کپ
گھی	3 ٹیبل اسپون
بیکنگ پاؤڈر	دو چٹکی
جائفل	ایک ٹی اسپون
چینی	ایک کپ
تیل	تلنے کے لئے

ترکیب:

میدے میں گھی اور بیکنگ پاؤڈر ملا کر ابلے ہوئے پانی میں گوندھ لیں۔ اچھی طرح یکجان کرنے کے بعد میدے کے پیڑے بنالیں۔ کھوئے اور جائفل پاؤڈر کو مکس کرلیں۔ اب ایک پیڑہ لے کر اس کی چھوٹی ٹکیہ بیل لیں۔ درمیان میں تھوڑا سا کھویا رکھ کر کنارے ملالیں۔ کنارے اچھی طرح دبادیں۔ تیل گرم کرکے یہ سموسے اچھی طرح تلنے کے بعد تیار چاشنی میں ڈال دیں۔ جب اچھی طرح ٹھنڈے ہوجائیں تو کھانے کے لئے پیش کریں۔

رخسانہ اقبال......قائد آباد

قیمہ کی کچوریاں

اشیاء:

قیمہ بغیر چربی والا	آدھا کلو
پیاز درمیانی ڈلی	دو عدد
لیموں	دو عدد
ہرا دھنیا باریک کٹا ہوا	ایک عدد
ہری مرچ باریک کٹی ہوئی	تین عدد
ادرک لہسن پسا ہوا	ایک کھانے کا چمچ
لال مرچ پسی ہوئی	ایک کھانے کا چمچ
کالی مرچ پسی ہوئی	ایک کھانے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
کھانے کا سوڈا	آدھا چائے کا چمچ
تیل تلنے کے لیے	حسب ضرورت

ترکیب:

سب سے پہلے آٹے میں اجوائن، نمک اور سوڈا ملا کر اچھی طرح گوندھ لیں اور کسی گیلے کپڑے سے ڈھانک کر تقریباً پندرہ منٹ کے لیے رکھ دیں پھر ایک دیگچی میں ایک کھانے کا چمچ تیل ڈال کر قیمہ ڈال دیں۔ ساتھ میں نمک، ادرک لہسن اور مرچ ڈال دیں جب پانی خشک ہوجائے تو ہلکا سا بھون کر پیاز ہری مرچ اور ہرا دھنیا ڈال دیں۔ اوپر سے لیموں کا رس ڈال دیں پھر اچھی طرح مکس کرلیں ٹھنڈا ہونے دیں۔ اب آٹے کا چھوٹا سا پیڑا لے کر ہاتھ گیلا کرلیں، پھر پیڑے پھیلا کر تھوڑا سا قیمہ رکھ کر چاروں طرف سے بند کردیں ذرا سا دبا کر کچوری کی طرح پھیلائیں، کڑھائی میں تیل گرم کریں جب خوب گرم ہوجائے تو آنچ ہلکی کر کے کچوریاں تلنا شروع کریں جب تل جائیں تو نکال کر چھلنی میں اخبار بچھا کر اوپر رکھتی جائیں تاکہ تیل جذب ہوجائے، گرم گرم املی کی چٹنی دہی کے رائتہ کے ساتھ سرو کریں۔

جی کنول خان......موسیٰ خیل

پرشین پوٹیٹو اینڈ میٹ بالز

اجزاء:

گائے کا قیمہ	400 گرام
آلو ابلے ہوئے (بھرتہ کیے ہوئے)	4 عدد
پیاز (چوپ کی ہوئی)	2 عدد
انڈے	2 عدد
کٹی ہوئی کالی مرچ	ڈیڑھ چائے کا چمچ
ہری مرچیں (چوپ کی ہوئی)	2 عدد
پارسلے (چوپ کیا ہوا)	ڈیڑھ پیالی
ڈبل روٹی کا چورا	دو پیالی
نمک	ایک چائے کا چمچ
تیل	تلنے کے لیے

ترکیب:

قیمے میں علاوہ ڈبل روٹی کا چورا باقی تمام اجزاء ملالیں، اس کی بالز بنا کر ڈبل روٹی کے چورے میں لپیٹ لیں۔ کڑاہی میں تیل گرم کریں اور انہیں سنہری تل کر جاذب کاغذ پر نکال لیں۔

طیبہ نذیر......شادیوال، گجرات

چکن سپریم بریانی

اجزاء:

چکن بریسٹ	ایک کلو
باسمتی چاول	آدھا کلو

چکنی یخنی	ایک کپ
انڈوں کی زردی	دو عدد
مکھن	تین کھانے کے چمچ
لیموں کا رس	چار کھانے کے چمچ
زرد رنگ	دو چٹکی
نمک	حسب ذائقہ
لونگ	چھ عدد
تیل	حسب ضرورت

ترکیب:

یخنی میں انڈوں کی زردی، سفید مرچ پاؤڈر، نمک اور مکھن ڈال کر اچھی طرح یکجان کرلیں۔ چکن کے ٹکڑوں پر کٹ لگا کر لیموں کا رس لگائیں پھر اسے بھی یخنی میں ڈال دیں۔ چاولوں کو نمک اور زردے کا رنگ گھول کر لونگ کے ساتھ اُبال کر رکھ لیں۔ تیل گرم کرکے چکن کو یخنی سمیت دس منٹ تک پکائیں، سرونگ ڈش میں چاول نکال کر اوپر سے چکن آمیزہ ڈالیں (چاہیں تو پتیلی میں تہہ لگا کر مکس کرلیں) اُبلے ہوئے انڈوں سے سجاوٹ کرکے گرم گرم نوش فرمائیں۔

گل مینا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس...... مانسہرہ

آلو کے بونڈے

اجزاء:

آلو	ایک کلو (اُبال کر بھرتہ کرلیں)
بیسن	ایک پاؤ
رائی	آدھا چائے کا چمچ
سفید زیرہ	(بھنا ہوا) ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
ہری مرچ	چار عدد باریک کٹی ہوئی
ہرا دھنیا	ایک گٹھی باریک کٹا ہوا
لال مرچ (پسی ہوئی)	ایک کھانے کا چمچ

ترکیب:

سب سے پہلے ابلے ہوئے آلوؤں میں سارا مسالا ملادیں اور چھوٹے چھوٹے کوفتوں کی طرح پیڑے بنالیں۔ ایک پیالے میں گاڑھا بیسن گھول دیں، اس میں بھی تھوڑا نمک اور لال مرچ ملادیں۔ ایک ایک پیڑے کو بیسن میں ڈبو کر ہلکی آنچ میں ڈیپ فرائی کریں اور املی کی چٹنی کے ساتھ پیش کریں۔

سدرہ شاہین...... پیر دوال

گجراتی کھچڑی

اجزاء:

چاول	دو پیالی
ارہر کی دال	آدھی پیالی
نمک	حسب ذائقہ
ادرک لہسن پسا ہوا	ایک کھانے کا چمچ
پیاز	ایک عدد درمیانی
آلو	دو عدد درمیانے
بینگن	ایک عدد درمیانہ
مٹر	ایک پیالی
میتھی دانہ	چند دانے
لال مرچ پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچ
ثابت لال مرچ	دو سے تین عدد
ہلدی	ایک چائے کا چمچ
کڑی پتہ	چند پتے
گھی	کھانے کے دو تین چمچ

ترکیب:

چاول اور دال کو دھو کر پندرہ سے بیس منٹ پہلے بھگودیں۔ آلو اور بینگن کو چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ لیں۔ پین میں گھی کو درمیانی آنچ پر دو سے تین منٹ گرم کریں اس میں ثابت لال مرچ، کڑی پتہ اور میتھی دانہ ڈال کر کڑکڑالیں اور پیاز کو سنہرا فرائی کریں۔ اس میں ادرک لہسن ڈال کر دو سے تین منٹ فرائی کریں اور آلو ڈال کر ہلکی آنچ پر ڈھک دیں۔ آلو ادھ گلے ہوجائیں تو ان میں مٹر ڈال کر دو سے تین منٹ فرائی کریں پھر ان میں ہلدی، لال مرچ اور بھگوئے ہوئے دال چاول (پانی سے نکال کر) ڈال دیں۔ اچھی طرح بھون کر اس میں چار پیالی پانی ڈال دیں۔ نمک ڈال کر ملائیں اور ڈھک کر درمیانی آنچ پر پکنے رکھ دیں۔ آٹھ سے دس منٹ بعد جب پانی خشک ہونے پر آجائے تو بینگن ڈال کر اچھی طرح ملائیں۔ ہلکی آنچ پر پانچ سے سات منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں۔ لیجیے جی گجراتی کھچڑی تیار ہے۔

حنا مہر...... کوٹ ادو

امریکن کرسپی چکن

اشیاء:

مرغی	درمیانے سائز کے 8 ٹکڑے

مونگ کی دال کا آٹا	3/4 کپ
نمک	حسب ذائقہ
کارن فلور	چار کھانے کے چمچ
انڈے	ایک عدد
مسٹرڈ پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچہ
کالی مرچ	پسی ہوئی ایک چائے کا چمچہ
ادرک لہسن	پسا ہوا ایک کھانے کا چمچہ
کٹی ہوئی سرخ مرچ	حسب ذائقہ
سرکہ	پون کپ

ترکیب:۔
مرغی کو دھو کر ایک دیگچی میں ڈال کر اس میں حسب ضرورت پانی اور نمک ڈال کر ایک ابال دے دیں۔ اب مرغی کو پانی سے نکال دیں اور تمام مسالہ مرغی پر لگا کر آدھے گھنٹے کیلئے رکھ دیں اور پھر درمیانی آنچ پر فرائی کرلیں۔ سنہری ہونے پر نکال لیں۔ لیجئے بہت مزیدار سا امریکن کرسپی چکن تیار ہے۔ اسے کھائیں اور مجھے دعائیں دیں۔

ارم صابرہ...... تلہ گنگ

شکر قندی کی کھیر

اشیاء:۔

شکر قندی	ایک کلو
چھوٹی الائچی	تین عدد پسی ہوئی
دودھ	دو کلو
بادام اور پستے	آدھا کپ باریک کٹے ہوئے
چینی	دو کپ یا حسب منشا

ترکیب:۔ شکر قندی کے موٹے موٹے ٹکڑے کر کے دودھ میں ڈال کر ہلکی آنچ پر اتنا پکائیں کہ شکر قندی بہت اچھی طرح گل جائے۔ پھر اس کو دودھ میں ہی میش کرلیں۔ چینی بھی ڈال دیں اور مزید پکنے دیں۔ اتنا کہ وہ گاڑھی ہوجائے پھر پسی ہوئی الائچی ملا کر دو منٹ چمچ چلائیں پھر ڈش میں نکال کر بادام پستے چھڑک کر فریج میں رکھ دیں اور ٹھنڈی ہونے پر سرو کریں۔

فرخندہ ثریا...... خانیوال

دہی گوبھی

اشیاء:۔

گوبھی (درمیانے سائز کی)	ایک عدد
تیل یا گھی	حسب ضرورت
پیاز	دو عدد
ٹماٹر	4 عدد
دہی	100 گرام
لہسن کے جوئے	6 عدد
ادرک	چھوٹا ٹکڑا

ترکیب:۔ گوبھی نمک والے گرم پانی میں بھگو لیں۔ گوبھی کو چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ کر فرائی پین میں گھی گرم کر کے تل لیں۔ ایک الگ برتن میں کٹی ہوئی پیاز ٹماٹر اور دہی کو اچھی طرح پھینٹ لیں۔ فرائی پین میں گھی گرم کر کے مسالے کو تل لیں۔ ادرک اور لہسن کو پیس لیں۔ اس میں پانی ملا کر اسے چھان لیں اور ادرک اور لہسن کے اس عرق کو پیاز ٹماٹر اور دہی والے آمیزے میں شامل کردیں۔ ایک کھلے منہ کی پتیلی میں گوبھی اور دہی والے آمیزے کو خوب پکائیں۔ تھوڑی دیر میں مسالے دار گوبھی تیار ہوگی جسے آپ مزے سے کھا سکتے ہیں (اور اس ناچیز کو دعا دے سکتے ہیں)

مسز نشاط...... لاہور

گاجر کی کھیر

اشیاء:۔

دودھ	ایک کلوگرام
گاجر	ڈیڑھ کلوگرام
چینی	حسب ذائقہ
چھوٹی الائچی (پسی ہوئی)	2 چمچے چائے کے
بادام	3 عدد
کشمش	3 عدد

ترکیب:۔
گاجروں کو چھیل کر کدوکش کرلیں۔ ایک برتن میں دودھ کو اُبال لیں اور اُبلے ہوئے دودھ میں کدوکش کی گئی گاجروں کو شامل کردیں۔ اسے درمیانی آنچ پر پکائیں جب گاجریں دودھ میں اچھی طرح حل ہوجائیں اور دودھ گاڑھا ہوجائے تو اس میں چینی اور پسی ہوئی الائچی ڈال دیں۔ کشمش اور کٹے ہوئے بادام کو سجا کر گاجر کی کھیر پیش کریں۔

نشاط کامران...... کراچی

بیوٹی گائیڈ

روبین احمد

جلد کو ٹائٹ کرنے کا طریقہ

ماہر جلد، جلد کو کسنے اور تنگ کرنے کے لیے کئی طریقے استعمال کرتے ہیں مگر کچھ ایسے نسخہ جات بھی ہیں جنہیں آپ گھر میں بھی استعمال کرسکتی ہیں اگر آپ کسی ماہر کی خدمات حاصل نہیں کرنا چاہتی ہیں تو گھر پر ہی سب کچھ ہوسکتا ہے یہ طریقہ کار لوشن سے لے کر وٹامن اور کولجن پروڈکٹس تک مشتمل ہے اور اس میں کاسمیٹک سرجری بھی شامل ہے۔

اسکن کو کسنے یعنی ٹائٹ رکھنے والی کریم کو آپ ساری زندگی استعمال کریں مگر دیکھنے والی بات یہ ہے کہ آپ اس کا استعمال کریں یا نہ کریں ایک وقت میں آپ کی عمر آپ کی جلد کو بہر حال متاثر کرے گی۔ دھوپ اور عمر کی بڑھوتری جلد میں کولجن کو کم کردیتی ہے جو آپ کی جلد کو نرم اور ملائم رکھتا ہے اور ایک بھرپور لک دیتا ہے جیسے جیسے اس کی مقدار کم ہونے لگتی ہے اسی مناسبت سے آپ کو جلد کسنے کے طریقے پر عمل کرنے کی ضرورت پڑنے لگتی ہے۔

بلاشبہ اس میں سے بہترین انتخابات کاسمیٹک سرجری ہے خوش قسمتی سے جو خواتین سرجری نہیں کرانا چاہتی ہیں ان کے لیے کچھ متبادل کا انتظام ہوگیا ہے مثال کے طور پر بوٹوکس انجکشن ہے جس کو لگانے سے جلد کھنچ جاتی ہے اور شکنیں دور ہوجاتی ہیں اور بھی دوسرے طریقے ہیں وہ بھی انجکشن کے ذریعے کھال میں ڈالے جاتے ہیں، جلد سے لکیریں دور کرنے کے لیے ایڈیو پوز کا بھی استعمال کیا جاتا ہے اس پروسیس کو تھرم اتیج کہا جاتا ہے ایک اور طریقہ ٹائی ٹین کہلاتا ہے جس میں انفراریڈ شعاعیں استعمال کی جاتی ہیں لیزر ٹیکنالوجی میں مسلسل اضافہ ہورہا ہے اور دیگر شعبوں کے ساتھ ساتھ سرجری میں بھی اس کا استعمال کیا جارہا ہے۔

اس ٹیکنالوجی سے فائدہ اٹھانے سے پہلے کسی ماہر جلد سے لازمی مشورہ کرلیں بہت سے اچھے لوشنز اور کریم پروڈکٹس ہیں جو چہرے اور جسم پر لگائی جائیں تو بہت فائدہ ہوتا ہے سرجری آخری آپشن ہے اور عموماً پیٹ، ران اور فیس لفٹ کے لیے سرجری کرائی جاتی ہے اور اس سے مرد اور عورت دونوں یکساں فائدہ اٹھاتے ہیں۔

ہالہ سلیم...... کراچی

میک اپ کرنے کا آسان طریقہ

سب سے پہلے اپنے چہرے پر ایک چٹکی بھر سوڈا بائی کاربونیٹ ملیں پھر پانی سے اچھی طرح دھولیں پھر برف کا ٹکڑا لے کر اسے پورے چہرے پر اچھی طرح ملیں۔

گہری رنگت کی حامل خواتین کے ساتھ اکثر یہ مسئلہ درپیش رہتا ہے کہ ان کے گالوں کی رنگت تو مناسب ہوتی ہے مگر پیشانی سے تھوڑی تک کا باقی حصہ گہری رنگت کا ہوتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ آنکھوں کے نیچے استعمال ہونے والا کنسیلر ہلکے رنگ کا ہو البتہ پیشانی اور تھوڑی کے دیگر حصوں پر نسبتاً گہرا رنگ استعمال کریں اور کنسیلر سے دو شیڈ گہرا فاؤنڈیشن ہلکی رنگت والی جگہوں پر لگائیں۔

پین اسٹک

پورے چہرے پر پین اسٹک ایک جیسا لگائیں اور اسے گردن اور گالوں پر بھی استعمال کریں۔

پین کیک

گیلے اسفنج کی مدد سے چہرے پر پین کیک لگائیں اور آہستگی سے پورے چہرے پر اسے پھیلادیں۔ اسے بھی گردن اور کانوں پر لگائیں۔

گالوں کو خوبصورت بنائیں

گالوں کو خوب صورت رنگت کے لئے دارچینی کے رنگ کا بلشر استعمال کریں۔ بہتر نتائج کے لئے بڑے برش کی مدد سے آہستہ آہستہ بلشر لگائیں۔

ہونٹوں کی خوب صورتی کے لئے

اگر آپ کے ہونٹ کھردرے یا پھٹے ہوئے ہوں تو کوئی بھی کریم کی ویسلین کا استعمال باقاعدگی سے کریں۔ ان پر لپ سیلو (LipSalve) لگائیں زائد لپ سیلو ٹشو پر آؤٹ لائن بنائیں اور پھر اس آؤٹ لائن کے اندر رنگ کی لپ اسٹک لگائیں اگر چاہیں تو ہلکے رنگ بھر کر استعمال کرسکتی ہیں۔

مسکارا

پلکوں کو دیدہ زیب بنانے کے لئے مسکارا استعمال کریں۔ سب سے پہلے دونوں آنکھوں کی اوپری پلکوں پر مسکارا کا ایک کوٹ لگائیں اور خشک ہونے تک انتظار کریں۔

اگر مسکارا لگانے سے پلکوں کے بال گچھے کی شکل اختیار کرلیں تو انہیں احتیاط سے الگ الگ کرلیں۔ اس کے لئے عام ٹوتھ برش استعمال کریں۔

آئی برو

گہرے براؤن رنگ کی آئی پنسل استعمال کرکے آئی بروکو خوب صورت بنانے پر زور دیں۔

پلکیں

بہتر یہی ہے کہ مصنوعی پلکیں استعمال نہ کریں۔ اس سے چہرے کے مجموعی تاثر پر اثر پڑسکتا ہے۔ لیکن اگر کسی وجہ سے مصنوعی پلکیں لگانا ضروری ہوتو اس کے لئے مناسب سائز کی پلکیں استعمال کریں۔ خیال رہے کہ اسے ٹوئزرز کی مدد سے چپکا دیں۔ اور پھر مسکارا کی مدد سے مصنوعی اور اپنی حقیقی پلکوں پر برش کریں۔

موسم سرما میں موئسچرائزر کی ضرورت نسبتاً زیادہ ہوتی ہے۔ ایسے میں سردیوں کے شروع ہوتے ہی اپنی شخصیت پر خاص توجہ دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ قارئین بہنیں بھی اوپر دی گئی "ٹپس" تدابیر اختیار کرکے موسم سرما میں ہی نہیں بلکہ "ہر موسم" میں اپنے حسن کو برقرار رکھ سکتی ہیں۔ "ضرورت صرف تھوڑی سی توجہ دینے کی ہی تو ہے۔"

حریم زہرا......کراچی

"عرق گلاب"

سردیوں کا آغاز ہوتے ہی انسانی جلد خشکی کا شکار ہوجاتی ہے جس سے چہرے کے خدوخال میں کھنچاؤ کی سی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے اور جلد پھٹنے لگتی ہے۔ سردیوں میں چہرے کے علاوہ ہاتھوں کی جلد بھی بُری طرح متاثر ہوتی ہے۔ جوں جوں سردی بڑھتی ہے چہرے کے علاوہ پورے بدن پر جلدی بیماریاں ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ جن سے بچاؤ کیلئے مختلف قسم کے طریقہ علاج آزمائے جاتے ہیں۔ جلد کی حفاظت کے لئے بازار میں بہت سے ایسے موئسچرائزر دستیاب ہیں جو جلد کو صحت مند بنانے کے بجائے اس کو خراب کردیتے ہیں۔ گزشتہ دو تین دہائیوں سے جلد کی حفاظت کے لئے مصنوعی اجزاء سے تیار کردہ لوشن عام مل رہے ہیں۔ جنہیں ڈاکٹر حضرات انتہائی مضر صحت قرار دیتے ہیں اور انسانی جلد کے لئے ان کا استعمال سختی سے بند کردیتے ہیں۔ البتہ ڈاکٹر حضرات عرق گلاب کو جلدی بیماریوں کے لئے استعمال کرنے کی تجویز دیتے ہیں عرق گلاب کھانے اور پینے کی اشیاء میں بھی استعمال ہوتا ہے اور یہ جلدی امراض کے علاوہ بھی بہت سے امراض میں کارآمد تصور کیا جاتا ہے البتہ سردیوں کے دوران انسانی جلد بالخصوص عورتوں اور بچوں کی جلد کو اگیزیما' الرجی اور پھٹنے سے جو عوارض لاحق ہوتے ہیں' عرق گلاب ان کے لئے ایک مؤثر دوا کا کام کرتا ہے۔

عرق گلاب انسانی جلد کے لئے ایک گوہر نایاب ہے اور جلدی امراض کے ڈاکٹر انہیں متعدد بیماریوں کے لئے استعمال کراتے ہیں۔ مثلاً

☆ عرق گلاب جلد کی قوت مدافعت بڑھاتا ہے۔ یہ جلد میں پانی کی صحیح مقدار قائم رکھنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے' جس کی وجہ سے جلد ملائم' چمکدار اور ہموار رہتی ہے۔

☆ عرق گلاب جلد سے پانی کے ضرورت سے زیادہ اخراج کو روکتا ہے' عموماً گرمیوں کے دنوں میں جنہیں زیادہ پسینہ آتا ہے' عرق گلاب کا استعمال انہیں پسینہ کی بدبو سے نجات دلاتا ہے۔

☆ سردیوں میں انسانی جلد بہت خشک ہوجاتی ہے' جس کی وجہ سے جلدی امراض مثلاً اگیزیما لاحق ہوجاتا ہے' عرق گلاب اس بیماری سے بچاتا ہے۔

☆ سردیوں میں بچوں کے چہرے پر سفید اور کھردرے نشان بن جاتے ہیں جن کو عموماً کیلشیم کی کمی سمجھا جاتا ہے' حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ یہ نشان (PITYRIASIS ALBA) کہلاتے ہیں جو ایک جلدی بیماری ہے۔ عرق گلاب کے مسلسل استعمال سے نہ صرف اس مرض کا علاج ممکن ہے بلکہ اس مرض کی روک تھام کیلئے بھی قدرتی دوا سستی اور مؤثر ترین ثابت ہوتی ہے۔ ڈاکٹر عرق گلاب اور گلیسرین برابر مقدار میں ملا کر بچوں کے چہرے اور جسم پر لگانے کی ہدایت کرتے ہیں۔

فیکٹریوں میں کام کرنے والے مزدور' مستری' راج وغیرہ ایسے لوگ ہیں جن کو سیمنٹ اور کیمیکلز سے الرجی ہوجاتی ہے۔ ان کی جلد سرخ اور سخت ہوکر پھٹ جاتی ہے جبکہ ہاتھ پاؤں بھی پھٹ جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ کام نہیں کرسکتے۔ اس خوفناک مرض سے نجات کیلئے عرق گلاب میں گلیسرین کی آمیزش کرکے انہیں دوائی استعمال کرائی جاتی ہے۔

ملیحہ طارق......اسلام آباد

نیرنگ خیال

ایمان وقار

پہلا انعام
نظم

صبح سے یہ پر کیف ہوائیں
گیت خوشی کے گا رہی ہیں
فضا میں اک عجب سی سرمستی
چھا رہی ہے
ہر کوئی مسرور بہت ہے
جتنے بھی ہیں چاہنے والے
تحفے دعا کے بھیج رہے ہیں
امبر سے اک تارہ اترا
چاند سے روشنی لے کر آیا
میں بھی یہ سب حیرانی سے دیکھ رہی تھی
صبح سے یہ ساری ہلچل
سوچ رہی تھی آج آمد ہے یہ کس کی
پھر میں نے پھولوں سے پوچھا
کیوں ہے آج یہ اتنی ہلچل
پھول اور کلیوں نے دھیرے سے
میرے کانوں میں بولا
آج آیا تھا پیارا ''آنچل''
آنچل کی اس سالگرہ پہ ساری فضا ہے
جھلمل جھلمل
میں نے دعا کو ہاتھ اٹھائے ''آنچل'' میرے لفظوں کی
خوشبو سے
ہر پل مہکتے رکھنا میرے خدایا
اس کے سارے سلسلوں کو اجلا رکھنا، میرے خدایا
ادب کے امبر پر چمکے، بن کے روشن
ایک ستارہ
سدا رہے ساتھ ہمارے

ہم سب کا یہ ''آنچل'' پیارا

صبا جراں......بحرین

دوسرا انعام
نظم

''ذہن ووجدان کا روزن
خلوص ومحبت کا دیا
روح وقلب کو کرے
اپنی روشنی سے منور
جو آئے اس آنچل تلے
وہ سیکھ لے زندگی جینے کے فن
پیارے آنچل کے ستاروں
ہمیشہ جگمگاتے رہو شاد رہو
تمہی کے دم سے ہے آنچل
اور آنچل کے دم سے ہی تم اور ہم ہیں
اپنے پیارے آنچل کی
اس سالگرہ پر
دل سے نکلے ہیں جو لفظ
دعا کے لبادے میں لپیٹے ہیں
سدا یونہی روشن چمکتا ستارہ بن کے رہو
آباد رہے ہمیشہ یہ ادبی بزم آنچل
بوجہ اس کے نجانے
کتنے لوگوں پر ہے آگاہی کا آنچل

ارم شہزادو......لاہور

دوسرا انعام ۲
غزل

بہاروں کے آنچل، نظاروں کے آنچل
زمین، چاند، سورج، ستاروں کے آنچل
سمندر کی لہروں، کناروں کے آنچل
حسین وادیوں، آبشاروں کے آنچل
پھلوں، پھولوں کی سب قطاروں کے آنچل
گھٹاؤں، برستی پھواروں کے آنچل
وفاؤں کے اونچے میناروں کے آنچل

محبت کے سب استعاروں کے آنچل
تمہیں سال گرہ بہت ہو مبارک

شہباز اکبر الفت...... لاہور

دوسرا انعام ۳
پیارا آنچل

ادب کی کہکشاں کا
چمکتا ستارہ ہے
بہت منفرد بہت
پیارا آنچل ہمارا ہے
ایک گلدستہ ہے یہ
خوبصورت تحریروں کا
اور عمدہ لوگوں نے
اس کو سنوارا ہے
ہر سلسلہ کمال اور
ہر سرورق ہے عمدہ
جتنا اندر سے دلکش
باہر سے بھی اتنا پیارا ہے
ہے ہر تحریر دل پذیر
اور سبق آموز اس کی
کچے ذہنوں کو کیا
خوب اس نے نکھارا ہے
جو پڑھ لے اس کو ایک
بار دیوانہ ہو جاتا ہے
آنچل بن جاتا ہر
قاری کا دلارا ہے
ہے سالگرہ اس ماہ
ہمارے آنچل کی
اور میرا دل بے اختیار
ہو کر یہ پکارا ہے
کرے یہ دن دگنی ترقی
اور آگے بڑھتا جائے
کہ ہر قاری کو یہ جان
سے پیارا ہے

شاعرہ: فرح بھٹو...... حیدر آباد

تیسرا انعام
نظم

کیسے بیتا پل پل ہے
یادوں سے اس کی بوجھل ہے
ہر اک یاد میں سو رنگ ہیں
رنگوں کی بارات بجی ہے
پھولوں کی خوشبو بکھری ہے
دیکھو ہم کو یاد ہے نا
آج اسکی سالگرہ ہے نا
دلوں پہ جو کرتا ہے حکومت
لفظوں میں جس کی جان ہے نا
تھوڑا سا تو لگتا ہے سنجیدہ
ویسے بڑا چنچل ہے نا
میں تو پورا سمجھ گئی ہوں
تم بھی یقیناً بوجھ چکی ہو
یہ پیارا آنچل ہے نا
تھل کے دے دو اس کو مبارک
آنچل کی سالگرہ ہے نا

طیبہ عنصر مغل...... راولپنڈی

نظم

یہ دن بہت خاص ہے شاید
سب کے دل کی آس ہے شاید
آنچل کا سایہ سب پہ فگن ہے
سبھی دل سے دعاؤں میں مگن ہیں
چمکتا رہے ادب کے آسماں پہ
روشن ستارہ یہ جہاں پہ
دیتے ہیں دل سے اس کو مبارک
سب کو ہے آنچل سے بہت محبت
سجاتا ہے سب کے ادبی پارے
مریم عروج افشاں شہباز الفت سارے

ہیں اس کے دم سے چمکتے تارے
سدا رہے یہ دل میں ہمارے
خدایا تو رکھنا سدا اپنا کرم
سایہ رہے آنچل کا ہم پہ قدم بہ قدم

ارم فاطمہ......لاہور

نظم

دکھوں کی دنیا میں
ستارے آباد ہیں
آنچل کے سائے تلے
ہم بھی ساتھ ہیں
دکھ سکھ جہاں ملتے ہیں
سپنوں کی سوغاتیں ہیں
کرداروں کے ساتھ ہنستے
وہیں آنسو ساتھ ہوتے ہیں
دکھ تو ہم کو بہت
سکھ سب کو بہت
آنچل تلے ہمیں
سب بھلا کر غم
یک جان ہو جاتے ہیں
جذبات یکساں ہو جاتے ہیں
اصلاح میں کردار کی
پختہ ہو جاتے ہیں......!
آنچل کے سائے تلے
ہم سب سکھی ہو جاتے ہیں

نرمین سرھیو......حیدر آباد

سالگرہ

آج ہے اس کی سالگرہ
جو ہے
ادب کی دنیا کا روشن ستارہ
دھنک کے سات رنگوں جیسا
پھولوں کے گلدستوں جیسا
تتلی کے خوبصورت پروں جیسا
آسمان پر چمکتے ستاروں جیسا
صبح کی روشنی کے جیسا
محبت میں وفاؤں کے جیسا
نام ہے اس کا پیارا
آنچل
سالگرہ ہو مبارک آنچل

طیبہ شیریں......کوری خدا بخش

نظم

آؤ دست رنگی آنچل لہرائیں
آؤ دیپ راہوں میں جلائیں
گا کر گیت خوشی کے
مل کر سب جشن منائیں
کہ آج سالگرہ ہے آنچل کی
اس آنچل کی
جس نے اپنی تحریروں سے
بدل دیا سب کا جیون
جس کی خوشبو سے مہکتا ہے
علم و ادب کا چمن
جو ہے سب کے دل کی دھڑکن
جس کے ذکر کے بغیر ادھوری ہے
ہر انجمن
جس کی قابلیت کو مانتے ہیں
دوست ہو یا دشمن

افشاں شاہد......کراچی

غزل

مبارک خوشی کا دن ہو پیارے آنچل
سدا تم مسکراؤ پیارے آنچل
دھنک کے سارے رنگوں سے
سدا خود کو سجاؤ میرے آنچل
لفظوں کی چاشنی سے ہوتی رہے روشنی
یونہی سالگرہ مناؤ پیارے آنچل
ہر ایک دن ہو حاصل عروج بڑھ کر

خوشی سے مہکاؤ سدا سارے آنچل
جو تم آگئے ہو بہار آگئی ہے
بہاروں کے جیسا مسکراؤ پیارے آنچل

ہاجرہ عمران خان...... لاہور

نظم

دنیائے ادب کا
شہنشاہ لگتا ہے
یہ آنچل مجھے
کہکشاں لگتا ہے
شاعروں کی
تخیل بھری زندگی کو
یہ آنچل ہمیشہ
نکھار دیتا ہے
ہر گھر میں
چرچا ہے آنچل کا
خدا اس طرح سے
عزت ہر ماہ دیتا ہے
اپنی سالگرہ کے دن بھی
ہمیں یاد رکھتا ہے
یہ آنچل مجھے
مہربان لگتا ہے
میری دعا ہے
یہ پروردگار سے
آنچل کو کامیابیاں
بے شمار دے
(آمین)

سیدہ عروج فاطمہ...... ملتان

نظم

سن ری بہنا...... سن رے بھائی
آنچل کی پھر سالگرہ آئی
اس کا ہر ہر لفظ پیارا
جیسے افق پہ چمکا تارا

اس میں اچھے ناول سارے
لکھتی ہیں بہنیں افسانے پیارے
میں نے لیکن پڑھا بہت کم
لیکن پھر بھی یاد ہے ہردم
اس کا ٹائٹل دیدہ زیب
اس میں باتیں دلفریب
رات کو نیند کسی کو نہ آئے
جب تک اس کو پڑھ نہ پائے
اچھا آنچل پیارا آنچل
دل کو بھائے ہمارا آنچل

غلام یاسین نوناری...... چوک سرور شہید

نظم

آنکھوں میں بہت سے رنگ لے کر
دیکھا جو آسمان کی طرف
دور چمکتا ایک ستارا، آنچل ہمارا
دھیرے سے مسکرا کے دیکھا
ہلکی سی چھب دکھاتا
اور پھر بادلوں میں چھپ جاتا
دور چمکتا ایک ستارا، آنچل ہمارا
دعا کو ہاتھ اٹھائے
تو مانگی بس یہی دعا
یونہی بلند رہے سدا
دور چمکتا ایک ستارا، آنچل ہمارا

دلکش مریم...... چنیوٹ

غزل

دھنک کے رنگوں سے سجا آنچل
چاہت کے دھاگوں سے بنا آنچل
گلوں کی خوشبو سمیٹے ہوئے ہے
بھینی بھینی مہک سے مہکا آنچل
سالگرہ کی خوشیاں ہوں مبارک
سدا ہی خوشیاں بانٹتے رہنا آنچل
میرے کیک کے ذائقے انوکھے

جیسے چھپا، کھٹا، میٹھا آنچل
زندگی کی دھوپ، چھاؤں میں
سنگ سنگ رہتا ہے میرا آنچل
ریحانہ اعجاز.....ڈیفنس کراچی

سالگرہ

سالگرہ ہے اس
رنگ بکھیرنے والے کی
جس نے صبح کو
نکلنے والے سورج کی مانند
ہر سو بکھیری
روشنی کی وہ کرنیں ہیں
جن کی روشنی میں نہا کر
ہر لفظ روشن ہر تحریر چمکدار ہوئی
دھنک کی مانند بکھرے
رنگا رنگ آنچل کو
سدا روشنی بکھیرنے کی
دعا دیتی ہوں
ہاں اس موقع پر میں
تمہیں اپنے آنچل کے رنگ بھی
سوغات دیتی ہوں
کبریٰ نوید.....لاہور

سالگرہ مبارک

تمہارے جنم دن پر
اک بات سوچ رہا ہوں
میں سارے جہاں کو کھوج رہا ہوں
کہ تمہیں کیا تحفہ دوں
کوئی رنگ برنگا جوڑا
یا پھر چوڑیاں
لیکن ان سب چیزوں سے
تمہارے لبوں پر مسکان نہیں آتی
پھر مجھ کو اک خیال آیا
میں تمہارے لیے آنچل لے آیا

اب جو تم مسکراتی ہو
کہانیاں پڑھ کر ہو جاتی جذباتی ہو
پھر میرے خیال میں آ جاتی ہو
تب آنچل کے لیے دل سے بے ساختہ دعا نکلتی ہے
کامیابیوں کی راہوں پر اس کے مقدر کا ستارہ چمکے
میں یہ التجا کرتا ہوں
رب سے دعا کرتا ہوں
ہمارا آنچل یونہی چمکتا دمکتا رہے
سید عبادت کاظمی.....ڈیرہ اسماعیل خان

تمہاری سالگرہ پر

ہزاروں لفظ ہیں
ہمنوا میرے
ہزاروں مسکراہٹیں ہیں
جو تیرا نام سن کر
لبوں کو آباد کرتی ہیں
دعاؤں کے سیلاب
ہیں اُمڈ آتے
کہ اک تم ہی تو ہو
جو اپنی تحریروں سے
میرا آنچل خوشیوں سے
ہو بھر دیتے
میری بے رنگ ساعتوں میں
چند پل کو
کنول جو کھلا دیتے
تمہاری سالگرہ پر
ہے یہ دعا میری
کہ تم آسمانوں پر
اڑتے جاؤ
بلندیوں کی دہلیز کو
تم چھوتے جاؤ
طوبیٰ عجائب.....باغ آزاد کشمیر

غزل

تمہاری سالگرہ جب سے مجھ کو یاد آئی ہے
تب سے سوچ رہی تمہیں کیا پیش کروں
تمہیں دل سے نکلتی یہ دعا پیش کروں
تمہارے ہاتھ بڑھے کامیابیوں کو چھولیں
کسی ناکامی کا تمہارے ہاں ذکر نہ ہو
تمہیں عروج اتنا ملے اے آنچل
تمہیں پھر کسی زوال کی فکر نہ ہو

اردشمہ خان عروش...... بہاول پور

سالگرہ مبارک ہو

اے دوست سنو......
تمہیں سالگرہ مبارک ہو
ہر سالگرہ کا دن
تمہارے لیے ڈھیروں خوشیاں لائے
ہمیشہ کامیابی تم سے پہلے
تمہاری منزل پر آئے
اس سالگرہ کے دن میں
میں تم سے بہت دور ہوں
سوچا تھا ساتھ میں
منائیں گے یہ سالگرہ
سنو......
تمہیں اس سالگرہ کے موقع پر
تحفہ تو نہیں
دعا ضرور دوں گی
کہ......
تم ہمیشہ خوش رہو
آباد رہو
تمہیں کبھی خوشیوں کی کمی نہ ہو
اور صدا مسکراتے رہو آمین

سیدہ فائزہ رازق...... گھڑی سیداں

ساتھ

کبھی تسبیح کو دیکھا ہے
سبھی دانے الگ ہو کر بھی
ہر دم ساتھ رہتے ہیں
یہی تعلق ہمارا ہے
بظاہر ہیں الگ لیکن
دلوں میں ساتھ رہتے ہیں
سدا اک دوسرے کے نام کی
تسبیح پڑھتے ہیں
اسی کو روح کا بندھن اسی کو چاہ
کہتے ہیں
اسی کو ساتھ کہتے ہیں
عمر کی آخری سرحد اور زندگی کی آخر
سانس تک چلنے والا "سچا ساتھ"

ثانیہ جہاں...... ڈسکہ، سیالکوٹ

غزل

اب راتوں میں وہ تازگی ہی نہیں
جیسی ہوتی تھی روشنی ہی نہیں
لوگ بدلے ہیں رت بھی بدلی ہے
اب وہ پہلے سی زندگی ہی نہیں
ان سے ملنے کی آس ہے دل میں
جن سے پہلے کبھی ملی ہی نہیں
وقت کیسا یہ مجھ پر آیا ہے
ہنس رہی ہوں مگر خوشی ہی نہیں
جس میں خوشیوں کا راج ہو ہر سو
زندگی مجھ کو وہ ملی ہی نہیں
وہ سکوں کی گھڑی جو راس آئے
میری تقدیر میں لکھی ہی نہیں
کیسی رت ہے عجیب ساون کی
جس کی بارش سے دوستی ہی نہیں
کیوں دعائیں اثر سے خالی ہیں
ہم میں پہلی سی بندگی ہی نہیں

یاسمین کنول...... پسرور

biazdill@aanchal.com.pk

دوستی کا پیغام آئے

ہما احمد

چاند چہرے اور ستارہ آنکھوں والی عزیز بہنوں کے نام

تسیم سکینہ صدف، فریدہ جاوید، فریدہ خانم، کاجل شاہ، تسیم نیازی، پروین افضل شاہین، ریحانہ آفتاب، کوثر خالد، ام مریم، سپاس گل، نزہت جبیں ضیاء، باجی نگہت غفار اور سب بہنیں، اللہ تعالیٰ آپ سب کو ہمیشہ خوش و آباد رکھے آنچل کے ساتھ جڑے رہیے آنچل اوڑھے رکھیے کہ آنچل کا تقدس قائم رہے اور آنچل قائم و دائم رہے۔ پاکستان کا ہر قاری دکھوں اور غموں سے دور خوشیوں بھری زندگی گزارے آمین۔

فصیحہ آصف خان...... ملتان

جویریہ طالب اور آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! جویریہ تمہیں سالگرہ مبارک ہو 21 مارچ کو تمہاری برتھ ڈے تھی اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہر قدم پر کامیابیاں اور خوشیاں عطا کرے اور کوئی غم تمہارے نزدیک نہ آئے آمین۔ ارم کمال، طیبہ نذیر، تاراشاہ، مدیحہ نورین مہک، سپاس گل، ایس بتول شاہ، دلکش مریم، شاہ زندگی، فوزیہ سلطانہ، پروین افضل شاہین، بتول شاہ اور دعائے سحر آپ سب لوگوں سے دوستی کرنا چاہتی ہوں، پلیز جواب ضرور دینا رب راکھا۔

شگفتہ قمر...... چوآسیدن شاہ

بہت ہی پیاروں کے نام

سب سے پہلے میں بات کروں گی اپنی معصوم اور ملنسار محبت کرنے والی نند فریدہ جاوید فری کی وہ بہت ہی محبت دیتی ہیں ان کے لیے ہر نماز میں ان کی صحت یابی کے لیے دعا کرتی ہوں میں بھی اور میرے میاں جانی پرنس افضل شاہین بھی۔ زنیرہ طاہر زونی آپ کا سلام میں نے بھی قبول کیا اور آپ کے بھائی پرنس افضل شاہین نے بھی اور ہاں آپ جب ہمارے سر 90 ایف ایم ریڈیو بہاولنگر پر ہمارے نام سلام بھیجتی ہیں تو ہمیں بہت ہی اچھا لگتا ہے آج کل آپ کیا کررہی ہیں؟ ماریہ کنول ماہی! چلیں میرے میاں یاد نہیں کرتے آپ تو کرتی ہیں ناں۔ کوثر خالد! میرے لیے دعا کرنے کا شکریہ۔ نجم انجم اعوان! کیا واقعی میرے میاں ایسا ہی کرتے ہیں؟ گل مینا خان! کیا واقعی قدر کھو دیتا ہے روز کا آنا جانا۔ نورین مسکان سرور، اقصیٰ کشش! میں ٹھیک ہوں آپ کیسی ہیں۔ ماہ رخ سیال، رشک حنا! ارے میں نے ویسے ہی مذاق میں کہہ دیا تھا آپ نے تو بالکل دل پر لگالیا۔ میری بہنا شبنم کنول! آپ میری بہنوں کے جیسی ہیں بے فکر رہیں، ہماری دوستیں ایسے ہی کامیابی سے چلتی رہے گی۔ نازیہ کنول نازی آپ کو نند کی شادی کی دلی مبارک باد قبول ہو۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

ہزارے دی شہزادیاں دے ناں

السلام علیکم! امید ہے میرے شہر کی بچیاں کجھ نکیاں تے کجھ وڈیاں ٹھیک ٹھاک ہوں گی۔ سب سے پہلے پیاری نورین مسکان سرور کیسی ہیں آپ؟ جی میں انعم خان کی چھوٹی بہن ہوں، اب آئی ہوں سلمیٰ عنایت حیا آئینہ میں آپ کا نام بہت لیٹ پڑھا، مجھے لگا تھا کسی نے جواب نہیں دیا لیکن آپ کو پڑھ کے اچھا لگا۔ آپ کی دعاؤں کا بہت شکریہ، میں خود کے پی ایس کی ہوں اس لیے مجھے آپ کی خوشی زیادہ ہوتی ہے، لکھتی رہیے اور ہمیشہ خوش رہیے۔ سامعہ ملک پرویز کس آپ کی اسٹوڈنٹ سے آپ کے بارے میں سن کے بہت خوشی ہوئی آپ کے جواب کا انتظار رہے گا ان شاء اللہ۔

کنول خان...... ہری پور ہزارہ

ڈائمنڈ بوائے اینڈ پیاروں کے نام

السلام علیکم! ریڈرز رائٹرز اینڈ اسٹاف آنچل والوں کیسے ہیں، کیسے مزاج ہیں آپ سب کے؟ میں نادیہ تبسم آپ سب سے، جس ہستی کے نام یہ لکھنا چاہتی ہوں وہ میری بہت ہی عظیم ہستی ہے۔ ارے ارے رکو تو سہی اتنی بے صبری اچھی نہیں ہوتی صبر سے کام لینا چاہیے۔ ارے تانیہ میڈم آپ بھی ذرا صبر سے کام لو۔ السلام علیکم! پیارے بھیا جانی کیسے ہیں؟ آپ کے مزاج کیسے ہیں اور آپ کے بیوی بچے کیسے ہیں؟ چلو وہ تو ہمارے پاس ہی ہیں ان کا میں آپ کو بتادیتی ہوں۔ وہ تینوں ٹھیک ٹھاک بلکہ فٹ فاٹ ہیں آپ کو بہت مس

کرتے ہیں۔ آپ کا بیٹا ننھا عبید اللہ انصاری آپ کو بہت مس کرتا ہے آپ اب واپس آجائیں "بحرین کو کچھ دنوں کے لیے خیر باد کہہ دیں۔ امی جان آپ کو بہت یاد کرتی ہیں آپ کی تینوں بہنیں بھی آپ کو بہت زیادہ مس کرتی ہیں کریں کیوں نہ جی آپ اکیلے بھائی ہیں ان کے آپ میں تو تینوں کی جان بستی ہے۔ پیارے پاپا جانی اور ماما جانی آپ کیسے ہیں؟ آپ پریشان ہورہے ہوں گے کہ مجھے کوئی نہیں یاد کررہا۔ ماما جی آپ کی صحت کچھ فٹ نہیں رہتی اب۔ ماما جی آپ ٹینشن نہ لیا کریں حالات ان شاء اللہ ٹھیک ہوجائیں گے۔ پریشان ہوکر خود اپنی ہی صحت خراب ہوجاتی ہے بلکہ پیارے بھیا جانی کے لیے دعا کیا کریں اللہ تعالیٰ ان کو لمبی حیاتی عطا فرمائے آمین۔ ارے ارے ننھے بچوں عبید اور ننھی فاطمہ آپ لوگ کیوں اتنے پریشان اور منہ کھول کر دیکھ رہے ہو آپ کی پھوپو آپ کو بھی یاد کرلیتی ہے۔ کیسے ہیں آپ اور آپ کی اسٹڈی کیسی جارہی ہے؟ کچھ کھایا پیا کریں تھوڑے فٹ ہوجائیں ننھے عبید اللہ تم باتیں کم کیا کرو اوکے اللہ حافظ پھر ملاقات ہوگی۔

نادیہ تبسم......ڈسکہ

میرے کچھ اکڑو شلو کے نام

پیاری بہن طیبہ ڈیئر فرینڈز طیبہ سعید اقراء فضل منیبہ نمرہ ثناء ولایت خدیجہ کنزہ نورین مقدس بشیر اور کیوٹ سی مس انور افشاں کے نام سب کے لیے میری جانب ایک ایک جملہ۔ مسٹر طیبہ! خدا تمہیں کامیابی عطا کرے اور تمہارا ڈاکٹر بننے کا خواب پورا کرے۔ طیبہ سعید تمہارے لیے بس یہی کہوں گی کہ آپ میری بہترین اور پیاری دوست ہیں۔ اقراء فضل اور منیبہ کم ہنسا کرو اور اقراء تمہارا سوال پوچھنا مجھے اچھا لگتا ہے۔ نمرہ تمہارا مزاحیہ انداز مجھے بہت پسند ہے۔ ثناء خدیجہ اور کنزہ باتیں تھوڑی کم کیا کرو مقدس تمہاری سلام کرنے کی عادت مجھے بہت پسند ہے جسے میں کبھی نہیں بھولوں گی اور میری کیوٹ ٹیچر مس نور افشاں آپ ہنستی ہوئی بہت پیاری لگتی ہیں۔ ہمیشہ میرے لیے دعا گو رہیے گا اور مجھے گڑیا اور شہزادی کہتی رہیے گا۔ مذکورہ بالا اور میری باقی تمام دوستوں کے لیے میری مشترکہ دعا ہے کہ "اللہ آپ سب کو ہمیشہ ہنستا مسکراتا رکھے اور زندگی کے ہر میدان میں کامیابی سے ہمکنار کرے آمین۔

اقراء حفیظ......کے ٹی ایس ہری پور

گریٹ پرسنالٹی کے نام

عزیز از جان قارئین! ہم گریٹ پرنسز (ثانیہ جہاں اور بشریٰ کنول) کی طرف سے پیار محبت مٹھاس اور خلوص بھرا سلام قبول فرمائیں۔ اجی! آج ہم تینوں پرنسز ایک گریٹ پرسنالٹی کا تعارف کروانے آنچل شہر کے ایک چھوٹے سے گاؤں دوست کا پیغام آئے میں تشریف کا ٹوکرہ اٹھائے آئے ہیں۔ ریئلی آپ اس شخصیت کے بارے میں جاننے کے لیے بے تاب ہیں تو پھر ایکٹو ہوجائیں نظروں کو ادب سے جھکائیں تاکہ اس عظیم پرسنالٹی کے بارے میں سکون سے کچھ سن پائیں۔ مرحبا مس مہوش جی! کیسے مزاج ہیں؟ ہماری امیدوں کے مطابق تو آپ بالکل فائن اور فٹ فاٹ ہوں گی یہ ہیں وہ عظیم پرسنالٹی شادی کی سالگرہ کی مبارک باد۔ مس جی! جوکہ 6 مارچ کو تھی تو آج پھر آپ کی زندگی کا ایک اور خوب صورت سال اختتام پذیر ہوا۔ ہماری دعا ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ خوش وخرم رکھے آپ کے ہونٹوں کی دلفریب مسکراہٹ کبھی ماند نہ پڑے۔ زندگی کے ہر موڑ پر خوشیاں ہمیشہ آپ کے لیے دامن پھیلائے بیٹھی رہیں اور رنج والم کی آندھیاں کبھی آپ کی زیست میں نہ چلیں۔ آپ جہاں بھی رہیں خوش باش رہیں (اور آزاد رہیں) آمین ڈیئر ٹیچر جی عمرہ شریف کی مبارک باد قبول کیجیے۔ اللہ رب العزت آپ کو بار بار ایسے موقعوں سے نوازے آپ واقعی میں خوش قسمت ہیں کہ آپ اللہ پاک کا گھر دیکھ آئیں جس کو دیکھنے کی ازلی وابدی خواہش ہر مسلمان کی ہوتی ہے کیا آپ نے ہمارے لیے بھی دعائیں مانگی تھیں (سچ بتائیے گا؟)۔ ارے ارے رکو اس ننھی سی حبہ سے تو ملو جو ہماری ٹیچر مہوش کی بیٹی 90 ڈگری کے زاویے بنائے بالکل اپنی آنٹی فرح کی طرح لگ رہی ہے ہائے حبہ بائے حبہ (ہاہاہا)۔ مس جی آج آپ کو شادی کی سالگرہ وش کرتے

ایک بار پھر ماضی کی یادیں تازہ ہوگئیں۔ آج تک ہم سب وہ دن فراموش نہیں کرپائے جو آپ کی سنگت میں گزارے تھے۔ ان دنوں کی دوبارہ واپسی ناممکن ہے جیسا کہ آپ اور ہم سب جانتے ہیں جتنے عرصے آپ کے پاس پڑھا وہ دن ہمیں بھلائے نہیں بھولتے آپ کی طرح سویٹ اور ذمہ دار ٹیچر آج تک کبھی نہیں ملی اور نہ ہی آپ کی طرح ہر لحاظ سے پرفیکٹ ملے گی۔ مس جی بھیا جانی کیسے ہیں؟ میں نے مطلب ہم نے سنا ہے کہ وہ ہر وقت آپ کا پلو تھامے آپ کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں (ہاہاہا) او ہیلو بھیا جانی ہمارے ٹیچر کو ہمارے گاؤں میں گھمانے لے آئیں جب کہ آپ پاکستان آہی گئے ہیں (پیار بھرا حکم)۔ مس جی اپنی دعاؤں میں ہم نالائق اسٹوڈنٹس کو بھی یاد رکھ لیا کریں، آخر میں ہماری دعا ہے کہ آپ جہاں رہیں، خوش وآباد رہیں۔ ہماری طرف سے سب کو سلام کہیے گا اور ضرور اپنی رائے سے آگاہ کیجیے گا کہ کیسا لگا ہمارا آپ کو آنچل کے تحت وش کرنا اور آنچل کے لیے بھی دعا ہے کہ اللہ اس کو مزید سے مزید ترقی عطا فرمائے جس کی وجہ سے آج ہم اپنے پیاروں سے پیاری پیاری باتیں کرسکتے ہیں، تھینک یو آنچل جی، رب راکھا۔

تانیہ جہاں، بشریٰ کنول سرور...... سیالکوٹ، ڈسکہ

آپی جیا عباس اور آنچل فرینڈز کے نام

عزیز از جان قارئین! مابدولت کی طرف سے آنچل اسٹاف ریڈرز اینڈ رائٹرز کو خلوص بھرا سلام قبول ہو۔ پیاری جیا آپی! آج میں نے پھر الفاظ کو آپ کی خیریت دریافت کرنے کے لیے صفحہ قرطاس پر بکھیرا ہے آپ کی طرف سے پوزیٹو جواب نہ پاکر دل تھوڑا افسردہ ہوا مگر امید نہیں چھوڑی کبھی ناں کبھی تو آپ مجھے رسپانس دیں گی ناں۔ آپی آپ اپنی زندگی میں ہمیشہ شاد وفرحاں رہیں، زندگی کے ہر موڑ پر ترقی اور خوشیاں دامن پھیلائے آپ کی منتظر بیٹھی رہیں اور اللہ رب العزت آپ کو تمام درپیش مسائل سے چھٹکارا عطا فرمائے، آمین۔ مدیحہ کنول آپی آپ نے مجھ ناچیز کو یاد رکھا، جزاک اللہ خیرہ! ڈیئرسٹ سسٹر مدیحہ نورین مہک آپ نے مجھے بھی اپنی مصروف زندگی سے تھوڑا سا وقت نکال کر یاد کیا اس کے لیے اتنا ہی کہوں گی، جزاک اللہ خیرہ۔ میں امید کرتی ہوں کہ آپ آئندہ بھی اپنے چند قیمتی پل میرے لیے ضائع کرکے مجھے یاد کرلیا کریں گی، آپ کے جواب کی منتظر رہوں گی۔ لائبہ میر، دلکش مریم (کیسی ہو آپ)۔ پارس شاہ، مونا شاہ قریشی، حرا قریشی (آپ سب کیسی ہیں)۔ آمنہ رحمٰن مسکان (شکریہ آپ کا)، ایم سیال فاطمہ، صائمہ سکندر سومرو، ایس بتول شاہ، عائشہ رحمٰن ہنی (آئی لو یو آل آپیو)۔ عفوہ یونس، دعائے سحر، پرنسز اقو، نورین مسکان سرور، کوثر خالد، صائمہ مشتاق (کریں گی ناں پھر دوستی)۔ شمع مسکان، نزہت جبیں ضیاء آپی (خوش وخرم رہیں)۔ نازیہ کنول نازی، سمیرا شریف طور (انٹری دیں پلیز)۔ میں آپ سب کے جواب کی منتظر رہوں گی جہاں رہیں، شاد وآباد رہیں۔ ارم کمال (ہیلو)، پروین افضل شاہین، اقراء صغیر احمد، شبنم کنول خان (کیا آپ واقعی میں پٹھان ہیں؟) انا حب! کیسی گزر رہی ہے زندگی؟ تمنا بلوچ! اپیا ہمیں بھی یاد کرلیا کریں۔ ماہ رخ سیال، طیبہ خاور پھول، انیقہ احمد، یاسمین کنول ہائے اپیا او ہیلو جی کدھر منہ اٹھائے جارہی ہیں آپی مہوش رزاق جی، تھوڑا زیادہ کھایا کریں۔ آپی نادیہ، آپی تانیہ جہاں، آپی فرح مغل او سوہنیو ٹھیک تے ٹھاک او ناں۔ آپو گلشن، مس عذرا، مس مہوش مغل (مس جی کیا حال چال ہے اور ننھی حبہ)۔ زنیرہ مغل بڑی بے وفا ہو بلکہ ایک نمبر کی ہو۔ اقراء اعجاز، نگار شوکت، عروج اجالا عروج، قندیل، ردا، حبیبہ، رمشاء طاہر، سحر، اقراء اسلم (ہائے)۔ مریم مسکان سرور بزدل کیسی ہو (ہاہاہا)۔ برامت ماننا سسٹر! سدرۃ المنتہیٰ، اقراء ناز آپ دونوں بھی ٹھیک ہیں؟ صوبیہ سرور (خوش رہو)، آپی توبیہ اسلم باربی ڈول ہو۔ رمشاء ٹیسن کردیا ہاؤ پھر ویسے تھینکس آپ کا بہت بہت۔ ثناء شریف (بدمعاش کب سے بن گئی ہو؟) آخر میں آپ کے جواب کی منتظر رہوں گی جیا آپی پلیز رسپانس دینا، او کے۔ میری طرف سے آنچل کو سالگرہ مبارک ہو، ماشاء اللہ اتنا بڑا ہوگیا، رب راکھا۔

نورین مسکان...... ڈسکہ

پیاری پریوں کے نام

[illegible] آپ سب [illegible] امید کرتی ہوں [illegible] مجھے [illegible] آپ سب [illegible] گا۔ اقرا [illegible] آپ [illegible] سے ٹھیک بہت شکریہ کہ [illegible] اسلامیہ ڈگری کالج حافظ [illegible] آپ [illegible] عشق [illegible] آپ سب [illegible] پر نظر آ سکتی ہیں اور ہاں آپ حافظ آباد کے کون کون سے کونے میں زندگی بسر کر رہی ہیں؟ عائشہ یوسف کیا خوب صورت دی آنچل میں دل خوش ہو گیا میرا۔ نورین مسکان سرور میں نے کہاں گم ہوتا ہے یار میں سوچتی رہتی ہے گھر میں آپ بھی آ گئی تو نظر آؤں ان میں آپ کہاں ہوتی ہیں؟ آپ بہت کم کم نظر آنے لگی ہیں کیا بات ہے جناب۔ عشرت کنول [illegible] اقرا اور [illegible] پسند کرنے کا شکریہ۔ اگر آپ برا نہ مانے تو اپنا نام ذرا چھوٹا کر لیں اگر [illegible] ہو تو پھر ٹھیک ہے یار۔ مدیحہ نورین مہک کرن شہزادی، عائشہ پرویز، فاطمہ سہیل کیسی ہیں آپ سب؟ سیرا شریف آپی کہاں ہے آپ جلدی سے انٹری ماریں [illegible] کوثر خالد کیا ہی خوب [illegible] ہے میرے [illegible] لگے گا تو بہت اچھا [illegible] ہو گیا ہے کہ مجھے [illegible] جب بھی بیٹھیں [illegible] پھر ہوگی: ہماری [illegible] دوستی [illegible] پروین [illegible] آپ سے ایک بات کرنی ہے [illegible] آپ کا اللہ نگہبان ہے مجھے بات کرنی ہے آپ کو اپنے گھر بھی بلانا ہے انکار مت کریے گا آخر میں سب کو سلام۔

شبنم کنول ..... [illegible] حافظ آباد

ارم کمال کے نام

پیاری ارم [illegible] رہو سلامت رہو [illegible] آباد رہو [illegible] آنچل کے آخری صفحات [illegible] ہے ایک [illegible] تم نے آنچل کے چمکتے دمکتے ستاروں میں مجھے شامل کیا یہ میرے لیے باعث مسرت لمحات ہیں۔ چندا! چمکتے دمکتے، مہکتے، روشن روشن ستارے تو تم لوگ ہو، اور تم لوگوں کو سدا ستاروں کی مانند چمکنا دمکنا رکھے اپنے والدین کے گھروں میں بھی اپنے سسرال والوں میں۔ تم اپنے والدین اور بزرگوں کا سر فخر سے بلند کرو، دنیا میں اچھے نیک کام کرو۔ تم والدین کا بزرگوں کا بلکہ سب کا ملک وقوم کا نام روشن کرو ان سب کے لیے فخر کا باعث ہو، باقی تمام کو آنچل اسٹاف اور آنچل فیملی کو ڈھیروں دعائیں خیر کی تمنائیں، آمین، اللہ حافظ۔

مسز نگہت غفار ..... کراچی

تمام دوستوں کے نام

تمام دوستوں کو سلام امید ہے سب خوش باش اور خیریت سے ہوں گی۔ گل مینا خان آپ کو میرا نام بیسٹ لگتا ہے، تھینک یو جی۔ مجھے بھی آپ کا نام بے حد پسند ہے آپ کی ماما کی ڈانٹ کا پڑھ کر بہت ہنسی آئی۔ نجم انجم آپ نے مجھے سویٹ کہا (ہائے) آپ خود بہت سویٹ ہو۔ آپ کی بیٹی کے لیے ڈھیر سارا پیار۔ نورین مسکان سرور لکھنا جاری رکھیے گا مدیحہ نورین کیسی ہیں آپ؟ فریدہ فری صاحبہ خدا آپ کو صحت عطا فرمائے، ارم کمال جی اس بار اگر میرا تبصرہ نہیں تھا تو آپ نے بھی نہیں بھیجا، کیسی ہیں آپ؟ حمیرا قریشی اللہ آپ کا زور قلم اور زیادہ کرے ہر تحریر پہلی سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ زندگی سحر خلیل اور کوثر خالد آپ دونوں کے تبصرے تو ماشاء اللہ، ہیں بہت بہت پسند ہیں آپ دونوں۔ لائبہ میر کہاں ہو آپ؟ جلدی سے حاضری دیجیے، نجم انجم اعوان نئے گھر کے لیے مبارک باد اور مکینوں کے لیے بہت ساری دعائیں۔

ثنا رسول ہاشمی ..... صادق آباد

تمام دوستوں اور آنچل والیوں کے نام

السلام علیکم! آنچل پڑھنے والا ہر شخص مجھے دل و جان سے منظور ہے اس لیے آمنہ (چوکو) اور ناہیدہ (جوش صاحب) الفت اور نورین (بھابی) آپ کی بھی دوستی منظور ہے۔ ثنا، ٹوبیہ، گل مینا، حسینہ ستار، کرن شہزادی، سیرا سواتی، کنزہ مریم، کوثر اور کوثر تسلیم یار آپ سب بھی آنچل کے ذریعے سے

میری دوستیں ہو۔ سیدہ لوبابہ سجاد آپ سے ملنے کی خواہش ہے۔ عاصمہ اقبال آپ کو اور طیبہ نذیر کو شادی کی مبارک باد۔ حسینہ یار اپنا تعارف بھیجو نا۔ میری تمام کلاس فیلو کہاں مرگئی ہو دوستو نمبر بھی بند کرر کھے ہیں بشریٰ صفیہ یسریٰ زینب بشیر طوبیٰ سواتی، سدرہ شفیق، نوشین، ماہ نور، کنزہ سب غائب ہو۔ رابطہ کرو بے وفاؤں دعاؤں میں نام لے کر مجھے یاد رکھیں، فی امان اللہ۔

عابدہ مغل...... بھیر کنڈ، مانسہرہ

آپی جان شازیہ ہاشم کے نام

السلام علیکم! آپی جان شازیہ ہاشم کیا حال ہے ڈیئر سٹ سائرہ اینڈ نبیلہ جلدی سے اپنی شادی میں مجھے بلوالوں۔ آنچل کا حصہ بنتے ہوئے تمہیں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، امرینہ تمہاری ایشال کیسی ہے۔ ثمرینہ تمہارا بیٹا کیسا ہے؟ سلمٰی ہمارے لیے بھی دعا کیا کرو۔ میزاب قصور آپ نے دوبارہ آنچل میں انٹری ہی نہیں دی، فائزہ بھٹی آپ تو ہمارے شہر کی ہو اوکے اللہ حافظ۔

نور الشال شہزادی...... کھڈیاں قصور

این کے این کے نام

السلام علیکم! امید ہے آپ خیریت سے ہوں گی، اتنی بے رخی، اتنی بے حسی، کسی کو اپنا ہونے کا یقین دلا کر پھر یوں ذلیل کرتے ہیں؟ مجھے یقین نہیں آتا کہ آپ ایسا کرسکتی تھیں، بہت کچھ کہنے کو دل کررہا ہے لیکن پھر بھی کہا نہیں جاسکتا۔ کوئی بات نہیں ہمیشہ خوش رہیں، آمین۔ جس غلط فہمی کی وجہ سے آپ دور ہوئی ہیں وہ صرف آپ کی غلط فہمی ہی ہے، یاد رکھیے گا۔ اوکے ابھی تک اس شام کا انتظار ہے جس میں آپ کا فون آنا تھا، بائے۔

مدیحہ گل...... فیصل آباد

نورین مسکان اور طیبہ سعدیہ کے نام

السلام علیکم! امید ہے آپ دونوں بخیریت ہوں گی، میرا نام ثانیہ مسکان ہے اور میں آئی سی ایس پارٹ ٹو کی طالبہ ہوں۔ آنچل کے توسط سے آپ دونوں کو جانتی ہوں اور آپ دونوں سے دوستی کی شدید خواہش رکھتی ہوں۔ کیا آپ دونوں مجھے اپنے فرینڈز گروپ میں ایڈ کریں گی؟ آپ دونوں سے مجھے خصوصی لگاؤ ہے اور میں نے نہایت خلوص سے دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے۔ امید ہے آپ دونوں جواب ضرور دیں گی، مجھے انتظار رہے گا اور طیبہ پلیز جواب ضرور دیجیے گا۔ مس ریلی اور اریج ساجد کو سالگرہ مبارک، اللہ آپ کو ہزاروں خوشیاں عطا فرمائے اور میم آپ کو شادی کی بھی مبارک باد۔ اللہ کرے کہ آپ کی زندگی کا یہ سفر آپ کی خواہشات اور امنگوں کے عین مطابق اور پرسکون گزرے، آمین دیگر آنچل ریڈرز کو سلام، اللہ حافظ۔

ثانیہ مسکان...... تحصیل گوجر خان

لاڈو ملک اور دوستوں کے نام

عزیزی لاڈو ملک (زاہدہ ملک) تمہیں میری طرف سے دل کی تمام تر نیک خواہشات کے سنگ نکاح کی ڈھیروں ڈھیر مبارک ہو، اللہ پاک تمہیں بلال بھائی کے سنگ بہت ساری خوشیاں نصیب کرے۔ تم سدا سہاگن رہو اور پیا من بھاتی رہو تاحیات آمین، لیٹ وش کررہی ہوں پلیز ناراض مت ہونا کچھ مصروفیات کی بناء پر لکھ نہیں پائی تھی۔ انا خان کیسی ہو ناراض ہوگئی ہو، پیاری لڑکی مہوش شادی کی مبارک باد قبول کرو۔ سدا سہاگن رہو، اللہ تمہیں سدا خوش رکھے آمین۔ عافیہ چوہدری اللہ تمہاری تمام تر مشکلات دور فرما کر تمہیں بہت ساری کامیابیوں سے نوازے آمین۔ ماہ رخ سیال سسرال کب سدھار رہی ہو، شاہ زندگی کی اچانک وفات کا سن کر شاک لگا، مجھے یقین کرنے میں دقت ہورہی ہے۔ ماریہ کنول بہت سا پیار آپ کے لیے، زنیرہ طاہر ویلکم بیک ٹو آنچل فیملی۔ نجم انجم، اللہ آپ کو آپ کا اپنا مکان مبارک کرے، بہت سی خوشیاں نصیب ہوں، آمین۔ عائشہ یونس میں اللہ سائیں کے فضل سے ٹھیک ہوں، آپ کیسی ہیں؟ بشریٰ کنول بے حد شکریہ، ڈیئر اقراء لیاقت شہید دودو سومرو کی نسل سے عمرو ماروی سومرو اور صائمہ سکندر سومرو ہیں، ایک خاندان کا حصہ ہیں ہم۔ ہمارا شجرہ نسب ایک ہے، میں آپ کو نائس گرل لگی یہ آپ کا حسن نظر ہے، جزاک اللہ پیاری لڑکی۔ جاناں ملک کس دیس کی سیر پر ہو، انٹری دو آنچل میں۔ پارسا

حجاب والی لڑکی کیسی ہو؟ ایس انمول واپس آجاؤ یار! آئی مس یو۔ فوزیہ سلطانہ کہاں ہو بھئی؟ صبا نواز بھٹی (سانگھڑ) کہاں گم ہو؟ ریحانہ راجپوت آپ کے لیے بہت ساری دعائیں سارہ چوہدری کیسی ہو کہاں ہو خیریت سے ہو نہ؟ طیبہ خاور شادی مبارک ہو سدا سہاگن رہو۔ دلکش مریم کیسی ہو یار!؟ ارم کمال سلام عقیدت نواسی کو پیار فریحہ شبیر کدھر ہو آج کل؟ کوثر خالد جی سلام محبت۔ شازیہ اینڈ شہناز کس جہاں میں موجود ہو جو ہماری یاد تک نہیں آتی۔ سامعہ ملک مدیحہ کنول سرور شیقہ زمرہ عبدل تم کو سالگرہ کی بہت ساری مبارک باد اللہ پاک تمہاری عمر میں برکت عطا کرے اور تم ہمیشہ رب کے سائے تلے رہو آمین۔ آنچل تمہیں بھی سالگرہ مبارک ہو تمہارے لیے میرا ذاتی شعر شمیلا علی سومرو تمہیں بھی جنم دن مبارک ہو۔

دن بہ دن تجھ پر ہو ترقیوں کا عروج
خدا کرے کبھی تم پر آئے نہ زوال آمین

صائمہ سکندر سومرو...... حیدرآباد سندھ

عطیہ کے نام

السلام علیکم! امید ہے تم خیریت سے ہوگی عطیہ میں تمہیں بہت یاد کرتی ہوں۔ دن رات تمہاری صحت کے لیے دعائیں کرتی ہوں مہربانی ہوگی پڑھنا ضرور۔ ندا بتول تمہیں بہت یاد کرتی ہے ملنے کو دل بہت اداس ہے۔ ہر لمحہ تیری یاد مجھے ستاتی ہے مہربانی ہوگی مجھ سے رابطہ ضرور کرنا مجھ تم سے ڈھیروں باتیں کرنی ہیں میری جان عطیہ میں تمہیں دل سے یاد کرتی ہوں۔

ندا بتول..... ستیانہ بنگلہ

آنچل فرینڈز کے نام

میں سنبل ملک آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر فرداً فرداً سب کو سلام پیش کرتی ہوں۔ میں آج کسی بھی تبصرہ کے لیے حاضر نہیں ہوئی بلکہ جس طرح میں اپنے مسائل آپ سے شیئر کرتی رہی ہوں تو آج اپنی خوشی بھی آپ سب سے شیئر کروں گی۔ میں عمرہ کی سعادت کے لیے سعودیہ عرب جا رہی ہوں پروین افضل شاہین اور باقی سب کے لیے خصوصی دعا کروں گی اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مجھے خیر وعافیت سے لے کر جائے اور لے کر آئے۔ میری دیرینہ خواہش پوری ہو رہی ہے جس کے لیے میں اپنے رب کی بہت شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھ جیسی گناہ گار بندی کو اس قابل سمجھا کہ میں اس کے گھر کا دیدار کرسکوں۔ آنچل کی تمام تبصرہ نگار لکھاری بہنوں کے لیے دعائیں کروں گی والسلام۔

سنبل ملک اعوان...... ونڈالہ دیال شاہ

آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! کیسے ہیں آپ سب؟ ایک طویل عرصے کے بعد پھر سے آنچل کی محفل سجانے آگئی امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گی۔ بہت ہی پیاری فریدہ جاوید فری اللہ پاک آپ کو صحت وسلامتی دے آمین آپ نے مجھے یاد رکھا شکریہ۔ طیبہ خاور پھول آپ کو میری کمی محسوس ہوئی تو ڈئیر میں آگئی۔ نگینہ عمران آپ تو بالکل ہی کٹ گئی ہیں آنچل سے کچھ زیادہ ہی مصروف ہوگئیں آپ تو۔ اللہ خوشیاں دے آپ کو آمین۔ آپی پروین افضل میں روز نماز کے بعد آپ کا نام لے کر دعا کرتی ہوں اللہ آپ کو ڈھیر سارے بچے آمین۔ طیبہ نذیر شادی مبارک ہو اللہ آپ کی نئی زندگی میں آسانیاں لائے آمین۔ دعائے سحر کیسی ہیں آپ؟ اُف یاد آیا 15 اپریل کو نازیہ باجی اور 25 کو اسماء موٹو تمہاری برتھ ڈے ہے ہیپی برتھ ڈے۔ نازیہ باجی اللہ آپ کو بہت سے کاکے دے آمین۔ کوثر خالد آپ تو آتی ہیں اور چھا جاتی ہیں۔ مدیحہ نورین دلکش مریم کاجل شاہ عائشہ پرویز نجم انجم ارم کمال شمع مسکان کیسی ہیں آپ سب؟ حرا قریشی آپ لفظوں کی بجائے موتیوں سے تحریر بنتی ہیں وہ بھی سچے موتیوں سے آنچل کی تمام قارئین کے لیے بہت سا سلام اور دعا خوش رہیں اور خوشیاں بانٹیں۔

روبی علی..... سیدوالا

dkp@aanchal.com.pk

یادگار لمحے

جویریہ سالک

زندگی کا چراغ

دیکھو ''زندگی کا چراغ'' بہت کمزور ہے' موت کی آندھی چل رہی ہے کسی وقت بھی یہ چراغ بجھ سکتا ہے۔ موت کی تندو تیز آندھی میں زندگی کے چراغ جلتے ہیں تو کوشش کر کے دل میں اللہ کی محبت کا چراغ جلالو تاکہ جب اس عارضی زندگی کا چراغ بجھے تو اللہ کے نور کا ایمر جنسی اور دائمی چراغ تمہارے اندر جل جائے۔'' مثال...... جیسے لائٹ چلی جاتی ہے اندھیرا پھیل جاتا تو جنریٹر چلنے سے فوراً سارے بلب جگمگا اٹھتے ہیں اور چار سو روشنی پھیل جاتی ہے۔''

اے دنیا والو ''زندگی کا چراغ'' بہت ہی کمزور ہے اور ہوا بہت تیز چل رہی ہے' فوراً دوسرا چراغ جلانے کی فکر کرو۔

گناہوں سے بچ کر اللہ تعالیٰ کی نسبت کا چراغ جلاؤ کیونکہ جب آنکھ بند ہوتی ہے اور موت آتی ہے تو ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہوگا تو اللہ والوں کے دلوں میں نور الٰہی کا چراغ فوراً روشن ہو جاتا ہے۔ اے انسانوں برائیوں سے بچو اور ''زندگی کا چراغ'' بجھنے سے پہلے ایمر جنسی چراغ جلانے کی کوشش کرو۔

نجم انجم اعوان...... کراچی

گل پارے

☆ دنیا میں سب سے مشکل کام اپنی اصلاح ہے اور سہل کام دوسروں پر نکتہ چینی۔

☆ انا کا مضبوط ترین خول ہمیشہ محبت توڑتی ہے۔

☆ ایک پیسہ لاکھ نہیں ہوتا لیکن لاکھ میں سے ایک پیسہ نکال دو تو وہ لاکھ نہیں رہتا۔

☆ بہترین یادداشت وہ ہے' جس میں انسان اپنی نیکی اور دوسروں کی زیادتی بھول جائے۔

☆ سب سے آسان کام خود کو دھوکا دینا ہے کیونکہ جو بات انسان کو پسند ہوتی ہے وہ اس کو سچ سمجھتا ہے۔

☆ جس عشق کا تعلق حسن سے ہے وہ زیادہ دیر تک قائم نہیں رہتا۔

☆ رینگنے کی ساری عمر سے ایک لمحہ پرواز کا بہتر ہوتا ہے۔

☆ صاف گوئی میں نقصان کم اور فائدہ زیادہ ہوتا ہے۔

امبرین اختر...... سیالکوٹ

غیبت

ہر اس شخص سے معافی مانگو جس کی غیبت کی ہو یہ بہت بڑا گناہ ہے کیوں کہ غیبت کرنے والے کاٹ کاٹ کر جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

مدیحہ نورین مہک...... برنالی

گانے بجانے کا گناہ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ میں گانے بجانے کے سامان مٹادوں اور بتوں اور (عیسائیوں) کی صلیب کو اور جاہلیت کو ختم کردوں۔ (مشکوۃ المصابیح)

جب اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دے دیا تو پھر گانا بجانا' موسیقی' گراموفون' باجے یہ سب ہم اپنے استعمال میں کیوں لا رہے ہیں؟ کیوں گناہ کا ارتکاب کر رہے ہیں جبکہ ہم مسلمان گناہ سے بچنے کی دعا کرتے ہیں۔

فائزہ بتول...... خانیوال

سچی خوشی

سچی خوشی' جسمانی قوت اور دولت سے میسر نہیں آتی بلکہ اس کا راز سمجھ کی پختگی اور اعلیٰ کردار میں پوشیدہ ہے۔

صدیقہ خان...... آزاد کشمیر

زن و مرد

☆ مرد عورت کے لیے چاند اور تارے لانے کی آفر شاید اس لیے کرتا ہے کہ وہ اس کی ملکیت نہیں ہوتے۔

☆ عورت اپنے شوہر کے ساتھ دوسری عورت اس وقت برداشت کرتی ہے جب اسے سزا دینے کا اور کوئی طریقہ نہ آتا ہو۔

☆ مرد کی خوبی' عیب اس وقت بن جاتی ہے جب بیوی اسے بیان کرنے بیٹھ جائے۔

☆ مرد شادی کر کے کنواروں پر ہنستا ہے اور کنوارے شادی شدہ مردوں پر اور عورت ان دونوں پر ہنستی ہے۔

☆ عورت کی محبت بھی انسان کو شرابی' کبھی شاعر اور کبھی صرف شوہر بنا دیتی ہے۔

☆ مرد کو اپنی تلخ کلامی کا احساس اس وقت ہوتا ہے جب وہ بیوی سے لڑ کر اسپتال پہنچ جائے۔
☆ مرد پرندوں کو دیکھ کر ان پر رشک کرتا ہے یعنی ان کی آزادی پر۔

کرن شبیر...... کراچی

اچھی صفت

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا پردہ کی نہایت پابند تھیں ایک بار سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا۔
''بیٹی! عورت کی سب سے اچھی صفت کون سی ہے۔''
حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا۔
''عورت کی سب سے اعلیٰ خوبی یہ ہے کہ نہ وہ کسی غیر مرد کو دیکھے اور نہ کوئی غیر مرد اس کو دیکھے۔''

عائشہ نور عاشا...... گجرات

عورت نامہ

☆ عورت وہ مضمون ہے جس میں حرف چار ہوتے ہیں مگر معلومات پوری دنیا کی درج ہوتی ہے۔
☆ عورت ایک ایسا وائرس ہے جو سب سے پہلے مرد کے دماغ کو ماؤف کرتا ہے پھر اعصاب اور پھر جیب۔
☆ ہیروئن چرس اور دیگر منشیات کا اثر تو صرف دماغ پر ہوتا ہے جبکہ عورت کا اثر پورے جسم میں سرایت کر جاتا ہے۔
☆ قدیم عورت کے بغیر گھر قبرستان ہوتا ہے اور جدید عورت کی موجودگی میں گھر جہنم سے کم نہیں ہے۔
☆ عورت ساری زندگی دوسروں کو پریشان رکھتی ہے نصف زندگی ماں باپ کو اور باقی ساری زندگی بے چارے شوہر کو۔
☆ عورت کی زبان اس کی تلوار ہے اور وہ اسے کبھی زنگ آلود نہیں ہونے دیتی۔
☆ عورت کی عقل اس کے ٹخنوں میں ہوتی ہے کیونکہ اس کے نیچے جسم کا کوئی حصہ جو نہیں ہے۔
☆ عورت کے نزدیک دیرپا تعلقات دولت میں مضمر ہیں محبت چھوڑ یے پیسے بنایئے۔
☆ عورت تندور کی مانند ہے اور مرد اس میں جلنے والا ایندھن۔

رابعہ چوہدری...... فیصل آباد

تاریخی جملہ

اسپین کا آخری بادشاہ ابوعبید اللہ محمد زار و قطار رو رہا تھا اس کی نظریں نیچے گہرائی میں الحمرا شہر کی طرف تھیں پہاڑی پر کھڑا اپنی لٹتی ہوئی سلطنت کو آخری بار دیکھ رہا تھا اس موقع پر اس کی ماں نے بیٹے کو پھوٹ پھوٹ کر روتے دیکھا تو اس نالائق بادشاہ کے کندھوں پر اپنا ہاتھ رکھا اور دکھ میں ڈوبے لہجے میں تاریخی جملہ کہا......
''بدنصیب بادشاہ! تم جس سلطنت کو مردوں کی طرح بچا نہ سکے عورتوں کی طرح اب اس کے لیے آنسو بھی نہ بہاؤ۔''

لاریب عندلیب...... خیر پور ٹامیوالی

مسکراہٹ کے پھول

ایک آدمی (لائبریری انچارج سے):۔ ''مجھے خودکشی کرنے کے طریقے والی کتاب چاہیے۔''
انچارج:۔ ''اور کتاب تمہارا باپ واپس کرے گا۔''

☆......☆

بیوی:۔ ''بتائیں وہ کون سی چیز ہے جسے آپ روزانہ دیکھتے ہیں لیکن توڑ نہیں سکتے۔''
خاوند:۔ ''آپ کا منہ۔''

نمرہ آزاد...... خیر پور ٹامیوالی

قیامت کی چند نشانیاں

✖ لوگ نماز غارت کریں گے یعنی نمازوں کا اہتمام رخصت ہو جائے گا۔
✖ امانت میں خیانت کریں گے۔
✖ دین بیچ کر دنیا جمع کریں گے۔
✖ جھوٹ سچ بن جائے گا۔
✖ انصاف نایاب ہو جائے گا۔
✖ لباس ریشم کا پہنا جائے گا طلاقوں کی کثرت ہوگی۔
✖ اونچی اونچی عمارتیں ہوں گی ظلم عام ہو جائے گا۔
✖ قطع رحمی یعنی رشتہ داروں سے بدسلوکی ہوگی۔
✖ سچے کو جھوٹا اور جھوٹے کو سچا سمجھا جائے گا۔
✖ بارش کے باوجود گرمی ہوگی۔
✖ لوگ جانوروں کی کھالوں کا لباس پہنیں گے۔
✖ چاندی کی مانگ ہوں گی اور سونا عام ہو جائے گی۔
✖ شرابیں پی جائیں گی اور دل ویران ہوں گے۔
✖ مسجد میں نقش و نگار کیے جائیں گے لیکن نمازیوں کی

تعداد بہت کم ہوگی۔
⌘ لونڈی آقا کو جنے گی یعنی بیٹی ماں پر حکمرانی کرے گی۔
⌘ بیٹا اپنی ماں سے بدسلوکی کرے گا اور زکوٰۃ کو جرمانہ سمجھا جائے گا۔

ارم کمال...... فیصل آباد

دل اور محبت

دل ایسا گھر ہے جس میں ہر کوئی داخل نہیں ہوسکتا جو داخل ہوجائے وہ بہت کوشش کے باوجود نہیں نکل سکتا۔ یہ گھر بہت سوکھی نظر میں بھی آجاتا ہے اور یہ خوشیاں اس وقت پوری ہوتی ہیں جب وہ بھی موجود ہو جن سے ہم محبت کرتے ہیں۔ اس گھر کو نظر بھی لگ جاتی ہے پھر یہ گھر بکھر جاتا ہے۔ بہت کوشش کرنے کے باوجود یہ گھر ویسا نہیں بن سکتا جیسا پہلے تھا۔

محبت

ایک ایسا جذبہ جو ہر کسی کے لیے نہیں ابھرتا' ایک لمحہ ہوتا ہے اسے محسوس کرنے کا اور بہت کم چہرے ہوتے ہیں جن کو دیکھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ ہم ان سے بہت محبت کرتے ہیں کہ محبت بہت سے رنگوں میں بٹ جاتی ہے جیسے دوستی میں اس کا رنگ اور اولاد کو ماں باپ سے' ماں باپ کو اولاد سے' استاد کو شاگرد سے' شاگرد کو استاد سے ہوتی ہے ان سب کو اکٹھا کرکے محبت کا لفظ بن جاتا ہے۔

احساس

احساس ایک ایسا جذبہ ہے جو رب کی طرف سے ملتا ہے اور یہ جذبہ اللہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے عطا کرتا ہے' ہر کسی کو یہ احساس نہیں ہوتا۔ گناہوں کا احساس ہر کسی کو نہیں ہوتا جب تک اللہ نہ چاہے۔

نورین خلیل بمین خلیل...... جتوئی

لفظ لفظ موتی

اپنا فائدہ سوچے بنا سب کے ساتھ اچھائی کرو
کیونکہ
جو لوگ پھول تقسیم کرتے ہیں ان کے ہاتھوں میں خوشبو ضرور رہ جاتی ہے۔
لوگ کہتے ہیں کسی ایک کے چلے جانے سے زندگی نہیں رک جاتی
لیکن
یہ کوئی نہیں جانتا کہ لاکھوں کے مل جانے سے بھی اس ایک کی کمی پوری نہیں ہوتی۔

عائشہ ملک...... میانوالی

اقوال زریں

جو پسند ہے اسے حاصل کرلو یا پھر جو حاصل ہے اسے پسند کرو۔
جو شخص کسی چیز کی قدر نہیں کرتا وہ موقع ملنے پر ہیرے کو بھی پتھر سمجھ کر پھینک دیتا ہے۔
یہ تمہارے حق میں اچھا ہے کہ تم اچھا کرو اور زمانہ تمہیں برا سمجھے بجائے اس سے کہ تم برا کرو اور زمانہ تمہیں اچھا سمجھے۔
میں نے اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے اللہ کو پہچانا (حضرت علیؓ)۔

ناہید شبیر رانا...... رحمان گڑھ

محبت کا وجود

زندگی گزارنے اور جینے میں واضح فرق ہے' زندگی جینے کے لیے محبت ایک لازمی جزو ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کا اظہار کرنا بھی ضروری ہے یہ ہرگز ضروری نہیں کہ محبت ایک انسان سے کی جائے جو شریک حیات ہو' محبت ہر رشتے کے لیے ضروری ہے۔ والدین' بھائی' بہن' دوست وغیرہ جب ہمیں محسوس ہونے لگتا ہے ہمارے ہونے یا نہ ہونے سے ہماری خاموشی سے کسی کو فرق نہیں پڑتا تب ہم زندگی جینے کے بجائے اسے گزارنا شروع کردیتے ہیں' اپنے آپ کا جائزہ لیجیے کہ کہیں آپ کی وجہ سے دوسرا شخص زندگی جینے کے بجائے اسے گزار تو نہیں رہا۔

عظمیٰ بٹ...... سمندری

سنہری باتیں

❖ یہ آنسو اس وقت زیادہ تکلیف دیتے ہیں جب کوئی اپنا دکھ دے۔
❖ سچے اور خالص رشتے بہت خوش نصیب لوگوں کا نصیب بنتے ہیں۔
❖ دو محبت کرنے والے ملتے ہی کیوں ہیں اگر انہوں نے بچھڑنا ہوتا ہے۔
❖ تم جس سے محبت کرتے ہو اسی آزار چھوڑ دو اگر وہ تمہارا ہے تو تمہارے پاس لوٹ کر آئے گا۔

❖ کوئی کسی کے لیے اتنا باعث آزاد کیسے ہوسکتا ہے کہ سامنے والا اپنی خوشیاں اس کی موت سے مشروط کرنے لگے۔

❖ کسی کو کوئی دکھ نہ دے کیا ایسا ممکن ہے۔

شازیہ اختر شازی......نور پور

دعا

ہمیشہ دعا مانگتے رہو کیونکہ ممکن اور ناممکن تو صرف ہماری سوچ میں ہے اللہ تعالیٰ کے لیے تو سب کچھ ممکن ہے۔

ام حمنہ......کوٹ مومن

میری سوچ سے

❖ دعا جتنی محبت اور یقین سے کرو گے اس قدر پُر اثر ہوگی۔

❖ درخت کس قدر خوش قسمت ہیں کہ وہ ہر کسی کو بلا امتیاز چھاؤں دیتے ہیں۔

❖ کسی کا جرم معاف کرنے میں اتنی تاخیر نہ کرو کہ وہ باغی ہوجائے اور اس قدر جلد بازی بھی نہ کرو کہ اسے اپنا جرم "جرم" نہ لگے۔

❖ فرض محبت سے ادا کرو نہ کہ بوجھ سمجھ کر۔

❖ آپ کو دوسروں سے نفرت کرنا عزیز ہے یا اپنا چین و آرام۔

❖ دوسروں کو اپنی ذات پر اتنا ہی اختیار دو جتنا کہ ان کا حق اور آپ کا فرض بنتا ہے۔

❖ انسان خود پارسا ہو تو دوسروں کو بھی پارسا دیکھنا چاہتا ہے۔

❖ دنیا میں ملی ہوئی زندگی ختم ہوجائے گی مگر آخرت کی آخرت نہیں ہوگی اس لیے اس زندگی میں آنے والی زندگی کو سنوار لو۔

❖ نماز فرض ہے اور جو شخص فرض ادا نہیں کرسکتا وہ اور کیا کرے گا؟

سدرہ شاہین......پیرو وال

شکر و احسان

کسی نے بوعلی سینا سے پوچھا: دن کیسے گزر رہے ہیں؟"

انہوں نے کہا: "گناہ گار ہونے کے باوجود اللہ کی نعمتیں مجھ پر برس رہی ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس بات پر اللہ کا شکر ادا کروں، کثرت نعمت پر یا بے شمار عیبوں سے چشم پوشی پر......"

طیبہ سعدیہ عطاریہ......سیالکوٹ

لطیفہ

مالک: تم نے ابھی تک مچھروں کو مارنے کے لیے میٹ نہیں لگائی، یہ ابھی تک میرے کانوں میں گنگنا رہے ہیں؟

نوکر: جناب مچھر تو سارے ہی ماردیئے یہ تو ان کی بیوائیں ہیں، جو بیوہ ہوکر رو رہی ہیں۔

عائشہ سلیم......کراچی

زریں اقوال

☆ زندگی ایک کشکول ہے جس میں مقدر کی خیرات ملتی ہے۔

☆ نمک میں ضرور کوئی تقدس ہے ورنہ یہ ہمارے آنسوؤں اور سمندر میں نہ ہوتا۔

☆ کائنات ایک ایسی کتاب ہے جس کا مصنف خدا ہے۔

☆ مور کے پاؤں بھی اس کے پَروں کی طرح خوب صورت ہوتے تو وہ کبھی زمین پر نہ چلتا۔

☆ عورت دنیا کی شاعری ہے بالکل ایسے جیسے ستارے آکاش کی۔

☆ کامیاب اور سیاسی لیڈر وہ ہے جو اس چیز کو سرخ کہے جسے ایک روز پہلے اس نے سیاہ کہا تھا، جب کہ وہ چیز سبز ہو۔

☆ کسی کا دل توڑنا ایسا ہے جیسے کسی کو بلاوجہ قتل کردیا جائے۔

نازیہ عباسی......ٹھٹھہ

yaadgar@aanchal.com.pk

آئینہ

شہلا عامر

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! اللہ تبارک وتعالیٰ کے پاک نام سے ابتدا ہے جو ارض وسماں کا مالک ہے۔ آپ سب بہنوں کو آنچل کی چالیسویں سالگرہ مبارک! ابھی بھی آنچل کی سالگرہ کے حوالے سے بے انتہا خطوط موصول ہورہے ہیں جس پر ہم آپ بہنوں کے مشکور ہیں۔ امید ہے آئندہ بھی آپ کا ہمارا ساتھ یونہی جڑا رہے گا' جس طرح آپ نے بزم آئینہ کی محفل کو سجایا یہ خوش آئند بات ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آنچل کو ترقی کی منزل کی طرف گامزن رکھے آمین اب بڑھتے ہیں بزم آئینہ کی جانب جہاں آپ بہنوں کے تبصرے ستاروں کی مانند جھلملا رہے ہیں۔

لبنیٰ شکیلہ...... اوکہ جتاں۔ محترمہ شہلا عامر صاحبہ! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ امید ہے آپ اور آنچل سے منسلک تمام دوست اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بالکل ٹھیک ہوں گے سب سے پہلے اپنی کاوش کی اشاعت پر میں آپ سب کی شکر گزار ہوں ایمان وقار صاحبہ آپ کی حوصلہ افزائی کا شکریہ آپ نے مجھے بھی اپنی بزم کا حصہ بنایا اسی امید پر پھر حاضر ہوں۔ شہلا جی میں ریگولر آپ کے کچھ سلسلوں میں شمولیت کی خواہش مند ہوں اس امید پر......

سحاب امید کے چھا گئے لیتی
چمن کو آباد کر ہی دیں شاید

بروز جمعرات ۲ مارچ کو آنچل ملا بھی' سلسلہ وار ناول "تیری زلف کے سر ہونے تک" پر سرسری نظر ڈالی۔ توبہ عمرانہ کیسی شاطر اور چالاک عورت ہے اور بیٹی اللہ معاف کرے ماں سیر تو بیٹی سوا سیر ہے۔ میں سوچتی ہوں زید کا کیا بنے گا۔ اقرا جی نوفل اور انشراح کے درمیان سے بار بار ہٹا کر کچھ پھول کھلا دیں اور لاریب کو انشراح سے دور ہی رکھیں تو بہتر ہے۔ اب آتے ہیں "شب ہجر کی پہلی بارش" کی طرف نازیہ کنول نازی بہت خوب' اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ رفعت سراج مشہود کا دل پیاری کی طرف سے صاف کردیں نا' باقی ابھی پڑھا نہیں ہے۔ میں قیصر آرا صاحبہ کی بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے میری حوصلہ افزائی کی اور اپنے قیمتی وقت سے میرے خط کے جواب کے لیے وقت نکالا آخر میں اپنے وطن اور اہل وطن کے لیے دعا گو ہوں اللہ تعالیٰ ہمیں بھی سکون عطا فرمائے اور اپنی بے حس حکومت کے لیے صرف اتنا ہی کہنا چاہوں گی۔

جب بھی غم حد سے سوا ہوتے ہیں
درد پھر خود ہی دوا ہوتے ہیں
جب کوئی اپنا مرے گا تو ہی سمجھو گے
دوسرو کے کلیجے کیسے نوچے جاتے ہیں

☆ ڈیئر لبنیٰ! یہ آپ کا اپنا ماہنامہ ہے آپ کی آمد ہمارے لیے باعث مسرت ہے' امید ہے آئندہ بھی محفل میں شامل رہیں گی۔

انیقہ احمد...... تلہ گنگ' کوٹ سارنگ۔ ہنستی کلیوں مسکراتے چہروں اور آنچل کی تمام قارئین کو میری طرف سے پیار بھرا اسلام۔ امید کرتی ہوں کہ سب اللہ کے کرم سے ٹھیک ٹھاک ہوں گے سرورق ماڈل خوب صورت ڈریسنگ کے ساتھ دل کے اندر اتر گئی۔ کرشلز کو راہ میں رکاوٹ سمجھ کر فوراً آنٹی قیصر آرا کی سرگوشیاں سنیں' اللہ ہمارے ملک کو دشمنوں سے بچائے' حمد ونعت سے فیض یاب ہوئی۔ در جواب آں میں راحت وفا کا ناول "موم کی محبت" کے بارے میں پتا چلا کہ کتابی شکل میں آ گیا ہے میری طرف سے ان کو بہت مبارک ہو۔ دانش کدہ پڑھا ایمان کو تازہ کیا تو بیہ بلال کا تعارف اچھا لگا۔ "چراغ خانہ" میں مشہود پر بہت غصہ آیا' بے ساختہ یہ شعر ذہن میں آیا۔

نہ یاروں میں رہی یاری نہ بھائیوں میں وفاداری
عجب یہ دور آیا ہے محبت اٹھ گئی ساری

سعدیہ جیسی ماں سے اللہ بچائے اور عالی جاہ دوغلا انسان پیاری پر ترس آتا ہے۔ "شب ہجر کی پہلی بارش" نے تو رلا دیا۔ "تیری زلف کے سر ہونے تک" میں انشراح کا نوفل کی کلاس لینا بہت اچھا لگا' بہت زیادہ اکڑ دکھا رہا تھا۔ مائدہ کا بدلا رویہ غصہ دلا گیا۔

بدلا یوں رنگ اس نے کہ حیرت ہوئی مجھے
گرگٹ کو مات دے گئی فطرت جناب کی

"ذرا مسکرا میرے گمشدہ" کے بارے میں بس اتنا ہی کہوں گی

میں پاگل سی اور دے پیچھے
او پاگل کسی اور دے پیچھے
سارے پاگل آگے پیچھے

کیوں بھائی میں نے سچ کہا ہے نا' اربش اجیہ' حسین' شرمین اور غزنی سب ایک دوسرے کے پیچھے ہے ناں۔ ناولٹ دونوں اچھے ہیں۔ "حریم عشق" حقیقت پر مبنی ہے افسانے سب ہی اچھے تھے۔ بیاض دل میں پروین افضل شاہین اور مدیحہ نورین مہک کا شعر اچھا لگا' ہوئی گائیڈ کو پڑھا نیرنگ خیال میں عظمیٰ شاہین اور حافظہ صائمہ کشف ٹاپ پر تھیں۔ یادگار لمحے میں ہر چیز بہترین ہے نور المثال شہزادی شعر پسند کرنے کا شکریہ آخر میں آنچل کو سالگرہ مبارک

ہو اللہ اس کو اور ترقی دے اس کو کبھی زوال نہ آئے اللہ نگہبان پاکستان زندہ باد۔

فرحت شرف گھمن...... سید والا۔ السلام علیکم اس ماہ کا ٹائٹل سو نائس تھا سب سے پہلے نعت اور حمد سے دل کو باغ باغ کیا۔ سلسلہ وار ناول "تیری زلف کے سر ہونے تک" مائدہ نے سودہ کی معصومیت کا ناجائز فائدہ اٹھایا کسی کے ساتھ دشمنی اپنی جگہ لیکن بہتان لگانا کتنی بری بات ہے خیر اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت دے۔ اقرا کی سات ماہ ہو گئے کہانی کو چلتے ہوئے اب اس میں کوئی ٹوئسٹ آنا چاہیے۔ "شب ہجر کی پہلی بارش" نازی جی اب عائلہ کے ساتھ کچھ اور برا نہیں ہونا چاہیے۔ مکمل ناول "انتقام محبت" نے کچھ خاص متاثر نہیں کیا "حریم عشق" ابھی پڑھا نہیں۔ افسانے "میں تیرے حق میں" ثمرین نے بہت اچھے اور منفرد ٹاپک پر لکھا ویل ڈن۔ رسالہ لیٹ ملنے کی وجہ سے باقی رسالہ ابھی زیر مطالعہ ہے۔ یادگار لمحے وقاص عمر میں آپ کی بات پر بالکل اتفاق کرتی ہوں میری کزنز تو بہت اچھے طریقے سے یہ کام سرانجام دیتی ہیں۔ تعارف سب کے ہی اچھے تھے شہناز شانزے سیال میں آپ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں۔ کوثر خالد میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں پلیز ضرور بتایئے گا۔ اللہ حافظ۔

انیلا طالب...... گوجرانوالہ۔ السلام علیکم! بہت پیاری سویٹ سی شہلا آپی اینڈ آل آنچل رائٹرز اینڈ ناکس ریڈرز کو سلام ہوا انگلیوں پر دن گن گن کر گزارے آخر 28 فروری کو آنچل مل ہی گیا۔ ٹائٹل بہت اچھا لگا سرگوشیاں سے ہوتے ہوئے حمد و نعت تک آئے آنٹی کوثر خالد نے بہت اچھے الفاظ میں حمد باری تعالیٰ کے موتی پروئے۔ در جواب آں میں شاہ و زندگی کے انتقال کے بارے میں پڑھ کے انتہائی دکھ ہوا میں تو سوچ رہی تھی اتنی بار انہیں مخاطب کیا انہوں نے جواب کیوں نہیں دیا۔ واقعی یہ تو ہمارے لیے بھی ناقابل یقین بات ہے اللہ انہیں جنت میں اعلیٰ مقام دے۔ دانش کدہ میں محترم مشتاق احمد قریشی ہمیشہ کی طرح دلوں کو مہکاتے نظر آئے سبھی بہنوں کے تعارف اچھے لگے۔ شہناز شانزے ماقبال اللہ آپ کو زیارت شہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نصیب فرمائے۔ سلسلہ وار ناول میں "شب ہجر کی بارش" خوب رہا مکمل ناول میں آپی فاخرہ گل حیرت و تجسس بڑھا کر اگلے ماہ تک کے لیے بے تاب کر گئیں۔ شرمین کسی صورت ارتش کی دلہن نہیں بنی چاہیے آپی ناولٹ میں چھا لکا تو شگفتہ یاسمین انتہائی سبق آموز تحریر کے ساتھ جلوہ افروز تھیں۔ افسانوں میں بنام مارچ "چہرے بنالیتے ہیں" اپنا گھر "تم بن ذات ادھوری" "ہجر ذات" بھی پیارے لگے۔ شانماز بہت خوب صورت لکھا ہمارے معاشرے کو آپ جیسے لوگوں کی بہت ضرورت ہے جتنی تعریف کروں کم ہے اللہ آپ کا زور قلم اور زیادہ کرے ہومیو کارنر بہت معلوماتی تھا۔ بیاض دل میں شائلہ کرن مدیحہ شفیق صفیہ یاسمین کنول ارم ریاض کے اشعار کافی پسند آئے۔ ڈش مقابلہ میں براؤن بریڈ سینڈوچ آلو بخارے کی چٹنی اسپیشل چاکلیٹ کیک کی ترکیب بڑی پسند آئی۔ بیوٹی گائیڈ ونڈرفل رہا۔ نیرنگ خیال میں سب اس گل ثمینہ ناز حافظہ صائمہ کشف اقرا ممتاز اقصیٰ کشش شازیہ ہاشم نے میدان مار لیا۔ دوست کا پیغام آئے میں سبھی کے پیغام اچھے لگے۔ مدیحہ کنول مجھے بھی آپ کے بارے میں جان کر بہت اچھا لگتا ہے۔ ڈیئر طیبہ خاور مجھے دعاؤں میں یاد رکھنے کا بہت شکریہ۔ آئینہ میں کرن قمر اوی اقبال احمد مدیحہ نورین مہک نور الشال آنٹی کوثر خالد مجھ ناچیز کے لیے تو آپ کے نقش قدم پر چلنا باعث سعادت ہے آپ ہماری بڑی ہیں اللہ آپ کو ہر دکھ سے بچائے۔ مدیحہ نورین مہک میرے سوالات پسند کرنے کا بہت شکریہ آئے جناب ہم سے پوچھنے کی طرف نورین مسکان سرمد مدیحہ نورین مہک عائشہ حسن نے بہت خوب سوالات کیے آپ کی صحت کا کی باتیں بھی سلسلے بہت زبردست رہے اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

اقراء افضل جٹ...... منچن آباد۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! ٹھنڈے میٹھے موسم میں آفتاب کی کڑکڑاہٹ آنچل اسٹاف اور ہردل عزیز رائٹرز اینڈ ریڈرز کو اقرا جٹ کی طرف سے محبتوں، چاہتوں، الفتوں اور شدتوں بھرا اسلام قبول ہو جی۔ مجھے آنچل پیارے بھائی جان کے توسط سے 27 فروری کو مل گیا تھا۔ ٹائٹل زبردست تھا سرگوشیاں میں ایک خبر پڑھ کے دل خوش اور دوسری پڑھ کے دل اداس ہو گیا پہلی پر تھوڑے تو یا آنچل اللہ پاک آنچل کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے آمین۔ مصنفہ بانو قدسیہ کی وفات کا پڑھ کر بہت دکھ ہوا مگر یہ زندگی تو اللہ کی امانت ہے اللہ پاک آپی کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔ حمد و نعت سے دل کو منور کیا دانش کدہ میں انکل مشتاق کی باتیں پڑھیں روح و جان کو اسیر کیا۔ ہمارا آنچل میں چاروں سسٹرز کے انٹرویو پڑھے شہناز شانزے ماقبال تعارف ہمیں کا دوستی کے لیے بڑھا ہوا ہاتھ خلوص سے تھامتی ہوں جی۔ فروری کے شمارے میں صوفی خان اور عافیہ جہانگیر سے فرینڈ شپ جیسی نعمت سے رشتہ جوڑا بات ہو جائے اب سلسلہ وار ناولوں کی تو دونوں ناول ہی بیسٹ جا رہے ہیں۔ مکمل ناول ہیں "چراغ خانہ" کو زیادہ طول دیا جا رہا ہے مگر بیسٹ جا رہا ہے آپی رفعت سراج کی باتیں بہت ناکس ہوتی ہیں۔ "ڈرامہ سکرا میرے گمشدہ" زبردست تحریر ہے۔ پہلے گمشدہ کو ڈھونڈ لیں جی پھر جی بھر کے مسکرا نہیں بلکہ قہقہہ لگا لیجیے گا ہاہاہا۔ ناولٹ میں "انتقام محبت" ویل ڈن میڈم بہت زبردست تحریر تھی واقعی ہمیں بالکل آنے والے لمحے کا پتا نہیں ہوتا کیا سے کیا ہو جاتا ہے۔ "حریم عشق" بھی ایک اچھی کاوش ہے فی الحال جاری ہے سو...... بات ہو جائے افسانوں کی "چہرے بنالیتے ہیں" بہت ناکس تھا باقی سب بھی اچھے تھے آر زینگی میں ہر بات سے اتفاق کرتی ہوں واقعی عورت حیا کا پیکر ہے زمانہ جاہلیت میں عورتوں کے ساتھ جو سلوک تھا کیا ہمیں وہ یاد نہیں؟ ہم اپنے کاموں کو بھول جاتی ہیں اور مقابلے بازیوں پر اتر آتی ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے محسن ہیں آپ نے عورت کو معاشرے میں ایک بہت بڑا مقام عزت و مرتبہ دلوایا ہے ہمیں سوچنا چاہیے۔ اب آتے ہیں مستقل سلسلے کی طرف تو بیاض دل میں اپنا نام دیکھا تو بہت خوشی ہوئی۔ شائلہ کرن مدیحہ شفیق صائمہ مشتاق آمنہ رحمان مسکان کے اشعار زیادہ بیسٹ لگے باقی سب پرنسز کے بھی ناکس تھے۔ واہ جی واہ ڈش مقابلہ میں بھی ہم حاضر تھے تھینک یو طلعت آغاز جی بیوٹی گائیڈ پڑھا ضرور مگر جناب ہمیں تو بنا میک اپ کے اپسرا اللہ شور ہے جیسے لقب مل چکے ہیں تو پھر میک اپ کیوں کرنا جی (ہاہاہا جلو مت ورنہ کالے ہو جاؤ گے)۔ نیرنگ خیال میں ایمان وقار مجھ بندہ ناچیز کو بھی جگہ دیں کب سے طشتری ہاتھ میں پکڑے کھڑی ہوں۔ ہم سے پوچھیے میں آہا شائلہ صاحبہ نے کیا جواب دیے۔ شائستہ جٹ، پروین افضل اینڈ آمنہ حسن مسکان آپ لوگ مجھ بندہ ناچیز سے دوستی کریں گی جواب کی منتظر رہوں گی۔ اب ہمیں اجازت اللہ حافظ۔

ثناء اعجاز قریشی...... ساہیوال۔ السلام علیکم! تمام قارئین اور آنچل اسٹاف کو پیار بھرا اسلام۔ میری طرف سے سب دوستوں کو آنچل کی سالگرہ مبارک ہو اللہ آنچل کو اور ترقی دے۔ اس بار پورے ایک دن اور انتظار کرنا پڑا کیونکہ 26 کو بھائی صاحب فروری کا شمارہ لے کر آ گئے جب میں نے دیکھا تو مسکراتا چہرہ اداس سا ہو گیا پھر غصے سے بھائی کو دیکھا کہ یہ کیا رنگ لگا کر لائے تو وہ ہنسنے لگے اور بولے اچھا مارچ کا لے کر آنا تھا مجھے لگا فروری کا لے کر آنا ہے اور پھر سو منت کرنے پر بھی نہ مانے اور دوسرے دن ہی ڈائجسٹ لے کر دیا۔ سرورق بس اچھا ہی تھا پھر بھاگے سلسلہ وار کہانی کی طرف "تیری زلف

کے سر ہونے تک" ارے یہ انشراح اور نوفل کب تک ایک دوسرے کے خلاف رہیں گے اور سودہ بے چاری کو اب کسی نئی مصیبت میں نہ ڈال دیجیے گا مجھے تو بہت پیاری لگتی ہے وہ معصوم سی (بالکل ہماری طرح آہم) "انتقام محبت" شگفتہ جی بہت اچھا لکھا الفاظ دل کو چھو گئے آپی سمیرا شریف طور جی آپ کدھر ہیں اب آنچل میں ایک اچھے سے ناول کے ساتھ واپس آ ہی جائیں چلو اس ماہ تک کے لیے اتنا ہی کافی ہے اب اجازت دیں پھر ملاقات ہوگی آنچل کے لیے میری طرف سے۔

تمہاری سالگرہ پر

بھرا رہے تیری خوشبو سے تیرا صحن چمن

بس ایک عنبر افشاں کرتا رہے

سماعتیں تیرے لہجے سے پھول چنتی رہیں

دلوں کے ساز پر تو نغمہ خواں کرتا رہے

☆ پیاری ثناء! آنچل کی سالگرہ کے حوالے سے آپ کے منتخب اشعار پسند آئے۔

شائستہ جٹ...... چیچہ وطنی۔ السلام علیکم شہلا آپی! کیسی ہیں آپ؟ اور تمام قارئین اور رائٹرز کو خلوص بھرا اسلام آسمان پہ اڑتے پرندے اپنی اپنی منزل کی جانب رواں تھے اور آسمان بھی اپنی منزل طے کرکے سیاہ چادر اوڑھنے کو بے تاب تھا ڈوبتے سورج کو دیکھتے ہوئے ڈائجسٹ ہاتھ میں لیے قلم کو انگلیوں میں تھام کر الفاظ کی جنگ کرنے کے لیے اکسایا تو بھئی بات ہو جائے اس ماہ کے شمارے کی تو 24 تاریخ کو ایک موہوم سی امید کے تحت پتا کروایا تو آنچل جناب کی تشریف آوری ہو چکی تھی تو بس پھر دل بے تاب نے جھٹ سے منگوانے کے لیے کزن کو دوڑ لیا اور ہاتھ میں تھام کر سرورق ماڈل پر نگاہ پڑی اور بس ٹھیک لگی پھر دوڑے ہم قیصر آپا کے پاس ان کے الفاظ پر دل میں ایک گرہ سی پڑ گئی واقعی ہمارا ملک اس وقت دہشت گردی کی لپیٹ میں ہے اللہ ایسے ظالموں کو ان کے انجام تک پہنچائے اور ہمارے ملک کو محفوظ اور ایمان دار حکمران عطا کرے پھر ہم بھاگے حمد و نعت کی طرف بھئی ایمان تازہ ہو گیا پڑھ کر دانش کدہ میں مشتاق احمد قریشی صاحب نے معلومات کا خزانہ پیش کر دیا پڑھ کر بے ساختہ داد دیے گئے اپنی الجھی زلفوں کو سنوار کر بھاگے ہم اقرا کے پاس بھئی واہ جی واہ کیا زبردست ناول ہے۔ سودہ کی اور زید کی نخی میں کی خوش آئند ہے اور یہ بدتمیز مائدہ کیوں سودہ کے ساتھ ایسا کر رہی ہے اور انشراح سے نوفل کی بدکلامی پر دل کیا کہ نوفل کے ایک ہاتھ جڑ دوں ہاہاہا۔ بھئی کوئی تمیز نام کی چیز ہوتی ہے جناب یہ لاریب نامی بلا بھلا کہاں چین لینے دے گی انشراح کو اب نوفل کو اندازہ ہوگا کہ وہ کتنی محبت کرتا ہے انشراح سے؟ "چہرہ پڑھ لیتے ہیں" کچھ خاص نہ لگا اور بنام مارچ یار یہ خط تھا یا کہانی؟ اپنا گھر تو بھئی بیسٹ ہوتا ہے اور واقعی گھر بیسٹ رہا۔ "میں تیرے حق میں" یہ بھی اچھا رہا۔ "تم بن ذات ادھوری" اگر محبت یوں ملنے لگے تو کیا کہنے مگر پھر بھی اچھا رہا یہ روشن راہ میں رابعہ کی معصومیت پہ پیار آیا اور ندیم نے ہدایت کی راہ اپنا کر خود کو معتبر کر دیا۔ مجرزات بہت اچھا موضوع تھا سید گھرانے والوں کے حوالے سے واقعی ایسا حقیقت میں بھی ہو جاتا ہے۔ انتقام انسان کی روح کو مار دیتا ہے واقعی "انتقام محبت" پڑھ کر اندازہ ہو گیا۔ شہریار کو دکھوں کے ناگ نے ڈس لیا اور اوپر سے محبت کا زہر بے چارہ زیست کی بازی ہار گیا۔ حریم عشق ایک حصہ پڑھ کر اچھا لگا "دیوی" بھی اچھا لگا واقعی بعض رشتوں کو ایک خوب صورت موڑ دے کر الوداع کہہ دینا چاہیے۔ "شب ہجر کی پہلی بارش" زبردست رہا پلیز مریم کے ساتھ کچھ غلط مت ہونے دیجیے گا اور صیام کی خودداری بہت پسند ہے مجھے۔ "ذرا مسکرا میرے گمشدہ" بھی اچھا رہا دیکھو اب آگے کیا بنتا ہے ارش اور اجیہ کا "چراغ خانہ" نے دماغ کی بتی گل کر دی ہے پلیز یار کوئی تو سرا ہاتھ میں دیں اندھیر نگری بن گیا ہے یہ تو ہو سو چھوڑو آپ کی صحت اچھا رہا ہم سے پوچھتے تھیں جو باتیں پڑھ کر پیٹ میں بل پڑ گئے یادگار لمحے تھیں سب نے شاندار منتخب کیا تھا۔ نیرنگ خیال دوست کا پیغام آئے کام کی باتیں آئینہ سب اچھے رہا اب اجازت دیں ان شاء اللہ اگلے ماہ حاضر ہوں گی۔

☆ ڈیئر شائستہ! خوش رہو مکمل تبصرہ پسند آیا۔

اقراء مزمل آصفہ دائود...... ظاھر پیر۔ السلام علیکم آپی آپ کو بھی اور تمام اسٹاف کو پڑھنے والوں کو لکھنے والوں کو دیکھنے والوں، بہنوں بھائیوں آنٹیوں کو سب کو ہمارا چاہت بھرا اسلام قبول ہو۔ پہلے حمد و نعت پڑھی سبحان اللہ بہت خوب تھیں اس کے بعد ارش بھائی کے پاس گئے پتا نہیں اب آپی جی کیا طوفان لانے والی ہیں۔ یہ تو پکا یقین ہے کہ اجیہ بھابی ارش بھیا کی ہیں اور "شب ہجر کی پہلی بارش" میں بھی پلیز نازی آپی مریم آنٹی اور شہزادہ آپی کو کچھ نہ ہو اور زاویار کے دماغ کو بھی کچھ ٹھکانے لگائیں اور "چراغ خانہ" کا اب اینڈ ہی کر دیں تو اچھا ہے۔ "تیری زلف کے سر ہونے تک" میں آنی جی کب نوفل کو سدھاریں گی بے چاری اُشی کو برا بھلا بول کر اس کا دل دکھا دیتا ہے یہ کیوں نہیں سمجھتا کہ لڑکیاں بہت نازک ہوتی ہیں ان سے تو زید بھائی اچھے ہیں زیادہ خیال نہیں کرتا تو سودہ کا دل تو نہیں دکھاتا نہ ان کی ماں کا بھی دماغ ٹھیک کریں۔ "حریم عشق" کا اینڈ پر ہی تبصرہ کریں گے۔ باقی ناولٹ اور ناول ابھی پڑھے نہیں دیوی پڑھا ہے وہ بہت اچھا لگا اور جی سب کو ریڈرز رائٹرز آنچل اسٹاف اور شہلا آنی آپ کو بھی آنچل کی سالگرہ مبارک ہو اللہ حافظ فی امان اللہ۔

☆ پیاری اقراء! آنچل کی سالگرہ مبارک ہو۔

ارم کمال...... فیصل آباد۔ پیاری شہلا باجی سدا مسکرائیں اور گنگنائیں آمین۔ السلام علیکم! امید ہے کہ بفضل خدا خیریت سے ہوں گی میں تو ہمیشہ ہی دعا کرتی ہوں کہ آپ اور آنچل کا تمام اسٹاف چست و توانا رہیں آمین۔ اس دفعہ کا ٹائٹل پہلے سے بھی اوپر رہا سرگوشیاں سے دل کو لبھاتے ہوئے در جواب آں میں پہنچے یاسمین نشاط کے والدین کی رحلت کا سن کر دل بہت تڑپا اللہ ان کے والدین کو جنت الفردوس میں جگہ مرحمت فرمائے آمین۔ دانش کدہ سے اپنے ایمان کی گرد و دیوار کو مضبوط کیا ہمارا آنچل میں شہناز شازیہ اقبال کا تعارف دل میں گھر کر گیا سب سے پہلے رفعت سراج کا "چراغ خانہ" پڑھا اب پیاری کے لیے سعدیہ (ساس) کی صورت میں ایک نئی آزمائش تیار کھڑی ہے اللہ ہماری پیاری کو سعدیہ کے شر سے محفوظ رکھے آمین۔ عالی جاہ بھی ضرور پچھتائے گا اس کے بعد میرا موسٹ فیورٹ "ذرا مسکرا میرے گمشدہ" پڑھا بہت ہی زبردست موڑ پر جا رہا ہے ہر لمحہ دل اچھل کر حلق میں آن گرتا ہے ایک بات بالکل پکی ہے غزنی سے اجیہ کی شادی ہمیں بالکل منظور نہیں۔ "چہرہ پڑھ لیتے ہیں" نزہت جبیں ضیاء کی بہت ہی پُر اثر تحریر تھی یہ بھی سچ ہے کم بخت ہے

ہی ایسی ہے اچھے اچھوں کا ایمان اور محبت خراب کر دیتی ہے۔ ”میں تیرے حق میں“ عنبرین ولی نے دھماکے دار تحریر لکھی دیگر تحریروں میں ”اپنا گھر“ تم بن ذات ادھوری“ اور ”روشن راہ“ جامع تحریریں رہیں۔ ”حریم عشق“ کی پہلی قسط نے دل و نظر کو باندھ کر رکھ دیا۔ ”ذرا سوچئے“ میں ثنا مناز نے سوال آنے پچی اور کھری بات کہی اس میں تو کوئی دو رائے نہیں کہ عورت تو بند موتی کا سیپ ہے لیکن معاشرے میں اس سے الٹ ہی ہو رہا ہے۔ اس معاملے میں اگر کوئی کچھ کر سکتا ہے تو وہ خود عورت ہے خدا ہم سب کی بہنوں، بیٹیوں، ماؤں کو ہدایت دے عقل اور سمجھ دے آمین۔ بیاض دل میں شمائلہ کرن، نجم انجم اور لاریب انشال کھرل کے اشعار ذوق کی تسکین کر گئے۔ ڈش مقابلہ میں سب ڈشز دیکھ کر منہ پانی آ گیا نیرنگ خیال میں انیلا طالب، جبیں عمر، اقرا ناز اور اقصیٰ نشش سرفہرست رہیں دوست کا پیغام آئے میں سب کے پیارے پیارے محبت نامے دل شاد کر گئے۔ یادگار لمحے میں علمہ شمشاد حسین، پروین افضل شاہین اور میرا سوانی ٹاپ پر رہیں آئینہ میں سب کے نرم گرم تبصروں نے سماں باندھ دیا جن میں کوثر خالد فرسٹ آئیں کوثر خالد (زبردست) اس کے علاوہ کرن شہزادی اور طیبہ خاور بھی نمایاں رہیں۔ ہم سے پوچھئے میں مریم شاہ، ماریہ کنول ماہی، اقرا افضل جٹ اور عائشہ رحمٰن ہنی کے سوالات اور آپ کے جوابات نے کامیڈی شو ارینج کر دیا ہنس ہنس کر پیٹ میں بل پڑ گئے اللہ حافظ۔

گل مینا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس...... مانسہرہ۔ قیصر آنٹی کی باخبر رکھنے والی سرگوشیاں، انکل مشتاق احمد قریشی کی دل و دماغ کو روشنی دیتی روشن سلامتی بھیجی کرنیں آنٹی سیدہ نثار کا اپنائیت بھرا لہجہ، ملیحہ احمد کا پیار، شہلا عامر کی پیاری باتیں، ہیوٹی گائیڈ، روبین احمد کی زبردست شان، میمونہ رومان بیاض دل کی جان، طاہر احمد قریشی کے الفاظ، شمائلہ کاشف کا کھٹا میٹھا انداز، ڈش مقابلہ منفرد ذائقے طلعت آغاز یادگار لمحے جویریہ سالک زبردست آواز حنا احمد باتیں کام کی، ایمان وقار چلو یہ محفل تیرے نام کی، ہما احمد دوست سے دوستی کے محبت بھرے پیغام اور آنچل اسٹاف رائٹرز اور قارئین کو گل مینا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس کا شاہانہ مودبانہ سلام آنچل اور آنچل کے پھول اور کلیاں ایسے خوشبودار چمن کی مانند ہیں جس کی خوشبو ہر سمت بکھر جاتی ہے جسے ہر کوئی محسوس کرتا ہے آنچل تیرے نام۔

نظر جھکی تو پیمانے بنے دل ٹوٹے تو میخانے بنے
کچھ نہ کچھ تو ضرور ہے یونہی نہیں ہم آپ کے دیوانے بنے

آنچل نے 28 فروری کو گھر کی دہلیز پر قدم رکھا تو دستک دل پر محسوس ہوئی جب ماموں جان کی صدا بلند ہوئی کہاں ہو بھئی تمہارا آنچل آ گیا جھٹ آنچل لیا نظریں ماڈل پر ٹھہریں تو ہانڈی پکاتے ہاتھ جلد ساکت ہو گئے۔ سب سے پہلے آئینہ دیکھا مطلب پوری سردیوں میں آئینہ سے غائب تھے (ہماری کمی تو نہیں محسوس ہوئی آہم)۔ سب سے پہلے سیدہ غزل زیدی کا ناولٹ پڑھا آہاں کہیں آپ کا یہ انداز ہمیں نہ لے ڈوبے زبردست آئینہ میں سامعہ ملک پرویز، کوثر خالد، ملالہ اسلم کے تبصرے زبردست تھے۔ عارفہ ہادی دوسری بار بھی شرکت کیجیے گا اچھا جی باقی آنچل پڑھا نہیں لیکن ہمیں معلوم ہے ہمیشہ کی طرح بیسٹ ہوگا دعاؤں میں یاد رکھیے گا اللہ حافظ۔

☆ پیاری گل مینا! اگر اپنا نام دیکھنے کے ساتھ چند ایک تحریر پڑھ کر تبصرہ کر لیتیں تو ہمارے ساتھ مصنفہ بھی آپ کی آرا سے فیض یاب ہوتیں۔ امید ہے آئندہ مصنفین کی تحریروں کی تعریف و تنقید ضرور کریں گی۔

طیبہ رانا...... 31 جنوبی سرگودھا۔ السلام علیکم! کیسے ہیں آپ سب قارئین، ڈیئر آنچل فیملی آپ پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں، آمین اور اس کے ساتھ آنچل کی اکتالیسویں سالگرہ، بہت بہت مبارک ہو اللہ پاک سے دعا ہے کہ ہمارا آنچل ہمیشہ ترقی و کامیابی کی منازل بخوبی طے کرتا رہے اور اللہ ہمارے قارئین کرام کو سدا خوش و شاد و رکھے آمین۔ اس مرتبہ بھی ہمیشہ کی طرح ٹائٹل دل کی مسند پر براجمان رہا سیک دوی سے ملتے ہوئے سرگوشیاں پر پہنچے قیصر آرا آنٹی کو ہر بار کی طرح مہربان پایا اور یہ پڑھ کر انتہائی صدمہ ہوا کہ ہماری پیاری مصنفہ بانو قدسیہ اس دار فانی سے کوچ فرما گئی ہیں۔ میں یہ لفظوں میں تو بیان نہیں کر سکتی مگر مجھے ایک شعر اس حوالے سے یاد آ رہا ہے کہ

کیا لکھوں زندگی کے بارے میں
وہ لوگ ہی بچھڑ گئے جو زندگی ہوا کرتے تھے

ہم سب کو مل کر اپنے رحیم و کریم اللہ رب العزت سے یہ دعا کرنی چاہیے کہ اللہ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔ اس کے بعد حمد و نعت پڑھی جس سے دل کو بہت سرور حاصل ہوا اس کے بعد سلسلہ وار ناولز ”شب ہجر کی پہلی بارش“ اور ”تیری زلف کے سر ہونے تک“ سب سے پہلے یہ دونوں پڑھتی ہوں جو کہ مجھے بہت پسند ہیں اور الحمدللہ بہت اچھے چل رہے ہیں یہ جس قدر آگے بڑھ رہے ہیں اسی قدر انٹرسٹنگ ہیں دل کرتا ہے قسط ختم ہی نہ ہو اس کے بعد ”چراغ خانہ“ کی طرف جاتے ہیں تو مشہود ابھی تک اپنی بدگمانیوں میں گھرا بیٹھا ہے، نفعت سراج آپ سے گزارش ہے کہ مشہود کے دماغ کو جلد ٹھکانے لگائیں پلیز تا کہ بیاری دکھوں کی بھٹی سے نکل کر وانیال کے ساتھ خوشیوں بھری زندگی گزار سکے اور ”ذرا مسکرا میرے گمشدہ“ یہ ناول بھی بہت حریرے کا ہے۔ فاخرہ گل آپ سے بھی کہنا تھا کہ اجیہ اور رابش کو کبھی جدا نہ کرنا پلیز اس کے علاوہ باقی کہانیاں بھی زیر مطالعہ رہی ہیں اس کے بعد تبصرے سارے نکلیں پڑھ کر بھی اچھا لگا اللہ حافظ۔

ثناء رسول ہاشمی...... صادق آباد۔ تمام قارئین کو سلام ماہ سابقہ چند ماہ سے آنچل کا دلیر رہا ہے کہ اس نے ہمیں کہیں بھی جگہ نہیں دی آخر ایسا کیوں؟ مارچ کا سرورق بہت اچھا لگا تحاریر کا سلسلہ ”چراغ خانہ“ سے شروع کیا بھائی کے حق میں معید نے پیاری کا برا حال کر رکھا ہے۔ ”دیوی“ از نادیہ احمد بہت بہت زبردست تحریر تھی، مختصر مگر پر اثر۔ ”انتقام محبت“ کے لیے تو بس یہی کہہ سکتے ہیں کہ اب پچھتائے کیا ہوت...... ”تیری زلف کے سر ہونے تک“ اقرا صاحبہ بعد محمد تحریر تھی۔ عمرانہ صاحب کے اس معید سے تو مائدہ لوئیر ہو جائے گی نہ جانے کچھ مائیں اپنی بیٹیوں کو جانے بوجھتے کیوں بربادی ہوتا دیکھتی رہتی ہیں۔ ”چہرے بنا لیتے ہیں“ از نزہت جبیں ضیا کا تو نام ہی کافی ہے واقعی اگلی خوشی دوسروں کو خوشیاں دینے میں ہی پوشیدہ ہے۔ عنبرین ولی نے ”میں تیرے حق میں“ بہت اچھی تحریر ہماری نذر کی بہت اچھا لگا الفاظ کا چناؤ۔ ”اپنا گھر“ بنام ”مارچ“ اور ”روشن راہ“ بھی تحاریر بہت اچھی لگیں۔ ”دوست کا پیغام آئے“ میں

جن دوستوں نے یاد کیا ان کے لیے بہت شکریہ تمام پڑھنے والوں کے لیے دعائیں۔

☆ ڈیئر شاہ! خوش رہو آپ کی ڈاک موصول نہیں ہوئی اس لیے آپ محروم رہی ہیں۔ ہم نے آپ کی کمی محسوس کی امید ہے آئندہ بھی محفل میں شامل رہیں گی۔

طیبہ خاور بھول...... عزیز چک وزیر آباد۔ السلام علیکم! کیسی ہیں شہلا آپی اور آنچل فرینڈز آنچل مجھے 22 کو میری ساتھیوں نے لاکر دیا ٹائٹل تو نائس تھا سب سے پہلے قیصر آرا آنٹی کی سرگوشیاں سنیں پھر حمد و نعت سے مستفید ہوئے در جواب آں میں جھانکا تو کافی شہزادیاں ہمارا جہان کی سب کے لیٹرز پڑھے داستان کدہ میں دیکھا تو مشتاق انکل بہت کام کی باتیں بتا رہے تھے تھوڑا آگے بڑھے ہمارا آنچل میں چار دوں جنہوں نے روک لیا آپ سب سے مل کے بہت اچھا لگا رئیلی پھر اس کے بعد سلسلہ وار ناولز کی طرف بڑھے "شب ہجر کی پہلی بارش" نازی جی بہت اچھی اسٹوری جا رہی ہے۔ "چراغ خانہ" رفعت سراج بہت اعلیٰ مجھے پیاری اور دانیال بہت پیارے لگتے ہیں افسانہ دلٹ کی طرف بڑھی تو "مجرزات" انشاں علی بہت اعلیٰ اسٹوری تھی مزہ دے گئی کاش والدین اس بات کو سمجھ جائیں اور صحیح وقت پر صحیح فیصلہ کریں۔ "روشن ماہ" نظیر فاطمہ بہت سبق آموز اسٹوری تھی کیپ اٹ اپ۔ "تم بن ذات ادھوری" کنیز نور علی اس کہانی میں تو میں گم ہو کے رہ گئی میں نے یہ کہانی بہت انکل کی زبردست۔ "نام محبت" حرا قریشی بہت نائس اسٹوری تھی۔ "اپنا گھر" شازیہ الطاف بہت گھریلو سی اور سبق آموز اسٹوری تھی۔ "میں تیرے حق میں" تحمین ولی بڑی پیاری اور مزے دار اسٹوری تھی بھرپور انجوائے کیا۔ "چہرہ بنا لیتے ہیں" نزہت جبین ضیاء کاش ہمارے معاشرے میں لوگوں کی آنکھوں سے لالچ کی پٹی اتر جائے اور سب کچھ سیٹ ہو جائے یہ سمجھنے کی باتیں ہیں اگر کوئی سمجھنا چاہے تو۔ "انتقام محبت" شگفتہ یاسمین بہت اچھی کہانی تھی مجھے حسین کا کردار بہت بھایا۔ "دیوی" نادیہ احمد اچھی اسٹوری تھی بڑے مشکل لفظ تھے ہندی کے (بڑی ہمت کر کے پڑھا) ہاہاہا۔ "ہم سے پوچھیے" میں مریم شاہ، مدیحہ کنول ماہی، مدیحہ نورین ارم کمال آپ سب کے سوالات مزے کے تھے۔ "آئینہ" میں جھانکا تو کوثر خالد، کرن شہزادی، مہوش ظہور، کشف ثانیہ مسکان، طلا اسلم آپ سب کا تبصرہ زبردست تھا۔ یادگار لمحے میں مسز نگہت غفار، صبا زرگر، دُکا مذکر پروین افضل، مدیحہ کنول سرور آپ سب نے لمحوں کو یادگار بنایا۔ نیرنگ خیال میں فریدہ فری، اقصیٰ گشش، حافظہ صائمہ کشف، عظمیٰ شاہین آپ سب کی پسند اچھی تھی۔ اقرا نازی جی آپ نے میرے لفظوں کو زبان دے دی میں بھی اس دکھ کو سمجھتی ہوں اچھی طرح (میرے پاپا بھی نہیں رہے اس دنیا میں)۔ بیوٹی گائیڈ بلاشبہ بہت معلومات میں اضافہ لیے ہوئے ہے۔ سلیم جی ڈش مقابلہ میں بی بی عابدہ، اقرا افضل، لائبہ میر آپ کی ڈشز مزے کی تھیں۔ بیاض دل میں بیا، سحر، عائشہ نور، عاشا نگین افضل، صائمہ سکندر آپ سب کی پسند زبردست تھی۔ ہومیو کارنر ڈاکٹر طلعت نظامی آپ داد کی مستحق ہیں یہ سلسلہ بہت اچھا ہے گھر بیٹھے کافی معلومات حاصل ہو جاتی ہے۔ آنچل ہر بار کی طرح پرفیکٹ تھا میری دعا ہے آنچل و حجاب ہمیشہ ایسے ہی ترقی کی راہوں میں گامزن رہے آمین اور اللہ تعالیٰ آنچل میں لکھنے پڑھنے والوں اور آنچل اسٹاف کو ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں رکھے اور ہمیشہ ہنستا مسکراتا رکھے زندگی رہی تو پھر ملیں گے اللہ حافظ۔

منزہ عطا، مدیحہ عطا...... کوٹ ادو۔ السلام علیکم! شہلا آپی اینڈ آنچل اسٹاف کو آنچل کی سالگرہ مبارک ہو اللہ پاک اس کو بہت ترقی دے آمین۔ جب بھی آنچل کی سالگرہ آتی ہے تو ہمارا دل کرتا تھا کہ ہم اپنے ہاتھوں سے کوئی چیز بنا کے بھیجیں میری پیاری بہن مدیحہ ایک سینری بنانے کی ماہر ہے اب ہم نے یہ سینری اپنے آنچل کے لیے بنائی ہے یہ ہماری تین ماہ کی محنت کا ثمر ہے جو آپ کے سامنے ہے پلیز آنٹی قیصر آرا اور طاہر بھیا آپ نے اس کو ردی کا مہمان نہیں بنانا آپ نے ہمارے اس خلوص بھرے تحفے کو ہمارے آنچل کے آفس میں سجانا ہے پلیز آنٹی ہمیں بہت بہت خوشی ہوگی ہمارا دل باغ بہار ہو جائے گا آنٹی آپ نے بتانا ضرور ہے آپ کو پسند آیا کہ نہیں۔ اب آ جاتے ہیں مارچ کے شمارے کی طرف ماڈل کا سفید ڈریس اچھا لگا آنچل کے بغیر نہیں آنچل ہونا چاہیے تھا ہمیشہ کی طرح حمد و نعت سے دل کو سکون ملا۔ کوثر خالد کی حمد اچھی لگی انکل کا درس تو ہوتا ہی دلی سکون کے لیے ہے پھر دوڑے سلسلے وار تحریروں میں سب سے پہلے اقرا آپی کے ناول "تیری زلف کے سر ہونے تک" آپی کے قلم کی کیا ہی بات ہے آپ کا یہ ناول سپر ہٹ جائے گا انشراح اور نوفل کی جوڑی ہونی چاہیے سودہ اور زید کا کردار اچھا ہے یہ سب یقیناً آپس میں کزن ہوں گے آگے بڑھے تو میری پسندیدہ رائٹرز نازی جی آپ کو جتنا کہیں کم ہے میرا پسندیدہ کردار کرنل صاحب مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔ کرنل صاحب کو ابھی مرنا نہیں چاہیے تھا وہ بریرہ سے مل کے جاتے خیر آپ کے کیا کہنے اتنی خوب صورتی سے کردار مشرق سے مغرب تک پھیلے ہوئے ہیں پھر اینڈ میں بڑی خوب صورتی سے ایک ہی مالا میں اکٹھا کر دیتی ہیں۔ نادیہ احمد آپ کا ناول "دیوی" کچھ خاص پسند نہیں آیا۔ "حریم عشق" سمیرا غزل زیدی یہ ایک نیا نام ہے آنچل تحریر میں جو لگا کی آپ اپنے پڑھنے والوں کو یقیناً آگے چل کر آنچل میں بہترین اضافہ ثابت ہوں گی۔ دوسرا مکمل ناول شگفتہ یاسمین کا تھا "انتقام محبت" "اچھی کوشش کی مصنفہ نے" بس خیال رکھا کریں ہیرو کو مرنا نہیں چاہیے باقی افسانے سارے اچھے لگے۔ میری ایک خواہش ہے آنٹی آپ کسی بھی رائٹر سے آرمی پر کوئی اچھا سا مکمل ناول لکھوائیں باقی سارا آنچل بیسٹ لگا زندگی رہی تو پھر آتے رہیں گے اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر منزہ مدیحہ! آپ کا گفٹ بے حد پسند آیا اور ہم نے آپ کے حکم کے مطابق اس کو اپنے کمرہ میں سجا بھی لیا ہے، جزاک اللہ۔

عائشہ رحمن ہنی...... ربالی، مری۔ ڈیئر شہلا آنٹی آل ریڈرز رائٹرز اینڈ آنچل اسٹاف عائشہ ہنی کی طرف سے محبت، چاہتوں اور الفتوں بھرا اسلام قبول ہو۔ دل کچھ اداس اداس ہو رہا تھا تو سوچا کیوں نہ اپنا پری چہرہ آئینہ میں دیکھ لیا جائے اور اسی خیال کے آتے ہی چین کے کان پکڑے اور کاغذ کے سینے پر لفظوں کے موتی بکھیرنے آ گئی۔ سب سے پہلے تو آنچل کے بارے میں کچھ تعریف و تنقید (ہائیں تنقید تو بنتی ہے) صرف تعریف ہو جائے۔ بلبدلت کے خیال میں آنچل از بیسٹ اینڈ پرفیکٹ (کیا خیال ہے) آنچل کھولتے ہی بھاگتے ہیں ہم "چراغ خانہ" کی طرف اچھی جا رہی ہے اسٹوری پھر "شب ہجر کی پہلی بارش" کی طرف جمپ لگاتے ہیں نازی آپی ویل ڈن پھر "ذرا مسکرا میرے گمشدہ" کی باری فاخرہ گل آپ تو کمال کرتی ہیں پھر دھکا دیا اور ہم گرتے جا کر "تیری زلف کے سر ہونے تک" اقرا آپی کے قدموں میں جا گرے نوفل کی طرح ہونا چاہیے لڑکوں کو اور لڑکیوں کو عائلہ کی طرح اچھی اسٹوری ہے آپی اللہ کرے زور قلم اور زیادہ باقی تمام رائٹرز بہت اچھا لکھ رہی ہیں آنچل کے تمام سلسلے اچھے ہیں کوئی کمی نہیں ہے لیکن...... ایک ریکوئسٹ ہے کہ پلیز ماڈل کی پکچر پوری لگایا کریں تاکہ ڈریسنگ کا جائزہ لے سکیں اور مہندی کے ڈیزائن بھی داخل کیا کریں۔ بلبدلت کو اجازت دیں اللہ حافظ۔

صباء شریف...... ساہیوال، چکمنبر۔ السلام علیکم! ایک دفعہ پہلے بھی خط لکھا وہ آپ لوگوں تک پہنچا یا نہیں بس اللہ ہی بہتر جانتا ہے گاؤں

میں رہنے کی وجہ سے خط پوسٹ کروانا ایک مشکل مرحلہ ہے۔ ماہ اگست کے شمارے میں عائشہ نور محمد کا نام دیکھ کر دل خوشی سے بھر گیا امِ مریم کہاں ہیں؟ پلیز ان سے بھی کچھ لکھوائیں آخر میں گزارش ہے کہ آپ سب ہمارے بھائی سیف کے لیے مغفرت کی دعا کریں جو کہ 6 جولائی عید کی صبح کرنٹ لگنے سے فوت ہو گیا اگلی بار کہانیوں پر تبصرہ کروں گی اللہ حافظ۔

☆ اللہ رب العزت آپ کے بھائی کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے آمین۔

رخسار نور...... شکار پور۔ السلام علیکم شہلا آپی! میں آنچل کی بہت پرانی قاری ہوں لیکن خط پہلی دفعہ لکھ رہی ہوں۔ آنچل مجھے بہت اچھا لگتا ہے اور سلسلہ وار ناول "چراغ خانہ" تو بہت اچھا لگتا ہے اور سارے سلسلے بہت اچھے ہیں، میں یہ کہانی بھیج رہی ہوں اگر پسند آئے تو آنچل میں جگہ دیجیے گا آئندہ ماہ باقی سلسلوں پر تبصرہ کروں گی۔

☆ ڈیئر رخسانہ، پہلی بار محفل میں شرکت کرنے پر خوش آمدید۔ امید ہے آئندہ طویل تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں گی تا کہ دوسری مصنفین کا حق ادا ہو سکے۔ چراغ خانہ آپ کی طرح ہمیں بھی بے حد پسند ہے۔

صائمہ مشتاق...... سرگودھا۔ ٹائٹل گرل بہت پسند آئی اس کا ڈریس کلر میرا موسٹ فیورٹ ہے اس کے بعد سرگوشیاں سنیں حمد و نعت پڑھ کر بہت اچھا محسوس کیا۔ کوثر خالد آپ کو اللہ بہت سی کامیابیاں عطا کرے آپ کی حمد بہت پسند آئی۔ اس کاوش کے لیے مبارک باد قبول کریں اس کے بعد در جواب آں میری پیاری سی آپی کے جوابات پڑھ کر خون بڑھ جاتا ہے آپی اللہ ہمیشہ آپ کو خوش رکھے آمین۔ دانش کدہ میں مشتاق احمد قریشی کو پڑھ کر دل اور روح میں ایک دم سکون اترتا محسوس کیا۔ ہمارا آنچل میں فائزہ بھٹی شہناز ارم شہزادی اور ثوبیہ بلال سے ملاقات اچھی لگی۔ رفعت سراج کا "چراغ خانہ" ہمیشہ کی طرح زبردست تھا مجھے اس ناول کی یہ لائن بہت پسند آئی "پیاری کا دل تو اس کے سینے میں دھڑکتا ہے یہ محبت تھی اور حقیقت یہ تھی کہ عورت جتنی حیادار ہوتی ہے اس کو ٹوٹ کر چاہنے والا بھی بہت غیرت مند ہوتا ہے۔ بڑی آن بان ہوتی ہے اس میں ایک باحیا عورت ہی کسی غیرت مند مرد کی آنکھوں کا خواب بن سکتی ہے۔ فاخرہ گل کا ناول "ذرا سکرا میرے گمشدہ" زبردست اچھا جا رہا ہے۔ ثناء ناز کا آرٹیکل ذرا سوچئے بہت پسند آیا افسانے سارے اچھے تھے۔ ناولٹ "انتقام محبت" شگفتہ یاسمین کی منفرد اسٹوری تھی، بہت پسند آئی۔ باقی سارا آنچل ہی بہت پسند آیا باقی سب کو میرا سلام اب اجازت چاہتی ہوں اللہ حافظ۔

رباب اصغر...... گجرات۔ السلام علیکم! شہلا آپی آپ کیسی ہیں؟ آنچل کی سالگرہ پر آپ کو بہت بہت مبارک باد۔ اس ماہ ہمیں آنچل 25 کو ہی مل گیا تھا اگلے دن اتوار سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم نے تقریباً پڑھتے ہوئے ہی دم لیا سب سے پہلے "شب ہجر کی پہلی بارش" کو پڑھا نازیہ جی پلیز 21 اقساط ہو گئی ہیں اب میرو کو ذرا کومہ میں ہی رکھیں اور مسٹر زاویار کو ان کی غلطیوں کا تھوڑا بہت ازالہ کرنے دیں، کہانی اپنے تمام تر کرداروں سمیت بہت اچھے سے آگے بڑھ رہی ہے پھر ہم نے پڑھنی شروع کی "تیری زلف کے سر ہونے تک" بہت ہی اچھی قسط تھی۔ جس طرح سے کہانی آگے بڑھ رہی ہے مزید دلچسپ ہو رہی ہے۔ زید پر اور عمرانہ پر ترس آتا ہے کہ خوامخواہ لوگوں کو اپنے ساتھ کھیلنے دے رہے ہیں اس کے بعد ہم بڑھے رفعت سراج کے "چراغ خانہ" کی طرف پیاری کے بھائی مشہود کا ئی چراغ پا ہوئے نظر آتے ہیں مگر ہمیں یقین ہے کہ جیسے ہی مشہود میاں اپنی تمام کہانی سنائیں گے ہماری ہمدردیاں ان کے ساتھ ہو جائیں گی، باقی مانو آپا جیسا کردار اگر ہر گھر میں ہو تو مزہ آ جائے اس کے بعد ہم بڑھے "ذرا سکرا میرے گمشدہ" دعا ہے کہ حسین کی دعائیں رنگ لائیں اور غزنی صاحب ان کے ہو جائیں اور شر مین کہیں پہاڑوں میں چلی جائے اور اجیہ اور ارتش اپنی مما اور خالہ کے ساتھ خوشی کے گیت گائیں نزہت جبیں ضیاء صاحبہ نے محفل لوٹ لی باقی افسانے بھی تمام اچھے تھے پلیز آپی سمیرا شریف طور سے کہیں کوئی ناول آنچل کے لیے لکھنا شروع کریں باقی سب اپنا خیال رکھیں، خوش رہیں اور ہنستے رہیں فی امان اللہ۔

اقصیٰ کشش...... محمد پور دیوان۔ السلام علیکم! پیاری سی شہلا آپی کو پیارا سا سلام۔ کیسی ہیں آپ؟ امید ہے خیریت سے ہوں گی، ایسا جانی اتنے ماہ آپ کی محفل سے غیر حاضر رہی، ویلکم کریں۔ اس بار آنچل 25 تاریخ کو مل گیا تھا ٹائٹل گرل کی شرٹ پسند آئی۔ حمد و نعت سے دل کو منور کر کے در جواب آں میں جھانکا، مہتاب فاطمہ کی خبر پڑھ کر میں ششدر رہ گئی، مجھے ایسے لگا جیسے دل دھڑکنا بھول گیا ہو وہ کافی عرصے سے آنچل سے غائب تھیں لیکن یہ تو میرے گمان میں بھی نہیں تھا کہ شاہ زندگی ہمیں چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے جا چکی ہیں اللہ پاک سے دعا ہے کہ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کی مغفرت کرے۔ سلسلہ وار ناول میں سب سے پہلے "تیری زلف کے سر ہونے تک" پڑھا عمرانہ بیگم کیسی ماں ہیں جسے اپنی اولاد کے جذبات کی پروا ہی نہیں اور اولاد بھی ایسی جو ان کی فرماں بردار ہے۔ انشراح کو واپس اپنی جون میں دیکھ کر خوشی ہوئی نوفل کو اس کا ماضی چین نہیں لینے دے رہا خیر اسٹوری اچھی جا رہی ہے۔ "شب ہجر کی پہلی بارش" آپی جی اس کی تعریف کے لیے تو الفاظ ہی کم ہیں تمام کردار ہی جاندار ہیں ویل ڈن۔ "ذرا سکرا میرے گمشدہ" مجھے غزنی جیسے مردوں سے نفرت ہے جو عورت کو اپنی جاگیر سمجھ کر بے جا روک ٹوک کرتے ہیں پتا نہیں فرح بیگم اجیہ کے گھر کب جائیں گی، مجھے اس دن کا شدت سے انتظار ہے۔ "حریم عشق" ارحام کا نکاح حریم سے ہوا ہے ارحام کو اس کی محبت مل گئی اب حریم کا ری ایکشن کیا ہو گا اگلی قسط کا انتظار ہے۔ مکمل ناول میں "انتقام محبت" پڑھا واقعی کبھی کبھی انسان جب انتقام لینے پہ آتا ہے تو راستے میں آنے والی ہر چیز کو تہس نہس کر دیتا ہے، معاف کر دینا واقعی ایک بہت بڑی خوبی ہے جس سے بہت کم لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں، اصلاحی کہانی تھی۔ آنچل مجھے اس لیے پسند ہے کہ اس میں ہر کہانی میں کوئی نہ کوئی اصلاحی پہلو ہوتا ہے جو کسی بھی انسان کی زندگی کو بدل سکتا ہے۔ دوست کا پیغام آئے میں اپنا نام تلاش کیا لیکن کسی نے بھی ہمیں یاد نہیں کیا (ہائے ری قسمت) ہم سے پوچھئے میں تو مدیحہ نورین نے سوالوں کی پٹاری ہی کھول دی (ہاہاہا مذاق کر رہی ہوں) وفا خان کے سوالات پسند آئے آخر کیوں نا آتے میری دوست کے جو تھے۔ نیرنگ خیال میں سباس گل، انیلا طالب ٹاپ پر ہیں اور ہاں میں بھی (آہم) آئینہ میں کوثر خالد سب پہ چھا گئے ہوا افشاں علی کافی عرصے سے آئینہ سے غائب ہیں، مجھے ان کا تبصرہ پڑھنا اچھا لگتا ہے جلدی سے انٹری دیں۔ بیاض دل میں سب نے اسے دن لکھا باقی رسالہ ابھی زیر مطالعہ ہے۔ فائزہ بھٹی، اقرا امداد، نیک ایم نور الشال، مدیحہ نورین مہک، پروین افضل شاہین، ام کمال، نورین انجم اعوان، سحر عائش، ساجدہ ملک پرویز، عائشہ پرویز، دلکش مریم، اقصیٰ دھنیاں، زرگر، حیا عباسی، دعائے سحر، سمیرا تعبیر کے ایس انمول اور جن کے نام رہ گئے سب کو میری طرف سے سلام اور آنچل کی سالگرہ کی مبارک باد اگلے ماہ تک کے لیے اجازت زندگی رہی تو

پھر ملاقات ہوگی آپ سب اپنا بہت خیال رکھیے گا فی امان اللہ اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر اقصیٰ! خوش رہو آنچل کی سالگرہ آپ کو بھی مبارک۔

فریدہ فری یوسف زئی...... لاہور۔ پیاری شہلا عامر السلام علیکم! مارچ کا آنچل ملا ٹائٹل بس سو سو تھا ویسے اچھا تھا لہن وغیرہ نہیں تھی۔ اس مرتبہ تو مزا ہی آ گیا کیا بہترین افسانے اور ناولٹ تھے۔ "چراغ خانہ" "ذرا سکرا میرے گمشدہ" رفعت سراج فاخرہ گل کو بہت بہت شکریہ۔ ناولٹ "انتقام محبت" "حریم عشق" پڑھ کر مزا آ گیا۔ نزہت جبیں جی کیا افسانہ لکھا آپ تو لکھتی ہی اچھا ہیں۔ "چہرے بنا لیتے ہیں" شکریہ خوش رہو۔ "دیوی" نادیہ احمد کی بہترین تحریر لگی۔ "تیرے حق میں اپنا گھر بنام مارچ" حرا قریشی واہ کیا افسانہ تھا ایسا ہی لکھتی رہو۔ بیاض دل میں فصیحہ آصف کے شعر اور مسز نگہت غفار، نجم انجم، پروین بھابی کے اشعار دل کو بھائے۔ نیرنگ خیال میں سب کی شاعری دل کو بھائی شہناز شاز، فائزہ بھٹی، شہزادی اور ثوبیہ بلال کے تعارف اچھے لگے۔ اس مرتبہ میں بہت خوش ہوں کوثر خالد نے ہمارے نام شاعری کی ہمیں بہت ہی اچھے الفاظ میں یاد رکھا۔ کوثر خالد ہمیں تم بہت پیاری لگتی ہو خوش رہو جگ جگ جیو ہمیں یاد رکھنے کا بے حد شکریہ۔ ہم پہلے سے کافی بہتر ہیں دوست کا پیغام آئے میں آمنہ رحمان، مسکان اور طیبہ بھول گئی ہمیں یاد رکھنے کا بے حد شکریہ سدا مسکراتی رہو۔ سدرہ نورین جی خاص لوگوں کے نام کیا ہم خاص نہیں فالتو ہیں چلو خیر ہم بھی خاص ہیں۔ یہ جو تمہیں آنچل میں لکھتی ہیں پروین بھابی کو تو یاد رکھتی ہیں اور نند یعنی فریدہ فری کو بھول جاتی ہیں ہاں بھئی نند بھاوج کا رشتہ ہی عجیب ہوتا ہے یعنی ہم نند جو ہوئے مگر ہم اچھی نند ہیں۔ مائنڈ مت کیجیے گا ویسے ہی لکھ دیا آپ سب تو بہت ہی اچھی ہیں۔ تمام دوستوں، رائٹرز اور قارئین کو دعا اور سلام۔

رقیہ ناز...... میلسی۔ السلام علیکم ڈیئر آنچل کی ننھی منی پریاں آپ کو رقیہ ناز کا سلام قبول ہو اب آتے ہیں سلسلہ وار ناولز کی طرف آپی پلیز شہزادو کو کسی نہ کسی طریقے سے آزاد کروا دیں باقی سب اچھا جا رہا ہے۔ "ذرا سکرا میرے گمشدہ" میں جہاں یہ پڑھ کر خوشی محسوس کرنے لگی کہ شکر ہے اجیہ نے باپ کو کچھ تو بولا اور اچھا فیصلہ کیا وہیں یہ پڑھ کر بے حد دکھ ہوا جب ارتش آیا تو تالا لگا ہوا تھا پلیز آپی اب ارتش اور اس کی ماما سے اجیہ کی امی کو ملا کر سرپرائز دے ہی دیں۔ "تیری زلف کے سر ہونے تک" مائی موسٹ فیورٹ ناول ہے بہت اچھا جا رہا ہے پلیز نوفل اور انشی کے دوپٹے کو ٹھیک کر دیں اور انشی کو لاریب کے شر سے بچالیں۔ "چراغ خانہ" میں پیاری کے لیے کوئی بہتری پیدا کر ہی دیں پلیز آئینہ میں مہوش ظہور مغل، کوثر خالد، عابدہ مغل اور سامعہ خالد چھا گئیں۔ بیاض دل میں سب نے بہت اچھا لکھا ماشاءاللہ۔ شاعری کا مجھے بھی بہت شوق ہے پلیز کوثر خالد مجھے اپنی شاگردی میں لے لیں نا اور ہاں سدرہ ریاض آپ نے بہت برا کیا میرے ساتھ کوئی بات نہیں کی۔ بڑے ظرف کے لوگ ہیں ہم اللہ آنچل سے وابستہ ہر رشتے کو کامیابیاں اور خوشیاں عطا فرمائے اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہ کرے والدین کا سایہ ہمیشہ قائم رکھے اللہ حافظ۔

دلکش مریم...... چنیوٹ۔ آنچل قارئین مصنفین اور تمام اسٹاف کو السلام علیکم اور آنچل کی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو دعا ہے آنچل اسی طرح دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے آمین۔ 25 کو آنچل ملا سرورق پر نظر دوڑاتے ہی سب سے پہلے سرگوشیاں سنیں اور دل سے دعا کی کہ اللہ ملک پاکستان کو اپنی امان میں رکھے آمین۔ در جواب آں میں پڑھا تو دل دھک سے رہ گیا شاہ زندگی آنچل کی قارئین میں ایک جگمگاتا نام اب اس دنیا میں نہیں رہیں اگرچہ شناسائی صرف نام کی حد تک تھی مگر یوں لگا جیسے کوئی اپنی بہت عزیز اچانک بچھڑ گئی دل کو بہت دکھ ہوا اللہ پاک سے دعا ہے کہ انہیں جنت میں اعلیٰ مقام عطا کرے آمین۔ فریدہ فری آپ کی محبتوں، سلام و دعا کا بہت شکریہ اللہ پاک آپ کو صحت دے اور اپنی امان میں رکھے آمین۔ اب بات ہو جائے سلسلہ وار ناولز کی رفعت سراج کا "چراغ خانہ" نے تو آنچل کو روشن کر رکھا ہے سعدیہ بیگم کی ناکام ہوتی سازش، مشہود کی حد سے بدگمانی اور ماضی کی یادیں دانیال کا پیاری کو حوصلہ دینا ویل ڈن بہت مہارت کے ساتھ کہانی رواں دواں ہے۔ "ذرا سکرا میرے گمشدہ" سوچا تھا کہ کہانی اختتام پذیر ہوگی مگر لگتا ہے رائٹر کا ارادہ کہانی کو طویل کرنے کا ہے اب ایک دم سے اجیہ کے نکاح کا فیصلہ...... غزنی پر اور اجیہ کے والد پر بہت غصہ آیا ایسا نہیں ہونا چاہیے اجیہ کی شادی ارتش سے ہی ہونی چاہیے مگر ناول کو زیادہ طویل نہیں کریں۔ "شب ہجر کی پہلی بارش" تو رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی نازیہ کنول استقامت آزمائیں اور کوئی خوش آئند بات بھی سامنے لائیں۔ ہر کردار کا تکلیف میں ہونا بہت تکلیف دہ بات ہے۔ "تیری زلف کے سر ہونے تک" ناول میں دلچسپی بڑھتی جا رہی ہے ابھی تک ہر کردار باور فل ہے بس اس لاریب کو انشراح سے دور ہی رکھیے گا جانے اس کی نانو (جہاں آرا) کیا کرنا چاہتی ہے انشراح کے ساتھ اور مائدہ کی والدہ نے تو حد ہی کر دی کتنی خود غرض اور بے حس عورت ہے۔ ناولٹ میں شگفتہ یاسمین کا "انتقام محبت" لاجواب رہا جہاں تعبیر حسین پر افسوس ہوا وہیں شہریار کی موت پر بہت تکلیف ہوئی کیا ہاتھ آیا انتقام میں کہ احساس جرم میں شہریار زندگی کی بازی ہار گیا۔ "حریم عشق" سیدہ غزل زیدی کی ہمیشہ کی طرح بہترین تحریر جس کا پہلا حصہ خوب رہا آگے دیکھتے ہیں قلم کی مہارت کو کہ کون کس کے نصیب میں ہے افسانے بھی لاجواب رہے کس کی تعریف کی جائے اور کس کی نہیں۔ ہر رائٹر اپنی مثال آپ ہے شاہ ناز کا حقیقت پر مبنی آرٹیکل بہت پسند آیا آج کل کی آزاد اور کہنے کو خودمختار عورت کے بارے میں ہر لفظ سچ لکھا ابھی بھی وقت ہے عورت کو اپنی حد کا تعین کرنا چاہیے بے جا آزادی کے نام پر اپنی عزت و وقار کو مٹی میں نہیں رولنا چاہیے۔ مستقل سلسلوں میں آمنہ حسن، نگین افضل، پروین افضل، ندیجہ کنول، سباس گل، نبیلہ طالب، نقش حبیبہ، ثوبیہ سحر، حرا قریشی، مسز نگہت غفار اور ارم کمال کی نگارشات پسند آئیں آئینہ میں بھی جانے پہچانے چہرے جگمگا رہے تھے دوست کا پیغام میں لائبہ میر، نبیلہ طالب، آمنہ رحمن، عائشہ حسن آپ کے سلام و دعا کا بہت شکریہ اللہ تعالیٰ آپ سب کو خوش رکھے اور ہمارا ساتھ تا دیر قائم رہے آمین والسلام۔

بی بی اسماء سحر...... راولپنڈی۔ السلام علیکم! اللہ پاک میری غفلت کا کوئی حل نکالیں نہ آنچل بہت دنوں سے ہاتھوں میں ہے اور تبصرہ لکھ ہی نہیں پا رہی اب بھی میرے عزیز چمن میں فکر چھپ فرار کرکے ارتکاز کا باعث بن رہے ہیں اس بار حاضری کی گستاخی کا باعث سلسلے وار ناولز ہیں اقرأ جی ماشاءاللہ کیا اٹھان ہے امیز نگ نازیہ جی بہت اچھا مگر خدارا آگے چل کر جمود کا شکار ہونے سے بچیے گا۔ نجانے آپ کے اس ناول کے بارے میں دل میں یہ خوف کیوں بہرحال میں جانتی ہوں ذمہ داریاں ہمیشہ بہادروں کو ملتی ہیں۔ "چراغ خانہ" کے تو ہم دیوانے ہیں فاخرہ گل صاحبہ بہت خوب انداز میں آگے بڑھ رہی ہیں مگر سکندر صاحب کو سبق سکھانا بھی ضروری ہے تاکہ دوسری نسل یعنی غزنی کچھ عقل پکڑے اور یہ شرمین محترمہ اس کی تو میرا دل کرتا ہے کہ چابی گھما کے زبان بند کر دوں۔ سیدہ غزل زیدی خوب بہت خوب دیا بدوست آیا اس ناول کے بارے میں بہت خاص بات آپ کو بتاؤں گی مگر بعد میں ان

ماشاءاللہ۔ ”بنام مارچ“ حرا بہت خوب مگر ذہن کے بصارتوں سے گزر کی دل میں گوشہ نشین ہوتے الفاظ اور موضوعات کی اچھوتی طرز پر خوش رہو۔

اگر جو زندگی نے مہلت دی آئیں گے ضرور
سنو مگر وعدہ نہیں کرتے دعا کرنا دراز عمر کی سکھیوں

عائشہ پرویز ...... کراچی۔ دل کی گہرائیوں سے اور بے پناہ محبتوں سے آنچل کو سالگرہ مبارک ہو آنچل کو 39 سال مکمل ہونے پر بہت بہت مبارک باد آنچل والوں سدا خوشیوں کے ہنڈولوں میں جھولا جھولو آمین۔ جیسے ہی مارچ کا شمارہ ملا رگ و پے میں سکون کی لہریں سرایت کر گئیں۔ نام آنچل ہے اور آنچل ہی غائب اس لیے پلیز سرورق آنچل کے حساب سے لگایا کریں (لیکن وہ ماڈل آنچل پہنے بھی تو) پھر ہم نے قیصر آپا کی سرگوشیاں سنیں اتنی زیادہ کہانیاں دیکھ کر ہم بے حد خوش ہو گئے پھر حمد و نعت سے مستفید ہوئے۔ در جواب آں میں تمام دوستوں کے خطوط کے محبت بھرے جوابات قیصر آپا دیتی نظر آئیں۔ دانش کدہ ہم انسانوں کے لیے جراثیم کش دوا کا کام کرتا ہے۔ ہمارا آنچل میں چاروں بہنوں سے ملاقات کی بہت سی دعا میں آپ لوگوں کے لیے۔ سلسلے وار ناول ”تیری زلف کے سر ہونے تک“ ہر دفعہ یہ سوچ کر پڑھنا شروع کرتی ہوں کہ نوفل اور انشراح ایک ہوں گے لیکن امید پر دنیا قائم ہے آخر میں اقرأ آیا مزہ آ گیا جب زید کا پھٹر مائدہ کو پڑا ویل ڈن۔ ”شب ہجر کی پہلی بارش“ نازیہ آپی کافی خوب صورتی سے ناول آگے بڑھا رہی ہیں پھر بھی کافی گتھیاں ابھی سلجھنے کے انتظار میں ابھی جا رہی ہیں خیر انتظار رہے گا اگلی قسط کا۔ بات ہو مکمل ناول کی تو رفعت سراج ”چراغ خانہ“ اُف...... آپی میں بتا نہیں سکتی کیا حالت تھی پڑھ کر مشہود کو ٹھکانے لگائیں بھلا بھائی ایسے کرتے ہیں اپنی بہنوں کے ساتھ اللہ کبھی کسی بہن کو ایسی اذیت نہ دے کہ یہ تکلیف اور دکھ تو سب سے بڑا ہوتا ہے۔ ”ذرا مسکرا میرے گمشدہ“ فاخرہ اُف آپ نے تو پورا سامان کر رکھا تھا رلانے کا توبہ اتنا بڑا نقصان اینڈ ٹائم پر گھر کو تالا لگا دیا پلیز اب آگے جا کے میرے دل کو تالا مت لگا دیجیے گا۔ ناولٹ ”انتقام محبت“ شگفتہ بہت مبارک باد اتنا خوب صورت ناول لکھنے پر الفاظ اتنے خوب صورت تعبیر کا کردار اور انتقام زبردست۔ بے شک خود پسند لوگ ہی اذیتیں برداشت کرتے ہیں اور زندگی میں تنہا رہ جاتے ہیں شاید اس لیے جیلسی اور انتقام کے جذبوں میں محبت جیسا جذبہ دھندلا ہی جاتا ہے۔ ”حریم عشق“ سیدہ غزل بہت خوب صورت تحریر ارحام اور حریم ایک خوب صورت کپل بن سکتا ہے۔ افسانوں کی بات ہو جائے تو سب کی کاوش اچھی تھی نزہت آپی اس تحریر کی جتنی بھی تعریف کروں کم ہے کتنے ہی گھروں کی کہانی ہے یہ فرق صرف اتنا کہ عطروبہ نے قربانی دے کر اپنی ماں کو اپنی غلطی کا احساس دلایا کاش سب والدین اس رمز کو سمجھ جائیں تو کوئی دولت کی چکا چوند میں محبت کا رشتہ نہ ٹوٹے۔ نادیہ آپی کی ”دیوی“ پڑھی بہت منفرد اچھا ٹاپک منتخب تھا اللہ آپ کو توفیق دے اچھا اچھا لکھنے کی اور ہماری اصلاح کرنے کی۔ ”بنام مارچ“ حرا قریشی آپ نے تو ہمیں رلا دیا بہت ہی اچھی کاوش تھی کیپ اٹ اپ۔ ”میں تیرے حق میں“ عنبرین نے ایک سبق آموز تحریر لکھی آج کل کی نیو جنریشن کے لیے لوگوں نے خود پر ہوس کے خوب صورت خول چڑھائے ہوئے ہیں جن کو وہ محبت جیسے پاکیزہ رشتے کا نام دیتے ہیں باقی تحریریں بھی لاجواب رہی آرٹیکل میں ثناء نے واقعی سوچنے پر مجبور کر دیا بیاض سب ایک سے بڑھ کر ایک لگے۔ ڈش مقابلہ ساری ترکیبیں پڑھ کر منہ میں پانی آ گیا مگر پکا ایک بھی نہ سکی جوئے شیر لانے کے مترادف جو ہے۔ بیوٹی گائیڈ نہیں پڑھا نیرنگ خیال میں سباس آپی کی محبت اور قسمت اور حرا قریشی کی ڈسٹنگ دل کو چھو گئی۔ دوست کا پیغام آئے میں کئی دوستوں نے مجھے یاد رکھا تو یو دوستوں خوش رہو آباد رہو اپے خرچے پر ہاہاہا۔ یادگار لمحے میں افضل پروین یادگار رہیں آئینہ میں اپنا تبصرہ نہ ہونے کے باوجود ہر بہن کے تبصرے میں خود کو روشن پایا۔ ہم سے پوچھئے پروین افضل خدیجہ نورین ارم کمال کے سوالات نے سماں باندھ دیا کام کی باتیں بہت ہی مفید اور کارآمد رہیں کافی ساری معلومات ان سے ملی الغرض مارچ کا شمارہ چودہویں کے چاند کی مانند اپنی کرنوں سے ہمارے قلب کو منور کر گیا آخر اس ملا عبدولت کی شادی کی ڈیٹ جو رکھی جا رہی ہے ہی ہی ہی اچھا جی رب راکھا زندگی رہی تو پھر ملاقات ہو گی ان شاءاللہ۔

☆ ڈیئر عائشہ ہماری جانب سے ڈھیروں مبارک باد۔

روبی علی ...... سید والہ۔ السلام علیکم! ایک سال دو مہینے کی جدائی کے بعد آنچل سے وصال کے لیے پھر سے آ ہی گئے۔ سفید سرورق پر سفید لباس پر پھولوں کی بہار ہی نرالی تھی حمد و نعت تعریف کے محتاج نہیں دلوں کو منور کرنے کی باتیں ہیں۔ دانش کدہ ہمیشہ کی طرح علم کے خزانے لیے ہوئے تھے۔ قدم ہمارا آنچل کی طرف بڑھ جائے سبھی بہنوں سے ملاقات اچھی رہی۔ شہناز شازیہ اقبال میں نے بھی درسِ نظامی کا کورس کیا ہوا ہے۔ فائزہ بھٹی مجھے بھی وہ شاعر پسند ہیں جو آپ کو ہیں۔ بیہ بلال مجھے بھی کتابیں پڑھنے اور جمع کرنے کا بہت شوق ہے۔ ”چراغ خانہ“ ماثو آپا اپنی سادگی اور نرمی کے ہاتھوں سعدیہ بیگم کی چالبازیوں کو نہیں سمجھیں مشہود نے تو کچھ زیادہ ہی دل پر پتھر رکھ لیے ہیں جن کے سرکنے تک پیاری بے ہوش ہونے کے ریکارڈ توڑتی رہے گی۔ نادیہ احمد کریٹ اونسی غلام حسن جیسے لوگ تو نہ ہونے کے برابر ہیں۔ مذہب کے نام پر انسانیت کا خون ہر دور میں بہایا جا رہا ہے۔ شگفتہ یاسمین آپ نے تو محبت سے کچھ زیادہ ہی انتقام لے ڈالا (بے چارہ شہریار حسن) نزہت جبیں ضیاء نے آج کے دور میں ہر ایک کو چمٹی دولت کی بیماری پر بہت اچھا لکھا۔ دولت حاصل کرنے کے چکر میں ہم محبت اور خلوص کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔ ”میں تیرے حق میں“ عنبرین ولی کی بہت زبردست کاوش تھی۔ شازیہ الطاف کے اپنے گھر نے ہمارے معاشرے کے اکثر گھروں کے پردے چاک کر دیئے۔ ”بنام مارچ“ اُف حرا قریشی کے لفظوں نے تو ہمارے دل کی دھڑکن کو بھی خاموش کروا دیا۔ ”می“ کی محبت ہمیں بھی اپنے دل میں محسوس ہونے لگی۔ ”تم بن ذات ادھوری“ جب ہم کچھ کھو دیتے ہیں تو بدلے میں اس سے اچھا بھی مل جاتا ہے۔ نظیر فاطمہ آپ نے بہت نازک موضوع پر قلم اٹھایا ہم یتیموں پر ترس تو کھا سکتے ہیں مگر ان کی تربیت کے لیے ان کے سروں پر سرپرستی کا ہاتھ نہیں رکھ پاتے۔ ”شجر ذات“ صرف سید گھرانے کا ہی نہیں اور بھی بہت سے گھرانوں کا المیہ ہے جہاں اپنوں کے نام پر بیٹیوں کے حقوق کا استحصال ہوتا ہے۔ ”حریم عشق“ دل کو بھایا مگر یہ کیا عشق تو ادھورا تھا باقی اگلے مہینے (افسوس)۔ بیاض دل سے نگہت غفار، انجم انجم اور تانیہ مسکان کے ہماری اشعار پسند ٹھہرے۔ نیرنگ خیال میں ٹھری کی قحط سالی نے آنکھوں کو نم کر دیا۔ حمیرا علی کا یقین اچھا لگا تو بیہ سحر آپ کی نظم دل کو چھو گئی حرا قریشی کی ڈسٹنگ کمال ہے جی۔ دوست کے پیغام میں ہر وہ پیغام اچھا لگا جس میں میرا نام ہوتا ہے آئینہ میں کوثر خالد صاحبہ ہی سرفہرست ٹھہریں۔ یادگار لمحے ہمیشہ کی طرح یادگار ہوتے ہیں مسز نگہت غفار کی خوشیاں حبا مذہر گراونڈ کا مذر گر ”مقام عشق“ اور اولیس قریشی مدیر بیاض کی بہت بات دو اس عمر کا شیا طیبہ خادم کا سخ سعدی پسندیدہ ٹھہرا۔ اب اجازت دیں خوش

رہیں اور خوشیاں بانٹیں اللہ حافظ۔

فائزہ بھٹی...... پتوکی۔ السلام علیکم پاکستان! کیا حال ہیں آپ سب کے آنچل کا نیا شمارہ 2 مارچ کو ملا سرورق کافی اچھا رہا ماڈل گرل کا سوٹ سب سے اچھا لگا ورنہ لپ اسٹک تو لگتا تھا کسی بچے نے شرارت سے ہاتھ مار کر پھیر دی ہو۔ فہرست پر گئے تو پڑھتے پڑھتے فائزہ بھٹی کے نام پر آ کر نظریں ٹھہری گئیں (یہ کہاں سے آ گئی) سلسلہ دیکھا تو ہمارا آنچل ہا حیرت اتنی بڑی زیادتی وہ بھی مجھ سے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے فروری 2013ء کی بات ہے جب میں نے یہ کوشش کی اور آپ کے نام پر ارسال بھی کر دی دو سال تک انتظار کیا بعد میں اسی پر فاتحہ پڑھ لی اور اب جبکہ ہمیں خبر تک نہ تھی اتنا بڑا سانحہ گزر گیا ہم پر بھلا اب بھی نہ کرتے شائع (بچی بڑا احسان ہوتا) ان گزرے چار سال میں کیا کچھ نہ ہوا دنیا بدل گئی ہم بدل گئے۔ اب اگر بات کریں سلسلہ وار ناولز کی تو ”تیری زلف کے سر ہونے تک“ انشراح نے بالکل ٹھیک کیا نوفل سائیکو کیس ہے ذرا جو پتا ہو کہ بات کیسے کرتے ہیں۔ سودہ تو گئی اب تو زید کو ہی ہدایت آ جائے اور یہ اس کی بہن کتنی غلط نکلی (مہذب الفاظ)۔ عمرانہ اپنا بیٹا گنوا کر بیٹھ گئی (عقل نہیں ہے کیا)۔ زید نے کیا خوب بے عزتی کی واہ واہ (نیا اسٹائل)۔ ”شب ہجر کی پہلی بارش“ زاویار کو تو بندہ یہ الٹے ہاتھ کی دے سچی بات کروں تو سارے فساد کی جڑ تو یہ صمید حسن صاحب ہیں ہر طرف جھوٹ کی دیواریں کھڑی کر کے سچائی کے محل میں پرسکون نیند کا خواہاں (کم عقل نہ ہو تو)۔ ہوزان بھی نئے نئے رشتے نکال رہی ہے مریہ کا تو اب اللہ حافظ ویسے عمر نے بھی مجنوں بننے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ ”چراغ خانہ“ رفعت سراج کو اب اس ناول کو ختم کر دینا چاہیے کتنی ہی اقساط ہو گئیں مگر مشہود ہی ٹھیک نہیں ہو رہے ایک جگہ رک سی گئی ہے ایک دو اقساط میں کسی ایک جگہ گھما دیں اگر رائٹر چاہیں تو کب کا اینڈ بھی ہو چکا ہوتا۔ ”ذرا سکرا میرے گمشدہ“ تو بہ شرمین اور اس کے خواب (تعبیر کے بغیر) حنین تو ٹھیک ہوئی اچھا ہے غزنی محبت سے زیادہ انا کا مارا ہوا مرد (روایتی مرد)۔ اپنی نام نہاد محبت کے پس پردہ اپنی انانیت کی تسکین کی کوشش (ان شاء اللہ لاحاصل کوششیں) اجیہ ولہ کیا خوب بھڑک ماری ہے اگر تم یہ جنگ جیتی تو شرمین سے لے کر آسکر ایوارڈ تجھے دوں گی بس دیکھنا یہ ہے کہ تمہاری بہادری کہاں تک پھول کھلاتی ہے اور کوئی کہانی نہیں پڑھی۔ ہمارا آنچل اپنا تو کیا پڑھنا اور کیا تعریف کرنی باقی بہنوں نے اچھی کوشش کی اچھا لگا جیتی رہیں خوش و آباد رہیں۔ نیرنگ خیال مدیحہ کنول غزل کا دوسرا شعر سب سے اچھا تھا۔ حمیرا نگی عظمیٰ جبیں ثوبیہ سحر نے اچھا لکھا۔ بیاض دل مسز نگہت غفار ثانیہ مسکان مدیحہ نورین مہک نے اچھا لکھا۔ اللہ آپ سب پر رحم کرے آمین اللہ حافظ۔

سمعیہ رانی...... ملتان۔ بہار کی آمد آمد ہے جبکہ آسمان پر آوارہ بادلوں کے ٹکڑے رقص کرتے دکھائی دے رہے ہیں ایسا لگتا ہے تھوڑی دیر میں آسمان سے موتی برسیں گے اور یہ جل تھل ہر چیز کو نکھار دے گی۔ یہ آنچل بھی بہاروں جیسا ہے جس کو دیکھتے ہی ہمارے من کے آنگن میں بہار کھل اٹھتی ہے۔ ٹائٹل گرل ہلکے پھلکے میک اپ اور ڈریس میں بہار کا ایک جھونکا لگی سرگوشیوں میں جھانکا تو بہت قابل احترام اور معتبر ہستی بانو قدسیہ کی وفات کا سن کر دکھ ہوا اللہ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے آمین۔ ادب کی دنیا کا ایک اور ستارہ ٹوٹ گیا اس کے بعد حمد و نعت سے دل کو منور کیا۔ در جواب آں میں جھانکا لیکن رکنا پڑا آپی راحت وفا کو مبارک باد دینے کے لیے۔ اس کے بعد دانش کدہ سے افہام و تفہیم حاصل کرتے چاروں بہنوں کے تعارف تک جا پہنچے سب کا تعارف قابل تعریف ہے اور شعری ذوق بھی خاص طور فائزہ بھٹی کا اس کے بعد ”چراغ خانہ“ میں انٹری دی صد شکر کہ پیاری کو دانیال تک پہنچا دیا گیا آپی پلیز ذرا قلم کو تیز کیجیے۔ ”شب ہجر کی پہلی بارش“ میں شہزاد کے ساتھ اچھا نہیں ہو رہا پلیز نازی جی اس بڈھے کھوسٹ سے اس کی شادی مت کروائیے گا اور مریہ رحمان کا کومہ میں جانا ان کے ساتھ بھی اچھا نہیں ہوا بہرحال ابھی کہانی میں ٹوئسٹ باقی ہیں صیام نے بالکل ٹھیک کیا۔ ”دیوی“ نادیہ احمد نے یہ وضاحت کی کہ مذہب سے پہلے ایک اور مذہب آتا ہے جس کو مذہب انسانیت کہتے ہیں اور وہ باقی تمام مذاہب جیسے ہندو مسلم و عیسائیت سب پر بھاری ہے۔ ”انتقام محبت“ میں تعبیر حسن کا رویہ پسند نہیں آیا اینڈ میں تو سزا بھگت کر ان دونوں کو امر ہو جانا چاہیے تھا۔ ”اپنا گھر“ واقعی شادی کے بعد عورت کا اصل گھر اس کے شوہر کا گھر ہوتا ہے شادی کے بعد میکے بیٹھ جانے والی عورت کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا سسرال میں چاہے روکھی سوکھی بھی مل جائے پر شادی کے بعد سسرال میں رہنے سے عزت ملتی ہے بہت گڈ افسانہ ”بنام مارچ“ حرا قریشی بھی اپنے افسانے کے ساتھ جلوہ افروز تھیں آپ کے افسانے اتنے زبردست ہوتے ہیں اور الفاظ کا چناؤ بھی سو ہم کمنٹس دے نہیں پاتے کہ آپ کے لفظوں کے سامنے تو ہمارے لفظ کچھ بھی نہیں۔ ”شجر ذات“ واقعی یہ آج کل کے گھروں کی کہانی ہے اور باقی کہانیاں ابھی زیر مطالعہ ہیں۔ بیاض دل میں سباس گل اور وقاص عمر کا شعر پسند آیا اور تبصرے کے سارے سارے ہے لیکن کوثر خالد تو ہمیشہ ہی ٹاپ پر ہوتی ہیں اس کے بعد مہوش ظہور مغل عابدہ مغل نور الشال شہزادی سامعہ ملک نے بھی اچھا تبصرہ کیا۔ آپی پروین افضل شاہین بھی ایک جھلک دکھا گئیں۔ ڈش مقابلہ میں کڑاہی اور مایو رول بنانے کا ارادہ ہے اچھا کھانا ویسے بھی ہماری کمزوری ہے ٹرائی کر کے دیکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اجازت چاہتے ہیں زندگی رہی تو بار بار ملتے رہیں گے اللہ حافظ۔

☆ اس دعا کے ساتھ آئندہ ماہ تک کے لیے اجازت کہ اللہ تبارک و تعالیٰ وطن عزیز کو اپنی حفاظت میں رکھے اور نیک کام کرنے اور نیکی پھیلانے کی ہر مسلمان کو توفیق عطا فرمائے آمین۔

نوٹ: آنچل شمارہ مارچ میں بہن شگفتہ یاسمین کی کہانی ”انتقام محبت“ پر غلطی سے ان کا نام شگفتہ یاسمین لکھ دیا گیا تھا۔

aayna@aanchal.com.pk

دوست کا پیغام آئے

ہما احمد

آسیہ شاہین...... نامعلوم

س: عشق کے کل امتحان کتنے ہوتے ہیں؟

ج: پہلے میٹرک کے امتحانات دے لو پھر عشق کے امتحان کی فکر کرنا، تمہیں سپلی فیل......

س: اگر آئینہ نہ ہوتا تو لڑکیاں کیا کرتیں؟

ج: جو تم کرتی ہو جھاڑو دیتیں، اوپلے تھاپتیں، بھینسوں کو نہلاتیں۔

س: زندگی میں پیسہ ہی سب کچھ کیوں سمجھا جاتا ہے؟

ج: یہ تو تمہاری عقل و سمجھ کا فتور ہے۔

س: پیارا گراند ھا نہ ہوتا تو کیا ہوتا؟

ج: تمہارے لیے کپڑے دھونے کا صابن ہوتا جس سے تم ہاتھ سے کپڑے دھوتیں۔

طیبہ خاور...... عزیز چک وزیر آباد

س: میرے میاں خاور سلطان پھول صاحب ہر وقت غصے میں ہی رہتے ہیں (لیکن میرے ساتھ نہیں)؟

ج: تم تو غصے میں ان سے بھی دو ہاتھ آگے ہو بیلن کے ساتھ اس لیے وہ اپنا غصہ بھول جاتے ہیں۔

س: لوگ نیکی کا صلہ بدی میں کیوں دیتے ہیں؟

ج: ساس کی بات کر رہی ہو تو کھل کر کرو۔

س: آپ کے خیال میں مثبت سوچنا چاہیے یا زیادہ منفی سوچنا چاہیے (لیکن میں ہمیشہ مثبت سوچتی ہوں)؟

ج: مثبت اپنے لیے سوچو اور منفی ساس و نند کے لیے ہمیشہ خوش رہو گی۔

س: لائف اتنی چینج ہو جائے گی کبھی سوچا نہ تھا؟

ج: سوچ لیتیں تو شاید تمہاری دو ساس ہوتیں، جس میں سے ایک سوتیلی ہوتی۔

س: ہر انسان ایک ساتھ اتنے چہرے لے کے گھوم رہا ہے کوئی پتا نہیں کہاں دھوکہ دے جائے؟

ج: اُف تم تو تو ٹلی سسرال کے رحم و کرم پر ہو بے چاری دکھیاری۔ بہن، بہت افسوس ہوا تمہاری حالت زار سن کر۔

بشریٰ کنول سرور...... سیالکوٹ ڈسکہ

س: میں آج پھر رکشہ کروا کے آپ کی ذہانت کا پتا لگانے کے لیے آ گئی ہوں (دیکھیں میری ہمت ایک بے وقوف کے پاس چلی آئی)؟

ج: کتنا جھوٹ بولتی ہو پانچ روپے کے پیچھے بس کنڈیکٹر سے لڑنے والی۔

س: شعر کا جواب شعر میں دیں

کچھ ایسے بھی دوست تیری نگاہ میں ہیں شمائلہ
کہ جس سے مجھ کو باز رکھیں خود اسی پہ مرتے ہیں

ج: کاش اس شعر کی جگہ تم بچوں کی طرح رونا شروع کر دیتیں تو میں تمہیں ایک ٹافی دیتی۔

س: آپ کے سر پر دو سینگ لیکن کیوں؟

ج: آنکھیں سیدھی کرو جو تمہاری ناک کو تک رہی ہیں، جس کی وجہ سے تمہیں پتا نہیں کیا کچھ نظر آ رہا ہے۔

صبا مزرگرز کا مزرگر...... جوڑہ

س: آپی کیسی ہو آپ، آپ کی محفل میں ہم نے پہلی بار نہیں بلکہ کئی بار شرکت کی ہے مگر لگتا ہے کہ آپ کی ردی کی ٹوکری کو زیادہ بھوک لگی تھی ہر دفعہ ہمیں کھا گئی؟

ج: توبہ توبہ اگر میری ردی کی ٹوکری تم کو کھا جاتی تو تم یہاں کیسی آتیں۔

س: آپی میں ٹیچنگ کرتی ہوں مجھے بہت اچھا لگتا ہے بچوں کو پڑھانا، اگر آپ ٹیچر ہوتیں تو کیا ہوتا؟

ج: مجھے چھوڑو پہلے بچوں سے پوچھو جو تم پڑھا رہی ہو وہ انہیں سمجھ بھی آتا ہے کبھی۔

س: آپی ویسے آپس کی بات ہے ڈسپرین کو کیسے پتا چلا کہ درد سر میں ہے؟

ج: جیسے تمہیں پتا چلتا ہے کہ بچوں کے لنچ باکس میں کیا ہے، ندیدی کم سے کم وہ تو چھوڑ دیا کرو۔

س: آپی آپ کی شادی ہوئی ہے سچ سچ بتا دیں؟

ج: نہیں جب ہی تو خوش باش اسمارٹ اور بہت خوب صورت ہوں، جل گئیں ناں سو والٹ کے بلب کی طرح۔

س: آپی زندگی میں کامیابی کے لیے کیا ضروری ہے؟

ج: عقل، جس سے تم پیدل ہو اب پیدل گھر چلی جاؤ شاباش۔

س: آپی میری ایک خواہش ہے وزیراعظم بننا، اگر میں وزیراعظم بن گئی تو نیا پاکستان بنا دوں گی، آپ اس میں کیا

تبدیلی کریں گی؟

ج: نئے کی جگہ پرانا پاکستان اچھا ہے بس رشتوں اور خلوص کی کمی ہے۔

ارم کمال...... فیصل آباد

س: ہونٹ مسکرائیں اور آنکھیں آنسو سے بھر جائیں ایسا کب ہوتا ہے سوچ کر بتاتا میں؟

ج: تیز مرچوں والے گول گپے کھا کر اور اس کا پانی کا پیالہ بھر کر پینے سے ویسے تم بھی گول گپا بنتی جارہی ہو خیر تو ہے ناں۔

س: ہماری آن ہماری شان اور ہماری جان بھلا کون؟

ج: تمہارے پیارے میاں مٹھو...... اب اس میں شرمانا کیا۔

س: اگر آنکھیں خراب ہوجائیں تو عینک لگاتے ہیں اگر دل خراب ہوجائے تو......؟

ج: عشق کے پیچ لڑاتے ہیں۔

س: صبح کا بھولا اگر شام کو گھر آجائے تو اسے بھولا نہیں کہتے پھر کیا کہتے ہیں؟

ج: بے شرم بے حیا...... آگے کے جملے خود بجھ جاؤ۔

کرن شہزادی...... مانسہرہ

س: آپی گدھے کے سر پر سینگ کیوں نہیں ہوتے؟

ج: اپنے بھائی سے پوچھ کر ہمیں بھی بتاؤ۔

س: آپی منڈیر پر کوا بولے تو مہمان آتا ہے اگر کوئل بولے تو......

ج: خوب صورت لوگ آتے ہیں آنکھیں بند کرو میں آؤں گی خواب میں بچی۔

س: آپی سنا ہے آپ کے محلے کی عورتیں اپنے بچوں کو آپ کے نام سے ڈرا کر سلاتی ہیں؟

ج: سنی سنائی پر عمل کرنا چھوڑ دو اور اس لگائی بجھائی سے بھی باز آجاؤ ورنہ تمہاری وہ......

س: آپی بڑی ظالم ہیں آپ ردی کی ٹوکری سے لڑکیوں کی صدا نہیں آرہی؟

ج: بس پھر تم چپ کر جاؤ کہیں اگلا نمبر تمہارا نہ ہو۔

نورین مسکان سرور...... سیالکوٹ ڈسکہ

س: شمائل جی ذرا بتایئے کہ دنیا میں کون سی چیز بے کار ہے سوائے آپ کے؟

ج: بے کار کہہ کر تم نے میرا دل توڑ دیا خیر موٹر بائیک تو ہے اور خیر چلو تم کام سے لگو اور تمام برتنوں کے ساتھ کچن کو بھی چمکا دو شاباش۔

س: میں جب کبھی اپنے بھائی بلال سے چاکلیٹ مانگتی ہوں وہ کہتا ہے کان پر دوں گا ایک؟

ج: ویسے تمہیں ایک کی جگہ دس لگا کر ایک گننا چاہیے لیکن تم پھر بھی سدھرنے والی کہاں۔

س: میری شادی ہے 31 فروری 2018ء کو ضرور آنا۔

ج: یہ ڈیٹ تمہاری سستی کی وجہ سے دلہا والوں نے دی ہوگی اب تو کچھ شرم کرلو۔

س: شمائل جی منڈیر پر کوا بولے تو کیا ہوتا ہے؟

ج: لڑکیاں کچی ہوتی ہیں یقین نہیں آتا تو اپنے سر پر ہاتھ پھیر کر دیکھ لو۔

س: گانا سناؤں آپ کو؟

جیا نہ جائے بن تیرے یارا......

ج: اپنی شادی والے دن اپنے ان کو سنانا شاید کچھ اثر کر جائے۔

س: محبت ہوگئی جن کو وہ دیوانے کہاں جائیں
بھری دنیا میں آخر دل کو سمجھانے کہاں جائیں

ج: تم ان کی چھوڑو فی الحال تم تو پاگل خانے سدھارو۔

س: شمائل جی یہ پروین افضل شاہین آپ کی بہت تعریفیں کرتی ہیں تم تو تم سے......؟

ج: آپ کی اور ان کی باتوں پر فدا ہوں یہی کہنا تھا ناں۔

عترہ یونس...... حافظ آباد

س: شمائل بمدت بعد آئی ہوں آج تو کوئی خاصا اہتمام کریں؟

ج: جھاڑو پونچھا برتن کپڑے سب اہتمام سے تمہارے منتظر ہیں شروع شاباش ہو جاؤ جلدی سے۔

س: بجو آپ کے بالوں میں چاندی اتر آئی ہے خدارا اب تو شادی کی حامی بھرلو؟

ج: یہ چاندی نہیں فیشن ہے اپنے بالوں کی فکر کرو جو جھڑ کر کان کو چھو رہے ہیں۔

س: رات کو مجھے خواب آیا کہ ساحل سمندر پر کھڑی آپ مجھے آوازیں دے رہی تھیں بھلا کیوں؟

ج: تم چاندنی میں میرا اسلیمنگ پر دیکھ کر تم اس کو بوسہ جو

دے رہی تھیں اس لیے۔

س: ذرا بتائیں تو سہی بلاول بھٹو کے جلسہ میں آپ اسٹیج کے نیچے کیا کر رہی تھیں؟

ج: تم بھوں کے جوتے لے کر وہاں چھپی بیٹھی تھیں تمہیں ہی دیکھنے گئی تھی۔

س: سنا ہے آپ کی بزم میں بڑی ٹکر کے جواب ملتے ہیں تو ذرا ہم سے بھی ٹکرلیں؟

ج: ناں بہن معاف ہی رکھو تم جیسی ہتھنی سے میں ٹکر نہیں لے سکتی اللہ بچائے۔

س: اچھا اب اجازت دیں اپنا درشن پھر کرواؤں گی اگر دعوت کریں گی تو (آہم)؟

ج: انڈے اور ٹماٹروں کی دعوت ہوگی جو تم پر برسیں گے تو ان میں سے کچھ کھانے کے لیے اپنی جیبوں میں رکھ لینا۔

لاریب ایم نورالہدیٰ..... رحیم یار خان

س: آپی خلوص سے بھرے اور محبت کرنے والے لوگ بہت کم کیوں ملتے ہیں؟

ج: تمہاری بہتی ناک دیکھ کر جو لوگ مل رہے ہیں ان پر ہی شکر کرو اور پلیز ہاتھ کی جگہ رومال سے ناک صاف کیا کرو۔

س: آپی میں آپ کو بہت لائک کرتی ہوں مگر آپ کے کرارے اور میٹھے سے جوابوں سے ڈر لگتا ہے اس لیے کم سے شرکت کرتی ہوں؟

ج: اب یہ کم سے کم والی شکایت دور ہو جائے گی۔

س: کیا آپ کو میری ہیلپ چاہیے ظاہر ہے اتنے سوالوں کے جواب دیکھ کر تھکن جو ہوئی ہے؟

ج: ہاں میرے سر کا مساج کر دو اچھے سے۔

عائشہ رحمٰن ہنی..... ریالی مری

س: اف یہ جلے جلے جواب کیوں بھئی خیر تو ہے ناں؟

ج: تم جیسے جل ککڑیوں کو سب کے جواب جلے ہوئے ہی لگتے ہیں۔

س: ہاہاہا آپی یہ جو پیر (ملنگ) ہوتے ہیں ناں یہ اکثر مجھے پیر سے زیادہ منگل لگتے ہیں کیوں؟

ج: بہت گہرا مشاہدہ کیا ہے تم نے ان کا کوئی بڑا ہی خاص چکر لگتا ہے۔

س: آپی اگر میں لڑکی سے لڑکا بن جاؤں تو؟

ج: تم اچھی انسان بن جاؤ اور یہ فضول سوچیں چھوڑ دو

بس۔

س: آپی یہ سسرال کوئی آسیب ہے، جن ہے، چڑیل ہے طوفان ہے، سونامی ہے آخر یہ ہے کیا؟

ج: کنواروں کے لیے جنت اور شادی شدہ کے لیے دوزخ اس سے زیادہ وضاحت نہیں کر سکتی۔

س: آپی مارچ کے بعد اپریل کیوں آتا ہے جون کیوں نہیں آتا؟

ج: کیونکہ تم جون میں پیدا نہیں ہوئیں اس لیے۔

س: 26 اپریل کو میرا برتھ ڈے ہے اچھے سے گفٹ کے ساتھ وش کیجیے اور رخصت کیجیے؟

ج: پچھلے سال اپنا پرانا سوٹ تمہیں گفٹ کیا تھا اس سال وش کرتی ہوں، سالگرہ مبارک خوش رہو۔

ملالہ اسلم..... خانیوال

س: یہ محبت کیا ہوتی ہے؟

ج: ایک ایسی بیماری جو صرف فارغ لوگوں کو ہوتی ہے۔

س: میں سچ بات کہتی ہوں اسی لیے تو آپ میرے سوالات شائع نہیں کرتی؟

ج: اس سال کا سب سے بڑا جھوٹ۔

س: شمائلہ اپیا مجھے نظر بہت جلدی لگ جاتی ہے اس کا حل تو بتا دیں؟

ج: خوش فہمی میں مبتلا مت رہا کرو یہی حل ہے۔

فرح فاطمہ اشرف..... حویلی لکھا

س: آپی میں یہ سڑا ہوا سا فقرہ نہیں کہوں گی کہ مجھے خوش آمدید کہیں۔

ج: کہہ کر تو دیکھو اگر ہمت ہے تو..... ارے میں تو مذاق کر رہی تھی آنٹی۔

س: آپی جب پڑھ پڑھ کے بھی ٹیسٹ میں نمبر نہ آئیں تو انسان کو کیا کرنا چاہیے؟

ج: طوطا بن جانا چاہیے بالکل رٹو والا۔

س: جب ہم کسی کو پرکھ نہ سکیں کہ یہ شخص مخلص ہے یا نہیں تو ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

ج: سکہ اچھال کر ٹاس، تمہارے لیے یہ آسان طریقہ ہے

آپ کی صحت

کوثر جہاں، جہلم سے لکھتی ہیں کہ میری بچی کا قد چھوٹا ہے، اس کا کوئی علاج بتائیں۔
محترمہ قد بڑھانے کی دوا اوپر لکھی ہے وہی استعمال کرائیں۔
عابدہ سلیم، قصور سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ یہ ہے کہ پریگنینسی کے بعد پیٹ بڑا ہوگیا ہے اور میری ساس کا مسئلہ یہ ہے کہ ان کے جوڑوں میں درد ہوتا ہے اور نیند بھی کم آتی ہے کوئی اچھی سی دوا تجویز کردیں۔
محترمہ آپ Calcium Flour-6X کی 4 گولیاں دن میں تین بار کھائیں اور ساس کو Colchicum-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پلائیں۔
ن، ی، میر پور خاص سے لکھتی ہیں کہ میرا وزن بہت زیادہ ہے، ماہانہ نظام کی خرابیاں ہیں، اولاد نہیں ہے، ایک بچہ ضائع ہو چکا ہے، مجھے کوئی مناسب دوا بتائیں۔
محترمہ آپ Pituitrin-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں۔
عشرت، ہری پور سے لکھتی ہیں کہ میں نے قد بڑھانے کی دوا استعمال کی تھی مگر قد میں کوئی اضافہ نہیں ہوا، اس کے علاوہ مجھے سیلان کی شکایت بھی ہے اور دوسرا مسئلہ میری کزن کا ہے، اس کے سر کے بال بہت تیزی سے گر رہے ہیں، ہیر گرور کے علاوہ کوئی دوا بھی تجویز کردیں۔
محترمہ آپ نے قد بڑھانے کے لیے کوئی دیسی دوا استعمال کی ہوگی، ہومیو پیتھک دوائیں جرمنی کی سیل بند استعمال کریں ان شاءاللہ ضرور فائدہ کریں گی۔ سیلان کو ختم کرنے کے لیے Ovatesta-3X کی 2 گولیاں دن میں تین بار کھائیں۔ ہیر گرور کے ساتھ Acid Flour-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پلائیں۔
بنت علی رضا، جیکب آباد سے لکھتی ہیں کہ میرا رنگ سانولا ہے، میں گوری ہونا چاہتی ہوں میرے لئے بھی کوئی علاج بتائیں۔
محترمہ آپ Jodium-1M کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ہر 15 دن بعد ایک بار پیا کریں، یہ دوا 6 مہینے تک جاری رکھیں۔
فریدہ، ساہیوال سے لکھتی ہیں کہ میری بچی ڈھائی سال کی ہے ابھی تک بولنا نہیں آتا ایک ایک لفظ بولتی ہے پورے جملے نہیں بول سکتی، اس کے لیے کوئی دوا بتائیں۔
محترمہ آپ بچی کو Bryta Carb-200 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ہر آٹھویں دن ایک دفعہ پلائیں۔
عذرا، کوٹلی، آزاد کشمیر سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر دوا تجویز کردیں۔
محترمہ آپ Chimaphila-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں۔ اس کے علاوہ =/600 روپے کا منی آرڈر ہمارے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں بریسٹ بیوٹی آپ کے گھر پہنچ جائے گا اس کے استعمال سے فائدہ ہوگا۔
ف، حیدرآباد سے لکھتی ہیں کہ میں یہ خط بہت امید سے لکھ رہی ہوں خدارا مجھے ناامید نہ کریں میں شادی شدہ ہوں اور میری دو بیٹیاں ہیں بیٹا نہ ہونے کے جرم میں مجھے حقیر سمجھا جاتا ہے، مجھ پر زندگی کا دائرہ تنگ کردیا گیا ہے اگر آئندہ بھی بیٹی کی ولادت ہوتی ہے تو بڑا مسئلہ ہوجائے گا، خدا کے لیے میرے مسئلے کا حل نکالیں اور مجھے بیٹے کے لیے کوئی دوائی کا مشورہ دیں۔
محترمہ آپ حمل کے پہلے مہینے میں Calcium Phos CM کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں رات کو سوتے وقت پئیں اور دوسرے دن صبح نہار منہ 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر پئیں، یہ دو خوراک کافی ہوگی، ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کی مراد پوری کرے گا۔
کامران بیگ سکھر سے لکھتے ہیں کہ میری عمر 25 سال ہے سر کے بال غائب ہونا شروع ہوگئے ہیں میں گنجا ہو رہا ہوں اور بہت پریشان ہوں، یہ میرا خاندانی مسئلہ ہے، والد، چچا، تایا، سب بالوں سے محروم ہوچکے ہیں، مجھے اس کے لیے کوئی مفید علاج بتائیں کہ میرے سر کے بال قائم

رہیں اور جو گر چکے ہیں وہ دوبارہ آ جائیں۔
محترم آپ مبلغ 2800 روپے کا منی آرڈر ہمارے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں، چونکہ یہ آپ کا خاندانی مسئلہ ہے لہٰذا آپ کو کم از کم 4 بوتلیں استعمال کرنے کے بعد فرق محسوس ہوگا اور بال گرنے سے رک جائیں گے اور سر پر گھنے بال پیدا ہوں گے۔
سدرہ اقبال، جھنگ سے لکھتی ہیں کہ میرا وزن بہت بڑھ رہا ہے کم کرنے کے لیے کوئی دوا تجویز فرمائیں۔
محترمہ آپ Phytolacca Barry Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں۔
کنول، ٹنڈو آلہ یار سے لکھتی ہیں کہ جب کوئی کتاب وغیرہ پڑھتی ہوں تو زیادہ دیر پڑھا نہیں جاتا، آنکھوں پر بھاری پن محسوس ہوتا ہے، پڑھنا چھوڑ دیتی ہوں۔
محترمہ آپ Ruta-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں۔
ثمرین، خانیوال سے لکھتی ہیں کہ حسن نسواں کی کمی ہے، عمر 18 سال ہے، میری ہم عمر لڑکیاں مذاق اڑاتی ہے، میرا مسئلہ بھی حل کریں، میری ایک سہیلی کسی کی زیادتی کا شکار ہوگئی تھی کچھ مہینے بعد اس کی شادی ہے، اس وجہ سے وہ کافی پریشان ہے۔
محترمہ آپ Sabal Serulatta Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں۔ اس کے علاوہ 600 روپے کا منی آرڈر ہمارے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں، بریسٹ بیوٹی آپ کے گھر پہنچ جائے گا، دونوں دواؤں کے استعمال سے ان شاء اللہ تعالیٰ قدرتی حسن بحال ہوجائے گا۔ اپنی سہیلی کے مسئلے کے لیے کلینک کے نمبر پر صبح 10 سے دوپہر 1 بجے کے دوران رابطہ کریں۔
آسیہ بانو، سرگودھا سے لکھتی ہیں کہ میرے سر میں جوئیں بڑھ گئی ہیں، کافی شیمپو بھی استعمال کیے مگر کوئی مستقل فائدہ نہیں ہوتا اور دوسرا مسئلہ میری چھوٹی بہن کا ہے اس کو دائمی قبض کا مسئلہ ہے اس کی بھی کوئی دوا بتادیں۔
محترمہ آپ Sabadila Q کے 10 قطرے ایک مگ پانی میں ڈال کر اس سے سر دھویا کریں اور چھوٹی بہن کو Opium-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پلائیں۔
اقراء سلیم، بنوں سے لکھتی ہیں کہ میری عمر 28 سال ہے میری شادی کو 5 سال ہوگئے ہیں مجھے ابھی تک اولاد نہیں ہوئی، بہت سی لیڈی ڈاکٹر سے علاج کروایا لیکن مسئلہ حل نہیں ہوا، شوہر کی رپورٹ بھی ٹھیک ہیں، کسی کے ساتھ کوئی مسئلہ بھی نہیں ہیں۔
محترمہ آپ Ashoka Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں، اللہ تعالیٰ آپ کی مراد پوری کرے گا۔
شعیب، راولپنڈی سے لکھتے ہیں کہ ہمارے گھریلو ملازم نے بچپن میں ہی بری عادت میں مبتلا کردیا اور آج 42 سال کی عمر تک بھی اس عادت سے چھٹکارا نہیں ملا بڑی امید کے ساتھ آپ کو خط لکھ رہا ہوں۔
محترم آپ Ustilago Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں۔
مسز عبداللہ، گجرات سے لکھتی ہیں کہ میں مسلسل 12 سال سے آنچل رسالہ پڑھ رہی ہوں لیکن خط پہلی بار لکھ رہی ہوں، بہت افسوس ہوا ڈاکٹر صاحب کے انتقال کا پڑھ کر۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔ میرے شوہر کے پٹھے کمزور ہیں جسم میں سستی بہت زیادہ ہے ٹخنوں سے اوپر آدھا فٹ ٹانگیں 12 مہینے ٹھنڈی رہتی ہیں۔
محترمہ آپ Rhustox-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پلائیں۔
گل بی بی، اوگی سے لکھتی ہیں کہ آپ مجھے ہومیو پیتھک کی کوئی دوائی وقفے کے لیے تجویز کردیں اور ساتھ میں طریقہ استعمال بھی بتادیں۔
محترمہ آپ Natrum Mur-200 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ماہانہ غسل والے دن سے تین دن تک پی لیں، ہر ماہ اسی طرح لیتی رہیں۔
ام کلثوم، لیہ سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر مردوں کی طرح موٹے بال ہیں جو بدنما لگتے ہیں، انہیں ہر ہفتے نکالنا پڑتا ہے، Aphrodite کی بہت تعریف سنی ہے، کیا یہ بال ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائیں گے اور یہ بھی بتائیں کہ اس کے ساتھ کوئی میڈیسن بھی کھانی ہوتی ہے؟

محترمہ آپ کی طرح ہزاروں خواتین ہمارے کلینک کے تیار کردہ Aphrodite Hair Inhibitor سے فیضیاب ہوچکی ہیں، آپ ہمارے کلینک کے پتے پر مبلغ =/900 روپے کا منی آرڈر کریں، Aphrodite آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔ دو سے تین بوتلوں کے استعمال سے چہرے کے فالتو بال ان شاء اللہ مستقل طور پر ختم ہوجائیں گے۔

مراد خان، کراچی سے لکھتے ہیں کہ حق زوجیت ادا کرنے سے قاصر ہوں اپنی صحت اپنے ہاتھوں برباد کرچکا ہوں مجھے بھی کوئی علاج بتائیں۔

محترم آپ Staphisagaria-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں، ان شاء اللہ افاقہ ہوگا۔

عبدالرحمٰن، سکھر سے لکھتے ہیں کہ میرے جسم پر خشک خارش ہوتی ہے کسی قسم کے کوئی دانے نہیں نکلتے میں ہروقت بے چین رہتا ہوں کئی ڈاکٹروں سے علاج کروایا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

محترم آپ Dolichus-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں۔

سمیرا اشرف، ٹیکسلا سے لکھتی ہیں کہ ان کی عمر 22 سال ہے اور انہیں بہت چھوٹی عمر سے لیکوریا کا مسئلہ درپیش ہے بہت علاج کروایا، مگر آرام نہیں آتا، دوسرا مسئلہ ان کو خارش کا ہے۔

محترمہ آپ Kreasotum 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں۔

نعیم الحق، لاہور سے لکھتے ہیں کہ میرے دانتوں سے خون آتا ہے، مسوڑھے پھولے ہوئے ہیں، کوئی دوا بتادیں۔

محترم آپ Merc Sol-6 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں۔

زبیر احمد، نواب شاہ سے لکھتے ہیں کہ میری عمر 19 سال تھی تو میرے سر کے بال گرگئے تھے میں نے آپ کا ہیر گروور استعمال کیا تو مجھے بہت فائدہ ہوا۔ میرا دوسرا مسئلہ داڑھی کے بالوں کا ہے پورا چہرہ بالوں سے بھرا ہوا ہے میں چاہتا ہوں کہ صرف داڑھی کی جگہ بال باقی رہیں چہرہ کھلا رہے، کیا میں اس کے لیے ایفروڈائٹ انہیبٹر استعمال کرسکتا ہوں۔ جواب ضرور دیجئے گا۔

محترم آپ چہرے کے جس حصے سے بال ختم کرنا چاہتے ہیں اس جگہ سے بال صاف کرکے ایفروڈائٹ استعمال کرسکتے ہیں مگر یہ نیچرل بال ہیں موٹے اور لمبے ہوتے ہیں ان کو ختم ہونے میں دیر لگے گی، ان شاء اللہ بال ختم ہوجائیں گے۔

روبینہ خالد، کوہاٹ سے لکھتی ہیں کہ میں اپنی ٹیسٹ رپورٹ ارسال کررہی ہوں، 2012ء میں میری شادی ہوئی تھی اب تک اولاد سے محروم ہوں۔ مجھے بھی کوئی علاج بتائیں تاکہ میں صاحب اولاد ہوسکوں۔

محترمہ آپ Ashoka Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں، یہ دوا آپ کے شہر میں کسی بھی ہومیو پیتھک اسٹور سے مل جائے گی۔

دانیال اکرم، صادق آباد سے لکھتے ہیں کہ پہلا مسئلہ شائع کئے بغیر جواب دیں اور دوسرا مسئلہ میرے بال بہت گرتے ہیں کیا میں Hair Grower استعمال کرسکتا ہوں، کیا یہ کراچی سے ہی ملتا ہے؟

محترم آپ Staphisagaria 30 کے 10 قطرے ایک گھونٹ پانی میں دن میں تین بار پئیں اور اپنے بالوں کیلئے ہمارے کلینک کے پتے پر مبلغ =/700 روپے کا منی آرڈر بھیج دیں، ایک بوتل Hair Grower آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔

منی آرڈر کرنے کا پتا

ہومیوڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک

ایڈریس: دوکان نمبر C - 5، کے ڈی اے فلیٹس، فیز 4، شادمان ٹاؤن نمبر 2، سیکٹر B - 14، نارتھ کراچی۔75850 فون نمبر 021-36997059

صبح 10 تا 1 بجے، شام 6 تا 9 بجے۔

خط لکھنے کا پتا

آپ کی صحت ماہنامہ آنچل کراچی پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی۔

کام کی باتیں

حنا احمد

سر کے درد کی وجوہات

بعض لوگ اکثر سر درد دور کرنے کے لیے اسپرین' پیناڈول اور پونستان کے علاوہ دیگر دوائیں بھی اپنے طور پر استعمال کرتے رہتے ہیں اور اگر ان سے بھی افاقہ نہ ہو تو پھر ڈاکٹر سے رجوع کرتے ہیں۔ سر درد کے پوشیدہ اسباب کی تشخیص اور پھر اس کا علاج کوئی آسان کام نہیں ہے۔ سر میں درد کی بے شمار وجوہات ہوسکتی ہیں جن میں سے ایک سبب سر درد کی شدت کو کم کرنے یا روکنے کے لیے دواؤں کا اندھا دھند استعمال بھی ہے۔ سر درد کی مناسب تشخیص اور علاج کے لیے کسی ایسے تربیت یافتہ اور ماہر معالج سے رجوع کرنا چاہیے جسے پرانے قسم کے اور مسلسل سر درد کی تشخیص اور علاج کا وسیع تجربہ حاصل ہو۔

اگرچہ زیادہ تر سر درد کی شکایتیں عارضی نوعیت کی اور زیادہ خطرناک نہیں ہوتی ہیں لیکن ان کی وجہ سے روزمرہ زندگی کے معمولات بری طرح متاثر ہوتے ہیں اور زندگی کا معیار گھٹ سکتا ہے۔

سر درد دور کرنے کے لیے اگر آزمودہ گولیوں سے افاقہ نہ ہو تو پھر مجبوراً جب مریض ڈاکٹر کے پاس پہنچتا ہے تو وہاں سر درد کی اصل وجہ کا سراغ لگانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ڈاکٹر حضرات مرض کی تہہ تک پہنچنے کے لیے جب مریض سے مختلف سوالات کرتے ہیں۔ مریض کو چاہیے کہ وہ کم از کم دو ہفتوں کے دوران سر درد کی شکایتوں کی تفصیل سے اپنے معالج کو آگاہ کرے اس ضمن میں جو سوالات پوچھے جاسکتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

❖ سر کا درد کتنی دیر تک برقرار رہتا ہے؟ (منٹ' گھنٹے' دن) اور کیا روزانہ سر میں درد ہوتا ہے یا ہفتے کے بیشتر دنوں میں یہ شکایت ہوتی ہے؟

❖ کیا کسی چیز سے سر درد کو تحریک ملتی ہے؟ (مثلاً نمکین غذا' مخصوص خوشبو یا مہک' نیند کی کمی' ذہنی دباؤ)

❖ کس چیز سے آرام ملتا ہے؟ (نیند' تاریک کمرا' دوائیں' ذہنی دباؤ میں کمی یا اور کوئی دوسری چیز)

❖ جب سر میں درد ہوتا ہے تو کیا اس وقت یا اس سے پہلے نظر میں کوئی تبدیلی محسوس ہوتی ہے مثلاً مناظر دھندلے نظر آتے ہیں یا ایک کی جگہ دو شکلیں نظر آتی ہیں یا الٹی یا متلی محسوس ہوتی ہے یا روشنی اچھی نہیں لگتی؟

❖ کیا سر کا درد سر کے ایک حصے میں یا دونوں حصوں میں محسوس ہوتا ہے؟

❖ جب سر میں درد ہوتا ہے تو کیا اس وقت آپ کے جسم کے کسی حصے میں جھنجھلاہٹ ہوتی ہے یا وہ سن ہوجاتا ہے؟

❖ کیا آپ کو پہلے بخار تھا یا اس وقت ہے؟

❖ سر درد کی شکایت کس عمر میں شروع ہوئی اور کیا موجودہ درد سابقہ تجربات سے مختلف لگتا ہے؟

❖ کیا آپ کے خاندان میں کسی اور کو بھی آدھے سر کے درد یا ٹینشن کی وجہ سے سر درد کی شکایت ہوتی ہے؟

❖ دن بھر میں آپ کتنی کیفین لیتے ہیں (چائے کافی پیتے ہیں)

❖ پسندیدہ غذائیں کون سی ہیں اور نیند کس طرح کی آتی ہے؟ (نیند میں خراٹے لیتے ہیں یا نیند پوری نہ ہونے سے تھکاوٹ محسوس کرتے ہیں)

❖ کیا رات کو نیند میں آپ دانت پیستے ہیں یا کھانا چباتے ہوئے سر میں درد محسوس کرتے ہیں۔

❖ کیا کبھی آپ کی گردن یا سر پر چوٹ لگی تھی؟

❖ جب آپ کھڑے ہوتے یا لیٹتے ہیں تو کیا اس وقت سر کا درد بڑھ جاتا ہے؟

❖ اگر آپ خاتون ہیں تو کیا ایام کے دوران یا اس کے بعد سر میں درد ہوتا ہے؟

سر درد کے عمومی اسباب

اگر سر کا درد طویل عرصے تک برقرار رہے تو یقیناً یہ ایک قابل تشویش بات ہے اگرچہ ایسا کم ہوتا ہے لیکن بعض اوقات سر کا درد سنگین طبی مسائل کی نشاندہی کرسکتا ہے۔ معالجین عموماً اس قسم کے درد کو درج ذیل دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

ابتدائی...... آدھے سر کا درد شقیقہ ایک آنکھ سمیت سر کا درد' ذہنی دباؤ سے ہونے والا درد یا کسی اور وجہ سے ہونے والا درد۔

ثانوی سر درد وہ ہوتا ہے جس میں کسی دیگر عارضے یا طبی

خرابی کی وجہ سے درد محسوس ہو مثلاً کسی انفیکشن (گردن توڑ بخار) یا رسولی یا دماغ کے اندر خون کے رساؤ، سر میں چوٹ لگنے کنپٹی کے اندر واقع شریانوں کی سوزش جو عموماً پچاس سال یا اس سے زیادہ عمر کی لوگوں میں ہوتی ہے۔ بے قابو ہائی بلڈ پریشر کی خرابیوں، دانتوں کی تکلیف اور اعصابی نقائص کی وجہ سے بھی سر میں درد محسوس ہوسکتا ہے۔

سر میں درد کی شکایت کرنے والے مریضوں سے ان کے معالجین یہ بھی جاننا چاہیں گے کہ وہ اس درد کو دور کرنے کے لیے عموماً کس قسم کی دوائیں کتنی مقدار میں استعمال کرتے رہتے ہیں۔ یہ جاننا اس لیے ضروری ہے کہ بعض اوقات ان دواؤں کے زیادہ استعمال سے بھی سر میں درد ہونے لگتا ہے۔ علاج شروع کرنے سے پہلے ڈاکٹر مریض کا مکمل جسمانی معائنہ کرسکتا ہے، خاص طور پر دوران خون اور اعصابی نظام کے کام کرنے پر خصوصی توجہ دی جاسکتی ہے۔ بلڈ ٹیسٹ یہ جاننے کے لیے کیا جاسکتا ہے کہ مریض کسی انفیکشن یا بیماری میں مبتلا تو نہیں ہے۔ علاوہ ازیں سر کی سی ٹی اسکیننگ یا ایم آر آئی بھی کروائی جاسکتی ہے۔ اگر کنپٹی کی شریانوں میں کسی نقص کا اندیشہ ہو تو اس کی بایوپسی کروائی جاسکتی ہے اگر سر درد کی وجہ گردن توڑ بخار محسوس ہو تو حقیقت حال جاننے کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی رطوبت بھی جانچی جاسکتی ہے۔ تشخیص مکمل ہونے کے بعد سر درد کی شدت اور اس کے لوٹ کر دوبارہ آنے سے بچانے کے لیے علاج تجویز کیا جاسکتا ہے۔

زیتون کا تیل:۔

اسے آپ آئی میک اپ ریموور کے طور پر استعمال کرسکتی ہیں، یہ بہت آسان ہے اور قدرتی بھی، اس سے پلکوں کا میک اپ اتر جاتا ہے اور ان کو جلا بھی ملتی ہے۔

ویسلین:۔

روایتی طور پر اسے موئسچرائزر کے لیے استعمال کیا جاتا ہے مگر اسے آپ آئی میک ریموور کے طور پر بھی استعمال کرسکتی ہیں۔ زیتون کے تیل کی طرح یہ بھی کم خرچ بالانشین ہے اور آسانی سے گھر پر ہی استعمال کرکے آئی میک اپ صاف کیا جاسکتا ہے۔

ہدایات:۔

انگلیوں کی مدد سے آنکھوں کے میک اپ پر ویسلین کو لگایا جائے اور میک اپ اتار لیا جائے بعد میں گرم پانی میں کپڑا گیلا کرکے صاف کرلیا جائے۔

موئسچرائزنگ کریم:۔

موئسچرائزر اور کولڈ کریم کی بہت ساری اقسام ہیں یہ دونوں بہترین آئی میک اپ ریموور ثابت ہوسکتی ہیں۔ ان کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ یہ مطلوبہ حصے کی جلد کو کنڈیشن میں بھی لے آتی ہیں۔

ہدایات:۔

آئی میک اپ ایریا پر انگلیوں کی مدد سے اسے لگائیں بعد میں ٹشو سے صاف کرلیں۔

تولیہ:۔

بازار میں ایسے تولیے دستیاب ہیں جن کو آئی میک اپ ریموور ٹاول کہا جاتا ہے اور جن کو استعمال کرنے کے بعد پھینک دیا جاتا ہے۔ یہ بہت کارآمد ہیں اور ان سے فٹافٹ کام ہوجاتا ہے کیونکہ ان کے ساتھ کسی اور چیز کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔

ہدایات:۔

یہ تولیے پہلے سے موئسچرائزڈ ہوتے ہیں بس ان کے ذریعے میک اپ کو پونچھ لیں اور کام ہوگیا۔

بے بی شیمپو:۔

بے بی شیمپو اور بے بی آئل یہ دونوں بہترین آئی میک اپ ریموور ہیں، یہ نرم ہوتے ہیں لہٰذا جلد کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا ہے اور آسانی سے میک اپ اتر جاتا ہے اور پلکوں کو کنڈیشننگ بھی مل جاتی ہے۔

ہدایات:۔

بے بی شیمپو بے آئل میں کاٹن بال بھگو کر آئی میک اپ ایریا میں لگائیں بعد میں نیم گرم پانی سے اس حصہ کو اچھی طرح دھولیں۔

کوثر ناز.....ملتان